خلافت راشدہ رضی اللہ عنہم کا تاریخی جغرافیہ

اخلاق احمد قادری

Marfat.com

تاریخ اسلام کے سب سے درخشاں عہد

پہلی صدی ہجری کے دنیائے اسلام اور اس کا تاریخ وجغرافیہ

بعد کے زمانوں کے سیاق وسباق کے ساتھ

خلافت راشدہ رضی اللہ عنہم

کا

تاریخی جغرافیہ

اخلاق احمد قادری

نذیر سنز پبلشرز

40اے اردو بازار لاہور فون:042-37123219

info@nazeersons.com

Marfat.com

بانیِ ادارہ: نذیر سنز پبلشرز

والد محترم نذیر حسین 1941 - 2005

اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین

297.92
ح 3191
117982

2014

تحسین حسین، محمد شہزاد، محمد عمران

نے نذیر سنز پبلشرز لاہور سے شائع کی

گنج شکر پرنٹرز۔ لاہور

نذیر سنز پبلشرز

40اے اردو بازار لاہور فون: 042-37123219

info@nazeersons.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شرف انتساب

حسن مجسم، مدبر اعظم

شرف انسانیت کی معراج، امام الانبیاء
مخزن علم وحکمت، رسالت مآب

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے حضور میں پیش کرتا ہوں جن کے اسم مبارک سے پورے عالم میں آج بھی اُجالا ہے اور جنؐ کے نائبین ہی خلفائے راشدین ہیں جو خود بھی منبع ہدایت ہیں اور ستاروں کی مانند روشن جن کی عظمت وروشنی سے مشرق وسطیٰ اور اسوقت کی معلوم دنیا سے تاریکی وظلمت کے بادل چھٹ گئے تھے۔

Marfat.com

فہرست

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
پیش لفظ	13	خانہ کعبہ	44
عہد خلافت راشدہ	14	چار مصلے دیگر تاریخی آثار	45
جزیرہ نما عرب	15	جنت المعلیٰ	47
ارضی ساخت	16	برصغیر اور مکہ	48
آب وہوا	17	میدان عرفات	48
ریگستان وصحرا	18	الطائف	49
نخلستان، نباتات، حیوانات	21	حنین	52
نسلیات عرب اور وجہ تسمیہ	25	عکاظ	55
عہد راشد میں جزیرہ نما کی سیاسی تقسیم	25	جدہ	56
عہد راشدہ میں جزیرہ نما		بحیرہ احمر	59
کی سیاسی تقسیم	29	المدینہ المنورہ	61
مکہ المکرمہ	32	مدینہ منورہ کا محل وقوع	61
محفل وقوع	32	مدینہ منورہ کی آب وہوا	61
آب وہوا	32	مدینہ منورہ کے یہود	63
المسجد الحرام	33	عہد اسلام	64
رسم ورواج	34	مدینہ منورہ، عہد بہ عہد	68
عہد اسلام	35	عہد راشدہ میں	68
مکہ المکرمہ	38	مرکز تعلیم وارشاد	69
خلافت عباسیہ	39	خلافت بنوامیہ	70
عہد وسطیٰ	41	انقلاب مدینہ	70
عصر جدید	42	خلافت عباسیہ	71
مکہ معظمہ کے تاریخی آثار	44	دولت فاطمیہ	72

Marfat.com

واقعہ خسف	72	محراب الشیخ یا محراب سلیمانی	89
سلطان نورالدین زنگی	74	عہد راشدہ میں مسجد نبویؐ کے اردگرد	
روضہ اطہر میں نقب زنی کی سازش	74	مکانات صحابہؓ	90
گنبد خضریٰ	77	حجرات شریفہ	90
عصر جدید	77	محل وقوع	90
تاریخی آثار مدینہ منورہ	79	مکانات صحابہ کرامؓ	93
مسجد نبویؐ شریف	79	حضرت ابوایوبؓ انصاری کا مکان	93
پہلی توسیع	80	مکان حضرت حارثہ بن نعمانؓ انصاری	94
توسیع دوم	81	کوچہ حبشہ	95
توسیع خلیفہ ولید بن عبدالملک	81	دار ابراہیم بن ہشام	96
توسیع خلیفہ مہدی عباسی	82	دار حضرت سعد بن ابی وقاصؓ	96
در و بام مسجد نبویؐ	84	حضرت عامرؓ بن عبداللہ کا مکان	96
اسطوانہ سیدہ عائشہؓ	84	دار جعفر بن ابی طالبؓ	97
اسطوانہ الوفود	84	دار حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ	97
اسطوانہ السریر	84	دار حضرت عبداللہ بن عمرؓ	99
اسطوانہ الحرس	84	دار مروان بن حکم	100
اسطوانہ المخلقہ	84	مشرقی مکانات	101
اسطوانہ ابی لبابہ	85	دار حضرت عثمان غنیؓ	101
باب جبرائیل	86	دار کبریٰ	101
باب الرحمتہ	86	دار صغریٰ عثمانؓ	102
باب السلام	86	دار فاطمہ علیؓ	102
باب النساء	86	کوچہ بقیع شریف	103
خوخہ سیدنا ابی بکر	87	دار ابی بکرؓ	103
مقام صفہ	87	دار جبلہ بن عمرو انصاریؓ	104
مسجد نبوی کے بیس دروازے	88	دار ریطہ بنت عباس	105
محراب تہجد	89	دار حضرت خالدؓ بن ولید	105

Marfat.com

دار حضرت عمروؓ بن العاص	106
زقاق المناصع	106
شمالی سمت کے مکانات	106
دار حضرت ملیکہؓ بنت خارجہ	107
حضرت ابو طلحہؓ اور باغ بیرحا	108
باغ بیرحا	108
دار مخرمہؓ بن نوفل	108
دار حضرت عبداللہ بن مسعودؓ	109
دار ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ	109
دار حضرت عبداللہ بن جعفر	110
دار حضرت زبیرؓ بن عوام	111
زقاق القیاشین	111
دار سکینہ بنت الحسینؓ	112
دار حضرت تمیم داریؓ	112
دار حضرت حسان بن ثابت	113
دار حضرت عاتکہ بنت عبداللہ	114
دار حضرت نعیم بن عبداللہ	114
حضرت عمرؓ کا دار القضاء	114
دار حضرت ابوبکرؓ غربی	115
دار حضرت امیر معاویہؓ	116
دار عمار بن یاسرؓ	117
دار حضرت ابوسرہ بن ابی رہمؓ	117
دار حضرت ابوسفیانؓ	117
مسجد نبوی کے گرد چند تاریخی عمارات	118
سقیفہ بنوساعدہ	118
جائے وقوع	119

جنازگاہ	120
جنازگاہ میں سنگ ساری	121
مسجد نبویؐ حادثات اور تعمیر نو	121
گنبد الخضراء	122
جنت البقیع	124
احد	125
مسجد قبا	126
مسجد القبلتین	126
کتب خانے	127
مکتبہ المصحف	128
مدینہ منورہ کی قدیم تعمیرات	129
حصون یثرب	129
الجوانیہ اور قلعہ بنو حارثہ	129
یلیان عین فاطمہ	131
المدشونیہ	131
قلعہ بنی عبید	131
نبی ماسکہ کے قلعے	131
حصون اہل عباس	131
قلعہ بنی قینقاع	131
قلعہ بشر	131
قلعہ الابعش	131
قلعہ الحیم بالعصبہ	132
قلعہ ویرہ بن ثعلبہ	132
حصون بنی نضیر	132
حصون صفی الاشیفی	132
حصن الارزق	132

Marfat.com

قلعہ النواعم	132	وادی قناۃ	140
حصن بنی رزیق	132	جبل الحرم نبوی شریف	140
حصن المز ولف	133	جبل الصہوہ	141
قلعہ الاضبط	133	جبل حبشہ	141
حصن المجدل	133	میدان مقام بدر	142
حصون الدرع	133	جنگ بدر	143
حصن الاشف	133	خیبر	145
حصن مالک بن عجلان	133	ام المومنین حضرت صفیہؓ	150
حصن زیدان	133	زہر خورانی کی سازش	151
قلعہ شاس	133	فدک	152
قلعہ الشجرہ	134	اختلاف رائے	153
قلعہ الشماح	134	فدک کی آل فاطمہؓ کو واپسی	155
قلعہ الشماح	134	وادی القریٰ	156
قلعہ العقرب	134	تیماء	157
قلعہ حشان	134	الحجر یا مدائن صالحؑ	159
قلعہ القرط	134	تبوک	161
قلعہ المدینہ	135	دومۃ الجندل	163
قلعہ فویرع	135	غزوات	164
قلعہ عاصم	135	تاریخ اسلام کے نزاعات	164
یثرب کی وادیاں	136	عصر حاضر	166
وادی عقیق	136	تہامہ	167
مسجد ذوالحلیفہ اور مسجد معرس	137	حجاز اور تہامہ کی وادیاں	168
وادی بطحان	138	نجران	169
وادی رانونا	138	نجد	174
وادی مذینیب	139	الرجیع	179
وادی مہزور	139	بیئر معونہ	182

Marfat.com

الیمامہ	184	الشام	209
الابواء	186	دمشق کی وادیوں کے سائے میں	201
بواط اور غزوہ بواط	187	معرکہ یرموک	211
بئر ام معبد	187	طاعون عمواس	211
عسفان	187	حضرت علیؓ اور معاویہؓ میں تصادم	211
مرالظہران	188	عہد بنوامیہ اور سانحہ کربلا	212
وادی الرمہ اور اصحاب الرس	188	عباسی اور فاطمی عہد	212
عمان	189	مرکز حکومت کی دوبارہ دمشق منتقلی	213
اہم زرعی پیداوار	189	دمشق	215
عہد راشدہ میں	190	فتح اسلامی	216
الیمن	191	عہد بنوامیہ	217
محل وقوع	191	تاریخی آثار دمشق	218
اسلامی عہد	192	غازی صلاح الدین کا مقبرہ	218
حضرموت	196	تاریخ آثار دمشق	218
صنعا	197	سیدہ زینبؓ کا مزار اقدس	219
آب وہوا	197	کنیسہ سلیمانیہ	219
قصر خمدان	198	دمشق کا قلعہ اور بازار	219
قصہ باغ فروان والوں کا	198	محل اعظم	220
الاسود العنسی اور صفا میں فتنہ ارتداد	199	عصر حاضر	220
مآرب	202	الرصافہ	221
عرش بلقیس	202	اجنادین	223
سد مآرب	204	الیرموک	224
قوم سبا کے باغات اور سیل عرم	205	حلب	226
محرم بلقیس	206	عرب فتح	227
العمید	207	عمارتی تاریخ	227
رومی حملہ	207	قلعہ	228

Marfat.com

جامع مسجد	229
حمص	229
آب وہوا	230
مرج الصفر	232
مرعش	233
ارض فلسطین	234
قدیم تاریخ	236
عصر حاضر	236
بیت المقدس	237
بخت نصر اور ہیکل کی تباہی	237
ہیکل کی تعمیر نو	238
ثانوی تباہی	238
یروشلم اسلام کی پناہ میں	240
صلاح الدین ایوبی	242
محل وقوع القدس	244
القدس کے تاریخی آثار	244
مسجد عمرؓ	244
حضرت مریمؑ کا مقبرہ	245
کوہ زیتون	245
قبۃ الصخرہ اور مسجد اقصیٰ	245
الخلیل	246
عین الجالوت	248
الاردن	249
واقعہ یوم نخل	249
طبریہ	250
صور	251
صیدا	251
عکہ	252
بیسان	253
دریائے اردن	255
عمان	256
جرش	257
موتہ	258
قبرص	259
محل وقوع	259
آب وہوا	259
تاریخ	259
لیماسول، فلاگوستا، نکوسیا۔ لارنقہ	263
مصر محل وقوع	264
مسلمانوں کی آمد	265
اسلامی عہد	266
اسلامی فتح مصر	266
مصر کا عصر جدید	268
دریائے نیل	271
بابلیون	274
عین الشمس	276
الفسطاط	277
اسکندریہ	279
حلوان	281
اسیوط	282
اسوان	283
پورٹ سعید	284

Marfat.com

دمیاط	284	نصیبین	305
القاہرہ	285	دیار بکر	307
فاطمی شہر القاہرہ	285	یادگاریں	307
جامع الازہر	286	دیر الاعور	308
قاہرہ کی وجہ تسمیہ	286	صفین	308
القاہرہ کے تاریخی آثار	287	کربلائے معلیٰ	310
جامع ابن طولون	287	عہد اسلام میں	310
جامع الحاکم	287	الکوفہ	312
جامع الاقمر	288	عہد راشدہ میں	313
قلعہ صلاح الدین ایوبی	288	سانحہ کربلا میں اہل کوفہ کا کردار	314
مقبرہ امام شافعیؒ	289	البصرہ	316
قاہرہ کے محلات	289	جنگ جمل	318
عبدین محل	289	بغداد	321
اہرام مصر	289	تاریخ	321
عراق	290	قصر شاہی اور اس کا گنبد	322
تاریخ قدیم	291	جامع مسجد	322
مسلمان عراق میں	291	بیت الحکمت	322
دریائے فرات	294	بیمارستان	323
دریائے دجلہ	296	شورش پسندی	323
القادسیہ	298	فتنہ و فسادات	324
محل وقوع	298	بغداد کے عیار	324
الحیرہ	300	سقوط بغداد	325
حضرت خالد کا حملہ	301	اربیل	326
کسکر	302	کرکوک	328
المدائن	302	بابل	329
طاق کسریٰ یا ایوان کسریٰ	304	الجزیرہ	331

Marfat.com

تکریت	332	سیرجان	357
الموصل	333	بم	357
النجف اشرف	336	نرماسیر	358
تعمیر مزار	336	جیرفت	358
سامرا	337	جبال	360
عین التمر	338	اصفہان	360
ایران	340	آثار صنادید	361
محل وقوع	340	کاشان	362
حماس ملی	341	قم	363
الاہواز	343	ساوہ	365
آذربائیجان	345	رے	366
عرب فتح	345	تہران	368
تبریز	348	آب وہوا	368
زلزلے	349	آثار و تعمیرات	369
مسلم عرب عہد میں	350	قزوین	370
تاتار حملہ	350	ہمدان	371
آثار قدیمہ	351	رام ہرمز	371
مراغہ	351	جندے شاپور	372
عرب عہد	351	فارس	373
مغول عہد	352	اصطخر	373
اردبیل	353	شیراز	376
فیروز آباد	354	آثار و عمارات	377
کرمان	355	خراسان	378
تاریخ	355	نیشاپور	378
عہد راشدہ 640 سے 750	356	مشہد مقدس	381
بنو عباسیہ	357	طوس	384

Marfat.com

مرو	385	نخشب	416
ہرات	386	بخارا	417
بلخ	388	عرب عہد	417
آثار واحوال	390	کش	420
مزار شریف	392	آثار قدیمہ	420
سیستان	392	خوارزم	421
زرنج	392	کاث	421
جوین	394	جرجانیہ	422
غزنہ یا غزنیں	394	خیوہ	423
زابلستان	395	ہزار اسپ	424
گیلان	396	فرغانہ	425
رشت	396	اوش	427
طبرستان یا مازندران	399	مرغینان	428
تاریخی ادوار	399	خوقند	428
جرجان	401	چغانیاں	429
دیلم	402	مکران وسندھ	432
دیلم اور عرب	403	عرب حملے	432
گرجستان	404	سرزمین	433
آرمینیا	406	شہر	433
جھیل وان	409	بھنبھور	434
اخلاط	409	دیبل	434
ارجیش	410	المنصورہ	435
ماوراء النہر اور دریائے جیحون	412	دریائے سندھ	435
آکسس اور جیکارٹیس۔ سغد	413	طوران	436
سمرقند	414	اسکلندہ	436
عرب عہد میں سمرقند	414	سکہ	436
تعمیرات	415	ملتان	437

Marfat.com

پیش لفظ

ایک مورخ نے لکھا تھا کہ اگر تاریخ اسلام کو فی الحقیقت دلچسپ پیرائے میں بیان کرنا ہو اور یہ بھی منشا ہو کہ اسلامی تاریخ قارئین کو صحیح طور پر سمجھ آئے تو پھر یہ لازم ہے کہ تاریخ کو جغرافیہ کے امتزاج کے ساتھ تاریخی جغرافیہ طور پر بغور تحقیق سپرد قلم کیا جائے۔ اسی وجہ سے میری یہ آرزو رہی ہے کہ تاریخی جغرافیہ کے میدان میں پیش رفت ہو۔ تاریخ کو سمجھنے کے لئے جغرافیہ کو سمجھنا ضروری ہے۔ اسی وجہ سے تاریخ کی ہر کتاب میں جس علاقے کی تاریخ رقم کرنا منظور ہوتی ہے پہلے اس کے جغرافیائی حالات بیان کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح علم طبقات الارض کے مطالعہ سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ہماری زمین کے مختلف حصے کس کس زمانہ میں کن کن حالات سے گزر چکے ہیں۔ پھر ان کیفیات کی مدد سے یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ ان حالات یا تبدیلیوں نے انسان کی زندگی، اس کے طرز عمل اور اس کے سوانح حیات پر کیا اثر ڈالا ہے اور کیونکر وہ تمام تغیرات پیدا ہوئے جن کا علم ہم علم التاریخ کے مطالعے سے حاصل ہوتا ہے۔

یہ وہ مقام ہے جہاں جغرافیہ اور تاریخ ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں اور اس قول میں شاید ہی کسی کو شک ہو کہ کسی قسم کی تاریخ کا مطالعہ ہرگز مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس خطہ زمین کے جغرافیہ کا علم بھی پوری طرح حاصل نہیں کیا جائے، جس سے اس قوم کا تعلق ہو۔

تاریخ اسلام کا ابتدائی درخشاں عہد، عہد خلافت راشدہ ہے۔ اس درخشاں عہد کی تاریخ کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔ عہد خلافت راشدہ کی تاریخ کے مطالعہ کی تکمیل کا خیال ہی اس کتاب کے لکھے جانے کا محرک ہے۔ میں تاریخ کے ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے تاریخ اسلام کے اس اہم حصہ کو اس عہد کے تاریخی جغرافیہ کے تناظر میں پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ یقیناً اس بات کو دُہرانے کی یہاں ہرگز ضرورت نہیں کہ تاریخ اسلام کے اس درخشاں عہد کی تاریخ کو دلچسپ بنانے کے لئے نہ صرف مشرق وسطیٰ کی جغرافیائی کیفیات کو جاننا ضروری ہے بلکہ ہر اس خطے کی بھی جو اس عہد میں پیش آنے والی جغرافیائی کیفیات کو بھی جاننا ضروری ہے جو اس زمانے میں خلافت راشدہ کے زیر نگیں آیا۔ اخلاق احمد قادری ملتان

Marfat.com

عہد خلافت راشدہ

Islamic leadership is called Khilafat e Rashda

اسلام نے جو اصول حکمرانی بیان کئے ہیں۔ نبی ﷺ کے بعد اسلامی معاشرے میں جو حکومت قائم ہوئی وہ انہیں اصولوں پر قائم ہوئی تھی جو اسلام نے بنائے تھے۔ اسی حکومت کو تاریخ اسلام میں عہد خلافت راشدہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسلامی معاشرہ جو آنحضرت کی براہ راست تعلیمات اور عملی راہنمائی سے وجود میں آیا تھا۔ اس معاشرے کا ہر فرد جانتا تھا اسلام کے احکامات اور اس کی روح کے مطابق کس قسم کا نظام حکومت وجود میں آنا چاہیے۔ اگرچہ آنحضرتؐ نے اپنی جانشینی کے بارے میں نہ تو کوئی فیصلہ کیا تھا اور نہ ہی کوئی نظام جانشینی وضع کیا تھا مگر مسلم معاشرے نے ازخود یہ جان لیا تھا کہ اسلام ایک شورائی خلافت کا تقاضا کرتا ہے۔ یوں آنحضرتؐ کے بعد ان کے چار اصحاب کو لوگ اپنی مرضی سے خلیفہ منتخب کرتے چلے گئے۔ اسی خلافت کو مورخین نے عہد خلافت راشدہ کا نام دیا ہے۔ اسی طرز خلافت سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ میں خلافت کا صحیح طرز یہی ہے۔

منصب خلیفہ یا خلیفہ کے معنی ہیں پیچھے آنے والا، یعنی نائب، جانشین یا قائم مقام، آنحضرتؐ کے وصال کے بعد ملت اسلامیہ کی سربراہی کے لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ منتخب ہوئے جن کا لقب ''خلیفۃ الرسول'' تھا کیونکہ وہ رسول اللہ کے جانشین تھے۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ فاروق نے یہ منصب سنبھالا تو ان کے لئے ''امیر المومنین'' کا لقب تجویز ہوا۔ پھر عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ یکے بعد دیگرے اس منصب کے لئے منتخب کئے گئے۔ یہ چاروں بزرگ ''خلفائے راشدین'' کہلاتے ہیں اور ان کا زمانہ خلافت عہد خلافت راشدہ۔ مورخین کے نزدیک حضرت امام حسنؓ کی چند ماہ کی خلافت بھی عہد خلافت راشدہ کا حصہ تھی۔

Marfat.com

جزیرہ نما عرب

محل وقوع:

مغربی ایشیا میں خلیج فارس کے جنوب مغرب میں ایک بڑا سا مستطیل نما جزیرہ نما واقع ہے جو جزیرہ نما عرب کہلاتا ہے۔ اس کے تین اطراف میں سمندر یعنی مغرب میں بحیرہ احمر، جنوب اور جنوب مشرق میں بحیرہ عرب واقع ہے۔ صرف چوتھی سمت یعنی شمال مغرب میں یہ جزیرہ نما براعظم افریقہ سے جڑا ہوا ہے یعنی خشکی سے منسلک ہے۔ اس پر آج کل کافی ممالک آباد ہیں۔ جزیرہ نما عرب کے مشرق میں خلیج فارس اور خلیج عمان سے ایران سے الگ کرتی ہیں۔ جزیرہ نما کی شمالی سمت کے بارے میں خود عربوں کے ہاں اکثر اختلاف رہا ہے کہ سرزمین عرب کہاں ختم ہوتی ہے اور شام کہاں سے شروع ہوتا ہے۔ شمال کی سمت میں صحرائے اعظم نفوذ سے ایک وسیع ہموار اور چٹیل میدان پھیلا ہوا ہے جس میں کوئی ایسا نمایاں جغرافیائی خدوخال موجود نہیں جسے جزیرہ نماء کی حد قرار دیا جاسکے۔ کئی جغرافیہ دانوں نے جزیرہ نما عرب کو صرف ان سرحدوں تک پھیلا ہوا تسلیم کیا ہے جو سعودی عرب اور کویت کو اردن اور عراق سے جدا کرتین ہیں۔ اگر چہ یہ سرحدیں محض مصنوعی سیاسی تصورات کی نمائندگی کرتی ہین۔ اس یقین کی رو سے جزیرہ نما کا انتہائی شمالی نقطہ عنازہ قرار پاتا ہے، یعنی وہ نیچی سطح مرتفع جو یروشلم یا عمان دونوں سے دور تر شمال میں واقع ہے۔

سرزمین عرب جو ایشیا اور افریقہ کے درمیان واقع ہے۔ اتنی وسیع اور اپنی خصوصیات میں اس حد تک منفرد ہے کہ اگر اسے ایک برصغیر قرار دیا جائے تو محققین کے نزدیک جائز ہوگا۔ اس سرزمین کو عموماً براعظم ایشیا کا حصہ سمجھا جاتا ہے، لیکن سینا کے ذریعے جو اگر چہ سیاسی طور پر مصر کا ایک جزو ہے، تاہم اپنے طبعی ماحول اور اپنی انسانی زندگی کی نوعیت کے لحاظ سے عرب کے قریب تر ہے۔ یہ براعظم افریقہ سے بھی ملا ہوا ہے۔ اسلام کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے مغربی عرب کو ایک منفرد مقام حاصل ہے، اس لئے کہ یہی وہ سرزمین ہے جہاں پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ پیدا ہوئے، جہاں آپؐ نے زندگی بسر کی اور خدا کا پیغام عرب کے لوگوں تک پہنچایا۔ جہاں آپؐ

Marfat.com

نے وفات پائی۔ روضہ اقدس سرزمین عرب کے شہر مدینہ منورہ میں واقع ہے جہاں ہر سال لاکھوں مسلمان حج اور عمرہ کے موقع پر حاضر ہوتے ہیں۔

ارضی ساخت:

ارضی ساخت کے اعتبار سے جزیرہ نما عرب کے دو بڑے حصے ہیں، مغرب میں آتش فشاں اور تبدیل شدہ ہیئت کی چٹانوں والا ڈھال نما علاقہ اور زمانہ حال کے دردی علاقے جو اس ڈھال نما علاقہ سے ہٹ کر شمال مشرق، مشرق اور جنوب مشرق کی سمت میں نیچے ہوتے ہوئے اس وسیع طاس سے جا ملتے ہیں جو عراق عرب، خلیج فارس اور الربع الخالی کے مشرقی حصے پر مشتمل ہے۔ عرب کا یہ ڈھال نما علاقہ درحقیقت عرب۔ نوبہ ڈھال کا محض مشرقی حصہ ہے جو تہ دار زمینی چٹانوں، سبز پتھر، پرت دار پتھر، برق وغیرہ کا ایک بہت بڑا تودہ ہے۔ جو اوپر کو ابھر آتی ہیں اور جن سے اس سرزمین پر دشوار گزار اور چٹیل پہاڑ بن گئے ہیں۔ یہ پورا تودہ ان کٹی پھٹی وادیوں کے ذریعے جو بحر مردار سے جنوب کی سمت اور بحیرہ الاحمر کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلی گئی ہیں، دو حصوں میں منقسم ہو جاتا ہے۔ انہیں عربی حصے کی قدیم تر چٹانیں ابتدأ زیادہ پرانے عہد کی آتش فشاں سرگرمی کی نشاندہی کرتی ہیں، بحالیکہ زیادہ زمانہ حال کے آتش فشاں پہاڑوں نے اپنے گردوپیش کے علاقوں میں برکانی میدانوں کی ایک چادر بچھا دی ہے جو اکثر خاصے وسیع وعریض ہیں۔ برکانی اور متغیر ہیئت کی چٹانوں کے یہ حصے ممکن ہے کہ معدنیات اور قیمتی پتھروں سے مالا مال ہوں، لیکن عرب میں اب تک یہ چیزیں بہت تھوڑی مقدار میں دریافت ہوئی ہیں۔

طبیعی ماحول

ان پہاڑوں کی وادیاں جو بحر احمر کے متوازی چلے گئے ہیں، مغرب کی سمت ایک دم نیچی ہوتی ہوئی تہامہ کے ساحلی میدانوں سے جا ملتی ہیں۔ خلیج فارس کی جانب جو ہلکی سی مشرقی ڈھلان ہے۔ اس کے بیچ بیچ میں نجد کی پہاڑیاں، مثلاً طویق اور العرمہ، چلی جاتی ہیں جن کی سیدھی ڈھلانوں کا رخ مغرب کی سمت میں ہے اور جن کی پشتوں سے ڈھلان دوبارہ شروع ہو جاتی ہے۔ جزیرہ نما عرب کے زیادہ تر پہاڑی سلسلے اس کے مغرب میں واقع ہیں، لیکن سخت چٹانوں کا ایک سلسلہ خلیج فارس کے ساتھ ساتھ جنوب مشرق ساحل تک چلا گیا ہے۔

Marfat.com

دریاؤں کی عدم موجودگی:

جزیرہ نما عرب پر کوئی موسمی دریا موجود نہیں جو سارا سال جاری رہ سکے، تاہم موسمی ہواؤں کے منطقے میں موجود وادیوں (جنہیں جنوب مغربی عرب میں غیل کہتے ہیں) کے بعض حصوں میں پانی سال بھر دستیاب ہو سکتا ہے۔ ان وادیوں میں سے جو سمندر کی سمت میں بہتی ہیں بعض کا میٹھا پانی نمکین سے مل جاتا ہے۔ خشک منطقوں میں بھی کبھی کبھی بلند علاقوں سے بہہ کر پانی سیلاب کی شکل میں آجاتا ہے۔ یعنی ان ندی نالوں کے ذریعے جن میں بالعموم معدودے چند جوہڑ ہوتے ہیں یا وہ بھی نہیں۔ اس کی عمدہ مثال مکہ میں حرم پاک میں بارہا پہاڑوں کی بلندیوں سے بہہ کر آنے والا سیلاب ہے جس کا ذکر عموماً مکہ کی تاریخ میں ملتا ہے۔ اس سلسلے کا آخری سیلاب 1940ء کی دہائی میں آیا تھا جس سے صحن کعبہ نے کسی جھیل کی شکل اختیار کر لی تھی۔ اس آخری سیلاب کی تصاویر اب بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔

آب وہوا:

خط سرطان مدینہ اور مکہ کے الخرج اور الافلاج کے ضلعوں اور مسقط اور راس الحد کے درمیان جزیرہ نما عرب کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس خطے کے بیشتر حصے کی آب وہوا معتدل رہتی ہے۔ بلکہ جنوب میں بھی جہاں جزیرہ نما کا سرا 12 عرض البلد شمالی کے قریب پہنچ جاتا ہے، زیادہ تر علاقے کی بلندی ایسی ہے کہ وہ سخت گرمی سے محفوظ رہتا ہے۔ صرف وہ نشیبی علاقے جو بحیرہ احمر کے، خلیج عدن اور بحیرہ عرب کے بعض حصوں کے ساتھ واقع ہیں ایسے ہیں جن کی آب وہوا معتدل نہیں بلکہ نیم استوائی ہے۔

موسم کے متعلق اندراجات کو اگرچہ زمانہ حال میں بہت بہتر بنا دیا گیا مگر پھر بھی یہ عرب کے موسم کی مکمل اور مفصل تصویر پیش کرنے کے لئے ناکافی ہیں۔ موسم گرما کی حرارت سارے جزیرہ نما میں بہت شدید ہو جاتی اور گرم ترین مقامات پر درجہ حرارت 50 سینٹی گریڈ سے بڑھ جاتا ہے۔ اندرون ملک سے بعض حصوں کی خشکی وہاں کی گرمی کو ناقابل برداشت بنا دیتی ہیں، لیکن ساحلوں کے ساتھ ساتھ اور بعض جنوبی بلند علاقوں میں موسم گرما میں نمی بہت زیادہ اور مضمحل کر دینے والی ہوتی ہے۔

Marfat.com

کہر اور اوس مرطوب خطوں میں بہت عام ہیں، لیکن اندرون عرب میں سورج سال بھر چمکتا رہتا ہے اور محض کبھی کبھار آندھی یا زیادہ شاذ طور پر بارش کی وجہ سے چھپ جاتا ہے۔
اگرچہ اس طرح کی آب و ہوا کو روئے زمین پر بہتر نہیں کہا جا سکتا، تاہم عرب کی آب و ہوا کو اس کے استحقاق سے کہیں زیادہ شدومد کے ساتھ برا کہا جاتا ہے۔ خزاں اور بہار کے دنوں میں یہاں دن ٹھنڈے اور معتدل طور پر گرم ہوتے ہیں۔ جاڑے کا موسم قوت بخش طریقے سے پر ٹھنڈا ہوتا ہے اور سخت سردی صرف بلند ترین مقامات پر پڑتی ہے جہاں بعض چوٹیوں پر برف جم جاتی ہے اور دور شمال میں جہاں ہوائیں بہت سرد چلتی ہیں۔ بارش کی قلت کے سبب ہی جزیرہ نما عرب کا بیشتر حصہ ریگستان بن گیا اور ابھی تک بنا ہوا ہے۔ الربع الخالی (صحرا) کے بعض حصوں میں تو دس دس سال تک بارش نہیں ہوتی اور جزیرہ نما کے اور بہت سے حصوں میں سالانہ بارش کی اوسط مقدار اگر کبھی 150 ملی میٹر سے زیادہ ہو تو ایسا شاذ ہی ہوتا ہے۔ جب کبھی صحرا میں بارش ہوتی ہے تو وہ موسلا دھار بارش کی شکل اختیار کر لیتی ہے جس سے اتنی رطوبت ہو جاتی ہے کہ زمین پر جنگلی پھولوں کا بچھونا بچھ جاتا ہے۔ خشک سالی کے ادوار بعض مرتبہ کئی کئی سال تک چلتے ہیں اور عرب باشندوں کے لئے مصیبت بلکہ موت اور ہلاکت کا سبب بن جاتے ہیں۔ ایسے موسموں میں بعض لوگوں کو مجبوراً ترک وطن کرنا پڑتا ہے۔

ریگستان اور صحرا:

ریت کے ٹیلے ستارے، گنبد یا ہلال کی شکل کے ہو سکتے ہیں۔ جو ٹیلے بناتات سے معرا ہیں انہیں عربی زبان میں طعوس کہتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ بڑوں کے لئے نقا (جمع نقیان) کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ ریت کے تودے طویل اکہری یا متوازی رگیں اور بعض اوقات پیچیدہ اشکال بھی بناتے ہیں۔ زمین کے بڑے بڑے خطوں پر متحرک ریت کی مقابلتاً پتلی چادریں بچھی ہوئی ہیں۔ مخروطی قسم کے ٹیلے ریگستانی علاقوں میں تقریباً ایک میٹر کی بلندی سے لے کر تقریباً 200 میٹر کی بلندی تک پائے جاتے ہیں۔ خود ریگستانی ریت کا رنگ اور اس کی ساخت ایک جگہ سے دوسری جگہ مختلف ہے۔ اگرچہ اندرون ملک میں غالب رنگ سرخی مائل ہے۔
کسی ریتلے علاقے یا صحرا کو شمال میں بالعموم نفوذ کہتے ہیں اور جنوب میں رملہ۔ عربوں

Marfat.com

کے ہاں یہ اکثر ہوتا ہے کہ ان اسمائے نکرہ کو اسمائے معرفہ میں تبدیل کر دیا جاتا ہے جو ان کی اقسام کی سب سے زیادہ قابل ذکر مثالوں کے لئے استعمال ہونے لگتے ہیں۔ مثلاً وہ صحرا جس سے اہل یورپ Great Nafud کے نام سے واقف ہیں اسے عرب محض النفوذ کہتے ہیں، وہ سارا جنوبی ریگستان جسے اہل یورپ الربع الخالی کہتے ہیں عربوں کے ہاں عام طور پر محض الرملہ کہلاتا ہے۔ عرب کے تقریباً سب کے سب صحرایا ریگستانی علاقے دردی یا رسوبی علاقے میں واقع ہیں ہاں وہ بلودی ڈھال نما علاقے کے مرکزی ابھرے ہوئے حصے کے گرد اس طرح بل کھاتے چلے گئے ہیں جیسے کہ وادیاں جس کے مغربی دامنوں میں ان میں سے بہت سے واقع ہیں۔ جزیرہ نما عرب کے صحراؤں میں دو صحرا سب سے بڑے ہیں، ''النفوذ اور الربع الخالی النفوذ کا رقبہ تخمیناً 700000 مربع کلومیٹر ہے۔ اس طرح یہ دنیا کا سب سے بڑا مسلسل ریگستان قرار پاتا ہے۔ یہ دونوں صحرا الاہنا کی لمبی پتلی قوس کے ذریعے ملے ہوئے ہیں جو طویق اور العرمہ کے مشرق میں واقع ہے۔ اس سے مماثل ایک اور قوس طریق کے مغرب میں چلی گئی ہے جو ان دونوں صحراؤں کے مابین ہے، لیکن اس کا تسلسل کئی مقامات سے ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ نسبتاً چھوٹی قوس عرق المظہور سے شروع ہوتی ہے جو النفوذ کے اس نقطے کے جنوب میں الگ ہو جاتی ہے جہاں سے الاہنا کا آغاز ہوتا ہے اور تین متوازی انگلیوں کی طرح پھیلی ہوئی ریت میں جا ملتا ہے جو مشرق سے مغرب کو علی الترتیب یہ ہیں۔ نفوذ الثوریات، نفوذ السر اور الشقیقہ، الثوریات کا جنوبی سلسلہ وشم کے ضلع کے ان شہروں کے نام پر جو اسکے جنوب مغربی کنارے پر ہیں نفوذ البلادین کہلاتا ہے۔

اگرچہ نقشے میں الربع الخالی کی دو بانہیں دکھائی جاتی ہیں جو شمال کی طرف پھیلی ہوئی ہیں، تاہم ان میں سے مغربی عنی الجافواہ کو عرب ایک الگ صحرا سمجھتے ہیں جسے الجوب کا نشیبی میدان، جوب بیرین الربع الخالی سے علیحدہ کر دیتا ہے۔ دونوں بانہوں میں سے مشرقی کو بھی ایک علیحدہ خطہ تصور کیا جاتا ہے۔ اور یہ عمان کے ساحل کے عقبی علاقے میں دور تک اندر چلی گئی ہے۔ رملہ السبعتین، الربع الخالی کے جنوب مغربی گوشے کے جنوب میں اس نظام سے خارج ہے۔ جو ابھی بیان کیا گیا ہے۔ شاید ڈھال نما علاقے میں ریت کا سب سے بڑا انبار عرق سبیع ہے جو مرکزی ابھرے ہوئے خطے کے جنوبی حصے میں واقع ہے۔

Marfat.com

نخلستان، بناتات اور حیوانات:

جزیرہ نما کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک صحرا کے غیر مزروعہ علاقوں اور نخلستانوں کے سرسبز خطوں میں نمایاں تفاوت ہے۔ بعض مقامات پر بالخصوص جزیرہ نما کے کناروں پر جہاں بارش زیادہ کثرت سے ہوتی ہے، یا جہاں ندی نالے بالائی علاقوں سے پانی زیادہ مقدار میں لے آتے ہیں، زراعت زیادہ بڑے پیمانے پر ہوتی ہے۔ بعض اوقات کھیت طبقہ بہ طبقہ بلند ہوتے جاتے ہیں۔ ان طبقات کو بہت ہنر مندی سے تیار کیا جاتا ہے۔ یہ کھیت جزیرہ نما کے رمیان ہوتے ہیں۔ عرب میں نہ تو گھاس کے ایسے وسیع میدان پائے جاتے ہیں جنہیں زیر کاشت لایا جا سکتا ہو اور نہ ہی کوئی جنگلوں کا گھنا منطقہ ہے۔ البتہ بہترین چیز جو اس خطے میں ہوتی ہے عسیر عالیہ کی صنوبری جھاڑیوں کے جنگل ہیں۔

صحرا کی حور، کھجور

عرب کے نخلستانوں کا بے مثال درخت کھجور ہے، جس کی منفرد حیثیت کی وجہ سے عرب اسے دوسرے سب درختوں سے ممتاز سمجھتے ہیں۔ کھجور نہ صرف عربوں کی سب سے اہم بنیادی خوراک ہے، بلکہ اس درخت کی شاخیں اور چھال جھونپڑیاں تعمیر کرنے، ٹوکریاں اور چٹائیاں بنانے اور دوسرے بے شمار کاموں کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ کھجور کا درخت بہت زیادہ بلندی پر نہیں اُگ سکتا، ان بلند علاقوں کے لوگ اناج کی مختلف قسموں پر انحصار کرتے ہیں۔ ظفار اور بعض دوسرے مقامات پر کھجور کے درختوں کے پہلو بہ پہلو ناریل کے درخت بھی اُگتے ہیں جن کی جگہ کبھی کبھی دوم کے درخت Ginger Bread Trees بھی پائے جاتے ہیں۔

گیہوں، جوار اور باجرہ جزیرہ نما پر اُگنے والے اہم اناج ہیں۔ الفافہ یا برسیم ایک عام فصل ہے جو کھجور کے درختوں کے سائے میں اگائی جاتی ہے۔ روئی، چاول اور تمباکو کی کاشت بھی محدود پیمانے پر کی جاتی ہے۔

کافی یا قہوہ

یمن اور عسیر کے بلند طبقات میں وہ کافی Cofee (قہوہ) اُگتی ہے جس نے اس وقت سے جب پرتگیزوں نے افریقہ کے اردگرد پندرہویں صدی کے آخر میں سفر کر کے

Marfat.com

ہندوستان کا راستہ دریافت کیا تھا اور المخا Mocha کو یورپی تاجروں کی منزل مقصود بنا دیا تھا۔ اگرچہ کافی جزیرہ نما عرب میں صرف پانچ سو برس پہلے لائی گئی تھی، تاہم یہ اپنے عربی نام ''قہوہ'' سے یورپی دنیا میں مشہور ہوئی۔

شاہراہ بخولات

اب دنیا کے لوگ قہوے کے روزمرہ استعمال کے لئے برازیل سے رجوع کرتے ہیں کیونکہ یمن کا قہوہ اپنی قیمت کی وجہ سے ایک غیر ملکی سامان تعیش کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ لوبان اور دیگر خوشبودار چیزیں جو 2 ہزار سے سال سے زائد عرصہ سے ''شاہراہ بخولات'' Incense Road کے ذریعے جنوبی عرب سے بحیرہ روم کے ممالک کو برآمد کی جاتی رہی ہیں، اب بھی جنوب میں اُگتی ہیں، بالخصوص مہرہ کے علاقے میں، لیکن تجارتی اشیاء کی حیثیت سے عملاً اب ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہی۔ آج کل زیادہ کارآمد پیداوار نیل ہے، جو جنوب عرب میں بہت مقبول ہے۔ اس کے درخت کو حویر اور اس کے رنگ کو نیل کہتے ہیں۔

املی اور کیکر

اونچے درخت املی کے ہیں، جنہیں بعض اوقات ہوا کے دباؤ کا زور توڑنے یا متحرک ریت کے بہاؤ کو روکنے کی غرض سے ایک قطار میں لگا دیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ کیکر یا ببول چھوئی موئی قسم کے Mimosa اور خروب کے درخت ہیں۔ عناب شمال میں اور علب جنوب میں پائے جانے والے درخت ہیں جن میں کھانے کے قابل پھل لگتا ہے۔ ایلوا اور فرینون کے درخت اکثر خاصے اونچے ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ عرب ایک خشک ملک ہے تاہم یہ پھولوں اور پھلوں سے بالکل محروم نہیں۔ الطائف اپنے گلابوں اور اناروں کے لئے بہت مشہور ہے۔ الخرج اپنے تربوزوں کے لئے اور البریمی آموں کے لئے، انجیر، انگور، آڑو اور کیلے اور بعض دوسرے پھل کبھی کبھار شہریوں کی غذا میں تنوع پیدا کر دیتے ہیں۔

ریت کے ٹیلے

موسم سرما میں بعض مرتبہ مہینوں پانی کے کنوؤں پر جائے بغیر بدوی دور دور تک نکل جاتے ہیں کیونکہ اونٹوں کو چارہ مل جاتا ہے اور ان کے مالک ان کے دودھ پر گزارا کر لیتے ہیں۔ صحرا میں

Marfat.com

بناتات کی مزید افراط ہوتی اگر وہاں ریت کے وہ ٹیلے نہ ہوتے جو اپنی جگہ بدلتے رہتے ہیں، چنانچہ ان میں سے بعض ایک سال میں 20 میٹر تک حرکت کرتے ہیں۔ تاہم بہت سی جگہوں پر جھاڑیوں نے جڑ پکڑ لی ہے اور جمی ہوئی ریت کا ایسی ہر جھاڑی کے گرد ٹیلا بن جاتا ہے۔ ایسے ٹیلے بھی رقبے میں کلومیٹروں تک پھیل جاتے ہیں۔ جانوروں میں اونٹ کو وہی اہمیت حاصل ہے جو درختوں میں کھجور کے درخت کو۔ عرب کے بیشتر بدویوں کی دولت کا دارومدار اونٹوں ہی پر ہے۔

پالتو جانور اور مویشی

بعض قبائل اونٹوں کی بجائے بھیڑیں پالتے ہیں۔ عرب کے شمال میں واقع چٹیل میدانوں، یعنی عراق کے بڑے دریاؤں کے قرب و جوار میں بود و باش رکھتے ہیں۔ یہ قبائل کی جنوب کی سمت میں نقل مکانی کرتے ہوئے کویت کی سرزمین سے آگے نہیں جاتے۔

عربی گھوڑے

عربی گھوڑے کا ذکر کیے بغیر عرب کے حیوانات کا ذکر ادھورا رہے گا۔ عربی گھوڑے کی نسل جو یورپی اصیل گھوڑوں کا مورث اعلیٰ ہے اور ایک زمانے میں جزیرہ نما کے لئے وجہ افتخار تھا۔ اب اس کی نسل ختم ہوتی جا رہی ہے۔ آج کل بہت کم بدویوں کے پاس گھوڑے بچے ہیں۔ کسی زمانے میں عرب گھوڑے ہند، مصر اور یورپ کو برآمد کیے جاتے تھے مگر اب کم ہو کر نہ ہونے کے برابر ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ افواج اسلام اپنے عرب گھوڑوں پر ہی اندلس اور سندھ کے دور دراز علاقوں تک پہنچی تھیں۔

گدھے

بحرین اور الحسا میں بہت اچھی نسلوں کے گدھے بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ بڑی قد و قامت کے سفید رنگ کے گدھے سواری اور پانی کھینچنے کے لئے استعمال کیے جاتے ہیں۔

غزال اور چشم غزال

ظبی یا ہرن جو گزشتہ زمانوں میں میدانوں میں اِدھر اُدھر بڑے بڑے ریوڑوں میں دوڑتے پھرتے تھے۔ اب ان بندوقوں کی وجہ سے بہت کم رہ گئے ہیں جو شکاری ہاتھوں میں لے کر ان کے پاس آج کل ٹرکوں اور کاروں میں گھومتے ہیں۔ ہرنوں کی تین عام قسمیں رئم، عرفی

١١٧٩٨٢

Marfat.com

اورادم پائی جاتی ہیں۔غزال کی اصطلاح صرف نوزائیدہ ہرن کے لئے استعمال ہوتی ہے۔جبکہ ہم اردو شاعری کی وجہ سے چشم غزال ہی سے زیادہ واقف ہیں۔ بدیوں کا تیز رفتار کتا بھی صدیوں سے ان کا ساتھی چلا آرہا ہے۔اس کتے کوسلوقی کہتے ہیں یہ بعض مرتبہ دوڑنے میں ہرن پر بھی سبقت لے جاتا ہے۔ایک زیادہ بڑی قسم کا ہرن Oryx ہے جسے جنوب میں ومنجی اور شمال میں بقر وحش یعنی نیل گائے کہتے ہیں۔ یہ اب تھوڑی تعداد میں الربع الخالی کے دور دراز حصوں میں باقی رہ گیا ہے،لیکن صحرا النفود میں تقریباً اس نسل کا کوئی ہرن باقی نہیں رہا۔

پہاڑی بکرے اور دیگر جاندار

پہاڑی بکرا وعل Ibex بھی اب بلند تر چوٹیوں میں دورافتادہ مقامات تک محدود ہو گیا ہے۔دیگر جنگلی جانوروں میں لکڑ بگھا یا ضبع ،گیدڑ یا واوی ،بھیڑیا یا ذئب اور چیتا تک شامل ہیں۔

شیر یا اسد

شیر ببر یا اسد عرب میں عرصے سے معدوم ہو چکا ہے مگر عہد خلافت راشدہ یا بعد کے ادوار تک پایا جاتا تھا۔جنوب کے پہاڑوں میں بندروں کی بہت کثرت ہے۔چھوٹے حیوانات میں لومڑی جسے عربی میں ثعلب کہتے ہیں،خرگوش ارنب)،جھاڑ چوہا (قنفذ) جس کے کانٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ لمبے کانٹوں والے سیہ کی نسبت بہت زیادہ عام ہیں۔جر بوع Jerboa جو صحرا میں اپنی طبعی پچھلی ٹانگوں پر ادھر ادھر کودتا پھرتا ہے اور بہت چھوٹے کنگرو سے ملتا جلتا ہے۔ اس سے قریبی نسل کا جردی اس کے برعکس چاروں ٹانگوں پر دوڑتا ہے۔

سانپ اور رینگنے والے جاندار

سانپ ریتلے میدانوں اور چٹانوں میں پائے جاتے ہیں اور شاذ و نادر ہی نظر آتے ہیں۔چھپکلی یا گوہ کی قسم کے دو بڑے جاندار ضب اور ورل ہیں جن میں سے ضب کو بدوی بہت شوق سے کھاتے ہیں بحالیکہ دوسرے یعنی ورل سے بالعموم پرہیز کرتے ہیں۔ ریگزاروں کے زیادہ چھوٹے گرگٹوں میں تند شکل کا ظحی اور پھسلواں ریت میں تیرنے والا دموسہ Skink ہیں۔

شتر مرغ

گزشتہ زمانوں میں پایا جانے والا شتر مرغ عرب میں اب ظاہر نا پید ہو گیا ہے۔صحرا

Marfat.com

میں اس کے انڈوں کے ٹوٹے ہوئے چھلکے اکثر پائے جاتے ہیں اور مقامات کے ناموں میں لفظ نعام اور شترمرغوں سے متعلق اصطلاحات اکثر ملتی ہیں۔

باز

سدھائے ہوئے بازوں سے جنہیں طیور کہا جاتا ہے، شکار میں بہت کام لیا جاتا ہے۔ یہ رواج عرب میں قدیم زمانے سے قائم چلا آرہا ہے۔ دوسرے پرندوں کے علاوہ ان کا خاص شکار حباری (ایک قسم کا تیتر) ہوتا ہے، صحراء میں پائے جانے والے بڑے پرندوں میں عقاب، گدھ اور الو شامل ہیں۔ اس کے علاوہ سرخ ٹانگوں والے لم ڈھینگ، چھوٹے بگلے اور حواصل ساحلوں کے ساتھ ساتھ پائے جاتے ہیں۔ چھوٹے پرندے مزروعہ علاقوں میں زیادہ عام ہیں۔ ان میں پیک یا کوکو، ذج یا طوطی، ابابیل، ممولا، شاہی، بلبل اور ہدہد شامل ہیں۔ دہرے طوق والا چنڈول صحرا میں ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ مکہ معظّمہ کے حرم شریف میں رہنے والے کبوتر تمام دنیائے اسلام میں صدیوں سے مشہور چلے آئے ہیں۔

بحری حیات

جزیرہ نما عرب کے اردگرد کے سمندروں میں مچھلیاں بھی باافراط پائی جاتی ہیں۔ جن میں سے خلیج فارس میں پائی جانے والی کنیعد King Mackerel اور ہامور Grouper لذیذ اور مقوی ہوتی ہیں۔ بحر الہند سے کبھی کبھار وہیل مچھلی بھی خلیج فارس میں آجاتی ہیں۔ خلیج فارس ہی میں سارڈین اور شرمپ Shirmp مچھلیاں بھی پائی جاتی ہیں۔

ٹڈی دل

عرب میں زندہ جانوروں کی وجہ سے جو سب سے زیادہ تباہ کن آفت صدیوں سے آتی رہی ہے اور جس کا تاریخ میں ریکارڈ ملتا ہے وہ ٹڈیوں کے دل (جراد) کی ہے۔ ٹڈیوں کے حملے کا ایک تنہا پہلو جو اسکی شدت کو کم کرتا ہے یہ ہے کہ اسلام نے انہیں حلال قرار دیا ہے جس کی وجہ سے ان حملہ آوروں کی بڑی تعداد کو وہی لوگ پکڑ کر کھا لیتے ہیں جنہیں یہ مصیبت میں مبتلا کرتی ہیں۔ مقابلتاً چھوٹی ضرررساں مخلوق مکھیوں، کیڑے مکوڑوں کی شکل میں عرب میں زیادہ نہیں پائی جاتی۔ ایک خوش آئند کیڑا شہد کی مکھی ہے جسے شہد کے لئے پالا جاتا ہے۔

Marfat.com

نسلیات عرب

وجہ تسمیہ

جزیرہ نمائے عرب کے نسلیاتی مطالعے میں دشوار کن مسائل کی ایک بڑی تعداد حل طلب رہ جاتی ہے مثلاً یہاں کے سب سے پہلے باشندے کون تھے؟ وہ اس سرزمین پر پیدا ہوئے تھے یا کہیں باہر سے آئے تھے۔ اگر وہ اس جزیرہ نما پر کہیں باہر سے آئے تھے تو ان کا اصلی وطن کونسا تھا؟ ان کے اصلی وطن کا ماحول کیا تھا؟ کیا وہ آج کے عرب ماحول سے مختلف تھا؟ وقت گزرنے کے ساتھ قدیم ترین باشندوں میں باہر سے در آنے والے کون سے عناصر شامل ہوتے چلے گئے؟ عرب کہلانے کے مستحق سب سے پہلے لوگ کون تھے اور وہ کہاں سے آئے تھے؟ وغیرہ وغیرہ اہم اور بنیادی حل طلب مسائل ہیں۔

مندرجہ بالا سوالات یا ان کے مماثل دیگر سوالات کے جواب حاصل کرنے کی کوشش میں پیش رفت ضرور ہوئی ہے، لیکن اس سے پہلے کہ زیادہ ترین قیاس مفروضوں میں سے کسی کو تاریخی حقائق کا مرتبہ دیا جاسکے ابھی محققین کو ان پر بہت سا کام کرنا باقی ہے۔ یہاں تک کہ جزیرہ نما عرب کے ارضی اور جغرافیائی کوائف کے بارے میں بھی ابھی بہت کچھ جاننا باقی ہے۔ بہت سے سودمند قدیم آثارات کے انکشافات کی ضرورت ہے اور موجودہ باشندوں اور ان کی تاریخ کے مختلف پہلوؤں کے متعلق مکمل تحقیقات لازمی ہے۔ علاوہ ازیں عرب کے متعلق ان مسائل کا حل بہت حد تک دوسرے علاقوں سے متعلق کام کی کامیابی پر منحصر ہوسکتا ہے۔ مثلاً عربوں کی اصل ونسل کا مسئلہ سامیوں کی اصل ونسل کے وسیع تر مسئلے سے اس طرح وابستہ ہے کہ اسے اس سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ یعنی سامی النسل اقوام کی اصل ونسل سے جو اس خاندان کی زبانیں بولتے ہیں جس سے عربی زبان کا تعلق ہے۔

جزیرہ العرب میں انسان کی ابتدائی تاریخ:

جزیرہ العرب میں انسان کے ابتدائی تاریخ کے بارے میں جو شہادت مل سکتی ہے اس

Marfat.com

سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یمن کے بلند و بالا خطوں کے باشندے شاید دنیا میں وہ بڑا گروہ ہیں جن میں سب سے کم آمیزش ہوئی ہے اور وہی اب اس نسل کے نمائندہ ہیں جسے ماہرین نسلیات قدیمہ بحر متوسط یا بحیرہ روم کی نسل Mediterranean Race کہتے ہیں۔ اس پہاڑی نسل کے مشرق میں کہا جاتا ہے کہ ایک Veddoid یا Veddas یعنی سیلون یا سری لنکا کے اصلی باشندوں کی نسل کی آمیزش بھی دیکھنے میں آئی ہے۔ بالخصوص مہرہ کے قبیلہ اور جنوب کے دیگر قبائل میں جو ایسی سامی بولیاں بولتے ہیں جو عرب سے مختلف ہیں۔ اس سیلونی نسل کی آمیزش اور بعض دیگر معلومات سے ذہن میں آتا ہے کہ ان لوگوں کا دور دراز کے مشرقی ممالک، شاید ہندوستان یا سری لنکا سے کوئی قدیم تعلق رہا ہوگا۔ شمال کے بدوی النسل لوگ بھی جو اکثر اہل یورپ کے نزدیک عرب کے قدیم ترین باشندے ہیں، بنیادی طور پر بحیرہ روم کی نسل سے ہیں، اگرچہ بالکل ایسے مخصوص طریقے پر نہیں جیسے کہ یمن کے پہاڑی۔

ان اسرار و غوامض کی نقاب کشائی آثار قدیمہ اور نسلیات کے ماہرین کا کام ہے۔
اسلام اور اسلام کے متعلق زمانوں کا مطالعہ کرنے والے کے لئے زیادہ اہم وہ تصور ہے جو عرب۔ بالخصوص مسلم عرب اپنے نسلیاتی ارتقا کے بارے میں رکھتے ہیں۔ یہ تصور اس قدر عام ہے اور اس پر ان کا اعتقاد اتنا مضبوط ہے کہ وہ ماہرین نسلیات کی جانب سے بھی غور و فکر کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

مسلم ماہرین انساب نے اس عرب تصور کی توضیح اور اس کے عملی اطلاق کے لئے ایک مفصل اور عمدہ نظام مرتب کیا ہے۔ اگرچہ اس نظام میں بھی کمزوریاں موجود ہیں تاہم بحیثیت مجموعی یہ خاصا متوازن ہے۔

عرب تصور نسلیاتی ارتقاء:

عرب تصور کی رو سے عرب ایک نسل ہیں نہ کہ صرف ایسے لوگوں کی ایک جماعت جو ایک ہی زبان بولتے ہیں۔ یہ نسل بے شمار مردوں اور عورتوں سے مل کر بنی ہے جن میں سے ہر ایک براہ راست دو اعلیٰ مورثوں میں سے کسی ایک کی اولاد ہیں۔ اگر سب عربوں کے ایک ہی مورث اعلیٰ کی اولاد ہونے پر اصرار کیا جاتا ہے تو صرف اسی طرح زیادہ ہم جنسیت پیدا ہو سکتی تھی۔ عرب نساب کے نظام کی ابتداء ان اقوام کے سرسری ذکر سے ہوتی ہے جنہیں عرب جزیرہ

Marfat.com

نما کے اصلی باشندے کے مانتے تھے، یعنی عاد، ثمود، ارم، جرہم، طسم اور جدیس، ان قبائل کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ آغاز اسلام سے پہلے معدوم ہو گئے تھے۔

عرب تصور میں انہیں عموماً ایک انوکھی چیز اور ان لوگوں کی مثال سمجھا جاتا ہے جنہوں نے اپنے انبیاء کرام کی بات نہیں سنی اور اس لئے ان کا انجام الہامی کتب کے مطابق بڑا خوفناک ہوا۔ اگرچہ متاخر زمانے میں عرب میں ایسے لوگ تھے جو ان قدما کی اولاد ہونے کے مدعی تھے، بلکہ بعض ایسے قبائل بھی تھے جن کی بابت مشہور تھا کہ ان کی نسل ہیں، تاہم ایک عرب ماہر انساب ابن حزم (متوفی 456ھ/ 1064ء) اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ "روئے زمین پر کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کا ان معدوم عرب قبائل کی اولاد سے ہونا ثابت ہو۔"

قدیم اصل باشندوں کے متعلق یہ باتیں جاننے کے بعد عرب تصور دو بڑے مورثوں قحطان اور عدنان پر مرکوز ہو جاتا ہے۔ نیز عرب نسل کے ان دو بڑے حصوں پر جن کے وہ مورث اعلیٰ تھے۔ چونکہ سب انسان اولاد آدم سے تعلق رکھتے ہیں۔ لہٰذا ان دونوں بڑے موروثوں کا کوئی نہ کوئی دور کا رشتہ ضرور ہوگا۔ زیادہ قریبی تعلق کا انحصار اس پر ہے کہ آیا قحطان حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے تھا جنہیں عدنان کا مورث اعلیٰ مانا جاتا ہے۔ ایک عام رائے یہ ہے کہ قحطان حضرت اسماعیل کی نسل سے نہیں تھا کیونکہ اس کا نسب سام بن نوحؑ سے ایک جداگانہ حیثیت میں ملایا جاتا ہے۔ قحطان کی اولاد کو العرب العاربہ کہا جاتا ہے اور عدنان کی اولاد کو معرب عرب یا عرب المستعربہ۔ بہرحال محققین کے نزدیک بنوقحطان بنوعدنان کے مقابل میں حقیقی عربیت کے واضح طور زیادہ قریب ہیں۔

عرب وجہ تسمیہ:

علمائے انساب کے مطابق قحطان کی اولاد جنوبی عرب یعنی قبائل یمن ہیں۔ بحالیکہ عدنان کی اولاد شمالی عرب ہیں جن کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ سب سے پہلے جزیرہ نما کے شمالی نصف حصے میں نمودار ہوئے تھے۔ علمائے انساب کے نزدیک اس ملک کا پہلا بادشاہ یعرب بن قحطان تھا جسے اہل یمن کا جداعلیٰ کہا جاتا ہے۔ بعد میں آل قحطان پورے عرب میں پھیل گئے اور یعرب کی نسبت سے ہی اس خطے نے "عرب" نام پایا۔

Marfat.com

علمائے لسانیات کے مطابق ''عرب'' اعراب سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ''فصاحت سے اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کے'' ہیں چونکہ جزیرہ نمائے عرب باشندے شروع ہی سے فصاحت و بلاغت میں یکتا تھا۔ اس لئے وہ ''عرب'' کہلائے۔ جبکہ اپنے سوا وہ پوری دنیا کو عجم (گونگے) سمجھتے تھے۔

ایک اور وجہ تسمیہ اہل جغرافیہ نے دی ہے جس کے مطابق لفظ ''عرب'' اصل میں ''عربہ'' تھا جس کے معنی صحرا اور بے آب و گیاہ خطے کے بنتے ہیں جیسا کہ عبرانی زبان میں عربہ بیابان اور میدان کو کہتے ہیں۔ چنانچہ عبرانیوں نے ہی عرب کو یہ نام دیا تھا۔

عباسی عہد سے لے کر اب تک عرب کی تاریخ کے مطالعے میں ایک ہزار سال پہلے اور آج کل کے قبائل کے درمیان روابط کے تعین میں بڑی دشواری پیش آتی ہے۔

چونکہ عرب میں بڑے پیمانے پر ہجرتیں ہوتی رہیں جن کے بارے میں محض سرسری بیانات دستیاب ہو سکیں ہیں۔ ایک قبیلے سے الگ ہو کر بعض عناصر کسی دوسرے قبیلے میں مل گئے یا پورے پورے قبیلوں نے اپنی حیثیت تبدیل کر کے نئی گروہ بندیاں قائم کر لیں۔

بدویوں کی عوامی روایات میں ان تبدیلیوں کی کچھ یادیں محفوظ رہ گئیں، لیکن یہ روایات قابل اعتماد ہونے سے بعید ہیں۔ چوتھی صدی ہجری / گیارہویں صدی عیسوی میں ہمدانی نے کسی مخصوص نام کے قبائل کے ملحق ہو جانے کے رجحان کا ذکر کیا ہے اور یہ رجحان اب بھی باقی ہے۔ خلیفہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں بنو حنیفہ کے درمیان نبی کذاب مسلیمہ کے ظہور کے باعث یہ قبیلہ بدنام ہو گیا تھا۔ آج جو بنو حنیفہ نجد میں رہتے وہ ربیعہ کو اپنا مورث اعلیٰ تسلیم کرتے ہیں جس کی اولاد سے حنیفہ تھا، لیکن اتنے بہت سے قبائل کا نام ربیعہ ہے اور روایتی نظام انساب سے عوام کی واقفیت اتنی کم ہے کہ نتیجہ اکثر غلط فہمی کی شکل میں برآمد ہوتا ہے۔ ال دواسر کے موجودہ زمانے کے قبیلے کے ہاں یہ روایت ہے کہ ان کے مورث اعلیٰ کا نام عمر تھا۔ عام دوسری نے قبیلہ کا فرد اسی عمر کو حضرت عمرؓ بن خطاب سمجھ لیتا ہے۔

Marfat.com

عہدِ خلافت راشدہ میں جزیرہ نما کی سیاسی تقسیم

جزیرہ نمائے عرب آج کل چھ مملکتوں میں منقسم ہے۔ اس کے زیادہ بڑے حصے پر مملکت سعودی عربیہ قائم ہے۔ جبکہ جنوب مغرب میں یمن، مشرقی جانب قطر، متحدہ عرب امارات، کویت، عمان واقع ہیں۔ جزیرہ نما عرب کی ساتویں مملکت بحرین ہے جو قطر اور سعودی عرب کے مابین واقع یہ ایک بڑے جزیرے "بحرین" اور چند چھوٹے چھوٹے جزائر پر مشتمل ہے۔ آج سے 1400 برس پہلے عہد خلافت راشدہ میں عرب دنیا کا سیاسی نقشہ مختلف تھا۔ اس زمانے میں یہ جزیرہ نما سیاسی طور پر کچھ خود مختار، نیم خود مختار یا محکوم علاقوں پر مشتمل تھا جو عہد نبویؐ سے قائم تھیں۔

خود مختار عرب قبائلی علاقے: تہامہ، حجاز، حضر موت، نجد،

نیم خود مختار مملکتیں: غسانی عرب مملکت، حیرہ، مناذرہ اور مملکت بحرین

خود مختار ریاستیں: عمان، یمامہ اور مدینہ منورہ

باج گذار محکوم علاقہ: یمن، یہ علاقہ ایران کے زیر انتداب تھا۔

حجاز:

جزیرہ نمائے عرب کا شمال مغربی حصہ جہاں آفتاب اسلام طلوع ہوا حجاز کا علاقہ ہے۔ حجاز کے لغوی معنی "روک یا رکاوٹ" کے ہیں۔ جزیرہ نمائے عرب میں موجود پہاڑوں کا ایک سلسلہ کوہ سرات کے نام سے ہے۔ یہ پہاڑی سلسلہ جزیرہ نما کو دو، مشرقی اور مغربی حصوں میں منقسم کرتا ہے۔ محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ "رکاوٹ" سے مراد یہی سرات کا پہاڑی سلسلہ ہے۔ یہ جبل اسراۃ کہلاتا ہے۔ یہ تہامہ کی ان نشیبی زمینوں کو بحیرہ قلزم کے ساتھ ساتھ چلی گئی ہیں۔ اندرون ملک کی بلند سرزمین یا سطح مرتفع نجد سے جدا کرتا ہے۔ کچھ اور محققین کا خیال ہے کہ یہ (حجاز) دراصل شمال میں واقع شام اور جنوب میں واقع یمن کے مابین حائل ہے۔ زمانہ حال کی ارضی تحقیقات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں کے خطوں کے پہاڑ "عربی ڈھال"

Marfat.com

کے باہر ہیں جس میں جبل سراۃ شامل ہے۔ الحجاز کا بطور ایک ''رکاوٹ'' تصور اس حقیقت پر مبنی ہے کہ اس کے بہت علاقوں میں لاوا ہے جس کی وجہ سے یہ ایک سیاہ رکاوٹ بن گیا ہے۔

عرب کے اسی علاقے میں اسلام کے مقدس ترین مقامات حرمین شریفین مکہ المکرمہ اور مدینہ منورہ واقع ہیں۔ جغرافیائی طور پر حجاز کے مشرق میں نجد، مغرب میں تہامہ، شمال میں شام اور اردن اور جنوب میں یمن واقع ہے۔ شہر مکہ کے مرکزی حیثیت حاصل ہے کیونکہ خانہ کعبہ اسی شہر میں واقع ہے۔ حجاز کا علاقہ آب و ہوا کو اعتبار سے بہت گرم اور خشک ہے۔ زمین کا بیشتر حصہ بنجر ہے۔ پہاڑ ہر طرف پھیلے ہیں مگر خشک ہیں۔ سورج کی تپش ان پہاڑوں کو آگ کی طرح گرم کر دیتی ہے۔ اس کے اثر سے سارا علاقہ گرم ہواؤں کی زد میں آ جاتا ہے۔ بارش کی اوسط بہت کم ہے جس کی وجہ سے یہاں کے باشندے زرعی پیداوار سے بھی محروم رہتے تھے۔ صرف طائف کا خطہ اس سے مستثنیٰ ہے اور یہ سرسبز و شاداب ہے۔

جزیرہ نمائے عرب کے اس خاص علاقے یعنی حجاز میں قدیم حجری Palaeolithics اور جدید Neolithic دونوں زمانوں سے لوگ آباد چلے آ رہے تھے، لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کون تھے اور کہاں سے آئے تھے۔ سامیوں کے اصل وطن کا بھی مسئلہ ابھی تک معرض بحث میں ہے۔

حروف تہجی

عرب اور دنیائے اسلام کی متاخر تاریخ میں ایک وسیع اہمیت کا حامل ارتقا غالباً دوسرے ہزار سال قبل از مسیح میں رونما ہوا جب اس خطے میں حروف تہجی کی لکھائی ایجاد ہوئی۔ اسی زمانے میں عرب قبائل نے بڑے پیمانے پر ہجرتیں کیں جن کے بارے میں برائے نام معلومات ہم تک پہنچیں ہیں۔ ان ہزار سالوں میں بہت سے بنو قحطان جنوب کی سمت میں اپنے نئے وطن یمن کی سمت میں چلے گئے۔ اس ہزاری کے آخری چند سو سالوں کو مؤرخ تغیر و تبدل کا زمانہ تسلیم کرتے ہیں۔ کیونکہ اسی زمانے میں مشرق وسطیٰ میں دور آہن یا لوہے کا زمانہ شروع ہوا تھا۔ اسی زمانے میں عرب میں اونٹ پالنے کی ابتداء ہوئی تھی۔ تورات کی کتاب تکوین Genesis جسے تقریباً دسویں صدی قبل از مسیح کے زمانے کی تصنیف قرر دیا جاتا ہے۔ اس کے دسویں باب Joktan اور Hazar Maveth کے نام ملتے ہیں جنہیں محققین نے قحطان

Marfat.com

اور حضر موت سے شناخت کیا ہے۔

ساتویں صدی عیسوی میں ملک عرب قیصر روم اور شہنشاہ فارس کی طرف سے نہایت شدید خطرے میں مبتلا تھا۔ یہ دونوں حکومتیں عرب کی سرحدی ریاستوں کی مالک تھیں۔ ان دونوں سلطنتوں نے ملک عرب کے کچھ علاقے اپنی مملکتوں میں شامل کر لئے تھے۔ اس وجہ سے ان علاقوں کے باشندے بخد و حجاز میں آ کر پناہ گزین ہوئے تھے۔ ان دونوں خطوں یعنی بخد و حجاز میں اس وقت تلکوئی حکومت یا باقاعدہ سلطنت نہیں تھی۔ البتہ ایک قسم کی سیاسی ترتیب موجود تھی جس کی وجہ سے یہاں کے قبائل بیرونی حملہ آوروں کے مقابلے میں باہم متحد ہو جایا کرتے تھے، حالانکہ یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، ان عرب قبائل میں سے جو لوگ رتبے کے لحاظ سے اعظم و اعلیٰ تھے وہ حجاز کے بڑے بڑے شہروں، مکہ المکرمہ اور یثرب میں رہا کرتے تھے، انہیں میں مشہور زمانہ عرب قبیلہ قریش تھا جو متولی کعبہ ہونے کی وجہ سے تمام عرب کا مذہبی پیشوا تھا۔

حضرت عبدالمطلب

سرداران قریش میں حضرت عبدالمطلب بن ہاشم 497ء عیسوی میں پیدا ہوئے تھے۔ مکہ میں 520ء سے 579ء تک سب سے بڑے حاکم رہے۔ انہیں نے مکہ کو ابرہہ کی غازت گری سے بچایا تھا۔ جب ان کے ہاں بچوں کی تعداد 18 تو 549ء میں انہوں نے کعبہ کے بتوں کے روبرو اپنے ایک صاحبزادے کو بطور نذر قربان کرنا چاہا۔ تو عرب مانع ہوئے اور ایک کاہنہ کے مشورے پر ان کی دیت میں 100 اونٹ ذبح کیے گئے۔ حضرت عبدالمطلب کے یہ صاحبزادے عبداللہ تھے جو پیغمبر اسلامؐ کے والد گرامی قدر تھے۔ اس قربانی کے واقعہ کے کچھ دن بعد ان کا عقد سیدہ آمنہ بنت وہب سے ہوا جو بنی زہرہ کے ایک سردار کی بیٹی تھیں جس کا تعلق یثرب سے تھا۔ انہیں کے بطن مطہر سے 12 ربیع الاول 570 عیسوی کو رسول اللہؐ پیدا ہوئے اور جبل فاران پر اسلام کی روشنی پھیلی۔ فتح مکہ کے بعد پورے حجاز نے اسلام قبول کر لیا۔ 9ھ...... 10ھ آنحضرتؐ کے وصال سے پہلے اسلام کا اثر یمن، بحرین اور عمان اور دوسری اطراف عراق اور شام کی حدود تک وسیع ہو چکا تھا۔

Marfat.com

مکہ المکرّمہ

مکہ المکرّمہ جزیرہ نمائے عرب کے صوبہ حجاز کا مرکزی شہر اور دنیائے اسلام کا دینی اور روحانی مرکز ہے۔ مشہور یونانی جغرافیہ نویس بطلیموس Ptolemy نے دوسری صدی عیسوی میں اپنی کتاب ''جغرافیا'' میں مکہ Macorba لکھا ہے۔ یہ عربی لفظ مقربہ کی تعریب ہے۔ جس کے معنی لوگوں کو معبودوں کے قریب لانے والا بنتے ہیں۔ قدیم زمانے سے لوگ اطراف و جوانب سے یہاں حج کرنے کے لئے آتے تھے۔ یا اس شہر میں آ کر اپنے محبود کے قریب ہو جائے تھے۔

محل وقوع:

مکہ المکرّمہ 21 درجہ 54 دقیقہ طول البلد مشرقی پر واقع ہے۔ یہ جدہ سے 45 میل جانب مغرب واقع ہے اور سطح سمندر سے 9.9 میٹر بلند ہے۔ مکہ ایک تنگ پہاڑی وادی میں واقع ہے جس کے دونوں طرف خشک اور پانی سے محروم پہاڑوں کا دوہرا اسلسلہ ہے۔ یہ جبل عرفات، جبل ثور (760 میٹر بلند) جبل ابی قبیس (983 میٹر بلند) اور جبل شبیر وغیرہ ہیں۔ شہر کے اردگرد بہت سی وادیاں واقع ہیں جن میں وادی فاطمہ اور وادی نعمان قابل ذکر ہیں۔ وادی نعمان کو نہر زبیدہ سیراب کرتی ہے۔ شروع میں مکہ المکرّمہ کا دارومدار صرف آب زمزم پر تھا۔ اگرچہ اور کنویں بھی تھے مگر پانی کی قلت رہتی تھی۔ عین زبیدہ اور عین عزیزہ کی تعمیر سے یہ مشکل کسی حد تک دور ہو گئی تھی۔

آب و ہوا:

شہر کی آب و ہوا گرمیوں میں سخت گرم ہوتی ہے۔ درجہ حرارت کبھی کبھی 113 درجے فاران ہیٹ یا 45 سینٹی گریڈ سے زیادہ تک پہنچ جاتا ہے۔ عرب امراء گرمیوں کا موسم طائف میں گزارتے ہیں جو مکہ سے صرف 50 میل کے فاصلے پر جانب مشرق واقع ہے۔ موسم سرما خوشگوار ہوتا ہے۔ اناج اور غذائی ضروریات باہر سے آتی ہیں۔ آج کل اطراف کی زمینوں کو

Marfat.com

قابل کاشت بنانے کے لئے امریکہ کے انجینئروں کی خدمات بھی حاصل کی گئی ہیں۔شہر کے نشیب میں واقع ہونے کی وجہ سے اردگرد کے پہاڑوں سے سیلاب آتے رہے ہیں اور بہت نقصان پہنچاتے رہے ہیں۔سیلاب کی گزرگاہ تبدیل کرنے اور بند باندھنے کی کوششیں بھی زمانہ سابق میں ہوتی رہی ہیں۔بارش بہت کم ہوتی ہے۔

المسجد الحرام:

مسجد الحرام شہر کے اندر واقع ہے جہاں اطراف عالم سے مسلمان حج وعمرے کی ادائیگی کے لئے آتے ہیں۔مکہ کے مکانات پتھروں کے بنے ہوئے ہیں اور قدیمی مکانات بھی دو دو تین تین منزلہ ہیں۔گلیاں اور بازار تنگ ہیں اب شہر کے باہر نئی بستیاں بن گئی ہیں جن میں العزیز اور افیصلیہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ایک محتاط اندازے کے مطاق شہر مکہ کی آبادی ......لاکھ ہے۔ایام حج میں یہ آبادی 20 لاکھ سے تجاوز کر جاتی ہے۔شہر کے مستقل باشندوں میں آج کل آدھے سے زائد انڈونیشی،ہندی، بخاری اور مغربی ہیں جن کے اپنے اپنے محلے ہیں۔ عربی کے علاوہ دیگر غیر ملکی زبانیں بھی سمجھی جاتی ہیں۔

آج سے 60-70 برس پہلے تک مکہ کے باشندوں کی مالی حالت کچھ اچھی نہیں تھی۔ ان کا گزارہ حج کے زمانے کی تجارت،مکانات کے کرائے اور مخیرّ حضرات کے عطیات پر ہوتا تھا۔مگر تیل کی دریافت کے بعد دولت کی ریل پیل ہوگئی اور لوگ فارغ البال اور خوشحال ہوگئے ہیں۔شہر میں چھوٹی موٹی صنعتیں بھی قائم ہوگئی ہیں۔

بعثت نبویؐ سے پہلے ہی مکہ تجارت کا بڑا مرکز بن چکا تھا۔قریش کے تجارتی قافلے یمن سے لے کر شام بلکہ ایشیائے کوچک تک جایا کرتے تھے اور مختلف ممالک سے اشیائے تجارت لایا بھی کرتے تھے۔بعض اکابرین مکہ قیصر روم اور حکام یمن سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔اس بیرونی آمدورفت نے ان کو مہذب ومتمدن اور معاملہ فہم وزمانہ شناس بنا دیا تھا۔اہل مکہ یوں بھی صحت وتندرستی، اعتدال مزاج، جوانمردی اور عالی ظرفی میں دیگر علاقوں کے باشندوں سے ممتاز تھے۔تجارت میں صاع،مد،رطل،اوقیہ اور مثقال جیسے ناپ تول کے پیمانے رائج تھے۔مکہ میں رومی وایرانی وساسانی سکوں کا چلن تھا اور یہ سکے درہم ودینار کہلاتے تھے۔ درہم پر فارس کا نقش ومہر ثبت ہوتا تھا اور دینار پر قیصر روم کی تصویر بنی ہوتی تھی۔

Marfat.com

عہد نبویؐ سے پہلے ہی سے مکہ میں حبشی یا افریقی غلام کی بڑی تعداد تھی جو امیر گھرانوں میں ادنیٰ خدمات انجام دیتے تھے۔ اسلام سے پہلے مکہ کے معاشرے میں غلام سب سے زیادہ مظلوم ترین طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ بعض اہل خیر غلاموں کو ان کے مالکوں سے خرید کر آزاد کر دیتے تھے۔ سفید فام غلام عراق، شام اور بلاد یورپ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ حبشی غلاموں کے مقابلے میں زیادہ مہنگے بکتے اور زیادہ سمجھدار تصور کیے جاتے تھے۔ تجارت کی گرم بازاری کی وجہ سے بعض طبقات زیادہ خوش حال تھے۔ ان کے ہاں یونانی باندیاں یا کنیزیں بھی ہوتی تھیں، جن سے بعض اشراف مکہ نے نکاح کیا ہوا تھا۔

رسم ورواج:

اہل مکہ کی مہمان نوازی زمانہ قدیم سے مشہور چلی آ رہی تھی۔ وہ حاجیوں کو بیت اللہ کا مہمان سمجھ کر ان کی ہر ممکن مدد کیا کرتے تھے۔ دیگر اہل عرب بھی حجاج کرام کی تعظیم وتکریم کرتے تھے ماسوائے چند بدوی رہزنوں کے جو حاجیوں کو راستے میں لوٹ لیا کرتے تھے۔ مکہ والے اپنے حسب ونسب اور لسانی برتری پر فخر کیا کرتے تھے۔ انہیں اخبار عرب، ایام عرب اور اشعار عرب سے بڑی دلچسپی تھی۔ سربرآوردہ افراد کی محفلیں زیادہ تر بیت اللہ کے سامنے جمتی تھیں جہاں شعروشاعری کا تذکرہ ہوتا تھا۔ بعض لوگوں کو اونٹوں اور گھوڑوں اور ان کے اعضاء اور ان کی خصوصیات کی پہچان میں کمال حاصل تھا۔ علاج معالجے کے سادہ طریقے رائج تھے۔ بعض ہندی، یونانی دوائیں مستعمل تھیں۔ فصد کھلوانے۔ داغنے اور پچھنے لگوانے کا بھی ذکر آتا ہے۔

عہد ابراہیمؑ سے زمانوی دوری کے باوجود حضرت ابراہیمؑ کی کئی سنتیں اہل مکہ میں ابھی باقی تھیں۔ مثلاً حج کرنا، طواف کرنا، داڑھی بڑھانا، مونچھیں پست کرانا، ناخن کٹوانا، مسواک کرنا، استنجا کرنا، غسل جنابت کرنا، زیر بغل اور زیر ناف بال صاف کرنا، ختنہ کرانا اور مردوں کو کفن پہنا کر دفنانا، نکاح کے بعد ولیمہ کرنا بھی رائج تھا۔ اسلام نے بھی ان سنتوں کو برقرار رکھا اور انہیں اسلامی شعائر کی حیثیت دے دی۔

اطوار بد:

امتداد زمانہ سے صحرا نشینوں کے خیموں نے پتھر یا گارے کے مکانات کی شکل اختیار

Marfat.com

کر لی تھی مگر یہ مکانات بلندی میں کعبہ اللہ سے پست تھے۔ بعض گھروں میں ناچ گانے اور عیش و عشرت کی محفلیں بجتی تھیں۔ شہر میں سودی لین دین عام تھا۔ عوام تند خو، ناخواندہ، کینہ پرور اور منتقم مزاج تھے۔ عداوتوں کا سلسلہ پشتوں تک چلتا رہتا تھا۔ ایک قتل کے بدلے میں بیسیوں قتل ہو جاتے تھے۔ حرب الفجار میں ہزاروں خواتین بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہو گئے تھے۔ لوگ غربت اور بدنامی کے خوف کے مارے اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ جوئے بازی اور شراب خواری عام تھیں۔ بت پرستی کا دور دورا تھا اور یہ زوروں پر تھی۔ ہر گھر میں بت موجود تھے جن کو اہل مکہ اپنا معبود اور حاجت روا سمجھتے تھے۔ صرف اسی پر موقوف نہیں، وہ بیت اللہ جسے حضرت ابراہیمؑ نے معبود برحق یعنی اللہ کا گھر بنایا تھا اب تین سو ساٹھ بتوں کی آماجگاہ بن چکا تھا۔ بتوں کے علاوہ مظاہر قدرت کی بھی پرستش کی جاتی تھی۔ عوام جنوں، بھوتوں اور چڑیلوں پر اعتقاد رکھتے تھے، حشر نشر اور یوم آخرت میں جزا و سزا کے قائل نہیں تھے۔ ان کی فکر و نظر زندگی اور دنیاوی مسائل تک محدود ہو چکی تھی۔ عقبیٰ یا آخرت کا کوئی خیال نہیں تھا۔ ظلم، ناانصافی اور استبداد اور جملہ قسم کی اخلاقی برائیوں کو روا رکھا جاتا تھا۔ یہ تھی مکہ کی مذہبی اور معاشرتی صورتِ حال جو عہد نبویؐ سے پہلے صدیوں سے چلی آ رہی تھی۔

عہد اسلام:

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کا ایک سفر سے واپسی میں مدینہ (یثرب) کے قریب انتقال ہوا تو جناب رسول کریمؐ ابھی شکم مادر میں تھے پھر فاران کی چوٹیوں پر آفتاب اسلام طلوع ہوا۔ آپؐ چونکہ پیدائش قبل ہی یتیم ہو گئے تھے اس لئے آپؐ کی پرورش آپ کے شفیق دادا اور والدہ ماجدہ نے کی پھر جب ان کا سایہ سر پر نہ رہا تو مشفق چچا حضرت ابو طالب نے آپ کو اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا۔ پھر جب آپ عمر مبارک 25 سال کی ہوئی تو مکہ کی ایک تاجر خاتون حضرت خدیجہؓ سے آپ کا نکاح مبارک ہو گیا۔ آپ کا ان کا اسباب تجارت شام لے کر جایا کرتے تھے وہ آپ کی راست گفتاری، حسن معاملہ اور امانت و دیانت کی معترف تھیں۔ پھر آنحضرتؐ اپنی عمر مبارکہ کے اکتالیسویں سال 6 اگست 610 عیسوی کو مورخین کے مطابق منصب نبوت سے سرفراز کئے گئے۔ اگلے تین سال تک آپؐ نے خفیہ طور پر تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کیا۔ پھر ملکی معاشرت کی برائیوں کے خلاف علی الاعلان جنگ کی شکل

Marfat.com

میں برملا تبلیغ اسلام کا حکم آیا تو آپؐ نے شرک، بت پرستی، برائیوں اور قوم کی بد اخلاقیوں کی مذمت شروع کر دی اور اسلام کا واضح راستہ دکھانے لگے۔ اس پر عمائدین قریش آپؐ کی شدید مخالفت پر اتر آئے کیونکہ ان کی دنیاوی وجاہت اور سیاسی اقتدار خطرے میں پڑتا نظر آ رہا تھا۔ ان مخالفین میں ابو جہل، عقبہ بن ربیعہ اور ولید بن مغیرہ جیسے سرداران قریش پیش پیش تھے۔ ان ظالموں کے غیظ و غضب کا نشانہ آنحضرتؐ پر ایمان لانے والے غریب لوگ بنے جب قریش کا جبر و تشدد حد سے بڑھ گیا تو ہجرت حبشہ کا سماوی حکم آیا۔ اس کے بعد جب قریش نے دیکھا کہ ان کے روکنے کے باوجود اسلام قبائل عرب میں پھیلتا جا رہا ہے تو انہوں نے ایک عہد نامہ مرتب کر کے بنو ہاشم اور بنو طالب کے معاشرتی مقاطعہ کا فیصلہ کیا اور خاندان نبوت کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا۔ بنو ہاشم نے ہر قسم کی تکلیفیں اور مصائب بڑی پامردی سے برداشت کئے مگر آنحضرت کے ساتھ رہے۔ آخر تین سال بعد بعض سرداران قریش کی مداخلت پر اسلام کی تاریخ کا یہ اولین اذیت ناک محاصر ختم کر دیا گیا۔

انہیں دنوں حصار نبوتؐ جناب ابو طالبؓ کا انتقال ہو گیا تو ہجرت مدینہ کا آسمانی حکم آ گیا۔ ہجرت مدینہ سے تاریخ اسلام کا ایک اہم اور تابناک باب شروع ہوتا ہے۔ اب کامیابیاں اور کامرانیاں مسلمانوں کا مقدر تھیں۔ ہجرت کے دوسرے سال جب میدان بدر میں اسلام کی فتح کا پھریرا کھلا تو بس کھلتا ہی چلا گیا۔ اگرچہ اس کے بعد جنگ احد جیسی اور غزوہ خندق جیسی دفاعی جنگیں بھی لڑی گئیں مگر بہت جلد سارا عرب مسلمانوں کے زیر قدم آ گیا۔ صلح حدیبیہ کے صرف تین سال بعد، اگرچہ یہ صلح آئندہ دس سال کے لئے طے پائی تھی، اہل مکہ کی بد عہدی کی وجہ سے فتح مکہ کا شاندار واقعہ پیش آ گیا۔ مکہ پہنچ کر آنحضرتؐ نے دشمنوں سے جو حسن سلوک کیا اس کی مثال تاریخ عالم پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ابو سفیان جیسے ازلی دشمنوں کے گھر کو جائے امن قرار دے دیا گیا اور خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر مکہ فتح کر لیا گیا۔ پھر بہادری اور رحم دلی کی اعلیٰ ترین مثال قائم کرتے ہوئے قریش کے لئے عام معافی کا اعلان کر دیا گیا۔ جب قریش نے بھی اسلام کے سامنے سر تسلیم ختم کر دیا تو عربوں کی بڑی بڑی جماعتوں نے اور قبائل نے اسلام قبول کر لیا اور اب اسلام جزیرہ نما عرب کی سرحدیں عبور کرنے کے لئے تیار ہو چکا تھا۔

9 ہجری میں حج کی فرضیت نازل ہونے پر آنحضرتؐ نے حضرت ابو بکرؓ کو امیر حج بنا

Marfat.com

کر مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ مکہ بھیجا پھر 10 ہجری میں آپؐ نے آخری حج کی قیادت خود فرمائی۔ تاریخ اسلام میں یہ حج، حجتہ الوداع کہلاتا ہے۔ اسی مبارک موقع پر آپؐ نے جو شاندار خطبہ دیا وہ عالم انسانیت کے لئے حقوق انسانی کی سب سے پہلی اور بہترین دستاویز ہے۔ حجتہ الوداع سے واپسی پر آنحضرتؐ نے مدینہ میں بروز 12 ربیع الاول 11 ہجری وصال فرمایا۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفۃ المسلمین مقرر ہوئے اور عہد خلافت راشدہ کا آغاز ہوا۔ اگرچہ اسلامی ریاست کا دارالخلافہ اب مدینہ منورہ تھا مگر حج اور اسلام کا اولین شہر ہونے کی وجہ سے شہر مکہ کی دینی اور روحانی اور علمی مرکزیت قائم رہی۔ محققین کے نزدیک اگر مکہ کی تاریخ اسلام سے جدا ہوتی تو مکہ عہد خلافت راشدہ ہی میں ایک گمنام اور معمولی درجہ کا قصبہ قرار پاتا۔

Marfat.com

مکہ المکرّمہ

عہد خلافت راشدہ:

خلفائے راشدین کے زمانے میں مکہ میں خلافت کی نمائندگی سے نامزد دربار خلافت کرداولئی یا گوانر کرتے رہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا عہد خلافت حضرت عمرؓ نے مکہ سے مدینہ تک ہر منزل پر چوکیاں اور سرائیں تعمیر کرائیں۔ حرم کعبہ میں عہد اسلام کی پہلی توسیع بھی انؓ کے عہد میں ہوئی۔ حرم مکہ کے گرد پہلی مرتبہ دیوار بھی کھنچوائیگئی اور کعبہ پر مصری کپڑے کا غلاف چڑھایا گیا۔ عہد عثمانؓ میں بھی سرائیں تعمیر کرائی گئیں اور شیریں پانی کے لئے کنوئیں کھدوائے گئے۔ حضرت علی کا عہد مبارکہ چونکہ سیاسی فتنوں سے پر تھا اس لئے تعمیر پر بہت کم توجہ دینے کا وقت آپؓ کو نصیب ہو سکا۔ مکہ میں آنے والے سیلاب اب مکہ میں آنے والے چار سیلابوں کو مورخین نے اہم قرار دیا ہے۔ ان میں ایک حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں آیا تھا۔ اس سیلاب میں پانی اتنا بڑھ آیا تھا کہ مکہ کے بالائی حصے کی طرف سے مسجد الحرام میں داخل ہو گیا تھا۔

عہد اموی:

حضرت امام حسنؓ کی دستبرداری کے بعد امیر معاویہ اور حجاز و عراق کے بھی حکمران بن گئے۔ ان کے عہد میں مرکز حکومت اسلامیہ دمشق منتقل ہو گیا۔ حضرت امیر نے اہل حجاز کو ہر ممکن طرح سے خوش رکھنے کی کوشش کی مگر ان کا بیٹا یزیدان کی یہ حکمت عملی نہ نبھا سکا۔ حضرت امام حسین کی شہادت اور جنگ حرہ میں مدینہ منورہ کی بربادی کے بعد اہل مکہ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور وہ اگلے سات برس مکہ و حجاز کے حکمران رہے۔

عبدالملک بن مروان کا زمانہ آیا تو اس نے حجاج بن یوسف کو ایک بڑا لشکر دیکر ابن زبیرؓ کے مقابلے کے لئے بھیجا جو حرم کعبہ میں قلعہ بند ہو چکے تھے۔ حجاج نے مکہ کا محاصرہ کر لیا اور منجنیقوں سے درو بام پر شدید سنگ باری کی جس سے خانہ کعبہ سمیت حرم مکہ کو شدید نقصان پہنچا۔ محاصرے نے طول کھینچا تو مکہ میں شدید قحط پڑ گیا اور اہالیان شہر کو ناقابل بیان تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ آخر عبداللہ

Marfat.com

بن زبیر بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اور اہل مکہ کو ناچار حجاج کی اطاعت اختیار کرنا پڑی۔
ابن زبیر نے اپنے عہد میں کعبہ کی تعمیر نو کی تھی اور حطیم کو بھی عمارت کعبہ میں شامل کر دیا تھا۔ حجاج نے کعبہ کی عمارت کو اس کے پہلے نقشے پر تعمیر کروایا اور حطیم کو عمارت سے واپس باہر نکلوا دیا۔ اموی عہد میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت میں اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی۔

خلافت عباسیہ:

امویوں کے بعد جب عباسی برسر اقتدار آئے تو انہوں نے عراق کو اور بالخصوص بغداد کو نئی سلطنت کا پایہ تخت قرار دیا۔ عباسی خلیفہ سفاح نے اپنے چچا داؤد کو مکہ المکرّمہ اور مدینہ منورہ کا والی مقرر کیا۔ عباسی خلیفہ المنصور کے عہد میں حجاز میں علویوں نے عام شورش بپا کی اور بنو ہاشم میں سے حضرت حسنؓ کے پوتے حضرت نفس ذکیہ نے خروج کیا۔ ان کی حضرت امام مالک اور امام ابوحنفیہ نے تائید کی مگر قسمت نے یاوری نہ کی اور نفس ذکیہ اپنے بھائی ابراہیم سمیت مارے گئے۔ منصور نے اپنے زمانے میں حرم مکہ کی توسیع کی اور قریش کے دارالندوہ کو مسجد الحرام میں شامل کر دیا۔

عباسی عہد میں مسجد حرام میں توسیع کا سلسلہ جاری رہا۔ ہارون الرشید بھی عباسی خاندان کا گل سرسبد تھا۔ اس کے زمانے میں خلافت مشرقی الاسلامی اوج کمال پر پہنچی۔ خلیفہ ہارون الرشید 9 مرتبہ حج کے لئے مکہ آئے۔ نہر زبیدہ ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ کا کارنامہ ہے جو اس نے مکہ اور حرم پاک کو فراہمی آب کے لئے کھدوائی تھی، ہارون کے بیٹوں یعنی امین اور مامون نے عرب روایات کی پابندی کرتے ہوئے اپنے باپ کی فرمائش پر پابندی عہد کا ایک معاہدہ جو آئندہ کے لئے دونوں بھائیوں کے لئے آئین کی حیثیت رکھتا تھا خانہ کعبہ میں آویزاں کیا مگر امین اس معاہدے کی پاسداری نہ کر سکا۔ مامون الرشید کے عہد میں ایک اہم واقعہ محمد بن جعفر صادق کا مکہ میں عباسی حکومت کے خلاف خروج تھا۔ مگر گرفتار ہوئے اور مامون نے ان کا قصور معاف کر دیا۔

مقتدر باللہ عباسی کے عہد میں 278ھ/936ء میں قرامطہ کا ظہور ہوا۔ 317ھ میں ایک قرامطی سردار ابو طاہر نے عین حج کے دنوں میں حاجیوں پر حملہ کر دیا نہ صرف حرم پاک کو حاجیوں کے خون سے آلودہ کیا حجاج کرام کو لوٹا بلکہ کعبۃ اللہ کی دیواروں میں سے سنگ اسود نکال کر ہجر لے گیا۔ قریباً 30 سال بعد عبیداللہ مہدی فاطمی نے مداخلت کر کے ابو طاہر سے حجر اسود سے حاصل کر کے واپس بیت اللہ کی دیوار میں نصب کرایا۔

Marfat.com

عباسیوں کے بعد حجاز و مکہ دولت اخشیدی اور فاطمیں مصر کے زیر انتداب رہا۔ 411ھ/ 1031ء میں بعہد ابوعلی منصور حاکم اذان کے الفاظ میں کمی بیشی کر دی گئی اور رمضان شریف میں نماز تراویح کی ادائیگی حکماً روک دی گئی۔

سلاجقہ نے فاطمیوں کا زور توڑنے کی کوشش کی۔ چنانچہ 462ھ میں الپ ارسلان سلجوقی نے امیر مکہ کا فاطمیوں سے تعلق توڑ دیا اور حرم پاک سے میں دوبارہ عباسی خطبہ جاری کروایا۔

دسویں صدی عیسوی کے وسط تک حجاز پر علوی شرفاء کا ایک خاندان قابض ہو گیا۔ اس خاندان نے اگلے تقریباً ایک ہزار برس یہاں اارت قائم کی۔ علوی شرفاء کی اس حکومت کے زمانے میں مکہ المکرّمہ حجاز کی اس سلطنت کا دارالحکومت رہا۔ یہ علوی شرفاء مصلحت زمانہ سے کبھی یمن کے رسولی خاندان کی اطاعت اختیار کر لیتے تھے اور کبھی مصری حکومت کی اطاعت کا دم بھرتے تھے، لیکن اپنی خودمختاری قائم رکھتے تھے۔ عباسی اور فاطمی نزع میں بھی وہ جس فریق کا پلہ بھاری دیکھتے تھے اس کے طرف دار بن جاتے تھے۔ جب 1171ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے فاطمی سلطنت کا خاتمہ کر دیا تو ان شریفین مکہ نے عباسی اور ایوبی قیادت کو تسلیم کرایا اور زیدی شیعہ مذہب چھوڑ کر شافعی مذہب اختیار کر لیا۔

پانچویں صدی ہجری کا آخری اور چھٹی صدی عیسوی کا ابتدائی زمانہ مسلمانوں کے لئے مصیبت اور تباہی کا زمانہ تھا۔ عیسائی جنگجوؤں نے 492ھ/ 1090ء میں بیت القدس پر قبضہ کر لیا اور ان کے حوصلے اتنے بڑھے کہ وہ مقامات مقدسہ عرب یعنی مکہ اور مدینہ پر بھی چڑھائی کا منصوبہ تیار کرنے لگے۔ انہیں دنوں عراق میں قرامطیوں نے اودھم مچا رکھا تھا۔ مصر میں فاطمین نے عیسائی صلیبیوں سے سازباز کر رکھی تھی۔ اسماعیلی باطنیوں نے دنیائے اسلام کو خوف و دہشت سے لرزہ رکھا تھا۔ ان کی خنجر زنی سے سلاطین اور اکابرین اسلام بھی محفوظ نہیں تھے۔

فرنگی جنگجوؤں نے حج کے راسیت مخدوش بنا دیئے تھے اور یروشلم کا عیسائی بادشاہ ریجنالڈ حاجیوں کے قافلے جو مصر سے آتے تھے لوٹ لیتا تھا۔ اس نے ساحل عرب کو تاراج کرنے کے لےء جہازوں کا بیڑا بھی تیار کر لیا تھا۔ ایسے میں مسلمان امیر البحر لولوء نے اس کی بحری مہم کو ناکام بنا کر حرمین کو عیسائیوں کی یلغار سے محفوظ کر دیا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے بھی حج کے راستے کو مامون بنایا اور اپنے لئے خادم

Marfat.com

حرمین الشرفین کا لقب اختیار کیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے جانشینوں کے بعد مصر اور حجاز کی زمام اقتداء ترک ممالیک کے ہاتھ آ گئی۔ انہیں مملوکین مصر میں سے ایک سلطان بیبرس بند قداری تھا جس نے دنیائے اسلام کو خس وخاشاک کی طرح بہادینے والے تاتاری سیلاب کے آگے بند باندھ دیا تھا اور ہلاکو خاں کے سپہ سالار کتبغا خاں کو فلسطین میں عین الجالوت کے مقام پر شکست فاش سے دوچار کر دیا تھا۔ جیسا کہ حرمین شریفین کی تاریخ تعمیر سے ظاہر ہے۔ ان مصری مملوکوں نے حرمین شریفین کی بڑی تعمیری خدمات بھی انجام دیں۔

عہد وسطیٰ:

سولھویں صدی کے آغاز میں (1517ء) سے مصر پر ترکان عثمان کا قبضہ ہو گیا اور مصر کی فتح کے بعد سلطان سلیم نے امیر مکہ شریف برکات کے لئے ایک قیمتی خلعت بطور تحفہ بھیجا۔ امیر مکہ نے عثمانیوں کی اطاعت اختیار کر لی اور اس وقت سے 1916ء تک حرمین میں عثمان سلاطین کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ حجاز اور سرزمین عرب خلافت عثمانیہ سے وابستہ رہا۔ عثمانی سلاطین کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ چار سو برس تک حرمین الشریفین خصوصی طور پر عیسائیوں کے حملوں سے محفوظ رہے۔ پرتگیزوں اور دیگر اقوام مغرب نے بحری اور اکتشافی امور میں ترقی کر کے دنیا بھر کے سمندروں کو اپنے تصرف میں کر لیا تھا۔ اس زمانے میں پرتگیز عالم اسلام کے لئے بھی بڑی مصیبت بن گئے تھے۔ ان کے چھاپوں سے حج کا سفر خطرناک بن گیا تھا اور حج کے راستے غیر محفوظ ہو گئے تھے۔ 948ھ میں پرتگیزوں نے جدہ پر حملہ کر کے مقامات مقدسہ کو ویران و تاراج کرنے کا خواب دیکھا تھا جسے اس وقت کے شریف مکہ ابونمی نے جہاد کا عام اعلان کر کے ایک شدید جنگ میں ان مغربی حملہ آوروں کا منہ پھیر دیا اور حرمین خطرے سے محفوظ ہو گئے۔ اس فتح کے صلے میں سلطان سلیمان اعظم عثمانی نے جدہ کی بندرگاہ کی نصف آمدنی شریف مکہ کی نذر کر دی تھی۔

سلطان سلیم ثانی کے عہد میں مسجد الحرام کی چھت اور ستونوں کو گرا کر اسے دوبارہ تعمیر کروایا تھا اور دیگر عثمانی سلاطین بھی حرمین کی زیبائش اور آرائش و توسیع میں حصہ لیتے رہے۔

سلطان مراد رابع کے عہد میں 1039ھ/1630ءمیں مکہ مکرمہ میں شدید بارشیں ہوئیں جن سے سیلاب کا پانی حرم شریف میں داخل ہو گیا جس کی وجہ سے کعبہ کی دیواریں شکستہ ہو گئیں۔ سلطان نے کعبہ کو از سر نو تعمیر کرایا۔ اور اس کے اندر سنگ مرمر کا فرش لگوایا۔ خانہ کعبہ آج تک اسی تعمیر پر قائم ہے۔

Marfat.com

اٹھارہویں صدی کے وسط میں نجد میں ایک انقلابی شخصیت امام محمد بن عبدالوہاب نے کتاب وسنت کی دعوت دی اور شرک اور بدعات کو ترک کردینے کا اعلان کیا۔ امیر نجد محمد بن سعود نے جوان کے داماد تھے ان کی امداد اعانت کا اعلان کیا۔ اس طرح یہ دینی تحریک سیاسی تحریک بن کر ابھری۔ شرک اور بدعات کے خلاف نجدیوں کی پرجوش اور قدرے غیر معتدل سرگرمیوں سے مجبور ہوکر امیر مکہ شریف غالب نے نجدیوں کا حجاز میں داخلہ بند کردیا۔ اس کے بعد نجدیوں اور امیر مکہ میں جنگ وجدال کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوگیا جس میں نجدیوں کا پلہ بھاری رہا اور وہ بالآخر 1803ء میں مکہ پر وہابیوں کا قبضہ ہوگیا۔ جس سے عالم اسلام میں عمومی اور سلطنت عثمانیہ میں ان کے خلاف ناراضگی کی لہر دوڑ گئی۔ آخر عثمانی سلطان نے محمد علی پاشا، والی مصر کو حجاز کے نجدیوں کے تسلط سے آزاد کرانے کا حکم دیا۔ محمد علی پاشا اور اس کے بیٹے ابراہیم پاشا نے پیش قدمی کر کے نہ صرف حجاز کو نجدیوں کے تسلط سے آزاد کرالیا بلکہ امیر عبداللہ بن سعود کو گرفتار کر کے قسطنطنیہ بھیج دیا، جہاں اسے سزائے موت دیدی گئی۔ مگر مرکز کی تباہی کے باوجود امام محمد بن عبدالوہاب کی تعلیمات پر عمل اور ان کی اصلاحی تحریک جاری وساری رہی۔ اس کے اثرات برصغیر پاک وہند کے علاوہ مشرق میں انڈونیشیا اور مغرب میں نائیجریا اور مراکش تک محسوس کئے گئے۔

عصر جدید:

عثمانی سلاطین میں حرمین کی خدمات کی سعادت سب سے زیادہ سلطان عبدالمجید خان (1839ء/ 1861ء) کو نصب ہوئی۔ خلفائے عثمانیہ کے علاوہ امرا اور ان کی بیگمات نے حرمین کے مصارف کے لئے بڑی بڑی جائیدادیں ترکیہ میں وقف کردیں۔ ان کی آمدنی مکہ معظّمہ پہنچادی جاتی تھی۔ یہ سلسلہ کمالی انقلاب کے بعد ختم ہوگیا۔

سلطان عبدالحمید خان ثانی کے عہد میں دمشق اور مدینہ کے درمیان حجاز ریلوے قائم کی گئی۔ جس سے ترکیہ، شام اور فلسطین سے آنے والے حجاج کرام کی تعداد میں اضافہ ہوگیا۔ 1908ء میں شریف حسین بن علی حجاج کا امیر بن کر کہ پہنچا اور آزاد عرب مملکت کے قیام کے خواب دیکھنے لگا۔ جب پہلی جنگ عظیم (1914ء...... 1918ء) شروع ہوئی تو اس نے انگریزوں کی شہ پر ترکوں کے خلاف جون 1916ء میں ایک عرب انقلاب یا بغاوت بپا کردی اور سلطان حجاز ہونے کا اعلان کردیا۔ (اکتوبر 1916ء) انگریزوں نے اس کی خودمختاری کو تسلیم

Marfat.com

کرلیا۔ دوران بغاوت لارنس آف عریبیا کی سازشوں سے عرب دستوں نے انگریزوں کی نگرانی میں حجاز ریلوے کو اڑادیا جس سے ترک افواج کو امدادی سامان، اسلحہ اور خوراک نہ پہنچ سکی اور انہیں شکست کے علاوہ بے شمار مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ بالآخر ترکوں نے حجاز کو خالی کر دیا۔ شریف حسین آف مکہ نے اس خودمختاری پر اکتفا نہیں کیا اور مصطفیٰ کمال کے ترک خلافت کے خاتمے کے بعد 1924ء میں اس نے خلیفۃ المسلمین ہونے کا اعلان کر دیا۔ جس کی نہ صرف نجد اور دیگر عرب علاقوں میں بلکہ ہندوستان و مصر میں بھی مخالفت ہوئی۔

ترکوں کی مخالفت اور ان سے جنگ کے نتیجے میں حجاز میں اناج کی درآمد مسدود ہوگئی اور غلہ کی کمیابی اور گرانی کی وجہ سے مکہ المکرّمہ کے باشندوں کو بہت سی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا جس سے شہریوں مکہ سے ہجرت کرنا پڑی۔

1902ء میں شریفی امرائے حجاز کے پرانے مخالف خاندان سعودیہ نے نجد میں اپی امارت دوبارہ قائم کرلی تھی اور شریف مکہ ان سے جنگ بھی کر چکا تھا۔ حجاز کی بدحالی اور شریف حسین کی حکومت کی زبوں حالی دیکھ کر نجدیوں نے اپنا پرانا بدلہ چکانے کا فیصلہ کیا اور نجدی افواج نے بڑھ کر طائف پر قبضہ کرلیا۔ 1925ء تک سعودی مکہ المکرّمہ اور مدینہ منورہ فتح کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ شریف حسین نے پہلے جدہ اور پھر قبرص کی راہ لی اور شریفی امراء کی عرب دنیا سے سیادت ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی۔

سلطان عبدالعزیز نے حجاز پر قبضے کے بعد مکہ میں امن و امان بحال کیا اور پھر سعودی سلطنت کے قیام کا اعلان کر دیا۔ 1930ء میں تیل کی دریافت کے بعد ملک میں خوشحالی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ سعودی دور میں مکہ معظمہ کو ایک اہم مرکز اسلامی کی حیثیت حاصل ہے اور سعودی دور حکومت میں مسجد الحرام کی توسیع و تزئین کئی بار کی جاچکی ہے۔ رابطہ عالم اسلامی کا صدر دفتر بھی مکہ میں قائم ہے۔ شہر میں نئی عمارات کا ایک جال بچھ گیا ہے اور بے شمار قہوہ خانے اور بہت سے جدید ہوٹل کھل گئے ہیں۔

مکہ المکرّمہ کی علمی تاریخ، تفسیر، حدیث و فقہ، مغازی، سیرت اور عرب شاعری سے عبارت ہے۔ ہر دور میں مکہ میں عظیم علمی شخصیات موجود رہی ہیں۔ دور جاہلیت سے آج تک بے شمار اسلامی شخصیات یہاں درس و تدریس و تصانیف میں مصروف عمل رہی ہیں۔

Marfat.com

مکہ معظّمہ کے تاریخی آثار

مکہ معظمہ کے فضائل اور مسجد الحرام میں نمازوں کی فضیلت اور اس کے ثواب واجر کے بیان سے کتب حدیث معمور ہیں۔ حج کے شوق میں ہر اسلامی زبان میں نعتیں لکھی گئی ہیں۔ ناصر خسرو، ابن بطوطہ، ابن جبیر اندلسی اور محمد حسین ہیکل نے اپنے سفرناموں میں سفر حج کے دلکش واقعات بیان کیے ہیں۔ اردو زبان میں محمد الیاس برنی کا ''صراط الحمید'' اور عبدالماجد دریابادی کا ''سفرحجاز'' خاص ادبی مقام رکھتے ہیں۔ ممتاز مفتی کے ''لبیک'' کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔

خانہ کعبہ:

خانہ کعبہ کے گرد مطاف کا دائرہ ہے۔ اس کے چاروں رواق بنے ہوئے ہیں جن کی چھتوں کو پتھروں کے ستون تھامے ہوئے ہیں۔ صحن کے چاروں طرف کھلا اور وسیع صحن ہے۔ اس صحن کے چاروں طرف ان رواقوں اور دالانوں کے سامنے مسجد کا صحن ہے۔ لوگوں کے مکانات مسجد کے عین سامنے کھلتے تھے۔ فتوحات اسلامیہ کے بعد جب مسلمانوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا تو پہلے حضرت عمرؓ اور بعدازاں حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد خلافت میں آس پاس کے مکانات خرید کر مسجد الحرم کی توسیع کی۔ حضرت عمرؓ نے مسجد الحرام کے گرد قد آدم جتنی بلند چار دیواری بنوائی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر کی حکمرانی کے دنوں میں مزید مکانات خرید کر کعبہ کی تعمیر کے دوران مسجد میں شامل کیے گئے اور مسجد پر چھت ڈلوائی۔ اموی عہد میں عبدالملک بن مروان نے مسجد میں سنگ مرمر کے ستون تعمیر کروائے اور ساگوان کی چھت بنوائی۔ ولید بن عبدالملک کا زمانہ آیا تو اس نے مسجد کی خوشنمائی اور زیبائی کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ سنگر خام شام سے لایا گیا اور بنیادوں میں چونے، گچ مٹی اور راکھ سے تیار شدہ مسالہ ڈال کر انہیں مضبوط بنایا گیا۔ اردگرد کی دیواروں کے ساتھ نئے ایوان بنوائے گئے اور ان پر ساگوان کی چھتیں ڈلوائی گئیں۔ خلافت عباسیہ کے زمانے میں جب خلیفہ مہدی 160ھ میں فریضہ حج کی ادائیگی کے

Marfat.com

لیے مکہ آیا تو اس نے محسوس کیا کہ خانہ کعبہ مسجد الحرام کے عین وسط میں واقع نہیں ہے۔ چنانچہ اس کے حکم پر آس پاس کے مزید مکانات صحن کعبہ میں شامل کر کے اسکی کجی دور کی گئی۔ مہدی کے بعد اس کے بیٹے ہادی نے باپ کے نامکمل کاموں کی تکمیل کی۔ 281ھ میں ایک اور عباسی خلیفہ المعتضد کے عہد میں قریش کے مشہور زمانہ دارالندۃ کی زمین بھی مسجد الحرام میں شامل کر دی گئی جس سے مسجد الحرام فراخ ہو گئی۔

خلفائے عباسیہ کے بعد جب مصر کے مملوک حکمرانوں کا زمانہ آیا تو مملوک سلاطین مسجد کی مرمت اور دیکھ بھال میں گہری دلچسپی لیتے رہے۔ ان کے عہد میں حرم شریف میں بہت سی ترمیمات اور اضافے ہوئے۔ 802ھ میں مسجد الحرام کے ایک تہائی حصے میں آگ لگ جانے کی وجہ سے مسجد شریفہ کو شدید نقصان پہنچا۔ سلطان مصر، الملک الناصر فرج بن برقوق نے مصر سے کاریگر اور سامان تعمیرات بھجوایا اور سنگ رخام کی جگہ سنگ شمسی کے ستون نصب کروائے۔ 884ء میں سلطان قاتبائی بذات خود حج کے لئے مکہ معظمہ آیا تو اس نے نہر زبیدہ اور پانی کے دوسرے چشموں کی مرمت کرائی اور سادات و مشائخ مکہ کو انواع و اقسام کے انعامات سے نوازا۔

مملوک سلاطین کے بعد مسجد الحرام کی خدمت ترکان عثمانی کو حاصل ہوئی۔ مملیمان اعظم قانونی نے سنگ مرمر کا عمدہ منبر بنوا کر مسجد کے لئے بھجوایا۔ سلطان سلیم ثانی کے زمانے میں مسجد الحرام کی حالت خستہ ہو چکی تھی۔ چھت کرم خوردہ ہو کر گرنے کی حالت میں تھی۔ اسی طرح مسجد کی مشرقی دیوار بھی گرنے کو تھی۔ چنانچہ مکہ کے اعیان و عمائد اور مشائخ و علماء کی موجودگی میں 980ھ میں مسجد کی از سر نو تعمیر کا کام شروع کیا گیا۔ مسجد کی چھت سنگ شمسی پر قائم کی گئی اور چار چار ستونوں پر ایک گنبد (قبہ) بنا دیا گیا۔ دیواروں کو قرآنی آیات سے مزین کیا گیا۔ مسجد کی تعمیر کی تکمیل سلطان سلیم ثانی کے جانشین سلطان مراد رابع کے عہد میں ہوئی۔ (984ء) عثمانی عہد میں سلطان عبدالمجید نے بھی مسجد کی آرائش و زیبائش پر زر کثیر خرچ کیا۔ موجودہ سعودی حکومت نے مسجد کی تعمیر توسیع کے منصوبوں پر اربوں پاؤنڈ خرچ کئے ہیں۔ اور کئی مرتبہ توسیع کا کام ہو چکا ہے۔ اس توسیع سے مسجد کا رقبہ 3 چار گنا ہو چکا ہے۔

چار مصلے:

ترکوں کے عہد میں مسجد میں چار مسالک اسلامیہ کے مطابق مسجد الحرام میں چار مصلے

Marfat.com

علیحدہ علیحدہ قائم تھے۔ سعودی حکومت کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اتحاد المسلمین کے لئے اس نے چار مصلوں کو ترک کر کے مسجد میں ایک مصلیٰ قائم کیا جس پر مذاہب اربعہ کے امام مختلف اوقات میں پنجگانہ نماز باری باری پڑھاتے رہے ہیں۔ کچھ مدت پہلے تک حرم شریف کے چھ میناروں سے بیک وقت چھ موذن اذان دیتے تھے، لیکن اب یہ سلسلہ بھی ترک کر دیا گیا ہے اور ایک ہی موذن اذان دیتا ہے۔ رمضان المبارک میں مسجد الحرام کی رونقیں دوبالا ہو جاتی ہیں اور افطار اور نماز تراویح کی ادائیگی کے مناظر قابل دید ہوتے ہیں۔

دیگر تاریخی آثار:

مکہ معظمہ میں مسجد الحرام کے علاوہ مسجد الرایہ، مسجد الجن، مسجد ابوقبیس، مسجد العقبہ، مسجد نمرہ اور مسجد النحر قابل دید ہیں۔ یاد رہے مسجد الرایہ وہ جگہ ہے جہاں آنحضرتؐ نے اپنا جھنڈا نصب کیا تھا۔ مسجد الجن وہ جگہ ہے جہاں جن آپؐ پر ایمان لائے تھے، مسجد العقبیٰ میں آنحضرت نے نماز پڑھی تھی۔ مسجد نمرہ عرفات کے قریب ہے۔ یہاں بھی حضور اکرمؐ نے نماز ادا کی تھی۔ مسجد نحرہ بازار مکہ کے ایک کوچے میں واقع ہے۔ یہاں حضور ﷺ نے بہت سے اونٹ ذبح کئے تھے۔ مکہ المعظمہ کی تاریخی مکانات میں مولوا لنبیؐ، بیت سیدہ خدیجہؓ، دارِ ابی بکرؓ، مولانا حضرت علیؓ، اور دار الارقم قابل ذکر ہیں۔ دار الارقم وہی مکان ہے جہاں رسول اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ چھپ کر نماز ادا کرتے تھے۔ اب اس مکان کا نصف حصہ سڑک میں شامل کر دیا گیا جبکہ نصف حصہ مارکیٹوں میں شامل کر دیا گیا۔ یہ سب سعودی حکومت کی آثار قدیمہ کی قدر نہ کرنے کے سبب ہے۔ دنیا کے ہر خطے کی اقوام اپنے آثار قدیمہ کی حفاظت اپنے ماضی کی نشانیاں سمجھ کر کرتی ہیں مگر سعودی حکام شرک و بدعت کے خطرے کے پیش نظر تاریخ اسلام کے بہت سے آثار کو اپنے ہاتھوں سے تلف کر چکے ہیں۔

جبل المکہ:

مکہ کے محترم و مقدس پہاڑوں میں جبل ابوقیس، جبل ثور، جبل نور اور جبل الرحمتہ نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جبل ابوقبیس کے دامن میں بنو ہاشم اس طرف آباد تھے اور انشقاق قمر کا معجزہ نبویؐ اسی پہاڑ پر ظاہر ہوا تھا۔ جبل نور پر غار حرا واقع ہے جہاں نبی اکرمؐ پر پہلی

Marfat.com

مرتبہ وحی نازل ہوئی تھی۔ مسجد جبل ابوقبیس اس مقام پر واقع ہے جہاں کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے لوگوں کو حج کی دعوت دی تھی۔ آج کل جبل نور کے دامن میں سعودی حکومت نے ایک بند تعمیر کروایا ہے۔ جس سے بارش کا پانی سمندر میں جا گرتا ہے اور مکہ معظمہ سیلابوں سے محفوظ ہو گیا ہے۔ جبل الرحمتہ وہ چھوٹی سی پہاڑی ہے جیسا کہ پہلے آیا تھا جس کے دامن میں آنحضرتؐ نے صحابہؓ کو خطاب فرمایا تھا۔ اس کے دامن میں ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہے۔ یہ علاقہ آج کل سیرگاہ بن گیا ہے یہاں متعدد قہوہ خانے بن گئے ہیں۔ جبل ثور میں غار ثور ہے جہاں ہجرت کرتے ہوئے کفار مکہ سے بچنے کے لئے آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پناہ لی تھی۔

جنت المعلیٰ:

جنت المعلیٰ مکہ معظمہ کا قدیمی قبرستان ہے اور مکہ میں مسجد الحرام سے تقریباً ایک میل کی دوری پر واقع ہے۔ ام المومنین کے علاوہ بہت سے صحابہ کرام، تابعین عظام اور بے شمار علماء و شہدائے کرام یہاں محو استراحت ہیں۔ مکہ معظمہ کے تاریخی آثار میں انتہائی اہمیت کا حامل قبرستان ہے۔

کتب خانے:

حرمین شریفین میں ہر دور اور ہر زمانے میں مملوک اور سلاطین، وزراء، روسا اور علماء و فضلاء نے بہت سے کتب خانے بنا کر وقف کئے ہیں۔ مگر مکہ میں آنے والے سیلابوں کی تباہ کاریوں اور نالائق متولیوں کی حرص و لالچ سے یہ کتب خانے برباد ہوتے رہے۔ آج کل مکہ معظمہ میں چار پانچ کتاب خانے قابل ذکر ہیں۔ ان میں کتب خانے مدرسہ محمودیہ خاص اہمیت رکھتا ہے جس میں حرم کی متفرق کتابیں یکجا کر دی گئی ہیں۔ مطبوعہ اور قلمی کتابیں دس سے بارہ ہزار کے قریب ہیں۔ مکہ المکرمہ دوسرا مشہور کتب خانہ شیروانی ہے جسے ایک ترک والی حجاز شیروانی زادہ محمد رشدی پاشا نے قائم کیا تھا۔ تیسرا کتب خانہ مدرسہ صولیتہ کا ہے۔ یاد رہے مکہ کا مدرسہ صولیتہ کلکتہ کی ایک مالدار مسلمان خاتون صولت النساء بیگم نے تعمیر کروایا تھا۔ اس مدرسہ کے کتب خانے میں عربی اور فارسی کتب کے ساتھ ساتھ اردو زبان کی کتب بھی موجود ہیں۔ چوتھا اہم کتب خانہ جامعہ ام القریٰ کا ہے جو مطبوعات اور مخطوطات کے اعتبار سے سب کتب خانوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ پانچواں کتب خانہ دہلی والوں کا ہے۔ (شیخ عبدالوہاب دہلوی) یہ نجی کتب خانہ بھی بہت وسیع ہے۔

Marfat.com

برصغیر اور مکہ:

مسلمانان برصغیر کو ہمیشہ سے آستانہ خلافت اور حرمین شریفین سے دلچسپی، محبت اور عقیدت رہی ہے۔ خلفائے عباسیہ نے سلطان محمود غزنوی، فاتح ہند کو کہف الدولۃ والاسلام کا خطاب دیا تھا۔ اکثر اوقات ہندوستان کے مسلم سلاطین کے لئے تقرر کے پروانے اور خلعت فاخرہ دربار خلافت سے ارسال کی جاتی تھیں۔ ان کی آمد پر ہندوستان میں جشن منایا جاتا تھا۔ بنگالہ کے سلطان غیاث اللہ بن بن سکندر شاہ (775ھ) نے اپنا وزیر جہاں خان کو حجاز مقدس بھیج کر ایک رباط مدینہ منورہ میں تعمیر کروایا تھا۔

شیر شاہ سوری جیسے حکمران کی خواہش تھی کہ وہ مکہ یا مدینہ میں جا کر خدمت گزاری کرے۔ مغل شہنشاہوں میں اکبر اعظم حاجیوں کے قافلوں کو روانہ کرنے کے لئے خود احرام باندھے ننگے پاؤں ننگ سر حجاج کرام کے ساتھ دور تک انہیں رخصت کرنے کے لئے جاتا تھا۔ شاہجہان کے عہد میں مکہ معظمہ میں قحط پڑا تو بادشاہ نے لاکھوں روپے کا امدادی سامان سورت کی بندرگاہ سے مکہ بھجوایا تھا۔ اورنگزیب کے زمانے میں قدیم دستور کے مطابق ہندوستان کی حکومت اور امراء، علماء اور حجاج کرام کی معرفت حرمین کی مالی معاونت کرتے تھے۔ یہی دستور انگریزوں کے قبضے کے بعد ہندوستان کی ریاستوں کے مسلمان والیوں نے برقرار رکھا تھا۔

میدان عرفات:

مکہ کے نواح میں تقریباً 21 کلومیٹر 13 میل کے فاصلے پر ایک وسیع میدان واقع ہے جہاں حج کا بنیادی رکن وقوف عرفات ادا کیا جاتا ہے۔ اس میدان کو میدان عرفات کہتے ہیں۔ مناسک کا مرکز اس میدان کے شمال مشرق میں سرخ رنگ کی ایک پہاڑی ہے جسے جبل الرحمت کہتے ہیں۔ اس کی مشرقی سمت میں سیڑھیاں تراشی گئی ہیں۔ ساٹھویں سیڑھی پر ایک چبوترہ بنا ہوا ہے جس پر ایک منبر رکھا ہے۔ اس منبر پر کھڑے ہو کر یوم العرفہ کے دن خطیب خطبہ عرفات دیتا ہے۔ عرفات کے میدان کی لمبائی قریباً ساٹھ آٹھ میل ہے جبکہ اس کی چوڑائی شرقاً غرباً تقریباً 4 میل ہے۔ یہ حرم مکہ کے باہر واقع ہے۔

Marfat.com

الطائف

طائف مکہ کے جنوب مشرق میں تقریباً 65 کلومیٹر (50 میل) کی دوری پر واقع ہے۔اس کا شمار عرب کے قدیم ترین شہروں میں ہوتا ہے۔ یہاں سے مکہ تک جانے والی شاہراہ چونکہ کئی ایک پیچیدہ گھاٹیوں سے گزرتی ہے۔اس لئے اس پر سفر کرنے والوں کو تقریباً 75 میل کا فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے جبکہ براہ راست یہ مسافت اس سے کہیں کم ہے۔ یہ شہر ایک سطح مرتفع پر واقع ہے۔ جو سطح سمندر سے تقریباً 5000 فٹ کی بلندی پر ہے۔ایک دلچسپ بدوی افسانے کے مطابق جب حضرت ابراہیمؑ اپنی بیوی حضرت ہاجرہ کے ساتھ شام سے صحرائے عرب کی سمت میں روانہ ہوئے تو خدا تعالیٰ نے مرغزار شام کا ایک ٹکڑا ساتھ کر دیا تھا، یہی طائف ہے۔ سردیوں میں بعض اوقات یہاں درجہ حرارت نقطہ انجماد سے نیچے چلے جانے کی وجہ سے پانی جم جاتا ہے۔قبل از اسلام کے زمانے سے ہی مکہ اور طائف توام (جڑواں) شہر سمجھے جاتے ہیں۔ عہد قدیم میں طائف میں جہاں لات دیوتا کا قدیم معبد قائم تھا وہاں آج کل سعودی حکومت نے ایک گیسٹ ہاؤس یا دار الضیافہ قائم کر دیا ہے۔

طائف کی زرعی پیداوار کی نکاسی ہمیشہ سے مکہ میں ہوتی آئی ہے۔عہد خلافت راشدہ اور بعد کے ادوار میں اہل مکہ بالخصوص بنو امیہ، طائف میں زمینیں خریدنے اور موسم گرما گزارنے یہاں آیا کرتے تھے تو طائف کے مستعد باشندے بھی تجارتی کاروبار کے سلسلہ میں مکہ میں بود و باش رکھتے تھے۔قرآن کریم کی سورۃ الزخرف (44-31) میں مکہ اور طائف کو ملا کر ''قریتین'' کہا گیا (دو شہر) کہا گیا ہے۔

آغاز اسلام کے وقت یہ مغربی عرب کے چند بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ یہاں کا معبد یا بت حرم مکہ کا حریف تھا۔جدید زمانے میں سعودی حکومت نے اس شہر کو گرمائی قیام گاہ کے طور پر بڑی ترقی دی ہے۔آج کل یہاں کثرت سے یورپی اور امریکی سفید فام باشندے نظر آتے ہیں۔قبل از اسلام سے یہ صرف ترکاری اور انگور کی شراب، گیہوں اور لکڑی کی برآمد کے

Marfat.com

لئے مشہور تھا۔ مکتوبات نبویؐ میں ایک جو اہل طائف کے نام ہے، "غیر أنامی مکی کی شراب کو بھی حرام سمجھنے کی تاکید فرمائیگئی ہے۔ خاندان بنو ہاشم کی زمانہ قبل از اسلام سے طائف میں رشتہ داریاں تھیں۔ بنو عبدہ یا لیل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماموؤں کا خاندان کہا جاتا تھا۔ ابولہب کی بیٹیوں کی شادیاں اہل طائف سے ہوئی تھیں۔ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کا بھی طائف سے تجارتی تعلق تھا۔ اسی تناظر میں جب رسول اللہ اہل مکہ سے مایوس ہوئے تو آپؐ نے طائف کا رخ کیا۔ اگرچہ سفر طائف سے آپ کو جسمانی اور روحانی تکلیف اور مایوسی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا۔ ہجرت کے بعد جلد ہی رجب 2 ھ میں سریہ نخلہ (مابین مکہ و طائف) پیش آیا، جو اگرچہ خالصتاً اہل مکہ پر معاشی دباؤ ڈالنے کے مقصد سے لڑا گیا تھا۔ مگر مکے سے تجارت میں رکاوٹ پیدا ہونے سے اس سے طائف کا متاثر ہونا بھی ناگزیر تھا۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہونے والی جنگوں میں اسی وجہ سے طائف ہمیشہ اہل مکہ کی تائید کرتا رہا تھا۔ جنگ احد کے دوران بھی چند باشندگان طائف قریش کے فوجی عملے میں شامل تھے اور غزوہ خندق مں تو طائف کے ثقفیوں کا ایک پورا دستہ مدینے کے محاصرے میں شریک تھا۔ اہل طائف کی تجارت یمن اور مکہ کے علاوہ غالباً جزیرہ نمائے عرب کے شمالی حصوں سے
بھی اچھی خاصی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ابوعبیدہ نے صلح نامہ حدیبیہ کا جو متن دیا ہے اس میں بالصراحت یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو مسلمان تجارت کے لئے طائف یا یمن جاتے ہوئے مکہ سے گزریں گے انہیں امن وامان حاصل رہے گا۔

8 ھ میں جب اہل طائف اور ان کے بدوی رشتے داروں، بنو ہوازن نے فتح مکہ پر چراغ پا ہوکر شدید مخالفت دکھائی۔ غالباً انہیں مکہ کی منڈی کے ہاتھ سے نکل جانے کا بھی شدید مالی صدمہ پہنچا تھا۔ اس پر حنین کے مقام پر پہلی کشمکش ہوئی۔ پھر اس کا سلسلہ خود طائف میں جاری رہا، جس کا رسول اللہ نے کئی ہفتوں تک محاصرہ کئے رکھا۔ دبابے، منجنیق اور دیگر قلعہ شکن آلات کے استعمال کے باوجود اہل قلعہ نے کامیاب مدافعت کی۔ کہتے ہیں کسی شہنشاہ ایران نے کسی طائفی تاجر سے خوش ہوکر طائف کے گرد فصیل تعمیر کرنے کے لئے ایک مہندس اس کے ساتھ بھیجا تھا۔ رسول اللہ نے طائف کی فصیل کی مضبوطی کو مدنظر رکھتے ہوئے مزید محاصرہ جاری رکھنے کی بجائے ثقیف کے بعض حریف قبائل کو جو مسلمان ہو گئے تھے اس کام پر مامور کیا کہ

Marfat.com

طائف پر معاشی دباؤ ڈالتے رہیں۔

اس واقعہ کو ابھی سال بھی نہیں گزرا تھا کہ اہل طائف نے پریشان ہو کر اطاعت قبول کرلی۔ شروع میں تو اس کے وفد نے چاہا کہ نماز نہ پڑھیں، نہ زکوٰۃ دیں، نہ اپنا بت خانہ توڑیں مگر رسول اللہؐ کے سمجھانے پر وہ اتنے شرمائے کہ انہوں نے سود کے لین دین سے اجتناب کا وعدہ کیا، زکوٰۃ و جہاد میں شرکت پر آمادگی ظاہر کی۔ آنحضرت ﷺ نے مغیرہ بن شعبہ ثقفی اور ابوسفیان کو بھیجا کہ بت کدے کو مسمار کر دیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر آیا کہ طائف کا موجودہ مہمان خانہ اسی بت کدے کی جگہ پر تعمیر کیا گیا ہے۔ ابن ہشام کے مطابق اس معبد کی جگہ پر مسجد ابن عباس تعمیر کی گئی تھی۔ یہ مسجد نیز محاصرہ طائف میں شہید ہونے والے مجاہدین کا قبرستان موجودہ فیصل کے باہر واقع ہے۔ کاتب وحی حضرت زین بن ثابتؓ بھی اسی قبرستان میں مدفون ہیں۔

خلافت راشدہ اور دیگر ادوار میں طائف کبھی بڑا سیاسی مرکز نہ بن سکا، لیکن اس کی سرپرستی معاشی حیثیت سے ضرور جاری رہی۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے وھط میں ایک بہت بڑا تاکستان لگایا اور پھر اسے وقف علی الاولاد کر دیا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے اس کے مضافات میں ایک بڑا تالاب تعمیر کرایا تھا، جس کا کتبہ 58ھ عربی زبان کے قدیم ترین کتبوں سے تعلق رکھتا ہے۔

چوتھی صدی ہجری اور بعد کے مسلمان جغرافیہ نگار طائف کو ''بلدہ صغیرہ'' یا چھوٹا شہر بتاتے تھے۔ ترکی دور میں شریف مکہ اور ترک گورنر یہیں موسم گرما بسر کرتے تھے۔ 1802ء میں سعودیوں نے طائف پر قبضہ کیا اور 1813ء میں طوسون پاشا کی سرکردگی میں مصری افواج نے اسے وہابیوں سے واپس لے لیا۔ اس کے تقریباً ایک سال بعد یعنی 1814ء میں برک ہارٹ Burck Hardt نے یہاں کی سیاحت کی تو اس نے لکھا کہ آدھا شہر کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا ہے۔ اس یورپی سیاح نے یہاں پھلوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ فلبی Philby نے 1918ء میں جزیرہ نمائے عرب کی سیاحت کی تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ اس قصبے کی آبادی 5000 نفوس سے کم ہے۔ البتہ موسم گرما میں یہ آبادی بڑھ کر 20000 تک پہنچ جاتی ہے۔ اپریل 1924ء میں یہاں دوبارہ سعودیوں کا قبضہ ہو گیا۔ 1946ء میں یہاں کی آبادی 20000 کے لگ بھگ تھی۔ موجودہ زمانے میں شہر فصیل کے باہر دور تک تک پھیل گیا ہے۔

Marfat.com

حنین

مکہ سے تقریباً 50 کلومیٹر مشرق میں، مکہ اور طائف کے درمیان ایک تنگ اور دشوار گزار گھاٹی حنین کہلاتی تھی جو غیر آباد اور بے آب و گیاہ تھی۔ یہاں فتح مکہ کے بعد صحابہ کرام کو طائف کے ثقیف اور ان کے بدوی حلیف بنو ہوازن کے خلاف ایک معرکہ پیش ایا تھا جس کا ذکر قرآن مجید میں نام کے ساتھ کیا گیا ہے۔ لیکن یہ آج سے نہیں بلکہ اسلام کے ابتدائی زمانے سے لاپتہ ہے، کیونکہ جو مؤلف یا جغرافیہ نگار اس کا ذکر کرتے ہیں وہ یا تو خود کئی متضاد روایتیں بیان کرتے ہیں یا ان کی روایات اور دیگر ہم پایہ مصنفوں کی بیان کردہ روایات میں تضاد پایا جاتا ہے۔ دراصل یہ مکہ سے صرف تین میل کے فاصلے پر تھی مگر اسے مکہ سے اونٹ کی ایک روزہ مسافت پر اور کوئی دو دن کی اور کوئی چار دن کی مسافت پر قرار دیتا ہے۔ بہر حال 8ھ میں پیش آنے والے غزوہ نبویؐ کے باعث اسے تاریخ اسلام میں شہرت حاصل ہے۔

فتح مکہ کے بعد جب خفیہ اطلاعات اور پھر خصوصی فرستادہ جاسوسی سے یقینی رپورٹیں ملیں کہ ہوازن کے بدوی قبائل مسلمانوں پر حملے کے لئے پر تول رہے ہیں تو رسول اللہؐ نے خود ان کی طرف مکہ سے پیش قدمی کی اور حنین میں ان کو شکست سے دوچار کیا۔ پھر مفروروں کے تعاقب میں پہلے اوطاس آئے پھر آپؐ طائف تشریف لے گئے۔ بدقسمتی سے اوطاس کا بھی صرف نام رہ گیا ہے اور جغرافیائی طور پر یہ بھی لاپتہ ہے۔ چونکہ ہمیں تاریخ اسلام کے صفحات سے پتہ چلتا ہے کہ اس مقام پر دشمن نے اپنی عورتوں، بچوں اور ریوڑوں کے ساتھ پڑاؤ ڈالا تھا۔ اس لئے یقین کرنا چاہیے کہ یہاں پانی وافر مقدار میں موجود تھا اور اسی بناء پر شاید کچھ سرسبزی اور نخلستان بھی ہو۔ ابن ہشام کے تفصیلی بیان کے مطابق اوطاس سے جب آنحضرتؐ طائف روانہ ہوئے تو قیدیوں اور مال غنیمت کو حفاظت کے لئے جعرانہ بھجوا دیا جو مکہ کے شمال میں مکے اور طائف کے درمیان تقریباً چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے، پھر خود نخلہ (مکہ کے شمال مشرق میں

Marfat.com

تقریباً دس میل کے فاصلے پر واقع ہے) اور وہاں سے قرن ہوتے ہوئے پہلے مقام لیہ پہنچے اور وہاں سے خاص طائف کی فصیل کے نیچے جنوب مشرق میں پڑاؤ ڈال کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اپنے خیمے کے سامنے آپؐ نے جس مقام پر نمازیں پڑھائی تھیں اب وہاں مقبرہ ابن عباس اور جامع مسجد موجود ہیں۔ محققین کے مطابق طائف کے شمال مشرق میں پچیس یا تیس میل کے فاصلے قبیلہ ہوازن موجودہ زمانے میں بھی بستا ہے شاید عہد نبویؐ اور عہد خلافت راشدہ میں بھی اسی مقام پر بستا تھا۔ یاد رہے آنحضرتؐ کی رضاعی والدہ جناب حلیمہ سعدیہ کا تعلق اسی بنو ہوازن سے تھا۔ عکاظ بھی اب لاپتہ ہے مگر محققین نے اس کو نخلہ کے قریب بتایا ہے جو یقیناً دیار ہوازن سے زیادہ دور نہیں تھا۔

انیسویں صدی میں جب حجاز ریلوے کے سلسلے میں سلطان عبدالحمید خان ثانی کے حکم پر حجاز کے متعدد نقشے تیار کیے گئے تھے تو ان میں سے ایک طائف کے شمال مشرق میں کوئی تیس یا چالیس میل کے فاصلے پر ''اوتاس'' نامی ایک مقام دکھایا گیا تھا۔ شاید ترکی کے انجینئروں نے مقامی عربوں سے اس جگہ کا نام سن کر عربی املاء سے کم واقفیت کی بناء پر اوطاس کی جگہ پر ''اوتاس'' لکھ دیا تھا۔ تاریخی توضیع کے طور پر مورخین کا یہ بیان بھی ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ تبوک کے سوا ہر معرکہ یا غزوہ کے لئے آنحضرتؐ جنگی تدابیر کے طور پر مرکز سے غلط سمت میں روانہ ہوتے تھے تاکہ دشمن کے جاسوسوں کو صحیح اطلاعات میسر نہ آسکیں پھر اچانک دشمن پر حملہ کر دیا جاتا تھا۔ طائف جانے کے لئے مکہ کی آبادی مسفلہ سے یعنی مکہ کے جنوب سے جو راستہ جاتا ہے شاید اسے چھوڑ کر بھی جنگی تدبیر کے طور پر آنحضرت نےؐ نے معلاۃ، یعنی شمالی راستے کو اختیار کیا ہوگا پھر نیم دائرے کی شکل میں گھوم کر اوطاس گئے ہوں گے اور حنین کا مقام راستے میں پڑا ہوگا۔

زمانہ قریب میں باسلامہ مرحوم نامی سعودی پارلیمان مکہ کے ایک رکن نے اپنی کتاب سیرۃ النبیؐ میں حنین کی تحقیق پر ایک مفصل باب لکھا تھا۔ غزوہ حنین میں مالک بن عوف النصری نے جس کا تعلق بنو نصر سے تھا، بنو ہوازن کی قیادت کی تھی اور آنحضرتؐ اور لشکر اسلام کا مقابلہ کیا تھا۔

غزوہ حنین میں نبی اکرمؐ برابر دشمن کی طرف بڑھتے ہوئے بلند آواز سے پکار رہے تھے۔

''انا النبی لا کذب. انا ابن عبدالمطلب''

یعنی ''میں نبی ہوں، اس زمیں کوئی جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''

Marfat.com

ہمت وشجاعت کا یہ نظارہ ایسا نہ تھا کہ بے اثر رہتا۔ جلد ہی صحابہ آپؐ کے گرد پروانہ وار جمع ہونے لگے اور دوبارہ حملہ کر کے دشمن کو شکست دی۔ آغاز میں دراصل مسلمانوں کی تعداد چونکہ 12 ہزار سے تجاوز کر گئی تھی اس لئے مسلمانوں کو اپنی کثرت پر کچھ گمان ہو گیا تھا کیونکہ دشمن کی تعداد صرف چار ہزار تھی۔ انہوں نے تیروں کی بوچھاڑ کر دی تو مسلمانوں کے حلیفوں میں سے دو ہزار نے جو آگے آگے تھے پیٹھ پھیر لی تھی جس کے بعد جناب رسول اللہؐ نے اپنی بلند ہمتی اور ذاتی بہادری کی بنا پر یہ ہارا ہوا معرکہ پھر جیت لیا تھا۔

معرکہ حنین میں بارہ مسلمان شہید ہوئے، زخمیوں میں حضرت خالد بن ولید کا نام بھی لیا جاتا ہے۔

طائف کا محاصرہ غزوہ حنین کا ہی حصہ تھا۔ وہاں سے واپسی پر آنحضرت ﷺ جعرانہ آئے۔ اسیروں میں آپؐ کی رضاعی ہمشیرہ شیما بنت حارث بھی تھیں۔ آنحضرتؐ نے ان کے ساتھ عزت ومحبت کا برتاؤ کیا اور انہیں اختیار دیا کہ وہ آپؐ کے ساتھ رہیں یا وطن واپس چلی جائیں۔ وطن جانے کی خواہش پر آپ نے تحفے اور تحائف دے کر انہیں بحفاظت روانہ کر دیا اور شاید قبیلہ ہوازن کے لئے کچھ پیام بھی دیا۔ حضرت شیما کے واپس پہنچنے پر ہوازن کو ہوش آیا تو وہ شرماتے ہوئے بسورتے ہوئے آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا ”میں نے بہت دن تمہارا انتظار کیا“ اگر کچھ دن پہلے آتے تو خواتین و بچے ہی نہیں مال ومتاع بھی واپس کر دیتا۔ اب دونوں میں سے ایک چیز کا انتخاب کر لو اور مجھے نماز کے بعد مجمع عام میں بتاؤ۔“ وہ سب رحم وکرم کی التجا کرتے رہے اور اپنے اسلام قبول کرنے کا اظہار کرتے رہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: ”میرے خاندان والوں کو (نیز شاید حکومت کو) مال غنیمت میں سے جتنے عورتیں اور بچے ملے ہیں میں انہیں رہا کرتا ہوں۔“ اس پر حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ نے آپؐ کی پیروی کرتے ہوئے اپنے کنبوں کی طرف سے یہی اعلان کیا۔ پھر سبھی مسلمانوں نے اسے سنت نبوی سمجھتے ہوئے اپنا لیا۔ معدودے چند لوگوں نے انکار کیا تو آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ ان کے حصے کے لوگوں کو بھی رہا کر دیا جائے البتہ سرکاری خزانے سے ان کو معاوضہ دلوا دیا گیا۔ ﷺ

Marfat.com

عکاظ

طائف اور نخلہ کے درمیان ایک نخلستان کا نام تھا۔ عکاظ کی شہرت دراصل اس کے سالانہ منعقد ہونے والے میلے کی وجہ سے تھی جو ذوالعقدہ کی پہلی سے بیس تاریخ تک اس مقام پر منایا جاتا اور اسی کے ساتھ ''مفاخرہ'' کی باضابطہ تقریب بھی منعقد ہوتی تھی، یعنی اس موقع پر قبائل، بلکہ ایک ہی قبیلے کے مختلف افراد جمع ہو کر اپنی ذاتی شہرت اور اپنے قبیلے کی عظمت کے اظہار کے لئے شعر پڑھا کرتے تھے۔

یہی اجتماعات جہاں شعراء اپنی نظمیں پڑھنے آتے تھے، بڑے بڑے میلوں کی شکل اختیار کر لیتے تھے۔ عکاظ کے بعد ذوالمجاز کا میلہ اور مجنہ کے میلے اور وہ میلے جو بڑے حج کے موقع پر منائے جاتے تھے اور شروع ہو جاتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں میلوں کے انعقاد کے یہ ہفتے عرب قومی زندگی کی معراج تھے اور مقدس مہینوں کے ایام صلح میں قبائل حجاز کے سیاسی مسائل پر بحث و تبصرے کا موقع فراہم کرتے تھے۔ بنو تمیم ان میں شرکت نہیں کرتے تھے۔ اسلام نے ان پشتینی اور شخصی نزاعات کی مذمت کی تھی جس کی وجہ سے ان پر زوال آ گیا۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اپنے چند اصحاب کے ساتھ عکاظ کے میلے کی طرف جا رہے تھے، لیکن شرکت کئے بغیر راستے سے لوٹ آئے تھے۔ عکاظ واقدی کے مطابق نخلہ اور طائف کے درمیان واقع وادی اعیداء میں واقع تھا۔ نخلہ مکہ سے 75 کلومیٹر مشرق میں واقع ہے۔ اسی مقام پر رومی شہر نصیبین سے آنے والے جنوں نے آنحضرتؐ کی تلاوت کلام پاک سن کر اسلام قبول کیا تھا۔

عکاظ کے مقام پر 580ء اور 590ء تک دس سالوں میں چار مرحلوں میں جنگ فجار برپا ہوئی تھی۔ پہلی جنگ بنو کنانہ اور بنو ہوازن کے درمیان لڑی گئی تھی۔ دوسری جنگ میں قریش اور بنو کنانہ ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے۔ تیسری جنگ بنو کنانہ اور بنو نصر بن معاویہ کے درمیان لڑی گئی اور چوتھی جنگ میں بنو کنانہ اور بنو ہوازن قریش کے خلاف ایک دوسرے کے حلیف تھے۔ اس جنگ میں اپنے بچپن میں آنحضرتؐ نے اپنے چچاؤں کے ساتھ شرکت فرمائی تھی۔ آپؐ اپنے چچاؤں کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتے تھے۔

Marfat.com

جدہ

بحیرہ احمر پر جزیرہ نما عرب کی ایک بندرگاہ جو 21 درجہ، 29 دقیقہ شمال اور 39 درجہ 11 دقیقہ مشرق میں واقع ہے۔ اس کی آب و ہوا اپنی ناخوشگواری کے لئے مشہور ہے۔ اس شہر کے شمال مغرب کی جانب ایک ساحلی جھیل واقع ہے۔ اس کے جنوب مشرق کی جانب شورہ زدہ قطعات زمین ہیں۔ شہر کے بالمقابل مغرب میں ایک خلیج ہے۔ جس میں اس قدر سمندری چٹانیں ہیں کہ داخل ہونے کے لئے تنگ گزرگاہوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ پختہ سڑک کے ذریعے جدہ سے مکہ معظمہ کے فاصلہ 72 کلومیٹر (45 میل) جبکہ مدینہ منورہ یہاں سے 419 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اکثر عرب علماء اور جغرافیہ دانوں کا خیال ہے کہ جدہ کے معنی سڑک کے ہیں۔ فلبی Philby اور دیگر مغربی محققوں اور دوسروں نے دعویٰ کیا ہے اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ یہاں 1928ء تک حضرت حوا کا مقبرہ موجود تھا جو شہر سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اور یہی اس نام کی وجہ تسمیہ ہے۔

تاریخی اعتبار سے یہ شہر زمانہ قبل از اسلام سے تعلق رکھتا ہے۔ اسلام کی آمد سے کئی سو برس پہلے بنوخزاعہ کا عمرو بن لحی جدے سے بت لے کر مکہ آیا تھا۔ یاقوت حموی کا بیان یہ ہے کہ جدہ بن جرم بن زیان بن حلوان بن عمران بن الحافی بن قضاعہ کا نام اسی شہر سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ یہ شہر بنو قضاعہ کی حدود میں تھا۔ جدے کی حقیقی اہمیت کا آغاز تب ہوا تھا جب 28ھ/ 646ء میں حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے عہد خلافت میں قدرے جنوب میں واقع پرانی بندرگاہ الشعیبہ کی جگہ جدہ کو مکہ کی بندرگاہ قرار دیا تھا۔ اسلامی دنیا کا مرکزی شہر اور قبلہ ہونے کی وجہ سے مکہ ایک عظیم درامدی شہر بن گیا جس کا سامان تجارت اور حجاج کرام جدے کے راستے مصر اور ہندوستان سے آتے تھے۔ اس وجہ سے اسے ایک مستقل بندرگاہ کی ضرورت تھی۔ جو جدہ کی بندرگاہ کو قرار دیا گیا تھا۔ چوتھی صدی ہجری/ دسویں صدی عیسوی میں جدہ ایک خوشحال شہر بن گیا تھا۔ یہاں سے حاصل ہونے والا محصول حجاز کے حکمرانوں کی آمدنی کا اہم ذریعہ تھا۔ اس کے علاوہ جدہ کی بندرگاہ میں اترنے والے حجاج کرام پر بھی ٹیکس لگایا جاتا تھا کیونکہ بحری راستے سے

Marfat.com

آنے والے حجاج اسی بندرگاہ میں سرزمین عرب پر قدم رکھتے تھے اور یہی بندرگاہ مکہ سے قریب تر تھی۔ ناصر خسرو کے بیان کے مطابق پانچویں صدی ہجری/گیارہویں صدی عیسوی تک اس شہر کی فصیل نہیں تھی۔ مردوں کی آبادی پانچ ہزار نفوس پر مشتمل تھی اور یہاں شریف مکہ کا ایک غلام حکمران تھا۔ جس کا سب سے بڑا فریضہ محاصل کی وصولی تھا۔ اس کے ایک صدی بعد ابن جبیر اس شہر کی تصویر اپنے سفرنامے میں اس طرح پیش کرتا ہے کہ اس میں گھاس پھونس کے بنے ہوئے جھونپڑے، پتھر سے بنی ہوئی سرائیں اور مسجدیں موجود تھیں۔ ابن جبیر، صلاح الدین کی تعریف کرتا ہے کہ اس نے محصول ختم کر دیئے تھے جو شریف مکہ وصول کیا کرتا تھا۔

عباسی خلافت کے زوال کے بعد جو تجارت بصرے کے راستے ہوتی تھی۔ اس کا رخ بھی جدہ کی طرف مڑ گیا۔ بحری جہاز مصر سے سونا، معدنیات اور یورپ کے اونی کپڑے لے کر جدے میں ان جہازوں سے ملتے تھے جو ہندوستان سے عطریات، قیمتی پتھر، رنگ، چاول، چائے اور مصالحہ جات لے کر آتے تھے۔ جدہ کو اس اسباب تجارت سے دس فیصد ٹیکس وصول ہوتا تھا۔

1425ء کے بعد مصر کے مملوکوں نے جدے کی خوشحالی کو دیکھتے ہوئے وہاں کے محاصل اپنی گرفت میں لے لئے اور یوں سیاسی اور معاشی طور پر جدہ مصر کا دست نگر سا ہو گیا۔

مشرقی سمندروں میں پرتگیزوں کی آمد کے بعد 1502ء اور اس کے بعد مسلمان جہاز رانوں پر ان کے حملوں کی وجہ سے جدے کو خطرہ لاحق ہو گیا جس کا مقابلہ مملوک سلاطین اور عثمانی خلفاء نے بڑی توجہ سے کیا۔ حسین الکردی نے جو مملوک سلطان قانصوہ الغوری کی طرف سے جدے کا گورنر مقرر ہوا تھا۔ اس نے 1511ء/915ھ میں شہر کے گرد ایک مضبوط فصیل تعمیر کروائی اور پرتگیزوں کے خلاف کارروائیوں کے لئے جدہ کو ایک فوجی مستقر کی شکل دی۔ 1541ء میں پرتگیزوں نے جدے پر قبضہ کرنے کے لئے آخری ناکام کوشش کی جس کا مقابلہ مکہ کے شریف ابونمی نے کیا۔ عثمانی سلطان سلیمان عالیشان نے کامیاب دفاع کے صلے میں جدے سے اکٹھے ہونے والے محاصل سے وصول شدہ رقم کا آدھا حصہ اسے دے دیا۔ بہر حال پرتگیزوں کے مشرقی سمندروں میں آنے کے بعد بھی جدہ کی بندرگاہ کی حیثیت کسی طرح کم نہ ہوئی۔

1811ء میں شریف مکہ غالب نے جدہ میں نجد کے وہابیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے مگر اسی سنہ میں محمد علی پاشا نے یہاں پھر عثمانی ترکوں کی سیادت بحال کر دی۔

Marfat.com

1815ء میں برک ہارٹ جدے کو بارہ ہزار آبادی کا شہر بتاتا ہے۔ جس میں یہاں کے اصل باشندے بہت کم تھے اور زیادہ تر یمنی اور غیر ملکی لوگ زیادہ نظر آتے تھے۔ رچرڈ برٹن اور البتونی جدے میں سمندر سے موتیوں کے حصول کے لئے سیپوں اور صدفوں کے نکالے کا ذکر کرتے ہیں جو وہاں سے مکہ تسبیح کے دانے اور بیت القدس میں صلیب بنانے کے لئے بھیجی جاتی تھیں۔

1840ء میں مصری حکمرانوں نے جدے کو براہِ راست باب عالی کے اقتدار میں لے لیا۔

15 جون 1858 کو جدے میں ایک خونریز ہنگامہ بپا ہوا جس میں بہت سے لوگ مارے گئے جن میں غیر ملکی شامل تھے۔ بندرگاہ میں لنگر انداز ایک برطانوی بحری جہاز سائیکلوپس Cyclops نے دو دن تک اپنی توپوں سے شہر پر بمباری کی۔ آخر امن و امان قائم ہو گیا۔

1916ء میں جب شریف حسین آف مکہ نے عربوں کی خودمختاری کا اعلان کیا تو جدہ پہلا شہر تھا جو اس کے قبضہ میں آیا۔ ترکوں نے 17 جون کو خشکی کی طرف سے شریف حسین کے حملے اور سمندر کی طرف سے برطانوی بحریہ کی مسلسل چھ دن تک گولہ باری کے بعد شہر کو شریف حسین کے حوالے کر دیا۔

حجاز پر شریف حسین کی آزاد خود مختار حکومت کا عرصہ بہت مختصر تھا۔ اس دوران جدہ شریف حسین اور نجد کے سعودیوں کے مابین رسہ کشی کا مرکز بنا رہا۔ دسمبر 1925ء میں جدہ پر سعودی فوجوں کا قبضہ ہو گیا۔ مئی 1927ء میں شاہ عبدالعزیز بن سعود نے برطانیہ سے ایک معاہدہ کیا۔ جس کی رو سے برطانیہ نے سلطنت آل سعود کی ''مطلق و مکمل آزادی'' کو تسلیم کر لیا۔

نالینو Nallino نامی ایک مغربی سیاح نے 1938ءمیں شہر کا احوال قلمبند کرتے ہوئے حضرت حوا کے مقبرے کا ذکر کیا ہے جسے سعودیوں نے 1928ء میں خاموشی سے تباہ کر دیا تھا۔

آج کل جدہ حاجیوں کے لئے ایک سرکاری ہوائی اڈا اور بندرگاہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جہاں پہلی مرتبہ 1961ء میں ایک لاکھ پینتیس ہزار حاجی اترے تھے۔

Marfat.com

بحیرہ احمر RED SEA

بحیرہ سمندروں یا بحروں کی ایک چھوٹی تقسیم ہے جس کے بننے کا سبب ساحلوں کی بناوٹ ہوتی ہے جن سے بحروں کا کچھ حصہ زمین سے گھر جاتا ہے اور ایک چھوٹا سمندر یا بحیرہ وجود میں آجاتا ہے۔ جیسے بحیرہ روم، بحیرہ بالٹک، بحیرہ چین اور بحیرہ جاپان، بعض بحیرے، چاروں طرف سے خشکی میں گھرے ہوتے ہیں بعض دو اطراف سے خشکی میں گھرے ہوتے ہیں ان بحیروں میں بحیرہ احمر، یا بحیرہ قلزم بہت اہم ہے جو جزیرہ نما عرب کو براعظم افریقہ سے جدا کرتا ہے۔ یہ خشکی میں گھسا ہوا لمبوترا بحیرہ ہے جو کہ جزیرہ نما سعودیہ کو شمال مشرقی افریقہ سے الگ کرتا ہے۔ اس بحیرہ کے شمال میں جزیرہ نما سینائی ہے جس کے مشرق میں خلیج عقبہ اور مغرب میں خلیج سویز ہے جس کو نہر سویز کے ذریعے بحیرہ احمر کے پانیوں کو بحیرہ روم کے پانیوں سے ملا دینے کا شرف حاصل ہے اور جنوبی جانب آبنائے باب المندب کے ذریعے اس کا پانی بحر ہند سے ملا ہوا ہے۔ یہ بحیرہ تقریباً 1200 میل لمبا ہے اور اس کی چوڑائی تقریباً 250 میل ہے۔ اس کی زیادہ سے زیادہ گہرائی 7200 فٹ ہے جبکہ کم سے کم گہرائی 1500 فٹ تک ہے۔ اس بحیرہ میں بے شمار چھوٹے جزائر ہیں جن میں سے کچھ گھونگوں اور سیپوں کے بھی بنے ہوئے ہیں۔ بحیرہ احمر کے سارے علاقے میں خوب گرمی پڑتی ہے اور خوب گرم ہوا کے جھکڑ چلتے ہیں۔ مگر پھر بھی یہ دنیا کی ایک اہم تجارتی آبی شاہراہ ہے اور نہر سویز کے ذریعے بحیرہ روم مل جانے کے بعد یورپ سے مشرق بعید جانے والے بحری جہاز اسی راستے سے گزرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اب ہندوستان جانے کے لئے بھی یورپ سے آنے والے بحری جہازوں کو جنوبی افریقہ کے گرد چکر نہیں لگانا پڑتا جیسا کہ واسکوڈی گاما نے ہندوستان کے لئے بحری راستہ دریافت کرنے کے بعد لگایا تھا۔ یہ عمل صدیوں تک جاری رہا اور نہر سویز کی تعمیر کے بعد ختم ہوا تھا۔ بحیرہ احمر کی اہم بندرگاہ میں مساوا، سواکن، سویز الکوثر، جدہ، ہودایند اور ینبوع شامل ہیں۔

قدیم مصریوں نے جہاز رانی میں مہارت بہم پہنچائی تھی اور ہمیں قدیم مصریوں کی بحیرہ احمر

Marfat.com

میں جہاز رانی کا سراغ ملتا ہے۔ مشہور یونانی مورخ ہیروڈوٹس ہمیں بتاتا ہے کہ فرعون مصر سیسوسٹرلیس بحیرہ احمر کے ساحلوں کے ساتھ ساتھ خلیج عرب تک گیا تھا اور اس نے راستے میں آنے والی اقوام کو فتح کر لیا تھا۔ یاد رہے سیسوسٹرلیس بارہویں سلطنت (35-1970 ق م) سے تعلق رکھتا ہے۔ اٹھارہویں سلطنت (1350......1580 ق م) کی ایک مشہور ملکہ حت۔ شپ۔ ست نے بحیرہ احمر کا مکمل حال دارالبحری کے مقام پر آج بھی ملکہ کے تعمیر کردہ معبد کی دیواروں پر دیکھا جا سکتا ہے۔

سکندر اعظم کے حملے کے نتیجے میں قائم ہونے والی بطلیموسی سلطنت مصر نے بھی اندازاً 274 ق م میں سمندر کے راستے ہندوستان کے ساتھ کی جانے والی تجارت کی بہت حوصلہ افزائی کی تھی۔ اس نے کوپٹوس سے بحیرہ احمر تک مصر میں شاہراہ بحال کی اور القصر کی بندرگاہ کی بنیاد رکھی تھی۔ یوں عربیہ اور ہندوستان سے اسباب تجارت بحیرہ احمر کے راستے مصر تک پہنچتا تھا۔ بطلیموسی سلطنت کی تجارتی خوشحالی ملکہ قلوقطرہ ہشتم اندازاً (متوفی 30 ق م) کے عہد حکومت میں ختم ہوگئی اور 30 ق م میں مصر سلطنت روما کا ایک صوبہ بن گیا۔ سیزر آگسٹس کے عہدِ حکومت میں مصر میں آبی راستے پھر بحال کرنے کی کوشش کی گئی اور بحیرہ احمر میں تجارت پھر دوبارہ شروع کی گئی۔ عہد اسلام میں بھی مصر سے بحری رابطے کے لئے بحیرہ احمر ہی اہم راستہ رہا۔ پندرہویں اور سولہویں صدی میں جب اقوام مغرب نے دنیائے اسلام سے الگ تھلگ ہندوستان کے لئے ایک نیا راستہ اختیار کیا تو کچھ عرصہ کے لئے بحیرہ قلزم کے راستے کی جانے والی تجارت گہنا گئی مگر جلد ہی خود یورپیوں نے بحیرہ احمر کی بندرگاہوں پر قبضہ کرنے کی کوششیں شروع کر دیں جیسا کہ پہلے ذکر آیا پرتگیز ایک عرصہ تک جدہ پر قبضہ کرنے کی کوششوں میں مصروف رہے۔ پرتگیزوں کے بعد ولندیزیوں اور پر انگریزوں کو بحری تجارت میں عروج نصیب ہوا اور یہ اقوام مغرب تجارت کے بہانے سے پوری دنیا پر قابض ہوتی چلی گئیں۔ بیسویں صدی کے آغاز تک انگریز عربوں میں ترکوں کے خلاف نفرت کا بیج بو چکے تھے جو پہلی جنگ عظیم کے آغاز کے بعد 1916ء میں شریف الحسین آف مکہ کی ترکوں کے خلاف بغاوت پر محمول ہوا۔ اس کے نتیجے میں بحیرہ احمر کے علاقوں میں انگریزوں کا اثر و رسوخ بڑھ گیا۔ پھر انگریزوں نے شریف حسین مکہ اور سعودیوں کی کشمکش میں شریف کا ساتھ نہ دیکر سعودیوں کی خوشنودی حاصل کر لی بلکہ 1927ء میں سعودی حکومت کو تسلیم کر لیا۔

Marfat.com

المدینہ المنورہ

جزیرہ نمائے عرب کے صوبہ حجاز کا ایک مقدس شہر ہے جس کا ہجرت النبی سے پہلے یثرب کہلاتا تھا۔ مشہور زمانہ یونانی جغرافیہ دان بطلیموس نے اپنی کتاب "جغرافیہ" میں یثرب کا نام "ثیرپہ" Uathripa دیا ہے۔ آنحضرت صلی ﷺ جب 622 عیسوی میں ہجرت فرما کر یثرب آئے تو انہوں نے مدینہ المنورہ کا نام طیبہ اور طابہ رکھ دیا۔ قرآن مجید میں اس شہر کے دونوں نام یثرب اور مدینہ آئے ہیں۔ المدینہ کے 29 نام مشہور ہیں جن میں طیبہ، طابہ، جابرہ، محبوبہ، مدینہ النبی اور مدینہ الرسول اور دار الہجرۃ وغیرہ شامل ہیں۔ تاریخ مدینہ لکھنے والے ممتاز مورخ السہودی نے مدینہ منورہ کے 94 نام رقم کئے ہیں جو ان کی کتاب "وفا الوفاء باخبار دار المصطفی" میں موجود ہیں۔

محل وقوع:

مدینہ المنورہ جغرافیائی طور پر 39 درجے، 50 دقیقے طول البلد مشرقی اور 24 درجے، 32 دقیقے عرض البلد شمال میں خط استواء کے شمال میں واقع ہے۔ یہ شہر عظیم مکہ المکرمہ سے تین سو میل یا 427 کلومیٹر شمال میں اور ینبع سے 130 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی 600 میٹر ہے۔ اس کے شمال میں جبل احد اور جنوب میں جبل عیر۔ احد شہر سے ساڑھے چار کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ جبکہ جبل عیر کا فاصلہ تقریباً 6 کلومیٹر ہے۔ شہر کے مغرب اور مشرق میں علی الترتیب حرۃ الوبرۃ اور حرۃ الواقم واقع ہیں۔ یہ سیاہ پتھروں کے علاقے ہیں، جن کو آتشیں سیال مادہ لاوا نے ایک دوسرے سے جوڑ دیا۔ یہ سیاہ پتھر سخت نوکیلے اور آڑے ترچھے ہیں اور میلوں دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ شہر کے ارد گرد کئی وادیاں ہیں جن میں وادی العقیق اور وادی رنونار قابل ذکر ہیں۔ ان میں بہت سے باغات اور کھیت ہیں اور یہ اہل مدینہ کی سیر گاہیں ہیں۔

المدینہ کی آب و ہوا:

مدینہ المنورہ میں 24 سے زائد پانی کے چشمے گزشتہ زمانوں سے چلے آرہے ہیں جن میں اہم ترین العین الزرقاء ہے۔ اس کا اجراء حضرت امیر معاویہ کے حکم پر ہوا تھا۔ مدینہ المنورہ کا

Marfat.com

پانی ہلکا، سرد اور شیریں ہے۔ مدینہ منورہ کی آب وہوا میں گرما میں سخت گرم اور موسم سرما میں سرد تر ہے۔ مدینہ المنورہ میں اراضی دو قسم کی ہے۔ پہلی قسم سفید رنگ کی ریتلی زمین پر مشتمل ہے۔ یہ مدینہ منورہ کی مشرقی سمت میں واقع ہے۔ اس میں کھجور، انگور اور انار بکثرت ہوتے ہیں۔ دوسری قسم سیاہ رنگ کی ہے جس میں گندم، جو، انار، نارنگی، رنگ برنگ کے پھول اور قسم قسم کی سبزیاں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ اراضی مدینہ کے جنوب میں قباء، عوالی اور عقیق میں واقع ہے۔

مدینہ منورہ کے مکانات پتھروں کے بنے ہوئے ہیں۔ قدیم شہر کی گلیاں اور بازار تنگ تنگ ہیں۔ مکانات دو اور تین منزلہ ہوتے ہیں۔ مدینہ منورہ کے باشندے حلیم، خلیق، سخی اور شیریں گفتار ہیں۔ ان کے اخلاق سے آج بھی نبی صلعم کی تعلیمات جھلکتی ہیں۔ رمضان کریم میں مسجد نبویؐ میں عجیب نظارہ ہوتا ہے۔ افطار کے وقت مدینہ کے شہری غیر ملکی مہمانوں اور روزہ داروں کو کپڑوں سے پکڑ پکڑ کر اپنے صفوں پر افطار کرنے کی دعوت دیتے ہیں جہاں ہمہ قسم کے کھانے، پھل اور نعمتیں افراط میں افطار کرنے والوں کا انتظار کر رہی ہوتی ہیں۔ یہ نظام مدینہ منورہ کے علاوہ کہیں اور نظر نہیں آتا۔ جہاں کے شہری نہایت سخاوت سے اپنے مہمانوں کی خاطر مدارت کرتے ہیں۔ مدینہ منورہ کے بازار تمام دنیا سے آنے والی مصنوعات سے بھرے ہوئے ہیں۔ آپ یہاں سے شمالی، جنوبی امریکہ سے آنے والی اشیاء اور یورپ وجاپان وچین کی جدید ٹیکنالوجی سے آراستہ مصنوعات ارزاں نرخوں پر خرید سکتے ہیں۔ حج کے موسم میں مدینہ کے بازاروں میں خرید وفروخت عروج پر ہوتی ہے۔ یاد رہے کہ مدینہ منورہ کی سب سے بڑی سوغات کھجور ہے جس کی بہت سی اقسام یہاں پیدا ہوتی ہیں۔ مدینہ منورہ کے قدیم نام یثرب کی وجہ تسمیہ یاقوت حموی نے اپنی کتاب ''معجم البلدان'' میں یہ دی ہے کہ یہ یثرب بن قاینہ نامی ایک شخص نے آباد کیا تھا جو حضرت نوحؑ کی اولاد میں ان کی ساتویں پشت سے تعلق رکھتا تھا، جب حجاز میں عمالقہ کا ظلم وستم حد سے بڑھ گیا تو روایات کے مطابق حضرت موسیٰ نے ان کی سرکوبی کے لئے فوج بھیجی۔ عمالقہ کو شکست ہوئی اور ان کا بادشاہ قتل ہو گیا جب یہ فوج شام واپس ہوئی تو انہیں حضرت موسیٰ کے ایک حکم کی خلاف ورزی کے الزام میں حجاز واپس کر دیا، چنانچہ وہ واپس حجاز آ گئے اور ان یہودیوں نے یثرب میں بود وباش اختیار کی۔

پہلی صدی عیسوی، یعنی 70 عیسوی میں رومیوں اور یہودیوں میں شدید جنگ ہوئی جس میں ہیکل سلیمانی سمیت پورا فلسطین تقریباً تباہ ہو گیا تھا۔ اس تباہی کے نتیجے میں یہود دنیا

Marfat.com

کے مختلف علاقوں میں منتشر ہو گئے۔ان یہودیوں کی کئی جماعتوں نے عارضی پناہ کے لئے بلاد عرب کا رخ کیا تھا اور یہ بھی یثرب میں آباد ہو گئے تھے۔

مدینہ منورہ کے یہود:

مدینہ منورہ میں قبل از اسلام یہودیوں کے تین قبیلے آباد تھے۔ بنوقینقاع، بنونضیر اور بنو قریظہ،ان قبائل کی بہت سی ذیلی شاخیں تھیں۔اسی لئے سمہودی نے تاریخ مدینہ میں لکھا ہے یثرب میں 20 سے زائد یہودی قبائل آباد تھے۔تینوں بڑے یہودی قبائل کے تعلقات باہمی طور پر کشیدہ رہتے تھے۔بنوقینقاع اور دیگر یہودی قبائل میں عداوت چلی آتی تھی، کیونکہ بنوقینقاع بنوخزرج کے ساتھ یوم بعاث منانے میں شرکت کرتے تھے۔ بنونضیر اور بنوقریظہ نے کئی مرتبہ بنوقینقاع کا بڑی بے دردی سے خون بہایا تھا بلکہ یہاں تک کہ ان کا شیرازہ منتشر کر دیا تھا۔شہر یثرب میں یہودی مختلف بستیوں اور محلوں میں رہتے تھے جن میں انہوں نے قلعہ اور مستحکم عمارات تعمیر کر رکھی تھیں۔ یہ قلعہ بندگڑھیاں اطام یا اطم کہلاتی تھیں۔ جہاں کسی دشمن کے حملے کے وقت یہودی قبائل کے لوگ پناہ لیتے تھے۔ جب مرد کسی دشمن سے جنگ کرنے کے لئے نکلتے تو بچے، بوڑھے، خواتین اور معذور افراد ان گڑھیوں میں پناہ لے لیتے تھے۔یہ قلعہ بندیاں گودام کا کام بھی دیتی تھیں اور ان میں غلے اور خوراک کی دیگر اشیاء کو جمع کیا جاتا تھا۔ان کے علاوہ ہتھیار بھی ذخیرہ کئے جاتے تھے۔ان اطموں کے دروازوں پر بازار بھی لگتے تھے۔خیال کیا جاتا ہے کہ ان گڑھیوں میں یہودی عبادت گاہیں اور یہودی مدارس بھی ہوتے تھے اور مذہبی کتابیں بھی عوام الناس کے استفادے کے لئے رکھی جاتی تھیں۔وہاں یہودی سرداران مختلف مواقع پر صلاح مشورے لئے جمع ہوتے تھے۔

یہود اس زمانے میں تجارت، زراعت اور مالی معاملات سارے عرب پر چھائے ہوئے تھے۔ مالی طور پر وہ رہن اور سود کا کاروبار کرتے تھے اور لوگوں کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے عربوں کی عورتیں اور بچے تک رہن رکھ لیتے تھے۔ مدینہ کے یہودی سود خوری میں مشرکین مکہ سے بھی بازی لے گئے تھے۔ان کی حرص اور طمع کا یہ عالم تھا کہ وہ کنوؤں کا پانی ڈول کے حساب سے فروخت کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں اقتصادیات پر یہودیوں کے تسلط کا نتیجہ تھا کہ وہ منڈیوں میں اپنی من مانی کرنے لگے تھے۔ وہ اپنی منفعت اور مصلحت کے تحت مصنوعی قلت پیدا کر دیتے اور چور بازاری اور ذخیرہ اندوزی کرنے لگے تھے۔

Marfat.com

یہودیوں کے علاوہ مدینہ میں عیسائی بھی موجود تھے۔ اوس وخزرج قبائل (مدینہ کے عرب باشندے) جنوبی عرب میں سد مآرب کی تباہی کے بعد یمن سے مدینہ منورہ آئے تھے۔ اوس قبائل مدینہ منورہ کے جنوب ومشرق میں خزرج قبائل وسطی اور شمالی علاقوں میں آباد تھے۔ یہود اپنی پالیسیوں کے تحت ان دونوں عرب قبائل کو باہم لڑواتے رہتے تھے تاکہ مدینو منورہ پر ان کا اقتصادی تسلط برقرار رہے اور وہ عربوں کا استحصال کرتے رہیں۔ اوس وخزرج کے درمیان لڑی جانے والی جنگ، جنگ بعاث تھی جو ہجرت سے صرف پانچ سال پہلے لڑی گئی تھی۔

مدینہ یا یثرب میں اُس زمانے میں کئی بازار تھے جن میں سب سے اہم سوق بنی قینقاع تھا جو سونے اور چاندی کے زیورات مصنوعات اور پارچہ جات کا خاص بازار تھا۔ مدینہ میں سوتی اور ریشمی کپڑے، رنگین غالیچے اور مشک نافہ فروخت کرتے تھے۔

یثرب کے بعض گھروں کے ساتھ باغ بھی تھے۔ بیٹھنے کے لئے کرسیوں کا استعمال انتظام بھی تھا۔ شیشے اور پتھر کے پیالے اور آبخورے مستعمل تھے اور مختلف قسم کے چراغ استعمال ہوتے تھے۔ قسم قسم کے زیورات بھی پہنے جاتے تھے، جیسے کنگن، بازوبند، پازیب، گلے اور کان میں پہننے والے زیورات، بالیاں، بندے، ہار یمنی وغیرہ۔ خواتین میں بننے اور کاتنے کا عام رواج تھا۔ سلائی۔ رنگائی، معماری اور خشت سازی اور سنگ تراشی جیسی صنعتیں ہجرت سے پہلے عام تھیں۔ یہ تھے یثرب کے اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی حالات جب آنحضرتؐ ہجرت فرما کر مدینہ پہنچے۔

عہد اسلام:

آنحضرتؐ حج کے زمانے میں مکہ معظمہ میں باہر سے حج کے لئے آنے والوں میں اسلام کی تبلیغ کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اوس خزرج کے چند لوگ یثرب سے حج کے موقع پر مکہ آئے۔ یہ حضرات عقبہ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملے۔ آپؐ نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور قرآن کریم کی تلاوت فرمائی۔ یہ لوگ چونکہ یثرب میں اہل یہود کے ہمسائے تھے اور انہوں نے اہل یہود کو نبوت اور انبیاء کرام کے متعلق باتیں کرتے ہوئے سن رکھا تھا اس لئے انہیں یہ معلوم تھا کہ قریبی زمانے میں عرب میں کوئی نبی آنے والا ہے۔

بیعت ثانی عقبیٰ:

چھ نمائندگان اوس وخزرج نے اس موقع پر آپ کی تبلیغ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا

Marfat.com

اور مدینہ منورہ آکر آنحضرتؐ کی تعلیمات کی خوب اشاعت کی۔ اگلے سال حج پر اوس وخزرج کے بارہ آدمی آنحضرتؐ کو ملے اور انہوں نے عقبہ اولیٰ کے مقام پر آپ کے دست حق پرست پر بیعت کرلی۔ جب انہوں نے واپسی کا ارادہ ظاہر کیا تو ان کی درخواست پر آنحضرت نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو یثرب میں اسلام کی تعلیمات کی تدریس کے لئے ان کے ساتھ بھیج دیا اور یوں آفتاب اسلام کی ضیاپاشیاں مکہ سے مدینہ منورہ تک پہنچی۔

ہجرت:

مکہ میں اعلان نبوت کے تیرہ سال بعد جب آپ کے شفیق چچا حضرت ابو طالبؓ کا انتقال ہو گیا تو اہل مکہ کے مقتدر لوگوں سے آنحضرتؐ کو جان کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ ایسے نازک وقت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ اور اپنے دین کی نصرت وحمایت کے لئے مدینہ کے لوگوں کو کھڑا کر دیا اور آپؐ کو مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ آپؐ نے صحابہ کرام کو ہجرت مدینہ کی اجازت دے دی اور رفتہ رفتہ تمام صحابہ مکہ سے ہجرت کر گئے۔ اب مکہ میں صرف نادار صحابہ اور حضرت ابوبکرؓ وحضرت علیؓ آنحضرت کے ساتھ رہ گئے۔ پھر 24 ستمبر 622ء بمطابق 12 ربیع الاول بروز دوشنبہ یکم ہجری کو آپ بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے قبا پہنچ گئے۔ یاد رہے اسی تاریخ سے اسلامی کیلنڈر کا آغاز ہوتا ہے۔

والہانہ استقبال:

انصار مدینہ نے جو کہ مکہ روانگی کے وقت سے چشم براہ تھے بڑے والہانہ انداز میں مدینہ پہنچنے پر آپؐ کا استقبال کیا۔ آپؐ کے ورد مسعود کے اس موقع پر اہل مدینہ نے جس محبت و عقیدت کا مظاہرہ کیا اس کی مثال تاریخ عالم پیش کرنے سے قاصر ہے۔ لوگ راستوں، گزر گاہوں اور مکانوں کی چھتوں پر آفتاب رسالتؐ کی ایک جھلک دیکھ لینے کے لئے بے تاب و بے قرار تھے اور نعرہ ہائے تحسین بلند کر رہے تھے۔ مدینہ آمد کے بعد آنحضرتؐ نے اگلے سات ماہ تک حضرت ابوایوب انصاریؓ کے ہاں قیام کیا۔ جب مسجد نبویؐ شریف کہ جس تعمیر میں آپؐ خود بھی شریک تھے اور رہائشی حجرات تعمیر ہو گئے تو آپؐ اپنی نئی قیام گاہ میں منتقل ہو گئے۔ آپؐ نے مہاجرین وانصار صحابہ کرام میں مواخات مدینہ نام کا ایک معاہدہ کرایا جس کی رو سے مہاجرین انصر کے بھائی قرار پائے اور انصار نے اپنا مال وجان مہاجرین کے ساتھ بانٹ لیا۔ اسی موقع پر

Marfat.com

یہود اور دیگر اقوام مدینہ کے ساتھ بھی پیغمبر اسلام نے ایک معاہدہ امن و آشتی طے کیا جسے تاریخ اسلام میں ''میثاق مدینہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

غزوہ بدر اور پہلی اسلامی ریاست:

آنحضرتؐ نے اگرچہ اہل یہود سے معاہدہ امن کر لیا تھا مگر ان کے دل آپؐ کے لئے صاف نہیں تھے۔ اسلام کی روز افزوں اشاعت سے وہ آپؐ سے خوفزدہ تھے اور اندرونی طور پر حسد وعداوت رکھتے تھے۔ پھر 2ھ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو قریش کے خلاف جہاد کا حکم دیا تو تین سو تیرہ مسلمان آنحضرتؐ کی قیادت میں بدر کی طرف بڑھے، بدر کے میدان میں کفار کا سامنا ہوا جو مسلمانوں کے مقابلے میں کئی گناہ تعداد رکھتے تھے مگر اس جنگ میں کمزور اور بے ہتھیار مسلمانوں کو فتح اور طاقتور اہل قریش کو ذلت آمیز شکست نصیب ہوئی۔ اس جنگ کے بعد صحیح معنوں میں مدینہ کو پہلی اسلامی ریاست کا مرتبہ حاصل ہو گیا۔ ادھر بدر کی ذلت آمیز شکست کا بدلہ لینے کے لئے کفار مکہ شوال 3ھ میں مدینہ پر ایک مرتبہ پھر حملہ آور ہوئے۔ اس مرتبہ ان کا مقابلہ دامن احد میں کیا گیا۔ مسلمان قریب تھا کہ فتح مند ہوں کے آپؐ کے متعین کردہ تیر اندازوں نے اپنے مورچے چھوڑ دیئے اور وہ لوٹ مار میں مشغول ہو گئے۔ مسلمانوں کے اس تغافل سے حضرت خالد بن ولید نے فائدہ اٹھایا اور پلٹ کر حملہ کر دیا مگر مسلمان دوبارہ سنبھلنے میں کامیاب ہو گئے اور میدان ایک بار پھر مسلمان کے ہاتھ رہا مگر اس جنگ میں آنحضرتؐ کے دندان مبارکہ شہید ہو گئے اور جنگ کے بعد وحشی نے آپؐ کے عزیز چچا حمزہ بن عبدالمطلبکو بھی شہید کر دیا۔ اس جنگ کے بعد غزوہ احزاب پیش آیا جس میں اہل یہود کے قبیلہ بنو قریظہ نے میثاق مدینہ کی خلاف ورزی کی۔ جس کے بعد حضرت سعد بن معاذؓ نے توریت مقدس کے مطابق تمام یہود مردوں کو قتل اور عورتوں اور بچوں کو گرفتار کرنے کا فیصلہ دیا اور مدینہ میں اہل یہود کے حوصلے پست ہو گئے۔

فتح مبین:

6ھ میں آنحضرت عمرے کی نیت سے مکہ تشریف لے گئے۔ قریش نے مزاحمت کی تیاریاں کرلیں بالآخر حدیبیہ کے مقام پر دونوں فریقین میں معاہدہ طے پایا جسے فتح مبین کہا جاتا ہے۔ یہی معاہدہ صرف دو سال بعد 8ھ میں فتح مکہ پر منتج ہوا۔

Marfat.com

شاہانِ عالم کو خطوط:

صلح حدیبیہ کے بعد آپ نے مدینہ کو اسلام کے مرکز اور دارالحکومت ہونے کی شکل دی اور بین الاقوامی حکمرانوں کو مدینہ سے براہ راست خطوط رسال فرمائے جن میں انہیں دعوت اسلام دی گئی تھی۔ یہ خطوط شاہان روم و ایران کے سمیت کئی اور عالمی حکمرانوں کو بھی بھیجے گئے تھے۔ کسریٰ ایران جیسے گستاخ حکمران نے نامہ رسول چاک کر کے اپنے آپ کو مردود ازلی قرار دے دیا جبکہ قیصر روم سمیت اور حکمرانوں نے آپ کے ارسال کردہ ناموں کی تکریم کی۔

غزوہ خیبر:

7ھ میں غزوہ خیبر پیش آیا جس کے بعد یہودیان عرب کی کمر ٹوٹ گئی اور وہ شرارتوں اور عداوتوں سے باز آ گئے۔ پھر رمضان 8ھ میں آنحضرت مکہ معظّمہ فتح کرنے کے لئے نکلے اور خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر اپنے ازلی دشمنوں پر قابو پانے اور بلدالامین کو فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے مگر اب آپؐ نے مکہ جیسے اپنے آبائی شہر کو اپنا مستقل مستقر ہونے کا شرف نہیں بخشا بلکہ یہ شرف اب بھی شہر مدینہ کے پاس ہی رہا۔

سال وفود:

9ھ سال وفود کہلاتا ہے۔ اس سال پورے عالم عرب میں 630ھ...... 631ھ میں بہت سے وفود مدینہ منورہ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ کی متابعت اختیار کی۔ اب پورے جزیرہ نمائے عرب میں عملاً جاہلیت کے رسم و رواج کے بجائے اسلام کی اعلیٰ اقدار کی فرماں روائی قائم ہو گئی اور شہر مدینہ پورے عالم عرب کا دارالحکومت قرار پایا۔

لمحہ جدائی:

مگر اب جدائی کا لمحہ بھی نزدیک آ گیا تھا۔ حج الوداع کے بعد آپؐ نے وصال فرمایا۔ یہ 12 ربیع الاول 11ھ/8 جون 632ء کا دن تھا۔ اسلام کا مدنی دور نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ تاریخ عالم کا اہم باب ہے۔ مدینہ منورہ میں آ کر ہی اسلام کو شان و شوکت نصیب ہوئی۔ جہاد کا حکم ملا، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح و طلاق، غلاموں، اسیروں اور دشمنان دین اور حدود و تعزیرات کے متعدد احکامات نازل ہوئے اور دین نقطہ عروج اور منتہائے کمال پر پہنچ گیا۔ یہ مدینہ منورہ ہی تھا جہاں سے مسلمان ذوق جہاد اور شوق شہادت لے کر دنیا کی تسخیر پر نکلے اور انہوں نے جہانبانی عالم کی۔

Marfat.com

مدینہ منورہ عہد بہ عہد

عہد خلافت راشدہ:

حضرت ابوبکر صدیقؓ 11ھ/ 632ء تا 13ھ/634 ء کا زمانہ خلافت زیادہ تر مرتدین کے استحصال اور منکرین زکوٰۃ کی تادیب میں گزرا۔ حضرات عمر فاروقؓ 13ھ/ 634ء تا 23ھ/ 644ء نے مدینہ میں اسلامی ریاست کا بیت المال یا خزانہ ڈیپارٹمنٹ قائم کیا۔ مسجد نبویؐ کی توسیع کی، مکہ مکرمہ سے میدینہ منورہ تک کے راستے پر ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں اور حوض تعمیر کرائے۔ حضرت عثمان بن عفانؓ 24ھ/ 645ھ تا 35ھ/ 655ء کا اہم کارنامہ مسجد نبویؐ کی تعمیر توسیع ہے۔ انہوں نے ساری عمارت میں منقش پتھر لگوائے اور ستونوں کو سیسے سے مضبوط کیا۔ عہد صدیقی میں مدون ہونے والے نسخہ قرآن مجید کی نقلیں تیار کروا کر مدینہ منورہ سے تمام ممالک اسلامیہ میں بھجوائیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ 35ھ/ 656ء تا 40ھ/ 661ء۔ حضرت عائشہؓ اور امیر معاویہ کے مقابلے کے لئے مدینہ منورہ سے بصرہ روانہ ہوئے تو اکثر محتاط اہل مدینہ اور اکابر صحابہ اس خانہ جنگی کے خلاف تھے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کو مشورہ دیا کہ مدینہ منورہ سے نہ نکلیں اور اب آپ نکلے تو پھر واپس مدینہ نہ آسکیں گے اور مرکز حکومت مدینہ منورہ سے نکل جائے گا۔ بعد ازاں یہ اہل مدینہ کی یہ پیشین گوئی بالکل صحیح ثابت ہوئی۔ جنگ جمل کے بعد حضرت علیؓ نے کوفہ کو مدینہ منورہ کی بجائے اسلامی ریاست کا دارالخلافہ قرار دیا۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد امام حسنؓ نے حضرت امیر معاویہؓ سے مصالحت کر لی اور اب مرکز خلافت کوفہ سے دمشق منتقل ہو گیا۔ ان دونوں تبدیلیوں کے بعد مدینہ منورہ کی حیثیت ایک صوبائی شہر کی رہ گئی۔ اگرچہ علمی، روحانی اور دینی طور اس کی مرکزیت ہمیشہ سے باقی ہے۔ حضرت امام حسنؓ خلافت سے دستبرداری کے بعد مدینہ منورہ واپس چلے آئے تھے۔ بعض صحابہ کرام جو سیاسی کشاکش سے علیحدہ رہنا چاہتے تھے اور انہوں نے مدینہ منورہ میں قیام کو ہر معاملے پر فوقیت دی اور یوں اسلامی ریاست میں مدینہ منورہ گوشہ عافیت ٹھہرا۔ اور دارالحکومت کی مدینہ منورہ سے باہر منتقلی سے مدینہ منورہ میں امن وامان کی فضا بحال رہی۔

Marfat.com

مرکز تعلیم وارشاد:

مدینہ منورہ جب سے اسلام سے معمور ہوا تھا۔ یہاں گھر گھر میں فقہ، حدیث اور تفسیر کے چرچے عام تھے۔ عہد نبویؐ کے آغاز ہی میں جنگ بدر کے بعد قریش کے بعض قیدیوں کا زرفدیہ یہ قرار پایا کہ وہ انصار مدینہ کے بچوں کو لکھنا، پڑھنا سکھادیں تو رہا ہو جائیں گے۔ یوں مدینہ میں تعلیم وارشاد کا آغاز ہوا۔ مدینہ منورہ میں تعلیم وارشاد کے مختلف طریقے تھے۔ ایکطریقہ یہ تھا کہ ہجرت کر کے مدینہ آنے والے قبائل کے نمائندے کچھ مدت یہاں قیام کے بعد عقائد و فقہ اسلامی کے ضروری مسائل سیکھ لیتے تھے اور پھر اپنے قبائل میں جا کر دوسروں کو تعلیم دیتے تھے۔ دوسرا مستقل طریقہ درس تھا یعنی لوگ مستقل طور پر مدینہ میں رہتے تھے اور عقائد، شریعت اوراخلاق کی تعلیم پاتے تھے۔ ان کے لئے صفہ ایک خاص درس گاہ تھی اور اس درس گاہ میں زیادہ تر وہ لوگ قیام کرتے تھے جو تمام دنیوی تعلیمات سے آزاد ہو کر دن رات زہد وعبادت اور زیادہ تر خدمت علم میں مصروف رہتے تھے۔

علم وعرفان:

آنحضرتؐ کی ذات گرامی منبع علم وعرفان تھی، اس لئے ساکنان جزیرہ عرب کی یہ قدرتی آرزو تھی کہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ کے فرمودات سنیں، آپؐ کے اسوہ حسنہ کا مشاہدہ کریں، آپؐ سے علمی استفادہ کریں اور غزوات میں حصہ لیں۔ انہیں اسباب کی بناء پر مدینہ منورہ دارالعلم بن گیا تھا۔ اس کی یہ حیثیت نہ صرف عہد راشدہ بلکہ بعد کے زمانوں میں قائم رہی۔

مسلمانوں کی علمی تاریخ کا ایک حیرت انگیز کارنامہ احادیث نبویؐ کو جمع، محفوظ کرنا ہے۔ دیگر اقوام عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ مسلمانوں نے پیغمبر اسلامؐ کی زبان مبارکہ سے ادا ہونے والا ایک ایک فقرہ، ایک ایک اشارہ، ایک ایک حرکت اور آپؐ کی ایک ایک ادا کو جس امانت اور دیانت کے ساتھ ایک باقاعدہ علم کی حیثیت دیکر دیگر لوگوں تک پہنچایا وہ تاریخ علوم میں بے نظیر ہے اور علم الحدیث کہلاتا ہے۔ راویان حدیث میں آٹھ عظیم المرتبت صحابہ کرام کو کثیر الروایات ہونے کا شرف حاصل ہے۔ وہ ہیں حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت

Marfat.com

عائشہ صدیقہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔ یہ سب مدینہ منورہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اہل مدینہ میں اولین مفسرین میں ممتاز حضرت عبداللہ بن عباسؓ تھے۔ جبکہ افتاء کی خدمت حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابیؓ بن کعب اور حضرت زیدؓ بن ثابت جیسے عظیم صحابہ نے انجام دی تھی۔ علم سیرت مغازی کا آغاز بھی ابان بن عثمان متوفی 105ھ نے مدینہ ہی میں کیا تھا۔

خلافت بنوامیہ/ انقلاب مدینہ:

حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے عہد میں اہل مدینہ کو خصوصی طور پر راضی رکھنے کی کوششیں کیں۔ اور اپنے حسن سلوک تحمل اور بردباری سے بنی ہاشم اور اہل بیعت نبویﷺ کو خوش یا کم ازکم خاموش رکھا، لیکن ان کا جانشین یزید اس پالیسی کو نبھاہ نہ سکا۔ یزید کے عہد میں سانحہ کربلا پیش آیا جس کی وجہ سے اہل مدینہ جنہوں نے پہلے ہی خوشدلی سے یزید کی سربراہی اور خلافت کو قبول نہیں کیا تھا اب انہوں نے اموی حکومت کے خلاف انقلاب بپا کر دیا۔ تمام اہل حجاز نے حضرت ابن زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور تمام اموی حکام کو مدینہ منورہ سے نکال باہر کیا۔ اموی حکام نے مدینہ سے نکلنے کے بعد شام سے امداد طلب کی۔ اس انقلاب مدینہ کی خبر سن کر یزید نے مسلم بن عقبہ کو دس ہزار فوج کے ساتھ اہل مدینہ کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ اہل مدینہ نے بڑی بہادری اور استقلال کے ساتھ اس یزیدی لشکر کا مقابلہ کیا، لیکن آخر پیشہ ور فوج کے ہاتھوں شکست کھائی۔ (26 اگست 683ء) شامی فوج جس میں شامی عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی تین دن تک مدینۃ النبی کو لوٹتی رہی اور اہل مدینہ کا قتل عام کرتی رہی۔ جب یزیدی افواج کی لوٹ مار اور قتل عام کا مقابلہ کرنے کی سکت باقی نہیں بچی۔ اسی لئے باقی ماندہ شہریوں نے یزید کی اطاعت کا جواء اپنے کندھوں پر رکھنا قبول کیا۔ البتہ یزید کی وفات کے بعد اہل مدینہ نے اطاعت کا یہ جوا اپنے سر سے اتار پھینکا اور ابن الزبیرؓ کے ساتھ ہو گئے، لیکن ابن زبیر کی شکست کے بعد حجاز پر ایک بار پھر اموی اقتدار قائم ہو گیا۔ عبدالملک بن مروان پانچواں اموی خلیفہ چونکہ خود پہلے مدینہ میں رہا تھا۔ اس لئے اس نے اپنے عہد میں اہل مدینہ کی دلجوئی کی کوشش کی۔

Marfat.com

خلیفہ ولید بن عبدالملک (705ء.......715ء) کے عہد میں حضرت عمر بن عبدالعزیز مدینہ منورہ کے گورنر رہے۔ ولید کے حکم پر انہوں نے حرم نبوی کی تعمیر و توسیع کرائی تھی۔

سلیمان بن عبدالملک جب حج کے لئے 97ھ/ 715ء میں حجاز گیا تو اس نے اہل مدینہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ان میں روپیہ تقسیم کرایا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز جب تخت خلافت پر رونق افروز ہوئے تو انہوں نے ایک بار پھر مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر و توسیع و تزئین کرائی۔

ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں حضرت امام زین العابدین کے صاحبزادے زید بن علی نے پہلے مدینہ منورہ اور پھر کوفہ سے خروج کیا لیکن وہ بھی کوفیوں کی بدعہدی کی وجہ سے شہید ہوئے۔

خلافت عباسیہ:

132ھ/750ء میں خلافت بنو امیہ کے خاتمے کے بعد عباسی خلیفہ ابوالعباس سفاح تخت نشین ہوا اس طرح اگلے پانچ سو سال کے لئے خلافت عباسیہ کی بنیاد رکھی گئی۔ سفاح کے بعد اس کا بھائی المنصور اس کا جانشین بنا۔ اس کے خلاف علوی خاندان کے چشم و چراغ حضرت نفس ذکیہ نے عباسی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ مدینہ منورہ میں حضرت امام مالک اور کوفہ میں حضرت امام ابوحنیفہ نے حضرت نفس ذکیہ کی حمایت کا اعلان کیا۔ حضرت نفس ذکیہ نے مدینہ پر قبضہ کر کے عباسی گورنر مدینہ قید کر دیا۔ جس پر منصور نے حضرت نفس ذکیہ کی سرکوبی کے لئے ایک لشکر جرار مدینہ بھیجا۔ اہل مدینہ نے ابتداء میں حضرت نفس ذکیہ کی اعانت کی مگر جب عباسی لشکر کا پلڑا بھاری ہوا تو لوگ حضرت نفس ذکیہ کا ساتھ چھوڑ گئے اور ان کی شہادت کے بعد مدینہ پر عباسی اقتدار بحال ہو گیا۔

عباسی خلیفہ مہدی نے اپنے عہد میں مسجد نبوی کی عمارت میں ترمیم و توسیع و تزئین کرائی۔ پوری عمارت کو نقش و نگار سے مزین کیا گیا۔

خلیفہ ہادی عباسی کے عہد میں مدینہ منورہ سے آل حسن سے حضرت حسین بن علی نے خروج کیا اور دارالامارۃ کا محاصرہ کر کے قید خانہ توڑ کر قیدی نکال لئے۔ مدینہ منورہ میں ہنگامہ برپا ہوا۔ آخر میں حسین بن علی کو شکست ہوئی۔

ہارون الرشید وہ عباسی خلیفہ تھا جس نے اپنے عہد میں نو حج کئے اور اپنی حجاز آمد سے

Marfat.com

اہل حرمین کو مالا مال کر دیا۔

معتصم باللہ کے عہد میں مدینہ منورہ میں اہل بیت کے ایک فرزند محمد بن قاسم تھے جنہیں اہل خراسان مدینہ سے جوز جان لے گئے اور میدان سیاست میں اتارا مگر انہیں بھی ناکامی ہوئی۔

خلیفہ واثق باللہ کے عہد میں مکہ المکرّمہ اور مدینہ المنورہ میں کوئی سائل باقی نہ رہا۔ اس خلیفہ نے علویوں سے بھی ہمدردانہ سلوک کیا۔

منتصر باللہ کے عہد میں علوی خاندان اور اہل بیت سے زیادتیوں کا سلسلہ یک قلم موقوف کر دیا گیا بلکہ 250 سال بعد باغ فدک حضرت فاطمہؓ کی اولاد کو واپس کر دیا گیا۔

خلافت عباسیہ کے کمزور پڑ جانے کے بعد مصر کی دولت اخشیدیہ نے مکہ اور مدینہ کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔

دولت فاطمیہ:

بنو فاطمہ اسماعیلی شیعہ تھے، ان کا اصل مقصد خلافت عباسیہ کو ختم کر کے اسماعیلی اقتدار قائم کرنا تھا۔ ان کی حکومت مصر میں قائم ہوئی پھر یہ حجاز تک پر قابض ہو گئے۔ چھٹا فاطمی حکمران ابو علی منصور الحاکم (996ء/ 1021ء) بڑا ہی خبیث النفس اور بدنہاد انسان تھا۔ اس کے عہد میں مدینہ منورہ میں ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔

واقعہ خسف:

علامہ جلال الدین سیوطی نے فاطمین مصر کو الدولۃ الخبیثہ لکھا ہے۔ تاریخ خلفا میں انہوں نے لکھا ہے کہ خود کو حاکم بامر اللہ کہلانے والا یہ بدنہاد حکمران دراصل حاکم بامر ابلیس تھا۔ تاریخ مدینہ کا ایک عبرتناک واقعہ، واقعہ خسف اسی کے عہد اقتدار میں پیش آیا۔ یہ واقعہ اس کی خباثت اور بدباطنی اور بداعتقادی کا کھلا ثبوت ہے جو تاریخ کے صفحات پر ایک بدنما داغ کی حیثیت رکھتا ہے جسے کسی پانی سے دھویا نہیں جا سکتا۔

حاکم بامر اللہ کو اس کے مرتد اور بے دین ساتھیوں نے مشورہ دیا تھا کہ اگر قاہرہ میں ایک روضہ تیار کر کے مدینہ منورہ سے روضہ اقدس کے مکینوں کے اجسام مبارکہ اس میں منتقل کر دو

Marfat.com

تو پوری اسلامی دنیا سے لوگ زیارت کے لئے قاہرہ آنا شروع ہو جائیں گے۔

فسادی ذہن اور بے دین طبیعت رکھنے والے حاکم کو یہ مشورہ بڑا صائب لگا اور اس نے قاہرہ میں ایک شاندار مقبرہ تعمیر کروایا۔ اگلے مرحلے میں اس خوفناک سازش کی تکمیل کے لئے اس نے اپنے ایک امیر ابوالفتوح کو تیار کر کے مدینہ بھیجا۔ ابوالفتوح اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ مدینہ پہنچا جب تک اہل مدینہ کو اس ناپاک ارادے کا علم ہوا تو پورے شہر میں کھلبلی مچ گئی اور لوگ پروانہ وار آئے اور اسے مذموم ارادے کی تکمیل سے روکا مگر وہ اپنی بدباطنی سے باز نہ آیا۔

ان دنوں روضہ اقدس کے خادم خاص شمس الدین صواب نامی ایک شخص تھے۔ ایک دن انہیں اطلاع ملی کہ امیر مدینہ کو کچھ لوگوں نے آمادہ کر لیا ہے کہ وہ انہیں روضہ اقدس سے سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے اجسام مبارکہ نکال کر قاہرہ لے جانے دے۔ شیعہ و نیا اور فاطمین مصر کے تابع ہونے کی وجہ سے حاکم مدینہ کسی صورت اپنے آقاؤں کو انکار نہیں کر سکا اور انہیں اس بات کی اجازت دے دی کہ وہ رات کے اندھیرے میں اپنے اس باطنی مقصد کی تکمیل کر لیں۔ حاکم مدینہ نے شمس الدین صواب کو حکم بھیجا کہ رات کو اس کے کچھ مہمان خاص روضہ اقدس کی زیارت کے لئے آئیں گے انہیں روضہ اقدس کی چابیاں فراہم کر دی جائیں۔ پھر جب اس روز مدینہ المنورہ میں رات کا اندھیرا چھایا تو ایک شدید آندھی چلنے لگی جس سے شہر کے در و بام لرزنے لگے۔ اتنے شدید طوفان کی آمد کے باوجود اس رات حرم شریف کا دروازہ کھٹکا۔ آدھی رات کے وقت کچھ لوگ زمین کھودنے کے اوزار اور شمعیں لے کر حاکم مدینہ کے خاص مہمانوں کے طور پر حرم نبوی میں حضرات شیخین کرام کے اجسام مبارکہ چرانے کے مقصد سے داخل ہو گئے۔ شمس الدین صواب ان کے ناپاک عزائم سے آگاہ تھا مگر بے بس تھا۔ اس نے جب اس نے اجنبی مہمانوں کو گنا تو یہ سب تعداد میں چالیس تھے۔ مسجد نبویؐ کے دالانوں سے گذر کر یہ بدنہاد انسان ابھی مقصورہ شریف تک پہنچ نہیں پائے تھے کہ شمس الدین صواب نے کھلی آنکھوں سے وہ منظر دیکھا جو روئے زمین پر حضرات شیخین کرامؓ کے دشمنوں کے لئے ہوشربا اور عبرتناک تھا۔

جیسے ہی یہ بدکردار 40 انسان اپنے ناپاک قدموں کے ساتھ چلتے ہوئے روضہ اطہر کے قریب پہنچے زمین پھٹ گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ بدباطن لوگ زمین میں سما گئے یہاں تک کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ شمس الدین کے مطابق مسجد نبویؐ کا فرش اس مقام پر پھر باہم مل

Marfat.com

گیا مگر ایک نشان باقی رہ گیا۔ جو آج بھی مسجد شریف کے فرش پر موجود ہے۔

شمس الدین صواب کی نشاندہی پر ان بدنہادوں کے زمین میں دھنس جانے کے مقام پر بعدازاں فرش پر ایک پختہ نشان بنا دیا گیا۔ تاکہ اس عبرتناک واقعہ کی یاد دلاتا رہے اور آئندہ کوئی بدباطن ایسے سازشی منصوبے دوبارہ تیار نہ کر سکے۔ محققین کے مطابق یہ عبرت کا نشان آج بھی مسجد نبویؐ کے فرش پر موجود ہے اور واقعہ خسف کی یاد دلاتا ہے۔

فاطمین مصر کے عہد حکومت میں اذان کے الفاظ میں ترمیم و اضافہ کیا گیا اور رمضان المبارک میں حرمین میں نماز تراویح کی ادائیگی بھی حکماً روک دی گئی تھی۔ جب سلاجقہ کا دور عروج آیا تو مدینہ منورہ بھی فاطمین مصر کے تسلط سے آزاد کرا لیا گیا۔ دسویں صدی کے وسط میں حجاز میں علوی شرفاء نے اپنی حکومت قائم کر لی جو کسی نہ کسی شکل میں اگلے ایک ہزار سال تک جاری رہی۔

دولت نوریہ و صلاحیہ:

1090ء میں پاپائے روم کے حکم پر اسلامی دنیا کے خلاف صلیبی جنگوں کا آغاز ہوا۔ بیت القدس پر اہل یورپ نے قبضہ کر لیا اور صلیب و ہلال کی یہ معرکہ آرائی 1250ء عیسوی تک جاری رہی۔ اہل یورپ یا صلیبی جنگجوؤں کے حوصلے اتنے بڑھ گئے کہ وہ القدس کے بعد مکہ اور مدینہ کے مقدس شہروں پر چڑھائی کرنے کی تیاریاں کرنے لگے۔

سلطان نور الدین زنگی:

اسلامی دنیا کے لئے چھٹی صدی ہجری اور ساتویں ہجری کا زمانہ صلیبی جنگوں اور حملہ تاتار کی وجہ سے سخت آزمائش اور مصیبت کا زمانہ تھا۔ ان حالات میں شام کے سلطان نور الدین زنگی نے اسلام اور مسلمانوں کی نصرت و حمایت کے لئے صلیبی جنگجوؤں کے خلاف اعلان جہاد کیا اور عیسائی یورپیوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا۔ سلطان نور الدین زنگی کے عہد میں مدینہ منورہ میں تاریخ عالم کا ایک اور عجیب و غریب واقعہ پیش آیا جس کے بعد حفاظتی مقاصد کے تحت، روضہ نبویؐ کے چاروں طرف سیسے کی دیوار تعمیر کر دی گئی جسے ''خندق الرصاص'' کہتے ہیں۔

روضہ اطہر میں نقب زنی کی سازش:

557ھ/ 1160ءمیں بعہد سلطان نور الدین زندگی عیسائی دنیا نے ایک مکروہ

Marfat.com

سازش تیار کی جس کا مقصد روضہ اطہر میں نقب لگا کر نبی اکرمؐ کا جسم مبارک نکال لے جانا تھا۔ عیسائی جانتے تھے کہ یہی وجود مسعود مسلمانوں کی محبت کا مرکز خاص اور ان کی طاقت وروحانیت کا سرچشمہ ہے اور اسلام کے لئے ان کی جانثاری کا راز ہے اگر کسی طرح نعوذ باللہ جسم اطہر کو مدینہ منورہ سے نکال لیا جائے تو اسلام اور مسلمان خود بخود شکست خوردہ ہو جائیں گے۔ اس مقصد کے لئے دو یورپی عیسائی منتخب کئے گئے اور سازش تیار کی گئی کہ وہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کا بہروپ بدل کر پہنچ جائیں اور مسجد نبویؐ کے قریب کوئی مکان کرایہ پر حاصل کر لیں اور نقب لگا کر زیر زمین بالائے زمین تربت شریف اور حجرہ شریف تک پہنچ جائیں اور اس سازشی منصوبے کی تکمیل کریں۔

بے شمار مال وزر لے کر یہ دونوں عیسائی مغربی حاجیوں کے بھیس میں مدینہ منورہ پہنچے اور خود کو بڑے نیک و عابد مسلمان ظاہر کر کے مسجد نبویؐ کے قریب ایک مکان میں رہنے لگے۔ جب انہوں نے اہل مدینہ پر اپنی جھوٹی شرافت کا بھرم قائم کر لیا تو وہ اندرونی طور پر رات کو سرنگ کھودنے لگے۔ سرنگ سے نکلنے والی مٹی کو صبح کے وقت چرمی تھیلوں میں بھر کر جنت بقیع میں زیارت کے بہانے جا کر پھینکتے اور پھر دن بھر روضہ مطہرہ میں پڑے رہتے تھے۔ یہ سلسلہ ایک طویل عرصہ جاری رہا تا آنکہ کہ وہ اس مکان سے سرنگ کھودتے ہوئے روضہ مطہرہ کے قریب پہنچ گئے۔ اس رات مورخین کے مطابق مدینہ منورہ میں ایک شدید طوفان بادوباراں آیا اور زمین ایک زبردست زلزلے سے لرزنے لگی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ قدرت کسی انسانی عمل کے خلاف تنبیہ کر رہی ہے۔

اسی رات سلطان نور الدین زنگی کو دمشق میں ایک خواب نظر آیا کہ امام الانبیا سرور کائنات جناب محمد رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس صحابہ کرام کے ساتھ اس کے محل میں تشریف لائے۔ طلعت زیبا چہرہ انور پر جلال کے آثار نمایاں تھے۔ آپؐ نے غصہ کے عالم میں دو سرخ مغربی شخصوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سلطان کو فرمایا کہ ان شرپسندوں سے بچاؤ کہ یہ ہمیں تنگ کر رہے ہیں۔ سلطان نور الدین کی یہ خواب دیکھ کر ہوش اڑ گئے مگر تاویل سمجھ نہ آئی جب تیسری مرتبہ یہی خواب نظر آیا تو سلطان نے جان لیا کہ فی الواقعی ایسا کوئی امر ہے جس کی طرف سرور کائناتؐ اشارہ فرما رہے ہیں۔ سلطان نے اپنے وزیر جمال الدین موصلی کو اپنے اس خواب سے مطلع کیا۔ وزیر باتدبیر نے سلطان کو آگاہ کیا کہ مدینہ المنورہ میں ایسا کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے کہ جس سے سرکار نبی پاک کے استراحت میں خلل آیا ہے۔ آپ بلا تاخیر مدینہ روانہ

Marfat.com

ہوں اور فوراً اس کا سراغ لگائیں۔

سلطان زنگی بلاتاخیر مدینہ پہنچا اور روضہ اطہر پر دست بستہ حاضر ہوا مگر حیران تھا کہ کارروائی کا آغاز کس طرح کرے اور کہاں سے کرے؟

وزیر باتدبیر نے سلطان کو مشورہ دیا کہ اگر آپ ان دو سرخوں کو اہل مدینہ میں پہچان لیں تو مزید سراغ لگایا جاسکتا ہے۔ اس کے لئے تدبیر یہ کی کہ تمام اہل مدینہ کو سلطان نے مدعو کیا اور ان میں مال بانٹنا شروع کر دیا مگر وہ دو سرخ رو انسان اہل مدینہ میں نظر نہیں آئے۔ سلطان کو بڑی تشویش ہوئی۔ وزیر باتدبیر نے اہل مدینہ سے دریافت کیا دو مغربی حاجی جو سرخ رو ہیں اور مدینہ میں رہتے ہیں وہ کہیں نظر نہیں آئے۔ اہل مدینے نے بتایا کہ وہ بڑے دولت مند اور صاحب ثروت ہیں وہ کیسے آسکتے تھے۔

سلطان نے حکماً ان مغربی حاجیوں کو حاضر ہونے کا کہا تو وہ سلطان کے دربار میں حاضر ہوئے۔ سلطان نے ان سازشیوں کو پہلی نظر میں پہچان لیا اور آنحضرتؐ کے خواب میں بتائے گئے امر میں شک کی گنجائش نہ رہی۔ سلطان کو خواب میں ان سازشیوں کی حقیقت سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ جب ان کی رہائش گاہ کی سرکاری طور پر تلاشی لی گئی تو وہاں سے خالی مشکیزوں اور کتابوں کے سوا کچھ برآمد نہ ہوسکا۔ مگر جونہی سلطان نے ان کے کمرے میں بچھا ہوا ایک مصلیٰ اٹھایا تو اسکے نیچے کھودی گئی سرنگ نظر آ گئی۔ بازپرس کرنے پر دونوں مغربیوں نے اپنی سازش تسلیم کر لی۔ سلطان اس واقعہ پر بہت رویا اور سزا کے طور پر ان دونوں سازشیوں کو قتل کر دیا گیا اور روضہ اطہر کی حفاظت کے لئے سیسے کی دیوار زیر زمین تعمیر کرا دی گئی۔ سلطان نور الدین زنگی کی وفات کے بعد عیسائی حملہ آوروں کے خلاف علم جہاد سلطان صلاح الدین ایوبی نے تھاما۔ سلطان صلاح الدین نے معرکہ حطین میں عیسائیوں کو (1181ء) شکست فاش دی اور سرزمین حجاز کی طرف بڑھنے والے ناپاک عیسائیوں کو ہمیشہ کے لئے روک دیا۔ اس جنگ میں یروشلم کے عیسائی بادشاہ کے ساتھ ایک اور عیسائی سردار ریجنالڈ بھی گرفتار ہوئے وہ پیغمبر اسلام کی شان میں گستاخی کو اپنی زندگی کا اہم فریضہ سمجھتا تھا۔ سلطان نے اس گستاخ رسول کو قرار واقعی سزا دی۔ اس عیسائی سردار نے 1182ء میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تھا جو پورا نہ ہو سکا تھا۔

Marfat.com

سلطان صلاح الدین اور اس کے جانشینوں کے بعد مصر و حجاز کی قیادت مصر کے ممالیک کے ہاتھ آ گئی۔ انہیں میں ایک سلطان بیبرس بندقداری تھا جس نے دنیائے اسلام کی تاتاری حملہ آوروں کو 1260ء میں عین جالوت کے مقام پر شکست دے کر حفاظت کی تھی اور شام، مصر اور حجاز کو ایران اور بغداد جیسے انجام سے بچا لیا تھا۔ اسی سلطان بیبرس کے زمانے میں مسجد نبوی شریف کے بعض حصوں میں آگ بھڑک اٹھی تھی جس کی تباہ کاری کے بعد سلطان نے مسجد نبوی کی تعمیر نو کو بطریق احسن پورا کیا اور روضہ نبویؐ کے گرد لوہے کی جالیوں کا کٹہرا بنوایا اور اس کی چھت کو مطلیٰ اور منقش کر دیا۔

گنبد خضریٰ:

سلطان بیبرس کے جانشین ملک المنصور سیف الدین قلادون نے 1281ء میں ہلاکو خان کے بیٹے اباقا خان کو حمص کے نزدیک شکست فاش دیکر تاتاریوں کی اسلام پر مسلسل یلغار کو ختم کر دیا تھا۔ یاد رہے اسی مسلم حکمران نے مسجد نبویؐ شریف میں روضہ نبوی کو نمایاں کرنے کے لئے اس پر گنبد تعمیر کروایا تھا۔ جو آج گنبد خضریٰ کہلاتا ہے۔ سلطان قلادون نے مدینہ منورہ میں زائرین کے لئے بہت سی سرائیں، سبیلیں، حمام اور مدارس بھی تعمیر کروائے تھے۔

مملوک مصر کے بعد سولہویں صدی کے آغاز میں مصر، شام و حجاز عثمانی سلاطین نے اپنی قلمرو میں شامل کر لیا تھا۔ اب اسلامی دنیا کا سیاسی مرکز قاہرہ کی بجائے قسطنطنیہ بن گیا۔

مدینہ منورہ میں شریفی خاندان کے امراء کے لئے مصر کے مملوک حکمرانوں کی سیادت تسلیم کرتے تھے اب وہ عثمان سلاطین کے زیر سیادت آ گئے۔ عثمانی سلاطین نے بھی حرمین شریفین کی بے حد خدمت کی اور تقریباً ہر عثمانی سلطان نے مقامات مقدسہ سے اپنی عقیدت کے طور پر تعمیرات کیں اور امور خیر انجام دیئے۔

عصر جدید:

اٹھارہویں صدی کے وسط میں نجد میں ایک نئی انقلاب انگیز شخصیت محمد بن عبدالوہاب کا ظہور ہوا جن کا مستقر عینیہ تھا مگر وہ سعودی حکومت کی مدد سے اپنے افکار و خیالات پوری اسلامی دنیا تک پہنچانے میں کامیاب ہو گئے۔ 1803ء میں نجدیوں نے مکہ مکرمہ فتح کر

Marfat.com

لیا اور 1805ء میں وہ فاتحانہ انداز میں مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ پھر جلد ہی انہوں نے مصر وشام پر حملے شروع کر دیئے، جس کی وجہ سے عثمانی سلطان کو ان کی سرکوبی کا حکم دینا پڑا۔ عثمان سلطان محمود دوم نے مصر کے والی محمد علی پاشا کو حجاز میں وہابیوں کی طاقت کچلنے کا حکم دیا۔ جس کے بعد محمد علی پاشا اور اس کے بیٹوں نے نجدیوں کو شکست دیکر حجاز واپس لے لیا۔ مگر شیخ عبدالوہاب کی تحریک بلکہ تحریک پھلتی پھولتی رہی اور 1902ء جب سعودی امیر عبدالعزیز بن سعود نے جب ریاض فتح کیا تو وہابیوں کے ہاتھ میں ایک بار سرزمین عرب کی سیادت آگئی۔

پہلی عظیم کے دوران شریف حسین آف مکہ حجاز کی خودمختاری کے خواب دیکھنے لگا اور اس نے انگریزوں کے ایماء پر 1916ء میں ترکوں کے خلاف بغاوت کر دی۔ انگریزوں نے اسے حجاز کا خودمختار بادشاہ تسلیم کر لیا۔ 1924ء میں شریف حسین آف مکہ نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور خلیفۃ المسلمین ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ جس کے بعد نجد اور دیگر عرب ریاستوں نے اس کی سیادت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ نجد کے سعودی امیر پہلے ہی سے حجاز پر اپنا تسلط قائم کرنا چاہتے تھے۔ اتفاق سے شریف حسین مکہ نے حجاز میں نجدیوں کا داخلہ بند کر رکھا تھا۔ اس کو بہانہ بنا کر شاہ عبدالعزیز بن سعود نے حجاز پر حملہ کر دیا اور جلد ہی وہ پورے حجاز کو فتح کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ 1925ء میں مدینہ منورہ پر سعودیوں کا قبضہ ہو گیا اور سلطان عبدالعزیز بن سعود نے متحدہ سعودی مملکت عرب قائم کرنے کا اعلان کر دیا۔ تا حال سرزمین عرب پر سعودی خاندان کی حکومت ہے اور تیل کی دریافت کے بعد سے ملک خوشحال سے خوشحال تر ہوتا چلا گیا ہے۔

Marfat.com

تاریخی آثار مدینہ منورہ

مسجد نبوی شریف:

اسلامی فن تعمیر کا اولین فن پارہ مسجد نبویؐ شریف ہے جو سرکار مدینہؐ کی مدینہ تشریف آوری کے بعد حضرت ابوایوب انصاریؓ کے ہاں قیام کے دوسرے دن ہی تعمیر ہونا شروع ہوگئی تھی۔ اس مسجد شریف کے لئے جگہ کا انتخاب اس طرح کیا گیا کہ وقت ہجرت مدینہ منورہ میں جہاں آپ کی اونٹنی قصویٰ بحکم الٰہی بیٹھ گئی تھی وہی جگہ مسجد نبویؐ کی تعمیر کے لئے منتخب کی گئی۔ یہ جگہ انصار کے دو یتیم بچوں سہل اور سہیل کی ملکیت تھی جو حضرت اسعد بن زرارہ کی کفالت میں تھے۔ سہل اور سہیل نے اس جگہ کو کھجوریں سکھانے کے لئے رکھ چھوڑا تھا۔ اسے عربی زبان میں ''مربد'' کہتے تھے یعنی کھجوریں سکھانے کا باڑا'' اس جگہ کھجور اور غرقد کے درخت بھی تھے۔ نیز چھت کے بغیر ایک چار دیواری کے علاوہ اس زمین پر کچھ مشرکوں کی قبور بھی تھیں۔ جنہیں بعد ازاں رسول اللہؐ نے حکم پر کہیں اور منتقل کر دیا گیا تھا۔ اور کھجور اور غرقد کے درخت کاٹ کر جگہ صاف کر دی گئی۔ اس قطعہ زمین کو سہل اور سہیل بطور عطیہ دینا چاہتے تھے مگر سرکار مدینہؐ نے اسے خریدنا پسند فرمایا اور اس کی قیمت خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے مال سے ادا کی۔

مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت رسول اللہ ﷺ نے خود صحابہ کرام کے ساتھ ملکر مسجد کا قبلہ درست کیا۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہم مسجد نبوی کی تعمیر کے دوران رسول اللہ کے ساتھ ملکر یہ شعر پڑھتے تھے۔

اللھم ان الاجر، اجر الآخر

فاغفر الانصار و المھاجر

مسجد نبوی کی اس اولین تعمیر میں قبلے کی دیوار کے ساتھ کھجور کے درختوں کی قطار لگا دی گئی تھی اور دائیں اور بائیں پتھروں کی دیواریں بنا دی گئیں۔ محدث مدینہ حضرت عبداللہ بن

Marfat.com

عمرؓ سے روایت ہے کہ عہد نبوی کی تعمیر میں کچی اینٹیں استعمال کی گئی تھیں اور چھت کھجور کی شاخوں سے تیار کی گئی تھی اور اس میں کھجور کے تنے ہی بطور ستون نصب کئے گئے تھے۔ دوسرے الفاظ میں مسجد نبوی شریف کی پہلی تعمیر گارے کی دیواروں، کھجور کے تنوں کے ستونوں اور کھجور کی شاخوں کی چھت سے عبارت تھی۔ شروع میں اس کی لمبائی بھی 70 گز اور چوڑائی بھی 70 گز تھی۔

مسجد نبوی کی اس تعمیر اولین میں امامت کے لئے محراب قبلہ اول یعنی بیت القدس کے رخ پر شمال کی جانب رکھی گئی تھی۔ نبی اکرمؐ تقریباً 17 ماہ اسی رخ پر نمازیں ادا فرماتے رہے حتیٰ کہ تحویل قبلہ کا حکم آ گیا اور کعبہ مسلمانوں کا قبلہ ٹھہرا۔ جس کی وجہ سے مسجد کے قبلے کا رخ بھی بیت اللہ کی طرف کر دیا گیا۔

جب نبی پاکؐ مسجد نبوی کی اولین تعمیر سے فارغ ہوئے تو اس سے متصل ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا حجرہ تعمیر کیا گیا جو آج رسول اللہ کی ابدی آرام گاہ ہے پھر اس سے متصل ام المومنین حضرت سودہؓ کا گھر بنا بعد ازاں باقی امہات المومنین کے لئے حجرے تعمیر کئے گئے۔

مسجد نبوی کے مشرق میں باب الجمعہ تھا۔ جنوب مشرق میں بقیع غرقد واقع تھا۔ مسجد کے مغرب میں سوق المناخہ اور شمال مغرب میں سقیفہ بنی ساعدہ واقع تھا۔

پہلی توسیع:

مسجد نبویؐ میں پہلی توسیع بھی عہد نبویؐ میں ہوئی تھی۔ جب نبی کریمؐ غزوہ خیبر سے واپس مدینہ تشریف لائے تو آپ نے مسجد شریف میں پہلی توسیع فرمائی۔ اس وقت تک مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد اتنی بڑھ چکی تھی کہ بیک وقت سب مسلمانوں کے لئے ادائیگی نماز کے لئے یہ توسیع ناگزیر تھی۔ آپؐ نے مسجد کے مغربی جانب تین ستونوں کا اضافہ فرمایا۔ اس کے ساتھ مسجد کی چوڑائی میں چالیس ہاتھ اور لمبائی میں تیس ہاتھ کا اضافہ ہو گیا۔ اس طرح مسجد نے تقریباً مربع شکل اختیار کر لی۔ اس کا رقبہ اب 25 ہزار مربع میٹر ہو گیا۔ البتہ رخ میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی جس کی وجہ سے قبلے کی دیوار پہلی جگہ ہی رہی۔ کھجور کے تنوں کے بنے ہوئے عہد نبویؐ کے ستون جب کھوکھلے ہو گئے تو خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ نے انہیں اپنے خلافت میں بدل دیا تھا۔

Marfat.com

توسیع دوم:

مسجد نبویؐ کی دوسری توسیع حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں ہوئی۔ حضرت عمر فاروق نے 17ھ میں مسجد نبویؐ کی بنیادیں، انسانی قد کے برابر پتھر سے بنوائیں اور چھت کے لئے اب باقاعدہ لکڑی کے ستون نصب کئے گئے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی اس توسیع کے دوران ایک چبوترہ بیرونِ مسجد تعمیر کرایا اور اس کا نام ''بطیحا'' رکھا۔ خلیفہ ثانی کا حکم تھا کہ جو شخص شور وغل کئے بغیر نہ رہ سکے یا اونچی آواز میں بات کرنا چاہے وہ بلند آواز میں کوئی شعر پڑھنا چاہے، وہ مسجد سے نکل کر اس چبوترے پر آبیٹھے۔'' بعد کے زمانے کی کسی توسیع میں بطیحا کو شامل مسجد کرلیا گیا تھا۔

خلافت راشدہ کے عہد میں ہی حضرت عثمان غنیؓ نے 29ھ میں مسجد نبویؐ میں قبلہ رخ اور شمال اور مغرب کی سمتوں میں اضافہ کیا اور قبلے کی دیوار کی طرف ایک برآمدہ تعمیر کرایا۔ حضرت عثمانؓ ہی نے قبلے کی دیوار کو اس جگہ تعمیر کیا تھا جہاں وہ آج تک موجود ہے۔ آپؓ نے مغرب کی طرف برآمدے کی تعمیر کے علاوہ شمال کی جانب بھی دس ہاتھ کا اضافہ کیا تھا۔ خلیفہ سومؓ کی یہ تعمیر منقوش پتھروں سے کی گئی تھی۔ اس مرتبہ چھت ساگوان کی لکڑی کی ڈالی گئی، البتہ مقصورہ شریف کچی اینٹوں سے تعمیر کیا گیا تھا۔

توسیع خلیفہ ولید بن عبدالملک اموی:

خلافت بنو امیہ کے چھٹے خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عہد خلافت میں حضرت عمر بن عبدالعزیز گورنر مدینہ تھے۔ آپ نماز تہجد ہمیشہ روضہ اطہر کے قریب ادا کرتے تھے۔ ایک رات جب تہجد کی نماز کی ادائیگی کے لئے گھر سے نکلے تو مدینہ منورہ کی فضاؤں کو پہلے سے کہیں زیادہ معطر پایا۔ آپ جس طرف سے گزرتے تھے ایک ملکوتی خوشبو مدینہ کی گلیوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ جب آپ مسجد نبوی پہنچ تو ملکوتی خوشبو پھیلنے کا راز کھلا۔ آپ نے دیکھا کہ حجرہ حضرت عائشہ کی ایک دیوار گر گئی ہے اور ایک لحد مبارک کے کھل جانے کی وجہ سے کسی کے پاؤں مبارک نظر آرہے ہیں۔ مدینہ کی فضائیں انہیں پاؤں مبارک سے ابھرنے والی خوشبو سے مہک رہے تھے۔ آپ کے معلوم کرنے

Marfat.com

پر پتہ چلا کہ یہ پاؤں مبارک حضرت عمرؓ کے ہیں جن کے قد کی غیر معمولی طوالت کی بنا پر آپ کے لئے لحد حجرہ حضرت عائشہ کی ایک دیوار میں نقب لگا کر بنائی گئی تھی جس کی وجہ سے یہ دیوار کمزور ہو گئی تھی اور بالآخر گر گئی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کو اس حادثے کی خبر دی، تو خلیفہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو خط لکھا کہ مسجد نبویؐ کی پرانی عمارت کو گرا کر اسے از سر نو تعمیر کرایا جائے، پھر قیصر روم کے پاس ایک خصوصی ایلچی بھیج کر ماہرین تعمیرات روم کو مدینہ طلب کیا، تاکہ مسجد نبویؐ کی تعمیر نو کی خدمت میں حصہ لیں۔ خلیفہ ولید کے حکم پر مسجد شریفہ کی جو توسیع کی گئی اس میں امہات المومنین کے مکانات کو بھی مسجد میں شامل کر لیا گیا۔ مختلف قسم کے طلائی نقش و نگار کے ساتھ مسجد کی شان و شوکت کو دوبالا کیا گیا۔ پہلی بار مسجد نبویؐ کے چاروں کونوں پر چار مینار ایستادہ کئے گئے۔ محراب نبویؐ کو دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ اس تعمیر میں مسجد کے ستون لکڑی کے بجائے کھوکھلے پتھر سے بنائے گئے اور ان کے درمیان میں پگھلا کر لوہا اور سیسہ بھر دیا گیا۔

توسیع خلیفہ مہدی عباسی:

عباسی عہد خلافت میں مسجد نبویؐ شریف کی پہلی توسیع خلیفہ مہدی بن منصور کے عہد میں ہوئی۔ اس توسیع میں مسجد میں دس ستونوں کا اضافہ کیا گیا۔ اور نقش و نگاری اور طلاکاری سے مجسد کے در و دیوار مزین کرنے کے زر کثیر خرچ کیا گیا۔ شمالی جانب ہونے والی اس توسیع میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا مکان جو اتنا بڑا تھا کہ ''دار کبریٰ'' یعنی بڑا گھر کہلاتا تھا، شامل توسیع کر لیا گیا۔ حضرت شرجیل بن حسنہؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا گھر ''دار القرا'' بھی مسجد کے احاطے میں شامل کر لیا گیا۔

عباسی عہد کے بعد مصر کے ممالیک نے مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع پر بڑی توجہ دی تھی۔

زمانہ حال میں سعودی حکومت نے مسجد نبوی میں جب دوسری بڑی توسیع شاہ خالد بن عبدالعزیز کے عہد میں کی تو عہد نبوی کا پورا مدینہ مسجد نبویؐ میں شامل کر دیا گیا ماسوائے قبا اور دیگر مضافات مدینہ کے۔ مختلف توسیعات میں صحابہ کرام کے تمام مکانات پہلے ہی مسجد کا حصہ بن گئے تھے۔ حجرہ اقدس کے قریب مسجد کے جنوب مشرقی کونے پر باہر صحن میں کھڑے ہوں تو یہ وہ جگہ ہے جہاں میزبان رسولؐ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا گھر تھا۔ مسجد کے جنوبی حصے میں

Marfat.com

حضرت جعفر طیارؓ اور عم رسولؐ حضرت عباسؓ کے گھر تھے۔ حضرت عثمانؓ کے مکان کی جگہ گزشتہ زمانوں میں ایک مسافر خانہ تعمیر کر دیا گیا تھا جو سعودی حکومت کی طرف سے کی جانے والی پہلی توسیع تک 1952ء میں باقی تھا مگر دوسری توسیع میں یہ مشرقی صحن کا حصہ بن گیا۔ حضرت علیؓ اور حضرت ابو بکرؓ کے مکانات بھی مشرقی حصے میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کا مکان بھی ماضی میں ایک مسافر خانے میں بدل دیا گیا تھا اور ''رباط خالد'' کہلاتا تھا مگر اب یہ بھی مسجد کے مشرقی گوشے میں شامل کر دیا گیا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے ''دار کبریٰ'' میں رسول اللہؐ کے زمانے میں ان کے مہمان ٹھہرا کرتے تھے۔ اب یہ مسجد کے شمالی صحن کا حصہ ہے۔ مسجد کے مغربی حصے میں حضرت عمرؓ، حضرت زبیرؓ بن عوام، حضر حسان بن ثابتؓ، سیارہ سکینہ بنت الحسینؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ اور کئی دیگر صحابہ کرام کے مکانات تھے جو اب مسجد کا حصہ ہیں۔

Marfat.com

درو بامِ مسجد نبویؐ

مسجد نبوی شریف گنبد ومحراب اور ستونوں سے عبارت ہے۔ مگر یہ آثار یا درو بام مسجد نبویؐ بڑی اہمیت کے حامل ہیں اور عہد نبویؐ سے مشہور چلے آتے ہیں۔ عربی میں ستون کو ''اسطوانہ'' کہتے ہیں۔ مسجد نبویؐ شریف کے چند مشہور ستون یہ ہیں۔

اسطوانہ سیدہ عائشہ:

مسجد نبوی کا یہ ستون ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ سے منسوب ہے۔ ایک روایت کے مطابق سیدہؓ اس ستون کے قریب نماز تہجد ادا کرتی تھیں۔

اسطوانۃ الوفود:

یہ ستون مسجد نبویؐ کے قریب بنے ہوئے رہائشی حجروں کے قریب تھا۔ کسی بھی شخص یا وفود سے ملنے کے لئے نبی اکرمؐ مسجد نبوی کا یہ مقام پسند فرماتے تھے۔

اسطوانۃ السریر:

یہ چھوٹا ستون نبی مکرم ومحترمؐ کے بچھونہ مبارک کے قریب واقع تھا۔

اسطوانۃ الحرس:

نبی کریمؐ کی ذاتی حفاظت پر مامور گارڈ، اسطوانہ الحرس کے قریب کھڑے ہوتے تھے۔

اسطوانۃ المخلقہ:

صحابہ کرامؓ اس ستون مسجد نبوی کو ہمیشہ خوشبوؤں (خلوق) سے آراستہ رکھتے تھے۔ اسی بناء پر یہ ستون المخلقہیا خوشبوؤں والا ستون کہلاتا تھا۔ محققین نے لکھا ہے کہ یہ محراب نبویؐ کی جانب اشارہ تھا۔ کیونکہ اسی ستون کے قریب آپؐ نماز ادا کرتے تھے۔ یہاں آج کل دیوار پر ''المعلیٰ النبی'' مرقوم ہے۔ یہ ستون محراب شریف کے مغربی جانب واقع ہے۔

Marfat.com

اسطوانہ ابی البابہ:

یہ ستون ایک مشہور صحابی رسولؐ حضرت ابی لبابہ سے منسوب ہے۔غزوہ خندق کے بعد نبیؐ کریم نے حضرت ابولبابہ کو بنو قریظہ کے یہودیوں کے پاس اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تھا کہ وہ آپ کی بھیجی ہوئی شرائط پر قلعہ خالی کر دیں۔ یہودیوں نے اس معاملے میں حضرت ابولبابہؓ سے ذاتی طور پر مشورہ مانگا۔انہوں نے یہودیوں کے حسب منشا مشورہ دیا مگر واپس آ کر انہیں احساس ہوا کہ یہ تو اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ اس معاملے میں خیانت کا ارتکاب ہو گیا۔ یہ احساس دل میں پیدا ہو جانے کے بعد انہوں نے قسم کھائی کہ جب تک اللہ اور اس کا رسولؐ اس کی توبہ قبول نہ فرمائیں وہ نہ کچھ کھائیں گے، چاہے ان کی موت اس مقصد کے حصول کے لئے واقع ہو جائے۔ انہوں نے خود کو مسجد نبویؐ کے ایک ستون سے باندھ لیا۔ آخر کار یہ آیت قرآنی "وَاخرونَ عتِرفو...... غفور رحیم" ترجمہ: "اور دوسرے (مسلمان ہیں) جنہوں نے اعتراف گناہ کیا ہے جن سے عمل صالح کے ساتھ (کسی) برے عمل کا ارتکاب ہو گیا تھا۔ امید ہے اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرلے گا۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے۔" جب رات کے آخری پہر میں (تہجد کے وقت) ان آیات قرآنی کا نزول حضرت ام سلمہؓ کے حجرے مبارکہ میں ہوا تو نبی پاکؐ خوشی سے مسکرانے لگے۔ ام المومنین نے آپؐ کے اس طرح مسکرانے پر استفسار کیا تو آپؐ نے فرمایا "القدیتب علی ابی البابہ" ابولبابہ کی توبہ قبول ہو گئی۔ جب لوگ آنحضرتؐ کی زبان مبارکہ سے یہ الفاظ سن کر حضرت ابولبابہؓ کے پاس پہنچے تو انہوں نے فرمایا کہ "جب تک اللہ کے رسولؐ خود مجھے یہ خوشخبری نہ دیں تو مجھے اطمینان نہیں ہوگا" پھر جب نبی پاکؐ نماز فجر کی ادائیگی کے لئے مسجد میں تشریف لائے تو آپؐ نے خود ابولبابہؓ کو ان کی توبہ کی قبولیت کی خوشخبری دی۔ تب حضرت ابولبابہ نے خود کو رسیوں سے آزاد کیا۔ اس واقعہ کے بعد اس ستون کا نام انہیں کے نام سے اسطوانہ ابی لبابہ ہو گیا۔

مسجد نبویؐ شریف کے دروازے:

ہر عمارت میں داخل ہونے کے لئے دروازے بناتے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ کعبہ شریف میں داخل ہونے کے لیے بھی دروازہ موجود ہے۔ اسی طرح مسجد نبوی شریف میں داخل ہونے کے لیے بھی ابتدائی تعمیر سے ہی دروازے رکھے گئے تھے۔ ان میں سے چند مشہور دروازے یہ ہیں۔

Marfat.com

باب جبرائیل:

مسجد نبویؐ کے اس دروازے کو باب الجنائز اور باب الجبر بھی کہا جاتا ہے۔ روایت ہے کہ حضرت جبرائیل اسی دروازے سے وحی لے کر آتے تھے۔ غزوہ خندق کے جب آنحضرت ہتھیار کھولنے لگے تو اسی دروازے سے تشریف لا کر حضرت جبرائیل نے آپ کو ہتھیار نہ کھولنے کا مشورہ دیا تھا۔ اور اللہ کی طرف سے بنی قریظہ پر پیشقدمی کے مقام پر صرف ایک کھڑکی باقی رہ گئی تھی۔ قدیم باب جبرائیل کے بالمقابل نیا باب جبرائیل تعمیر کیا گیا تھا۔ باب جبرائیل کی کھڑکی کی پیشانی پر یہ آیت تحریر کی گئی ہے۔ " ان اللہ و ملئکتہ یصلون...... وسلمو تسلیما" بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم (بھی) نبیؐ پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجو" (سورۃ احزاب 33-56) (القرآن)

باب الرحمتہ:

اسے باب عاتکہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے قریب سیدہ عاتکہؓ کا گھر تھا۔

باب السلام:

اسے باب مروان بھی کہا جاتا ہے۔ اس دروازے کے سامنے بنو امیہ کے پانچویں خلیفہ مروان بن حکم کا مکان تھا۔ یاد رہے یہ وہی مروان بن حکم ہے جو فتح مکہ کے موقع پر بظاہر مسلمان ہو گیا تھا، لیکن حقیقتاً مسلمانوں کا مخالف رہا تھا۔ اسی بناء پر نبی کریمؐ نے اسے طائف جلاوطن کر دیا تھا کیونکہ مروان کا بچپن طائف میں گزرا تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ کے تخت خلافت پر رونق افروز ہونے کے بعد ان کی جلاوطنی ختم کر کے انہیں مدینہ میں آباد کیا تھا۔ اسی نے حضرت عثمان کی طرف سے والئی مصر کو خط لکھا تھا کہ مصری باغیوں کے سرغنہ کو گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے۔ اسی خط کی بناء پر کھڑے ہونے والا ہنگامہ بعد ازاں سانحہ شہادت عثمانؓ پر منتج ہوا۔

باب النساء:

اس دروازے کے سامنے ریطہ بنت عباسؓ کا گھر تھا، اس لیے اسے باب ریطہ بھی کہا جاتا تھا۔ مسجد کی بعد کے زمانوں کی توسیعات میں مزید دروازے رکھے گئے مثلاً عثمانی سلطان عبدالمجید کے نام پر باب المجیدیہ، باب الصدیق، باب اسعود اور باب عبدالعزیز یہ دروازے نسبتاً نئے ہیں۔ مسجد نبوی کے کل بیس دروازے ہیں۔

Marfat.com

خوخہ سیدنا ابی بکرؓ:

جب خلیفہ ولید بن عبدالملک نے مسجد نبویؐ کی توسیع تو عہد نبویؐ میں مسجد کی حدود میں واقع بعض اشیاء اور قرآن مجید کے نسخے محفوظ کرنے کے لئے الگ سے ایک کمرہ تعمیر کرایا۔ یہ کمرہ سیدنا ابوبکر کے پہلے گھر کے عین سامنے تعمیر کیا گیا تھا اس لئے ان کے ہی نام سے منسوب ہوا۔

مقام صفہ:

وہ مہاجرین اور مسافر جو حصول علم کے لئے مدینہ آئے ان میں سے کچھ تو اپنے جاننے والوں کے ہاں ٹھہر جاتے تھے مگر جن کی کسی سے شناسائی نہ ہوتی وہ مسجد نبویؐ میں آ کر قیام کرتے تھے۔ اس مقصد کے لئے عہد نبوی میں ایک چبوترہ تعمیر کیا گیا تھا جسے دکتہ الاغوات (خدمت گاروں کا چبوترہ) کہتے تھے۔ عہد نبویؐ میں اس صفہ یا دکتہ کا تین فیصد حصہ قبلہ رخ یعنی جنوب کی جانب واقع تھا۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک کی توسیع کے بعد اصحابہ صفہ کی کل تعداد محققین کے مطابق تقریباً سات سو تک تھی جو ہمہ وقت مسجد نبوی میں موجود رہتے تھے اور یہیں نمازیں ادا کرتے تھے۔ معاش کی تلاش میں بھی مسجد سے باہر نہ نکلتے تھے۔ صحابہ صفہ کے سردار حضرت ابوہریرہؓ تھے۔ تحویل قبلہ کے بعد اس صفے پر چھت ڈال دی گئی تھی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس سلسلے میں لکی ہے کہ صفہ مسجد نبویؐ میں اس جگہ کا نام تھا جس کو سایہ دار بنا دیا گیا تھا، تاکہ دور دراز سے آنے والے وہ مہمان جن کا مدینہ منورہ میں کوئی عزیز نہ ہو یہاں قیام کریں۔ 7ھ میں ہونے والی مسجد نبوی کی پہلی توسیع کے بعد مسجد شریف کی موجودہ ہیت کے اعتبار سے صفہ کی جگہ اسطوانہ حضرت عائشہ کے شمال میں پانچویں ستون کے پاس بنتی ہے۔ مگر بعض علماء کے مطابق جس جگہ آج کل یہ چبوترہ موجود ہے جو باب جبرائیل سے اندر داخل ہوتے ہوئے دائیں جائیں اور باب النساء سے داخل ہوتے ہوئے بائیں جانب پڑتی ہے وہ جگہ عہد نبویؐ میں محققین کے مطابق مسجد کی مشرقی حدود سے باہر تھی اور وہاں ایسی کوئی دیوار بھی موجود نہیں تھی جس پر سائبان بنایا جا سکتا۔ محققین کے مطابق یہ بات بھی اہم ہے کہ 91ھ تک مشرقی سمت میں کوئی توسیع بھی نہیں ہوئی تھی۔ تا آنکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز مدینہ کے حاکم مقرر ہوئے اور ان کی سرکردگی میں چوتھی بار مسجد نبوی میں توسیع کا کام ہوا۔ اس توسیع میں ہی ازواج مطہرات کے مکانات بھی شامل کر دیئے گئے تھے اور مشرقی سمت میں پہلی بار

Marfat.com

توسیع کی گئی تھی۔ جب 569ھ میں نورالدین زنگی نے روضہ پاک کی حفاظت کے لئے ایک پوری جماعت متعین کی تھی تو مشرقی سمت کی اسی توسیع میں ان خدمت گاروں کے آرام کے خیال سے ایک چبوترہ تعمیر کرادیا گیا تھا۔ بعض اوقات اس چبوترے کو بھی غلط فہمی کی بنیاد پر صفہ سمجھ لیا جاتا ہے۔

عام طور پر محققین کی رائے کے مطابق اصحاب صفہ کی تعداد ستر کے آس پاس رہتی تھی مگر بعض اوقات کم زیادہ بھی ہو جاتی تھی۔ یاد رہے اصحاب صفہ نے دین کی خاطر کیا صعوبت و تکلیف نہیں جھیلی؟ وطن کو خیرآباد کہا، اہل وعیال، اعزا اور اقرباء سے رشتہ توڑ کر اور، مال و جائیداد چھوڑ کر بالکل خالی ہاتھ ایک چادر میں اپنا ستر چھپا کر صفہ پر آکر دین کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ قرآن کریم میں اصحاب صفہ کی تعریف یوں کی گئی ہے ''خیرات ان فقیروں کے لئے جو اللہ کی راہ میں مقید ہو گئے ہیں۔ وہ لوگ ملک میں کہیں چل پھر نہیں سکتے۔ ناواقف ان کے سوال سے بچنے کے لئے ان کو مالدار سمجھتا ہے البتہ آپ ان کو ان کے طرز سے پہچان لیتے ہیں، یہ لوگ (کبھی) لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔

مسجد نبوی کے بیس دروازے:

1-باب النبیؐ: آنحضرت اسی دروازے سے مسجد میں داخل ہوتے تھے۔

2-باب علیؓ: یہ دروازہ حضرت علیؓ اور سیدہ فاطمہ کے حجرے کے سامنے تھا۔

3-باب جبرائیل: جیسا کہ پہلے ذکر آیا یہ حضرت جبرائیل کی گزرگاہ تھا۔

4-باب النساء: یہ ابھی تک اپنی پرانی جگہ پر موجود ہے۔

5-یہ دروازہ حضرت اسماء بنت حسین بن عبداللہ بن عبید اللہ عباسؓ کے گھر کے سامنے تھا جو ''دار جبلہ'' کے ایک حصے میں واقع تھا۔

6-یہ دروازہ حضرت خالد بن ولیدؓ کے مکان کے سامنے تھا۔ اور اسی دروازے سے خلیفہ مہدی کی توسیع والا حصہ شروع ہوتا تھا۔

7-یہ دروازہ ''زقاق المناصع'' کے سامنے (زقاق/المناصع معنی خواتین کی قضائے حاجت کے نکلنے کا راستہ) تھا۔

8-یہ ''أبیات الصوافی'' (وقف شدہ زمین پر بنائے گئے مکانات) کے بالمقابل مشرقی سمت کا بالکل آخری دروازہ تھا۔

Marfat.com

9- شمالی دروازوں میں یہ پہلا دروازہ تھا جو حمید بن عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے گھر کے سامنے تھا۔

10- ابوالغیث بن مغیرہ کے گھر کے سامنے تھا۔

11-12- یہ دونوں دروازے امیرالمومنین کی آزاد کردہ باندی ''خالصہ'' کے حجروں کے سامنے واقع تھے۔

13- یہ مغربی سمت کا پہلا دروازہ تھا اور حضرت جعفر بن ابی طالب کے صاحبزادے عبداللہ کے گھر کے سامنے تھا۔

14- دار منیرہ کے بالمقابل تھا۔

15- حضرت سکینہ بنت حسینؓ کے مکان کے سامنے واقع تھا۔

16- یہ دروازہ شاعر رسولؐ حضرت حسان بن ثابتؓ کے گھر کے بالمقابل واقع تھا۔

17- یہ دروازہ باب رحمت کے نام سے مشہور تھا اور آج بھی موجود ہے۔

18- یہ دریچہ حضرت ابوبکرؓ اور باب رحمتہ کے درمیان تھا۔

19- یہ خوخہ ابی بکرؓ یعنی دریچہ ابوبکر کے نام سے معروف تھا۔

20- ''باب السلام'' کے نام سے مشہور ہے اور آج بھی موجود ہے۔

محراب تہجد:

یہ محراب حجرہ نبویؐ ے اندر واقع تھی۔ اس کے قریب حضرت فاطمہؓ تہجد کی نماز ادا کرتی تھیں۔ اس کے بالمقابل ایک اور محراب چبوترہ اصحاب صفہ کے قریب تھی جہاں اصحاب صفہ اپنے خاص امام کے ساتھ نماز تراویح پڑھتے تھے۔

محراب الشیخ:

یہ محراب اصحاب صفہ کے چبوترے کے عقب میں محیط النساء (احاطہ خواتین) میں واقع تھی۔ یہاں خواتین کے لئے نماز تراویح کا انتظام کیا جاتا تھا۔

مسجد نبوی کے در و بام کا یہ مختصر سا جائزہ لینے کے بعد آیئے عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ میں مسجد نبوی کے ارد گرد صحابہ کے جو مکانات واقع تھے۔ ان کا ایک تحقیقی جائزہ لیں۔ اس جائزے کی ابتداء مسجد شریف کی سمت قبلہ میں واقع مکانات سے کرتے ہیں۔

Marfat.com

عہدِ راشدہ میں مسجد نبوی کے اردگرد مکاناتِ صحابہؓ

حجرات شریفہ:

حجرات شریفہ سے مراد وہ گھر ہیں جن میں آنحضرت کی ازواج مطہرات، امہات المومنین رہائش پذیر تھیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر آیا کہ مسجد نبویؐ کی اولین تعمیر کے بعد آقاء کون و مکاں حضرت محمد مصطفیٰؐ نے اس کے ساتھ دو رہائشی مکانات کی بنیاد بھی رکھی تھی۔ ان میں سے ایک حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لئے تھا اور دوسرا حضرت سودہ بنت زمعہؓ کے لئے۔ اسکے بعد جب دیگر بیویاں آپؐ کے عقد میں آئیں تو ان کے لئے بھی حسب ضرورت مکانات تعمیر کئے گئے۔ اس طرح آپؐ کی مدنی زندگی میں کل نو عدد حجرات تعمیر ہوئے۔ انہیں میں سے ایک مکان کو آپؐ کی برزخی خوابگاہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ وہ حجرہ حضرت عائشہ صدیقہؓ ہے۔

ان حجرات شریفہ کا ذکر قرآن مجید میں کئی مقام پر آیا ہے بلکہ قرآن کریم کی ایک پوری سورۃ ہی ''حجرات'' کے نام سے موسوم ہے۔

محلِ وقوع:

جن محققین نے حجرات شریفہ کے محل وقوع پر تحقیق کی ہے وہ صرف پانچ حجرات کے محل وقوع کا تعین کر سکے ہیں یعنی حجرہ سیدہ عائشہؓ، حجرہ سیدہ حفصہؓ، حضرت سودہؓ، حضرت زینبؓ بنت خزیمہؓ اور حضرت ام سلمہؓ۔ ان حجرات کی جائے وقوع پر محققین کا اتفاق ہے اور ان کی قطعیت کے ساتھ تعین کی جا سکتی ہے جبکہ دیگر چار حجروں کے محل وقوع کے بارے میں محققین کا اختلاف ہے اور ان کی جگہ کا حتمی تعین مشکل رہا ہے۔

یہ پانچوں حجرات شریفہ مسجد نبویؐ کے بائیں جانب اور مشرقی سمت میں واقع تھے۔ میدنہ شریف کے ایک مشہور عالم ابو محمد اسماعیل بن محمد ان کی تفصیل یوں دی ہے۔

سب سے پہلا حجرہ مبارکہ حضرت حفصہؓ کا تھا، پھر حضرت عائشہؓ کا حجرہ تھا جہاں آج کل حضرات شیخین کرامؓ کے ساتھ محو استراحت ہیں۔ پھر اس کے بعد باب جبرائیل کے پاس مسجد نبوی سے متصل حضرت فاطمہؓ کا مکان تھا۔ اس مکان کے عقب میں حضرت ام سلمہؓ کا حجرہ تھا اور سب

Marfat.com

کے آخر میں حضرت جویریہؓ کا حجرہ تھا ابو محمد کے اس بیان سے حضرت زینبؓ اور حضرت سودہؓ کے مکانات کا پتہ نہیں چلتا مگر واقعہ یہ ہے کہ 4ھ میں حضرت زینبؓ کے انتقال کے بعد آنحضرت نے حضرت ام سلمہؓ سے نکاح فرمایا اور حضرت زینب کا مکان حضرت ام سلمہ کو مل گیا تھا۔

یہ سارے حجرات شریفہ مسجد کی کس سمت میں واقع تھے اس پر محققین کا اختلاف ہے۔ اس بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ یہ تمام حجرات مسجد کی مشرقی سمت میں واقع تھے جبکہ ایک دوسری رائے کے مطابق یہ مکانات کسی ایک سمت میں نہیں بلکہ جنوب، مشرق اور شمال تینوں سمتوں میں واقع تھے۔

جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ازواج مطہرات کے یہ حجرات شریفہ منہدم کرنے کا حکم دیا تھا تو بتاتے ہیں کہ یہ سارے مکانات گھاس پھوس کے بنے ہوئے تھے اور ان کی دیواریں کھجور کی ٹھہنیاں کھڑی کر کے قائم کی گئی تھیں جن پر مٹی چڑھی ہوئی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ حجرات شریفہ شمار کیے تو تعداد میں کل نو تھے اور ان یک کمرے مکانات کے ساتھ چھوٹے چھوٹے آنگن بھی تھے اور یہ سب حضرت عائشہؓ کے حجرے مبارکہ اور باب النبیؐ کے بعد والے دروازے کے درمیان واقع تھے جہاں آج اسماء بنت حسین کا مکان ہے۔"

تاریخ مدینہ کے مشہور عالم علامہ سمہودی لکھتے ہیں کہ "جن روایات میں آیا ہے کہ ازواج مطہراتؓ کے مکانات کا تسلسل اسماء بنت حسین کے مکان تک تھا۔ ان روایات کی رو سے لازمی طور پر بعض مکانات مسجد کی سمت سے باہر تھے۔ کیوں اسماء بنت حسین کا مذکورہ مکان باب النساء کے بعد والے دروازے کے باہر بالمقابل تھا۔

واضح رہے کہ باب النبیؐ سے مراد باب جبرائیل ہے اور اس کے بعد والا دروازہ باب النساء کہلاتا ہے۔ اسماء بنت حسین کا مکان دراصل جبلہ بن عمرو ساعدیؓ کے مکان ہی کا ایک حصہ تھا اور "دار جبلہ" مسجد کی مشرقی سمت میں باب النساء کے قریب میں واقع تھا۔

ان تمام روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ازواج مطہراتؓ کے تمام مکانات مسجد کی مشرقی سمت میں باب النساء تک دوسرے الفاظ میں اسماء بنت حسین کے مکان تک واقع تھے۔

حجرات شریفہ کا طول وعرض:

سرور کونین اگر چاہتے تو قیصر و کسریٰ کے محلات کی طرح عالیشان محل بھی تعمیر کرا سکتے

Marfat.com

تھے آپ قدسی صفات نے شاہی شان و شوکت اور حاکمانہ اطوار پر سادگی و فقر کو ترجیح دی۔

آپؐ نے جو مکانات ازواج مطہرات کے لئے تعمیر کرائے وہ بس فقط ایک کمرے اور چھوٹے سے آنگن پر مشتمل تھے اور یہ سب مٹی، گارے اور کھجور کی ٹہنیوں سے بنے تھے۔ یہاں تک کہ ان مکانات یا حجرات شریفہ میں دروازے بھی نہیں لگوائے گئے تھے بلکہ موٹے ٹاٹ ڈال کر پردے کا کام لیا جاتا تھا۔ع

سلام اسؐ پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

ایک کمرے اور چھوٹے سے آنگن والے یہ مکانات میں کمرے کی لمبائی دس ہاتھ (تقریباً پانچ میٹر) اور چوڑائی سات یا آٹھ ہاتھ یعنی تقریباً کوئی چار میٹر تھی۔ آنگن کی چوڑائی تو اس سے بھی کم تھی یعنی 6x10 ہاتھ۔ چھتوں کی بلندی بس اتنی تھی کہ ہاتھ اٹھا کر چھت کو چھوا جا سکتا تھا۔ حضرت حسن بصریؒ جو ایک مشہور تابعی ہیں انہوں نے ان حجرات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ وہ فرماتے ہیں ''جب میں ایک نابالغ لڑکا تھا تو رسول اللہؐ کے گھروں میں جایا کرتا تھا اور اپنے ہاتھوں سے ان کی چھتوں کو پالیا (چھولیا) کرتا تھا۔

سارے مکانات تقریباً اسی طرز پر تعمیر کئے گئے تھے۔ سوائے حضرت ام سلمہؓ کے مکان، ان کے کمرے کے علاوہ صحن یا آنگن بھی پکی اینٹوں سے تعمیر کردہ تھا۔ حضورؐ نے تو اس مکان کا آنگن بھی کھجور کی ٹہنیوں سے بنوایا تھا۔ مگر بعد میں حضرت ام سلمہؓ نے آپ کو بتائے بغیر ٹہنیوں کو ہٹا کر ان کی جگہ کچی اینٹوں کی دیواریں بنوالیں تھیں۔

یہ ہے کہ جھلک عہد نبوی اور عہد راشدہ میں موجودہ سرور کائنات آقائے دو جہاں حضرت محمد رسول اللہؐ کے ذاتی مکانات کی کہ جن میں آپؐ نے اپنی زندگی کے دس برس بسر کئے۔ ان مکانات کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ ان مکانات کا مکین دونوں جہاں کا بادشاہ ہے۔

وہ شہ دنیا و دیں کون و مکان کا تاجدار
پھر بھی اکثر فقر و فاقہ میں کٹیں لیل و نہار

مگر یاد رہے آنحضرتؐ کے سینے میں پوری انسانیت کا درد تھا اور انسانوں کی آخرت سنوارنے کے لئے آئے تھے۔ آپؐ کے مدنظر اس چند روزہ دنیا کی آن بان و شان نہیں تھی۔ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّم

Marfat.com

مکانات صحابہ کرامؓ

حضرت ابوایوب انصاریؓ کا مکان:

ہجرت عظمیٰ کے بعد مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے وقت جس عظیم صحابی رسولؐ کے گھر میں آپؐ نے اگلے نو ماہ تک قیام فرمایا اور جس کے دروازے پر آنحضرت کی اونٹنی قسوہ امر ربی سے ٹھہری وہ حضرت ابوایوب انصاریؓ ہیں۔

آپ کا یہ گھر بعد کے زمانے میں مسجد نبویؐ کے جنوب مشرقی کونے پر واقع تھا۔ جس کے جنوب میں حضرت حارثہ بن نعمان کا مکان تھا۔ جو بعد ازاں ''دار جعفر صادق'' کے نام سے مشہور ہوا تھا۔ اس کے شمال میں اولاً ایک گلی ''زقاق حبشہ'' کے نام سے واقع تھی اس کے بعد اسی سمت میں حضرت عثمان غنیؓ کا مکان تھا اور مغربی سمت میں بھی ایک تنگ گلی تھی جس کے بعد متصلاً حسن بن زید کا گھر تھا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ جب مدینہ منورہ پہنچے تو حضرت ابوایوب انصاری کے مکان کے قریب اترے اور آپؐ نے دریافت فرمایا کہ ہمارے ننھیالی عزیزوں میں کسی کا مکان سب سے قریب ہے؟ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے جواب میں عرض کیا حضورؐ میں آپؐ کے ننھیال عزیزوں میں سے ہوں اور میرا گھر ہی سب سے قریب ہے۔ یہ میرا دروازہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا جاؤ ہمارے قیام کے لئے بندوبست کرو۔ یہ صلہ تھا حضرت ایوبؓ کی آئی وزادی کا جو انہوں نے شرف میزبانی رسول ﷺ کے حصول کے لیے اللہ کے دربار میں کی تھی۔

حضرت ابوایوبؓ انصاری کے آزاد کردہ غلام افلح کے مطابق جب آنحضرتؐ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر تشریف لائے تو آپؐ نے لوگوں اور وفود سے ملاقات کی بنا پر زیریں منزل کو پسند فرمایا جس پر حضرت ابوایوب کو تردد ہوا تو آنحضرتؐ زیریں منزل میں رہیں اور میں بالائی میں کہیں یہ سوئے ادب نہ ہو۔ ایک رات جب حضرت ایوبؓ بالائی منزل پر چل پھر رہے

Marfat.com

تھے اس خیال کے آنے کے بعد ایک طرف کو کھسک گئے اور ساری رات ایک کنارے پر سو کر گزاری۔ صبح ہوئی تو حضورؐ کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا۔ آپؐ نے فرمایا یہی مناسب ہے۔ اس پر حضرت ابو انصاری نے عرض کی حضورؐ میں اس چھت پر نہیں رہ سکتا جس کے نیچے آپؐ قیام فرما ہوں۔" ایک روایت کے مطابق آپؐ نے ابوایوب کی تسلی یہ کہہ کر کرا دی تھی کہ چونکہ چھت ہمارے درمیان بطور پردہ حائل ہے۔ اس لئے کوئی مضائقہ نہیں۔ ایک اور روایت کے مطابق آنحضرتؐ بالائی منزل میں منتقل ہو گئے تھے۔

بعد کے زمانے میں حضرت ابوایوب انصاری کے مکان میں بہت سی تبدیلیاں ہوئیں۔ ایک بڑی تبدیلی یہ ہوئی تھی کہ ملک شہاب الدین غازی نے اسے خرید کر ایک مدرسہ تعمیر کیا تھا اور اس کا نام مدرسہ شہابیہ رکھا تھا اور اسے چاروں اماموں کے مسلک کی تعلیم کے لئے وقف کر دیا تھا۔

مدرسہ کی شکل میں یہ مکان پندرہویں صدی ہجری کے آغاز تک موجود تھا۔ پندرہویں صدی ہجری کے آغاز میں شاہ فہد نے مسجد نبوی کے سب سے بڑی توسیع کا منصوبہ بنایا تو یہ مکان بھی مسجد نبوی میں شامل ہو گیا اور مسجد نبوی کے جنوب مشرقی کونے پر صدر مینارہ سے چند قدم کے فاصلے پر لان میں شامل ہے۔

مکان حضرت حارثہ بن نعمانؓ انصاری:

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جب میں جنت میں داخل ہوا تو کسی کے تلاوت کرنے کی آواز سنی، دریافت کیا تو معلوم ہوا یہ حارثہ بن نعمانؓ ہیں۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ ماں کی اطاعت کا ثمرہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ واقعی حضرت حارثہ بن نعما اپنی والدہ کی فرمانبرداری اور اطاعت شعاری میں ممتاز تھے۔ یہی وہ پہلے سعادت مند صحابی تھے جنہوں نے مسجد نبویؐ کے آس پاس کے اپنے مکانات جناب رسول اللہ کو پیش کر دیئے تھے، کہ اپنی صوابدید کے مطابق جو مکان چاہیں اپنے استعمال میں رکھیں اور جیسے چاہیں مہاجرین کو عطا کر دیں۔ یہ بھی روایت ہے کہ جب رسول اللہؐ نیا نکاح فرماتے تو حارثہ اپنا ایک مکان خالی کر دیتے تھے۔ بالآخر ان کے جتنے مکانات مسجد نبویؐ کے اردگرد تھے سب کے سب انہوں نے آنحضرت اور آپ کی ازواج مطہرات اور مہاجر صحابہ کے لئے خالی کر دیئے تھے۔

Marfat.com

مسجد نبوی کی جنوب مشرقی سمت میں حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان سے متصل آپ کی ذاتی رہائش کا مکان تھا۔اس مکان میں بھی بعد کے زمانوں میں بڑی تبدیلیاں ہوئیں اسی مکان میں حضرت جعفر صادق رہا کرتے تھے۔ان کے بعد اسے منہدم کر کے صحن بنا دیا گیا پھر شیخ حرم شاہین نے اس پر اپنی رہائش گاہ تعمیر کر لی تھی۔ پندرہویں صدی کے آغاز یہ مکان بھ شاہ فہد کی توسیع کا حصہ بن گیا ہے۔

کوچہ حبشہ:

یہ حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت ابو ایوبؓ انصاری کے مکانات کے بیچوں بیچ مسجد ـ جنوب مشرقی پر تقریباً ایک پانچ ہاتھ کشادہ ایک گلی تھی جسے ''زقاق حبشہ'' کہتے تھے۔بیسویں صد عیسوی میں حکومت سعودیہ کی پہلی توسیع میں یہ کوچہ بھی اپنا وجود کھو کر مسجد شریفہ کا حصہ بن گیا۔

حضرت حسن بن زید بن حسنؓ کا مکان:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پوتے تھے۔شرفاء مدینہ میں شمار ہوتے تھے۔ا زمانے میں بنو ہاشم کے سربراہ تھے۔خلیفہ منصور عباسی نے انہیں امیر مدینہ مقرر کیا تھا،لیکن پا سال بعد جب خلیفہ کو ان سے کچھ اندیشہ لاحق ہوا تو انہیں امارت مدینہ سے معزول کر کے بغدا کے قید خانے میں ڈال دیا۔مہدی عباسی نے انہیں رہا کیا اور اپنا رفیق بنا لیا۔

مدینہ منورہ میں مسجد شریفہ کے جنوب اور حارثہ بن نعمان کے مکان کے مغرب میر ان کا مکان واقع تھا۔پہلے اس جگہ قبیلہ بنو غنم کا ایک ''فویرع'' نامی قلعہ تھا۔حضرت حسن بن ز نے اس قلعہ یا گڑھی کو گرا کر اپنا مکان بنوایا تھا۔آپ کی تعمیر کے بعد اس مکان کو نویں صدی ہجر یا پندرہویں صدی عیسوی میں آل منیف کے سرداروں نے دوبارہ تعمیر کروایا تھا۔

اس تعمیر کے بعد اس مکان کا محلِ وقوع کچھ ایسا تھا کہ اس کے چاروں طرف گلی تھی او یہ کسی دوسرے مکان سے متصل نہ تھا۔اسی دار حسن کی جگہ پر شیخ الاسلام عارف حکمت ـ 1853ء میں ایک کتب خانہ تعمیر کروایا تھا جو ان کے نام سے کتب خانہ عارف حکمت کہلاتا تھا یہ کتب خانہ اپنے حسین وجمیل گنبد کی وجہ سے مدینہ منورہ کی ایک نمایاں عمارت تھا۔حکومت سعودیہ نے 1980ء کے بعد مسجد نبوی کی دوسری توسیع کے لئے اس عمارت کو منہدم اسکی جگہ

Marfat.com

مسجد کے جنوبی صحن میں شامل کر دیا اور مکتبہ عارف حکمت کی نادر و نایاب کتب کو مکتبہ ملک عبدالعزیز میں منتقل کر دیا۔

دار ابراہیم بن ہشام:

محققین نے دار ابراہیم بن ہشام کا حدود اربع کچھ یوں بتایا ہے کہ اسکے مغرب میں متصل عام بن عبداللہ کا مکان تھا، شمال میں جنازگاہ، جنوب میں ایک راستہ جس کے دوسرے کنارے پر حسن بن زید کا مکان تھا۔ گویا ابراہیم بن ہشام کا مکان اور دار حسن بن زید ایک دوسرے کے بالمقابل تھے۔ ان دونوں کے درمیان ایک پانچ ہاتھ کشادہ ایک گلی تھی جو مدرسہ ''شہابیہ'' یعنی حضرت ابوایوب کے مکان کے سامنے سے بھی گزرتی تھی اور بنو صالح کے مکان تک جاتی تھی۔

ابراہیم بن ہشام کے بعد یہ مکان فرج خصی ابومسلم کے تصرف میں آیا تھا۔ پھر ایک زمانہ بعد یہاں ایک مسافر خانہ تعمیر کر دیا گیا جو ''رباط مراغتہ'' کے نام سے مشہور تھا۔

دار حضرت سعد بن ابی وقاصؓ:

مدینہ شریف میں اولین الاسلام اور عشرہ مبشرہ میں شامل حضرت سعدؓ بن ابی وقاص بڑے نامور صحابی رسولؐ تھے۔ مسجد نبویؐ کے جنوب مشرق میں دار ابراہیم ہشام کے سامنے اس کا مکان تھا۔ جو بعدازاں دار حسن بن زید میں شامل کر دیا گیا تھا۔

حضرت عامر بن عبداللہ بن زبیرؓ کا مکان:

حضرت عامر جیسا کہ نام سے واضح ہو گیا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر بن عوام کے صاحبزادے تھے۔ بڑے عابد و زاہد مسلمان تھے۔ ایک مرتبہ ان کا جوتا چوری ہو گیا تو انہوں نے قسم کھائی تھی کہ اب کبھی جوتا نہیں خریدوں گا کہ خدانخواستہ پھر کوئی مسلمان اس چوری کر کے گنہگار نہ ہو جائے۔ وفات 121ھ میں ہوئی۔ آپ کا مکان دار ابراہیم ہشام سے متصل مغربی جانب واقع تھا۔ اس کے جنوب میں وہ گلی تھی جو مدرسہ شہابیہ سے دار بنو صالح تک جاتی تھی۔ اس کے غربی جانب ایک گلی تھی جو ''دریچہ آل عمرؓ'' سے نکلتی تھی۔ اس کے شمالی جانب دار آل عمرؓ تھا۔

Marfat.com

دار جعفر بن ابی طالبؓ:

آپ کسی تعارف کے محتاج نہیں حضرت علیؓ کے بھائی اور رسول خدا کے محسن چچا کے صاحبزادے تھے۔ جعفر طیارؓ کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کا یہ مکان مسجد نبوی کے قبلہ رخ پر بالکل مسجد سے متصل واقع تھا۔ اس کے مغرب میں ایک اور ہاشمی حضرت عباسؓ کا مکان تھا۔ جب حضرت جعفر طیار حبشہ سے واپس لوٹے تو آنحضرت نے یہی جگہ مکان کے لئے عطا کی تھی۔ 17ھ میں جب حضرت عمرؓ نے مسجد نبوی میں توسیع کی تھی تو اس مکان کا کچھ حصہ مسجد میں شامل کر دیا تھا۔ پھر 29ھ میں حضرت عثمانؓ نے توسیع فرمائی تو باقی ماندہ حصہ بھی مسجد میں شامل کر لیا گیا تھا۔

دار حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب:

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کی خاندان ہاشمی کے وہ چشم و چراغ تھے جو کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اگر چہ جنگ و بدر میں مشرکین کے ساتھ با دل نخواستہ شریک ہوئے۔ مگر فدیہ کی ادائیگی پر رہائی پائی۔ جنگ بدر کے بعد آپ کی اسیری کے دوران آپ کو قمیص کی ضرورت محسوس ہوئی تو کسی مسلمان کی قمیص آپؓ کو پوری نہیں آئی تھی تو عبداللہ بن ابی سلول یعنی منافقین کے سردار نے انہیں اپنی قمیص پہنا دی۔ اس احسان کا بدلہ چکانے کے لئے سید عالمینؐ نے عبداللہ بن ابی کی وفات پر اپنی قمیص اس کے کفن کے لیے عطا کی تھی۔ حضرت عباسؓ نے بعد ازاں اسلام قبول کیا اور ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ آنحضرت نے ان کے ایک قدیم جگری دوست نوفل بن حارث کو ان کا بھائی بنا دیا۔ یاد رہے حضرت عباس بن عبدالمطلب نے جب اپنے لئے مدینہ میں مکان تعمیر کیا تو رسولؐ خدا نے خود ان کے کندھے پر چڑھ کر ان کے گھر کا پرنالہ باندھا تھا۔ محققین کے مطابق حضرت عباسؓ کا یہ گھر آج تعمیر مسجد نبوی کے مطابق منبر شریف کی طرف سے پانچویں ستون اور باب اسلام کی طرف سے دوسرے ستون کے درمیان واقع تھا۔ اس مکان کے تین حصے ہوئے تھے۔ ایک حصہ حضرت عمرؓ، دوسرا حضرت عثمان غنیؓ کی توسیع میں مسجد میں شامل کیا گیا۔ تیسرا حصہ جو تیرہ ہاتھ لمبا تھا باقی رہ گیا تھا۔ روایات کے مطابق حضرت عباس اپنے گھر کے اس حصے میں مویشی باندھا کرتے تھے۔ اس حصے کو پہلے مروان بن حکم نے شامل مسجد کیا پھر خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مسجد کی جو توسیع فرمائی اس میں یہ

Marfat.com

حصہ مکمل طور پر شامل کرلیا گیا۔

حضرت عمر فاروقؓ نے جب مسجد نبوی میں توسیع کا ارادہ کیا تھا تو مسجد شریف کے ارد گرد کے مکان قیمتاً خرید لئے تھے۔ حضرت عباسؓ کا مکان مسجد سے متصل تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے کہا تھا ''اے ابوالفضل! مسلمانوں کی مسجد تنگ ہوگئی ہے۔ توسیع کے لےء آس پاس کے مکانات خرید لئے ہیں۔ آپ بھی اپنا مکان فروخت کر دیں اور جتنا معاوضہ فرمائیں آپ کو بیت المال سے ادا کر دیا جائے گا۔ حضرت عباس نے فرمایا میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ حضرت عمرؓ کے دوبارہ اصرار پر اور اس پیشکش پر کہ اگر چاہیں تو معاوضہ لے لیں یا چاہیں تو مدینہ میں کسی بھی جگہ مکان لے لیں اور اپنا مکان مسجد اور مسلمانوں کے لئے عطا کر دیں۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا مجھے ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات بھی منظور نہیں۔ جب حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ مسئلہ حل ہونے والا نہیں تو آپ کو فرمایا کہ چاہیں تو کسی تیسرے شخص اپنا فیصل مقرر فرمائیں اور وہ جو فیصلہ کرے اسے قبول کریں۔ حضرت عباس نے کہا میں ابی بن کعبؓ کو اپنا فیصل مقرر کرتا ہوں۔ حضرت ابیؓ کے پاس جانے پر حضرت ابیؓ نے حضرت عباسؓ کو کہا کہ آپؓ اپنا موقف بیان کریں۔ حضرت عباسؓ نے کہا کہ یہ جگہ عطیہ رسول اللہؐ ہے اور اس کی تعمیر میں وہؐ خود بنفس نفیس شریک تھے۔ بخدا اس کا پرنالہ بھی انہوں نے اپنے دست مبارک سے نصب کیا تھا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنا موقف بیان کیا۔ اس پر حضرت ابیؓ نے یہ حدیث مبارکہ ان دونوں بزرگوں کو سنائی کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کو اپنے لئے ایک گھر بنانے کا حکم دیا تو جہاں آج مسجد اقصیٰ ہے وہ جگہ اس گھر کے لئے نشان زد کر دی گئی۔ مگر یہ جگہ بالکل مربع صورت میں نہیں تھی، اس کے ایک گوشہ پر ایک اسرائیلی کا گھر تھا۔ حضرت داؤدؑ نے اس اسرائیلی کو کہا کہ اپنا گھر فروخت کر دو تا کہ یہاں اللہ کا گھر بنایا جا سکے۔ اسرائیلی نے انکار کر دیا۔ حضرت داؤد نے سوچا کہ کیوں نہ یہ گھر بزور طاقت لے لیا جائے۔ مگر اس پر اللہ تعالیٰ کا عتاب نازل ہوا۔

اے داؤد! میں تمہیں اپنی عبادت گاہ بنانے کے لئے کہا تھا اور تم اس میں زور و جبر کو شامل کرنا چاہتے ہو، یہ میری شان کے خلاف ہے۔ اب سزا یہ ہے کہ تو میرا گھر بنانے کا ارادہ ترک کر دے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں جس ارادے سے آیا تھا آپ نے اس سے بھی سخت بات

Marfat.com

کہہ دی۔ اس پر حضرت عمرؓ انہیں مسجد نبوی میں لے آئے۔ وہاں کچھ صحابہ کرم حلقہ بنا کر بیٹھے تھے۔ حضرت ابیؓ نے ان کو کہا میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں اگر تم سے کسی نے رسول اللہؐ سے حضرت داؤد اور بیت القدس کی تعمیر والی حدیث مبارکہ سنی ہو تو وہ اسے بالضرور بیان کرے۔ حضرت ابوذر غفاری اور ایک اور صحابی نے اس کا جواب اثبات میں دیا۔

اب حضرت ابی نے حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا آپ مجھ پر رسول اللہ کی حدیث کے بارے میں تہمت لگا رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یا ابی المنذر! میں نے آپ پر کوئی تہمت نہیں لگائی بلکہ میں چاہتا تھا کہ رسول اللہؐ کی حدیث مبارکہ بالکل واضح ہو جائے۔ پھر حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کو کہا کہ اب میں آپ کو مکان کی فروخت کے لئے نہیں کہوں گا۔ اس پر حضرت عباس نے فرمایا کہ جب آپ نے ایسی بات کہہ دی تو اب میں بھی اپنا مکان آپ کو بلا معاوضہ مسجد کے لئے پیش کرتا ہوں، لیکن اگر آپ بحیثیت خلیفہ حکماً لینا چاہیں تو ہرگز نہ دوں گا۔ اس کے بعد حضرت عمر نے پہلے حضرت عباس کے لئے مدینہ میں دوسری جگہ مکان تعمیر کرایا جس کے بعد حضرت عباس اس مکان میں منتقل ہو گئے۔

دار حضرت عبداللہ بن عمرؓ:

مشہور محدث مدینہ اور حضرت عمر فاروق کے صاحبزادے تھے۔ کم سنی کی وجہ سے غزوہ بدر میں شرکت کی اجازت نہ مل سکی تھی۔ اتباع سنت میں بڑے مشہور تھے۔ 73ھ میں بعمر چوراسی برس وفات پائی۔ مکہ میں انتقال کرنے والے آخری صحابیؓ تھے۔

دار عبداللہ بن عمر قبلہ کی جانب محراب سے مشرق کی طرف واقع تھا۔ اسی میں وہ ستون یا موذنہ بھی تھا جس پر کھڑے ہو کر حضرت بلالؓ عہد نبویؐ میں اذان دیا کرتے تھے۔

مسجد شریفہ کے قبلہ رخ جو متصل مکانات تھے ان کے دروازے مسجد نبویؐ میں کھلا کرتے تھے۔ انہیں مکانات میں سے ایک دار عبداللہ بن عمرؓ تھا۔ اس مکان کا دروازہ بھی ''دریچہ آل عمرؓ'' کے نام سے مشہور تھا۔ اسی مکان کے بارے میں ''عمدۃ الاخبار'' کے مصنف نے لکھا ہے کہ وہ مکانات جو کبھی دیار عشرہ کہلاتے تھے، سب گرا دیئے گئے تھے، البتہ اس زمین کو ایک پختہ دیوار سے احاطہ بنا کر باہر ایک مضبوط دروازہ لگا دیا گیا تھا اور باہر ایک تختی پر ''دیار آل عمر'' لکھ دیا

Marfat.com

گیا اور اس کے اندر پھلواری لگا کر اسے سبز زار بنا دیا گیا تھا جس سے روضہ اقدس کے مواجہہ شریف کے سامنے سب کا سب قطعہ زمین ایک ہرا بھرا چمن بن گیا تھا۔

سعودی حکومت نے 1955ء میں مسجد نبویؐ کی پہلی توسیع کے دوران یہ احاطہ منہدم کر کے ''دیار آل عمر'' کو مسجد نبوی میں شامل کر دیا۔ مواجہہ شریف کے بالمقابل قبلہ کی دیوار میں جو لوہے کی کھڑکی ہے وہ ''دریچہ آل عمر'' کے محل وقوع کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ دریچہ 1400 سال کے طویل عرصہ میں متعدد مرحلوں سے گزر کر موجودہ شکل میں موجود ہے۔

آل عمر خلیفہ مہدی عباسی کے عہد تک اسی دروازے سے مسجد میں آیا کرتے تھے۔ جب منصور عباسی نے 165ھ میں قبلہ کی طرف ستونوں کی پہلی رو پر مقصورہ شریف تعمیر کروایا تو آل عمر کو یہ راستہ استعمال کرنے سے روک دیا گیا تھا۔ اس پر آل عمر نے احتجاج کیا، بالآخر اس پر صلح ہو گئی تھی کہ دروازہ بند کر کے یہاں لوہے کی ایک کھڑکی نصب کر دی جائے اور آل عمر کے مسجد میں داخلے کے لئے ایک سرنگ کھود دی جائے، جو مقصورہ شریف کے باہر ستونوں کی دوسری رو میں جا کر نکلے۔ ایک عرصہ آل عمر اسی سرنگ کے راستے مسجد میں آیا کرتے تھے، لیکن جب آل عمر دنیا میں نہ رہے تو اس سرنگ پر تالا ڈال دیا گیا اور صرف ایام حج میں حاجیوں اور زائرین کے لئے کھولا جاتا تھا۔ جب زائرین کی تعداد میں اضافہ ہو گیا اور عورتوں اور مردوں کے اختلاط سے اس جگہ کی پاکیزگی پامال ہونے لگی تو لوگوں کے مطالبہ پر سلطان قائتبائی نے اس سرنگ کو بند کرنے کا حکم دے دیا۔ 1483ء میں اس سرنگ کو پختہ دیوار کے ساتھ بند کر دیا گیا۔

دار مروان بن حکم:

مروان بن حکم اموی بنو امیہ کے پانچویں خلیفہ اور مروان شاخ خلفاء کے بانی تھے۔ 64ھ میں ان کی خلافت کے لئے عام بیعت لی گئی تھی۔ عین الزرقا یا نیلا چشمہ مدینہ میں آپ نے ہی کھدوایا تھا۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مروان آنحضرت کے دیدار کی دولت سے عہد نبوی میں بھی مشرف نہ ہو سکے۔ اس بارے میں علامہ سخاویؒ نے لکھا ہے کہ صحابی ہونے کے لئے آنحضورؐ کا دیدار مشروط نہیں بلکہ صرف اسلام کی حالت میں ہم عصر ہونا ضروری ہے۔ اسی وجہ سے علامہ سخاوی مروان کو صحابی تسلیم کرتے ہیں۔

Marfat.com

مروان بن حکم کا مکان عبداللہ بن عمرؓ کے مکان سے بجانب مغرب اور مسجد نبوی کی جنوبی سمت میں واقع تھا۔ اس مکان کا کچھ حصہ مسجد کی مغربی جانب مڑکر باب السلام تک آ گیا تھا۔

مروان کے مدینہ سے چلے جانے کے بعد اس مکان کو حکام مدینہ نے ایک سرکاری رہائش گاہ اور دفتر قرار دے دیا تھا جو شخص بھی گورنر دینہ بن کر آتا تھا وہ اسی میں قیام کرتا تھا۔ بالآخر سلطان قلادون مدینہ آئے تو انہوں نے اس مکان کو مسجد شریف کے لئے 686ھ میں ایک وضوخانہ میں تبدیل کر دیا تھا جو نویں صدی ہجری تک باقی رہا۔ پھر اس جگہ مدرسہ ''بشیریہ'' تعمیر کر دیا گیا جو حکومت سعودیہ نے پہلی توسیع میں جو شاہ عبدالعزیز کے زمانے میں 1372ء میں ہوئی تھی اس کا کچھ حصہ شامل توسیع کر لیا تھا باقی شاہ فہد کے عہد کی توسیع میں شامل مسجد کر دیا گیا۔ اس کی زمین مسجد کے جنوبی ہال اور جنوبی صحن میں شامل ہے۔

مشرقی مکانات:

مسجد کی مشرقی سمت میں جو مکانات عہد نبوی اور عہد راشدہ میں موجود تھے وہ حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ، کوچہ بقیع، حضرت ابوبکرؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، حضرت جبلہ بن عمر انصاری اور حضرت خالد بن ولید کے مکانات تھے جن کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

حضرت عثمان غنیؓ:

مشرقی سمت میں پہلا مکان حضرت عثمانؓ بن عفان کا تھا۔ آپؓ خلیفہ ثالث مگر اسلام کی چار اولین شخصیات میں چوتھے تھے۔ آپ کا لقب کے ذالنورین آنحضورؐ کی دو صاحبزادیوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کی وجہ سے پڑا تھا۔ آنحضرت نے حضرت عثمان کو بعد از ہجرت مسجد نبوی کی مشرقی سمت میں ایک قطعہ زمین عطا فرمایا تھا جس میں حضرت عثمان نے اپنا مکان تعمیر کیا تھا۔ بعدازاں مسجد کی جنوبی سمت میں بھی زمین خرید کر حضرت عثمانؓ نے ایک اور مکان تعمیر کیا تھا جو ''دار کبریٰ'' کہلاتا تھا۔

دار کبریٰ:

محققین کے مطابق حضرت عثمان کا یہ بڑا مکان باب جبرائیل سے کوچہ حبشہ تک پھیلا ہوا تھا۔ دار کبریٰ کا صدر دروازہ ٹھیک باب اسلام کے سامنے واقع تھا۔ تو اس لئے آنحضرتؐ

Marfat.com

جب کبھی عثمانؓ کے گھر تشریف لے جاتے تو اسی باب جبرائیل کے راستے تشریف لے جاتے تھے۔اسی لئے باب جبرائیل کو باب النبی یا باب آل عثمان بھی کہا جاتا ہے۔دار کبریٰ کے جنوب میں کوچہ حبشہ، شمال میں کوچہ بقیع، مشرق میں خود حضرت عثمان کا دوسرا گھر ''دار صغریٰ'' متصلاً واقع تھا۔اس کے مغرب میں جنازگاہ تھی۔

بعدازاں اس مکان کے تین حصے ہوئے تھے۔باب جبرائیل کے سامنے والے حصہ میں جمال الدین محمد بن ابومنصور اصفہانی تھے۔عمی فقراء اور مساکین کے لئے ایک مسافر خانہ تعمیر کروایا تھا۔جو ''رباط اصفہانی'' کہلاتا تھا یا اسے رباط عجم کے نام سے یاد کرتے تھے۔یہ مسافر خانہ 1955ء تک قائم تھا۔ا

اس مسافر خانے کا کچھ جنوبی حصہ 576ھ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے چچا نے خرید لیا تھا۔اسی حصے میں سلطان صلاح الدین ایوب کے والد اور چچا شیر کوہ مدفون تھے۔

اسی مکان کے جنوبی حصہ میں حضرت عثمان غنی کو شہید کیا گیا تھا۔ 1327ھ میں محمد لبیب متنونی نامی ایک سیاح نے اپنے سفرنامے میں لکھا تھا کہ مسجد نبوی کے سامنے حضرت عثمان غنی کا مکان ہے اس کے ایک گوشہ میں تختی لگی ہوئی جس پر لکھا ہوا ہے ''قتل عثمان غنی'' یعنی وہ جگہ جہاں ظالموں نے خلیفہ سوئم کو شہید کیا تھا۔اس گھر میں بعد کے زمانے میں ''شیوخ حرم'' یا خادمین حرم رہا کرتے تھے۔

دارصغریٰ عثمانؓ:

یہ مکان بڑے مکان سے متصل جانب مشرق میں واقع تھا۔دارصغریٰ کے شمال میں دار حضرت ابوبکر صدیقؓ واقع تھا۔دونوں مکانات کے درمیان ایک گلی تھی جو ''زقاق بقیع'' کہلاتی تھی۔حضرت عثمان کے قاتل اپنی دارصغریٰ کو پھاند کر اندر داخل ہو گئے تھے جبکہ حنین طیبینؓ دار کبریٰ کی جانب پہرہ دے رہے تھے۔

دار، فاطمہ علیؓ:

آنحضرتؐ کے داماد اور چچازاد بھائی حضرت علیؓ اسلام کی ایک بڑی شخصیت جس نے آغوش نبویؐ میں پرورش پائی۔غزوہ بدر کے بعد 2ھمیں آپ کا نکاح صاحبزادی رسولؐ،

Marfat.com

حضرت فاطمہ الزہرہ سے ہوا تھا۔ حضرت فاطمہؓ و حضرت علی کے مکان کا حدود اربعہ کچھ یوں تھا۔ اس کے جنوب میں سیدہ عائشہ کا حجرہ مبارکہ، اس کے شمال میں باب جبرائیل سے نکلنے والا راستہ، اس کے مغرب میں مسجد نبوی شریف اور مشرق میں حضرت ام المومنین، ام سلمہ کا حجرہ شریفہ تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جب حجرہ حضرت عائشہؓ کے گرد اونچی دیواروں سے ایک احاطہ تعمیر کیا تو حضرت علی و فاطمہ کے مکان کا کچھ حصہ بھی اس میں شامل ہو گیا تھا۔ نیز جب حضرت عمر بن عبدالعزیز نے 91ھ میں مسجد نبویؐ کی توسیع کے دوران مسجد مبارکہ کے 20 دروازے کھولے تو حضرت علیؓ کا مکان دروازہ کی زد میں آ گیا۔ اس لئے اس دروازہ کا نام باب علیؓ ہو گیا۔ لیکن اس کے بعد جب مشرقی دیوار کی تجدید کی گئی تو یہ دروازہ بند کر کے اس کی جگہ ایک کھڑکی لگا دی گئی۔

کوچہ بقیع شریف:

باب جبرائیل اور باب النساء کے قریب مسجد کی مشرقی سمت میں ایک گلی تھی جس کو ''زقاق البقیع'' کہتے تھے۔ اس گلی میں قدم رکھتے ہی حضرت عثمانؓ کا دار کبریٰ اور بائیں جانب ریطہ بنت عباس کا مکان نظر آتا تھا۔ اس گلی کی چوڑائی پانچ ہاتھ تقریباً 7½ فٹ اور لمبائی قبرستان جنت البقیع تک تھی۔ مسجد شریف سے جنت البقیع تک جانے کے لئے یہی راستہ استعمال ہوتا تھا۔

یہ گلی ماضی قریب تک اپنی اصل جگہ پر برقرار تھی یہاں تک کہ 1981ء میں شاہ فہد بن عبدالعزیز کی توسیع کے دوران مشرقی صحن کا حصہ بن گئی۔

دار ابی بکرؓ شرقیہ:

حضرت ابوبکر اسلام میں آنحضرتؐ کے بعد شخصیت ثانی ہیں۔ چھٹی پشت میں آپ کا شجرہ مبارک رسول اللہؐ سے مل جاتا تھا۔ سفر ہجرت میں نبی اکرم کے ہمرکاب و ہمسفر تھے۔ ان کی یہی نیکی تمام صحابہ کرامؓ کی نیکیوں سے افضل ہے ایک موقع پر جب مسلمانوں کو مالی امداد کی ضرورت پڑی تو اپنے گھر کا سارا سامان پیش کر دیا۔ رسول اللہ نے یہ دیکھتے ہوئے اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ سے دریافت فرمایا تھا کہ گھر کیا چھوڑ آئے تو آپ کا جواب تھا ''اللہ اور اُس کا رسول بس''۔ علامہ اقبال نے اس واقعہ کو کچھ یوں بیان کیا ہے۔ ع

Marfat.com

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے خدا کا رسولؐ بس

مسجد نبوی شریف کے پڑوس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دو مکان تھے۔ ایک مغربی گوشہ میں اور ایک مشرقی سمت میں۔ مشرقی سمت والا مکان کوچہ بقیع میں حضرت عثمانؓ کے مکان کے عین سامنے واقع تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی وفات اسی مشرقی مکان میں ہوئی تھی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں حضرت ابوبکر جب مرض وفات میں مبتلا ہوئے تو مشرقی مکان میں تشریف فرما تھے۔ جو حضرت عثمانؓ کے دار صغریٰ کے سمنے تھا۔ رسول اللہ نے یہ مکان حضرت ابوبکرؓ کو عطا کیا تھا۔ یہ سارے مکانات 1955ء تک موجود تھے حکومت سعودیہ کی پہلی توسیع میں شامل مسجد کر دیئے گئے تھے۔

دار مغیرہ بن شعبہؓ:

یہ مشہور صحابی بیت رضوانؓ اور بیت یمامہ دونوں میں شریک تھے۔ عہد راشدہ میں یرموک، قادسیہ اور شام کی دیگر جنگوں میں شریک تھے۔ فاروق اعظمؓ نے بعض روایات کے مطابق آپ کو گورنر یمن بھی بنایا تھا۔ 50ھ میں پھیلنے والی طاعون کی وباء میں وفات پائی۔

دار مشیرہ بن شعبہ کوچہ بقیع میں حضرت ابوبکر کے دار شرقیہ کے بعد واقع تھا۔

دار حضرت جبلہ بن عمرو انصاریؓ:

جبلہ بن عمروؓ کا شمار فقہا صحابہ کرامؓ میں ہوتا تھا۔ عہد راشدہ میں جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ شریک ہوئے۔ معرکہ صفین کے بعد مصر جا کر سکونت اختیار کر لی تھی۔ حضرت جبلہؓ کا مکان مسجد نبوی کی مشرقی جانب پانچویں دروازے کے سامنے پڑتا تھا۔ اس کے جنوب میں ریطہ بنت عباس کا مکان اور شمال میں دار خالد بن ولیدؓ تھا۔

ریطہ بنت ابوالعباس نے جب اپنے مکان کی توسیع کی تھی تو دار جبلہ کا جنوبی حصہ اپنے مکان میں شامل کر لیا تھا۔ جو حصہ باقی بچا وہ حضرت سعد بن خالد بن عمر بن عثمان کے حصے میں آیا تھا۔ سید بن خالد بن عمر کے بعد یہ اسما بنت حسین کی ملکیت میں آ گیا جو حضرت عباسؓ کے پڑپوتے حسین بن عبداللہ کی صاحبزادی تھیں۔ اس کے بعد جب کمال الدین ابوالفضل محمد بن قاسم کا زمانہ آیا تو انہوں نے اسے مستورات کے لئے مسافر خانہ بنا دیا۔ صدیوں بعد جب حکومت سعودیہ نے مسجد نبوی میں پہلی توسیع کی تو مکان بھی سجدہ گاہ بن گیا۔

Marfat.com

دار ریطہ بنت ابو عباس:

ریطہ مشہور عباسی خلیفہ ابوالعباس سفاح کی بیٹی اور تیسرے عباسی خلیفہ مہدی کی بیوی تھی۔ دار ریطہ ٹھیک ''باب النساء'' کے سامنے واقع تھا۔ اسی لئے یہ دروازہ کبھی کبھی ''باب ریطہ'' بھی کہلاتا تھا۔

دار ریطہ کے جنوب میں کوچہ بقیع، شمال میں دار جبلہ بن عمرو، مشرق میں دار ابی بکرؓ اور مغرب میں مسجد نبوی شریف کا باب النساء تھا۔ دار ریطہ میں مؤرخ مدینہ علامہ سمہودی کے مطابق دسویں صدی ہجری میں ایک مدرسہ قائم ہوگیا تھا جو حنفی مسلک کی تعلیم دیتا تھا۔ حکومت سعودیہ کی پہلی توسیع 1372ھ/1955ء میں یہ عمارت منہدم کر کے اس کی زمین مسجد نبوی کی مشرقی شاہرہ میں شامل کردی تھی۔ دوسری توسیع میں وہ شاہراہ بھی باقی نہ رہی اور یہ شامل مسجد ہوگئی۔

دار حضرت خالد بن ولیدؓ:

حضرت خالد بن ولیدؓ دور جاہلیت میں قریش کے بڑے جرنیلوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ پھر اسلامی عہد میں لڑی گئی جنگوں میں قائدانہ کردار ادا کرنے پر آنحضورؐ نے آپ کو ''سیف اللہ'' کا خطاب دیا۔ آنحضرتؐ کے ساتھ جب حضرت خالدؓ کسی غزوہ میں شریک ہوتے تھے تو ہراول دستے کی کمان حضرت خالد بن ولید کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ عہد راشدہ میں شام اور فارس میں لڑی گئی جنگوں میں بڑے ممتاز کارنامے انجام دیئے مگر وفات میدان کی بجائے بستر مرگ پر پائی۔

دار خالد بن ولید مسجد نبوی کی مشرقی سمت میں چھٹے دروازے کے بالمقابل واقع تھا۔ اس کے جنوب میں دار جبلہ اور شمال میں حضرت عمرو بن العاصؓ کا مکان تھا۔

حضرت خالدؓ اور حضرت عمروؓ کے یہ مکانات بعد ازاں منہدم کرا کے قاضی کمال الدین ابوالفضل محمد بن عبداللہ بن قاسم شہرزوری نے ایک مسافر خانہ زائرین مدینہ کے لیے تعمیر کروایا تھا۔ جو صرف مردوں کے لئے مخصوص تھا۔ جبکہ عورتوں کے لئے الگ مسافر خانہ بھی انہیں قاضی صاحب نے حضرت جبلہؓ کے مکان کی زمین پر تعمیر کروایا تھا۔ یہ مسافر خانہ حضرت خالد بن ولیدؓ کے نام کی طرف سے منسوب تھا اور ماضی قریب تک ''رباط خالد'' کے نام سے جانا جاتا تھا۔ 1111ھ میں ایک شاہی فرمان کے ذریعے یہ مسافر خانہ مسجد نبویؐ کے خدام اور حجرہ شریفہ کے

Marfat.com

چوکیداروں کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ بعدازاں یہ بھی پہلی سعودی توسیع میں مشرقی شاہراہ کا حصہ بن گیا تھا۔ پھر دوسری توسیع میں اس زمین کو مسجد نبوی شریف میں شامل کر لیا گیا۔ حضرت خالد بن ولید کا یہ مکان اس قدر چھوٹا تھا کہ حضرت خالدؓ نے تنگی دامان کی شکایت آنحضرت کو تھی۔ آپؐ نے اس مکان کو نیچے کی بجائے اوپر کی جانب بڑھانے کی ہدایات دی تھیں۔

دار حضرت عمروؓ بن العاص:

حضرت عمرو بن العاصؓ نہایت ذہین اور دانشمند تھے۔ خیبر کی فتح کے سال اسلام قبول کیا تھا۔ عہد راشدہ میں مصر کی زرخیز زمین آپؓ کے ہاتھ پر فتح ہوئی تھی۔ مسجد نبویؐ کی مشرقی سمت میں ساتویں دروازے کے قریب دار حضرت عمرو بن العاصؓ واقع تھا۔ اس کے جنوب میں دار خالدؓ اور شمال میں ''زقاق مناصع'' نام کی ایک گلی تھی۔ جیسا کہ پہلے ذکر آیا قاضی کمال الدین نے یہ مکان بھی مسافر خانے میں شامل کر دیا تھا۔

زقاق المناصع عہد راشدہ میں:

مسجد نبویؐ شریف کے ساتویں دروازے کے سامنے ایک گلی تھی جو ''زقاق المناصع'' کے نام سے مشہور تھی۔ ان دنوں مدینہ منورہ کے باہر ایک وسیع میدان تھا۔ ''مناصع'' کہلاتا۔ یہ گلی اسی میدان تک جاتی تھی اس لئے کوچہ مناصع کہلاتی تھی۔ اسی گلی کے آغاز میں حضرت عمرو بن العاصؓ کا مکان تھا۔

ماضی قریب تک یہ گلی بھی موجود تھی اور حالیہ سالوں میں مسعودی حکومت کی دوسری توسیع مسجد نبویؐ میں شامل مسجد کر دی گئی۔

شمال سمت کے مکانات:

مسجد شریفہ کی شمال سمت میں جن صحابہ کرام کے مکانات تھے ان میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت عبداللہ بن سعودؓ جیسے جلیل القدر صحابہ شامل تھے۔ دار حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت عمرؓ اپنی شہادت کے بعد مسئلہ خلافت کو حل کرنے کے لیے جو کمیٹی نامزد کی تھی اس کے چھ اراکین میں ممتاز ترین حیثیت کے حامل حضرت عبدالرحمٰن بن عوف تھے۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق کی تبلیغ پر مشرف با اسلام ہوئے تھے۔ روایات کے مطابق مسجد نبوی کے

Marfat.com

آس پاس حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے کئی مکانات تھے۔ ان میں سے ایک شمالی سمت میں مسجد نبوی کے نویں دروازے کے سامنے تھا۔ یہ مکان؟ ’دارالفیضان‘ یعنی مہمان خانے کے نام سے مشہور تھا۔ اس مکان میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضورؐ پاک کے مہمانوں کو ٹھہرایا کرتے تھے۔ مہاجرین صحابہ میں بشمول حضرت عثمان کے لئے اتنا وسیع گھر کسی اور کے پاس نہیں تھا۔ اسی وجہ سے اس کو بھی دار کبریٰ کہا جاتا تھا۔

علامہ سمہودی کے مطابق دسویں صدی ہجری میں اس مکان کی جگہ پر جو عمارت موجود تھی اسے ”دارالمفیف (میزبان منزل) کہتے تھے، اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ یہ عمارت حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے قدیم مہمان خانے کی جگہ پر واقع تھی۔

ہجرت نبوی کے وقت اس مکان کی جگہ پر ایک وسیع باغیچہ تھا جو حضرت ابوطلحہؓ انصاری کی ملکیت تھا۔ اخوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہوں نے یہ باغیچہ آنحضرت کی خدمت میں پیش کر دیا تھا کہ آپؐ جسے چاہیں عطا کر دیں۔ حضورؐ نے یہ جگہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو عطا کر دی تھی۔

دار حضرت ملیکہؓ بنت خارجہ:

حضرت ملیکہ خارجہ بن سنان بن ابو حارثہ کی بیٹی تھی اور زبان بن سیاد فزاری کی بیوہ۔ جاہلیت کی گندی رسم کے مطابق شوہر کے مرنے پر ان کے بیٹے منظور بن زبان نے ان سے بیاہ رچالیا تھا۔ اسلام نے جب جاہلیت کی ان رسوم بد کو مسترد کیا تو ملیکہ اور ان جیسی مزید تین خواتین کو شوہرزادوں کی ملکیت ہونے سے آزادی ملی تھی۔

حضرت ملیکہؓ عہد راشدہ میں صدیقی عہد میں مدینہ آئی تھیں تو حضرت ابوبکرؓ نے صحابہ سے پوچھا تھا کہ ”کون اس بیوہ کو ٹھکانہ دینا پسند کرے گا؟“ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف مسلمانوں میں متمول تھے ان کے پاس مکانات بھی متعدد تھے وہ اٹھے اور ملیکہ کو اپنے گھر لے گئے اور ایک مکان ان کی رہائش کے لئے مخصوص کر دیا۔ یہ مکان اگرچہ ملکیت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف تھا مگر حضرت ملیکہ کے نام سے منسوب ہو کر دارالملیکہ کہلاتا تھا۔

خلیفہ مہدی کی توسیع میں اس مکان کا کچھ حصہ شامل مسجد کیا گیا تھا۔

Marfat.com

حضرت ابوطلحہ اور باغ بیرحاء:

بیعت عقبہ کی رات یثرب کے جن لوگوں نے آنحضرت کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اسلام قبول کیا تھا، ان میں حضرت ابوطلحہ انصاری بھی شامل تھے جو عرب کے چند مشہور جانبازوں اور تیراندازوں میں سے ایک شمار کئے جاتے تھے۔ جانثاری کی انتہا غزوہ احد میں اس وقت کی تھی جب جنگ کا پانسہ مشرکین کے حق میں پلٹ گیا تھا۔ حضرت ابوطلحہؓ آنحضرت کی حفاظت کے لئے آپؐ کے آگے کھڑے ہوگئے اور دشمنوں پر تیر برسانے لگے۔ حضور اقدس جب ان حالات میں دیکھنا چاہتے کہ دشمن کا زور کس طرح بڑھ رہا ہے تو حضر ابوطلحہ اپنا سینہ حفاظت رسول اللہ کے لئے دشمنوں کے تیروں کی طرف کر دیتے تھے کہ معاذ اللہ رسول اللہ کو دشمنوں کا کوئی تیر نہ لگ جائے۔

باغ بیرحاء:

مسجد نبوی کے شمال میں چند قدم کی دوری پر حضرت ابوطلحہ کا ایک باغ تھا جس کا نام باغ بیرحاء تھا۔ ابتداء میں یہ باغ اتنا وسیع تھا کہ حضرت ام حبیبہ کے مکان کا شمالی نصف حصہ بھی اسی باغمیں شامل تھا اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا "دار فیضان" بھی اسی باغ کا حصہ تھا۔ اس باغ میں شیریں پانی کا ایک کنواں تھا جس کا پانی آنحضرتؐ نے نوش فرمایا تھا۔ یہ کنواں ماضی قریب موجود تھا۔ سعودی حکومت نے اپنی دوسری توسیع میں اسے شامل مسجد کر دیا ہے۔

روایت ہے کہ جب قرآن پاک آیت "لن تنالو البر...... مما تحبون" نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہ نے یہ باغ صدقہ کر دیا تھا۔

دار حضرت مخرمہ بن نوفلؓ:

قریش کی شاخ بنوزہرہ سے تعلق رکھنے والے حضرت مخرمہ بن نوفل نے فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا تھا اور غزوہ حنین میں آنحضورؐ کے ساتھ جہاد میں شرکت کی تھی۔ ان کے صاحبزادے حضرت مسور بن مخرمہ تھے جن کی والدہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی ہمشیرہ عاتکہ بنت عوف تھیں۔ خلیفہ مہدی عباسی نے جہاں شمال مشرقی گوشے پر مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع کے دوران مینارہ تعمیر کرایا تھا وہیں پر حضرت مخرمہ کا مکان واقع تھا۔ اس میں بعد کے دنوں میں ان کے صاحبزادے مسور بن مخرمہ رہتے تھے۔ خلیفہ مہدی نے ان سے مکان کا ایک حصہ خرید کر صحن

Marfat.com

مسجد اور راستے میں شامل کر دیا تھا۔ جو بچ رہا تھا وہ آل مطرف کے ایک شخص نے خرید لیا تھا۔ آل مطرف سے جعفر بن یحییٰ برمکی نے اسے بعہد ہارون الرشید خرید اتھا۔ اس کے بعد کسی زمانہ میں، مکان وقف کی زمین ''ابیات الصوافی'' میں شامل کر دیا گیا تھا۔

دار حضرت عبداللہ بن مسعودؓ یا ''دار القراء'':

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مشہور زمانہ حافظ قرآن تھے۔ خود آنحضرت ﷺ ان سے تلاوت سنتے تھے اور صحابہ کو ترغیب دیتے تھے کہ ان کی طرح تلاوت کریں۔ حضور اقدسؐ کے ایسے خادم خاص تھے کہ حضور کی خلوتوں میں بھی اجازت کے محتاج نہ تھے۔ حضورؐ کے لئے مسواک لانا، تہجد میں بیدار کرنا۔ جوتیاں پہنانا، غسل کے لئے پردہ کرنا، آگے آگے چل کر راستہ بنانا، سب ان کے فرائض خصوصی میں شامل تھا۔ جب آیت قرآنی ''لیس علی الذین آمنوا وعملوا الصلحت / واللہ یحب المحسنین''۔ نازل ہوئی تو حضور اقدسؐ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو فرمایا تھا کہ تم بھی انہیں میں سے ہو۔''

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے بھائی عتبہ بن مسعود جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حضور اقدسؐ نے مسجد نبوی کے قریب شمالی سمت میں جگہ عطا فرمائی تھی۔ دونوں بھائیوں نے مل کر اپنا مکان تعمیر کیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود چونکہ معلم القرآن تھے اور صحابہ کرام کو قرآن پڑھاتے تھے۔ اس لئے ان کا یہ مکان ''دار القراء'' کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ ولید بن عبدالملک کے عہد میں 91ھ میں اس مکان کا جنوبی حصہ مسجد میں شامل کر لیا گیا تھا۔ جو بچ رہا تھا وہ خلیفہ مہدی عباسی نے شامل مسجد کر دیا تھا۔

دار ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ:

آنحضرت نے ان کو ازواج مطہرات کے حجرات میں ایک حجرہ عطا فرمایا تھا۔ اس کے علاوہ مسجد نبوی کی شمالی سمت میں ان کا ایک مکان مسجد سے اتنے فاصلہ پر تھا کہ فاروق اعظمؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کی توسیعات کے بعد بھی مسجد سے دور ہی رہا۔ جب مہدی عباسی نے شمالی سمت میں توسیع کی تب جا کر اس مکان کا صرف جنوبی حصہ شامل مسجد ہوا اور تقریباً نصف مکان پھر بھی بچ رہا۔ جسے یحییٰ بن خالد برمکی نے خرید لیا۔ یہ جگہ بھی ابتداء میں باغ بیرحاء کا حصہ تھی۔

Marfat.com

مغربی سمت کے مکانات:

مدینہ منورہ میں عہد نبویؐ اور عہد راشدہ کے مکانات اگر چہ بظاہر صفحہ ہستی سے مٹ چکے ہیں مگران کے ان مٹ نقوش تاریخ کے صفحات اور مسلم قوم کے دل و دماغ سے بھی مٹائے نہ جاسکیں گے۔

ابتداء جنوبی سمت کے مکانات سے کی تھی پھر جنوب سے مشرقی سمت میں پیش قدمی کرتے ہوئے ہم شمال کی طرف آئے اوراب مغربی سمت میں واقع مکانات کا تذکرہ پیش خدمت ہے۔ مسجد نبویؐ کی مغربی سمت میں بھی بہت سے جلیل القدر صحابیوں کے مکانات واقع تھے جن میں سے چند یہ تھے۔

دار حضرت عبداللہ بن جعفرؓ:

یہ آنحضرتؐ کے شہید چچازاد جعفر طیار کے صاحبزادے اور خاندان بنو ہاشم کے چشم و چراغ تھے۔ انہوں نے آنحضرت کا زمانہ پایا اور آپ کی صحبت عالیہ سے مستفید ہو گئے۔ جنگ صفین میں حضرت علیؓ کی فوج کے ایک اعلیٰ عہدیدار تھے۔ 80ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا۔

مسجد نبوی کی غربی سمت شمال سے جنوب تک مکانات کی ایک پٹی تھی، اس پٹی کے شمالی سرے پر مسجد شریفہ کے تیرہویں دارواز ہ کے سامنے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کا یہ مکان واقع تھا۔ یہ مکان بھی پہلے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی ملکیت تھا۔ ان کے بعد ام موسیٰ کی آزاد کنیز منیرہ کی ملکیت میں آیا۔ علامہ سمہودی مؤرخ مدینہ لکھتے ہیں کہ ان کے زمانے میں اس جگہ پر جو مکان بنا ہوا تھا وہ شیخ عارف باللہ عبدا لمغلطی مغربی کے تصرف میں تھا۔ بعدازاں قاضی محی الدین کی ملکیت میں چلا گیا۔ اس کے بعد اس مکان کا کیا ہوا اس پر تاریخ خاموش ہے۔

دار حضرت طلحہ بن عبداللہؓ:

عشرہ مبشرہ میں شامل دس صحابہ میں سے ایک تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کی دعوت پر اسلام قبول کیا۔ فاروق اعظم کی نامزدہ کردہ چھ رکنی خلافت کمیٹی کے رکن تھے۔ ہجرت مدینہ کے بعد آنحضرتؐ نے ان کا سلسلہ مواخات حضرت ابوایوب انصاریؓ کے ساتھ قائم کیا۔ غزوہ احد میں پامردی، استقلال اور جانثاری کے بے مثال جوہر دکھائے۔ جب آنحضرتؐ پر تیر چلائے جا

Marfat.com

رہے تھے تو یہ آنحضرت کی حفاظت کے لئے آہنی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے تھے۔

جنگ جمل میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لشکر میں شریک ہوئے اور حضرت علیؓ کے خلاف لڑے۔ اسی جنگ میں آپ شہید ہوئے اور بصرہ دفن کئے گئے۔

مدینہ منورہ کی گلی ''زقاق القیاشین'' میں جاتے ہوئے داہنی طرف حضرت عبداللہ بن جعفر کے مکان کے بعد ان کا مکان پڑتا تھا۔ آپؓ کے بعد آپ کی اولاد نے یہ مکان تین حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اس مکان کے یہ تینوں حصے ''دور القیاشین'' (قیاشین کے مکانات) کے نام سے مشہور تھے اور گلی کا نام بھی اسی وجہ سے (زقاق القیاشین) تھا۔ یہ گلی خوخہ آل یحییٰ'' یا دریچہ آل یحییٰ بھی کہلاتی تھی۔

دار حضرت زبیر بن عوامؓ:

حضور اقدس کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیر بن عوامؓ قریش کی مشہور شاخ بنو اسد سے تعلق رکھتے تھے۔ عشرہ مبشرہ اور فاروق اعظم کی نامزد کردہ چھ رکنی خلافت کمیٹی کے رکن تھے۔

ایک مرتبہ عہد نبوی میں یہ افواہ اڑی تھی کہ آنحضرت کو مشرکین نے گرفتار کر لیا، اس پر آپ ننگی تلوار لے کر نکل کھڑے ہوئے۔ یہ پہلا موقعہ تھا جب اسلام کی تاریخ میں کسی نے تلوار بے نیام کی تھی۔ حضور اقدسؐ نے آپ کو حواری کا لقب عطا کیا تھا اور فرمایا تھا کہ ہر نبی کا کوئی حواری یا مددگار رہتا ہے، میرے حواری اور مددگار حضرت زبیر بن عوامؓ ہیں۔

مسجد نبوی کے پڑوس میں جہاں زقاق القیاشین میں حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ کا مکان تھا اس سے متصل آپؓ کا مکان تھا۔ آپ کے مکان کے جنوب میں زقاق قیاشین اور مغرب میں حضرت طلحہؓ کا مکان تھا۔

حضرت زبیرؓ نے اپنے اس مکان کے دو حصے کر کے اپنے دو صاحبزادوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اس کا مشرقی حصہ حضرت عمر بن زبیرؓ کو اور غربی حصہ عروہ بن زبیرؓ کے حصہ میں آیا تھا۔

زقاق قیاشین:

مسجد نبوی کی مغربی سمت میں چودھویں دروازے کے سامنے عہد راشدہ میں ایک گلی تھی جیسا کہ پہلے ذکر آیا اس کا نام ''زقاق القیاشین'' تھا۔ یہ گلی دسویں صدی ہجرت یا علامہ

Marfat.com

سمہودی کے زمانے تک اسی نام سے جانی جاتی تھی۔ بعدازاں اس کا نام تبدیل کر کے ''زقاق حنابلہ'' رکھ دیا گیا تھا۔ اس کی چوڑائی چھ ہاتھ یا 9 فٹ تھی۔ حضرت زبیر بن عوام کے مکان کے پاس جا کر یہ گلی بند کر دی گئی تھی اور اس میں ایک دریچہ لگا دیا گیا تھا۔ جو دوسری جانب عطاروں کے بازار میں کھلتا تھا۔ غالباً محققین کے مطابق اسی دریچہ کو ''خوختہ القوایر'' کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔

دار حضرت سکینہ بنت حسینؓ:

آنحضرتؐ کے لاڈلے نواسے امام حسینؓ کی صاحبزادی، جناب سیدہ فاطمہ الزہرہؓ کی پوتی تھیں۔ ماں باپ نے ان کا نام آمنہ یا امینہ رکھا تھا۔ لقب سکینہ تھا۔ والدہ کا نام رباب بنت امراء القیس تھا۔ بڑی خوش اخلاق اور اعلیٰ ظرف خاتون تھیں۔ طبیعت میں ظرافت کا رنگ پایا جاتا ہے۔ وفات 117ھ میں وفات پائی۔

مسجد نبوی شریف کی مغربی جانب پندرھویں دروازے کے سامنے حضرت سکینہ بنت الحسین کا گھر تھا جس کے شمال میں زقاق حنابلہ تھی۔ جنوب میں حضرت تمیم داری کا گھر تھا اب اس جگہ پر دوسری سعودی توسیع میں باب ملک سعود تعمیر کر دیا گیا۔

دار حضرت تمیم داریؓ:

ان کا مکمل نام حضرت تمیم ابن اوس بن خارجہ ہے۔ یہ قبیلہ بنو دار سے تعلق رکھتے تھے۔ 9ھ میں عیسائیت سے تائب ہو کر اسلام قبول کیا۔ مسجد نبویؐ میں پہلے روشنی کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ اسی صحابیؓ نے سب سے پہلے مسجد نبوی میں چراغ روشن کیا تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد مدینہ چھوڑ کر شام میں آباد ہو گئے تھے۔

ان کا مکان مغربی سمت میں پندرھویں دروازے کے سامنے تھا اس کے شمال میں حضرت سکینہ بنت حسینؓ کا مکان اور مغرب میں حضرت حسان بن ثابت کا قلعہ یا گڑھی تھا۔

علامہ السمہودی کے مطابق پندرھویں دروازے کے سامنے مہدی عباسی کے ایک آزاد کردہ غلام نصیر کا مکان تھا جس میں کبھی حضرت سکینہ بنت حسین رہائش پذیر تھیں۔ آج اس جگہ جو عمارت ہے وہ تمیم داری کے مکان کے نام سے موسوم ہے۔ بقول علامہ سمہودی ہی کہ جب یہ مکان ان کی ملکیت میں آیا تو انہوں نے وقف کر دیا۔ اس طرح مؤرخین کی رائے اس مکان

Marfat.com

کے بارے میں مختلف پائی جاتیں ہیں۔ بعض کے نزدیک علامہ سمہودی کی طرح یہ ایک مکان تھا اور پہلے حضرت سکینہ سے منسوب تھا پھر حضرت تمیم داری کا مکان کہلایا۔

اس تاریخی مکان کے کھنڈرات ماضی قریب یعنی 1353ھ میں موجود تھے۔ عبدالقدوس انصاری نے اس مکان کی بابت لکھا تھا۔ مگر 1380ھ میں اس مکان یا اس کے کھنڈر کو پہلی سعودی توسیع کے دوران شامل مسجد کر دیا گیا تھا۔

دار حضرت حسانؓ بن ثابت:

حضرت حسان بن ثابت انصار کے قبیلہ ''خزرج'' سے تعلق رکھتے تھے اور ''شاعر رسولﷺ'' کہلاتے تھے۔ اسلام لانے کے بعد آپ کی شاعری اسلام اور پیغمبر اسلامﷺ کی مدح اور دفاع کے لئے وقف ہوگئی تھی۔ آپ کے لئے مسجد نبوی میں منبر لگایا جاتا اور آپ اس پر کھڑے ہوکر حضورﷺ کی مدح بیان کرتے تھے جو آج کی نعت گوئی کی اولین صورت تھی۔

جاہلیت کے زمانے میں بھی ساٹھ سال عمر پائی اور اسلام کے ظہور کے بعد بھی انہیں ساٹھ سال مزید زندگی عطا ہوئی جس سے ان کی عمر 120 سال بنتی ہے۔ 5ھ میں انتقال کیا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت حسان کے والد ثابت ان کے دادا منذر اور پردادا ''جرام'' نے بھی 120 سال ہی عمر پائی تھی۔

دار حسانؓ یا حضرت حسان کا قلعہ مدینہ منورہ میں ''فارع'' نام سے مشہور تھا۔ فارع عربی زبان میں بلند و بالا اور خوبصورت عمارت کو کہتے ہیں۔ اس عمارت کے بلند اور مضبوط ہونے کی وجہ سے غزوہ خندق کے موقع پر آنحضرتﷺ نے اپنے خاندان کی خواتین کو اس قلعہ میں پہنچا دیا تھا۔ کیونکہ اس سے محفوظ کوئی اور عمارت مسلمانوں کے پاس اس وقت تک نہیں تھی۔ اسی غزوہ کے دوران یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ مسلمانان مدینہ محاذ جنگ پر مصروف تھے ایک یہودی نے قلعہ حسان میں میں تانک جھانک کی تو آنحضرتﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ نے اسے دیکھ لیا اور ایک خیمے کے بانس سے اس کے سر پر اس شدت کی ضرب لگائی کہ مردود جہنم واصل ہوا۔

قلعہ حسان مسجد نبوی کے مغرب میں سولہویں دروازے کے عین سامنے واقع تھا۔ اس کے شمال میں دار تمیم داری اور جنوب میں حضرت عاتکہ بنت عبداللہ کا مکان تھا۔ عباسی عہد میں

Marfat.com

ہارون الرشید کے برمکی وزیر جعفر بن یحییٰ نے قلعہ حسان اور دار عاتکہ دونوں کو خرید لیا تھا۔ دونوں کو ایک کر دینے سے اس کی لمبائی اتنی بڑھ گئی تھی کہ مکان کا جنوبی سرا باب رحمت تک پہنچ گیا تھا۔ محققین کے مطابق مؤرخین کو اسی وجہ سے غلط فہمی ہوئی اور بعض مؤرخین نے قلعہ حسان کو باب الرحمت کے سامنے لکھا ہے۔

838ھ میں جنوبی ہندوستان کے شہر گلبرگہ کے سلطان شہاب الدین احمد نے اس قلعہ کی زمین پر ایک مدرسہ تعمیر کروادیا تھا جس کا نام ''المدرسہ الکلبرجیہ'' تھا۔ دوسری توسیع میں یہ رسہ بھی شامل مسجد کر دیا گیا ہے۔

دار حضرت عاتکہ بنت عبداللہ:

بنو امیہ کے مشہور خلیفہ یزید بن عبدالملک کی والدہ تھیں۔ ان کا یہ مکان مسجد نبوی کے مغرب میں باب الرحمٰن کے سامنے تھا۔ بعد ازاں جیسے کہ پہلے ذکر آیا ان کا مکان عہد عباسیہ میں قلعہ حسان میں ضم کر دیا گیا تھا۔ علامہ سمہودی نے لکھا ہے کہ اس جگہ دسویں صدی ہجری میں جو عمارت تھی اسے مسجد نبوی کے خدام کے لئے وقف عمارت بنایا ہے۔

دار حضرت نعیم بن عبداللہ:

حضرت نعیم بن عبداللہ قبیلہ قریش کی شاخ بنوی عدی سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے ہجرت بہت بعد میں کی تھی۔ البتہ مدینہ آمد کے بعد ہر غزوہ رسولؐ میں شرکت کی۔ جنگ اجنادین میں عہد فاروقی میں شہادت پائی۔

دار حضرت نعیم مسجد کی مغربی سمت میں دار عاتکہ کے بعد اور دار عبداللہ بن مکمل کے سامنے واقع تھا۔ باب رحمت کے سامنے ایک گلی مدینہ کے بازار تک چلی گئی تھی۔ اسی گلی میں یہ مکان واقع تھا۔ یہ مکان 1375ھ میں پہلی سعودی توسیع کے دوران شامل مسجد کر دیا گیا تھا۔

حضرت عمرؓ کا دار القضاء:

حضرت عمر فاروق خلیفہ ثانی ہیں اور کسی تعارف کے محتاج نہیں کہ مراد رسولؐ ہیں اور آنحضرتؐ کی دعا کے نتیجہ میں اسلام کی شان بڑھانے کے لئے اللہ کی طرف سے مسلمانوں کو عطا کیے گئے تھے۔

Marfat.com

صدیق اکبرؓ نے اپنا جانشین نامزد کیا۔ آپ کے مزاج میں سختی تھی جو ان کی حق پرستی کا نتیجہ تھی۔ انہیں کے عہد میں بیس تراویح پر اجماع امت ہوا جس کے نتیجے میں حرمین شریفین میں چودہ سو برس سے مکمل تواتر سے بیس رکعات نماز تراویح جاری ہیں۔

مسجد نبویؐ کی مغربی دیوار میں جو دریچہ ابو بکرؓ تھا بالکل اسی کے سامنے حضرت فاروق اعظم کا یہ مکان تھا۔ یہ مسجد شریفہ کے اتنے قریب تھا کہ جب جمعہ کی نماز میں نمازیوں کی تعداد بڑھ جاتی تو حضرت عمرؓ کے مکان میں بھی صفیں لگا دی جاتی تھیں۔ حضرت عمرؓ اس مکان کو دار القضاء اس لئے کہتے تھے کہ انہوں نے اپنی صاحبزادی حضرت حفصہ اور اپنے صاحبزادے عبداللہ کو یہ وصیت کر رکھی تھی کہ ان کی وفات کے بعد اس مکان کو فروخت کر کے ان کے سارے قرضے ادا کر دیئے جائیں پھر آپ کی وفات کے بعد آپ کی وصیت کے مطابق اسے فروخت کر کے آپ پر واجب ادا تمام تر قرضے ادا کر دیئے گئے تھے۔

138ھ میں زیاد بن عبیداللہ کو حجاز کا گورنر بنا گیا تو 151ھ میں اس نے دار القضا اور آس پاس کے مکانات گرا کر مسجد نبوی کے لئے صحن بنوا دیا تھا اور دریچہ ابو بکر اور باب رحمت کے درمیان ایک نیا دروازہ کھول دیا تھا جو باب زیاد کے نام سے مشہور تھا۔ مسجد نبوی کا یہ صحن دار قضاء کے نام پر صحن قضا کہلانے لگا۔

زمانے کے ساتھ ساتھ اس صحن میں بھی تبدیلیاں ہوئیں آخری تبدیلی عثمانی سلطان عبدالمجید کے عہد میں 1237ھ میں ہوئی تھی جب اس جگہ ایک مدرسہ اور ایک لائبریری تعمیر کر دی گئی تھی جو المکتبہ العظیمہ کے نام سے موسوم تھی۔

یہ عمارتیں ماضی قریب تک موجود تھیں۔ حکومت سعودیہ نے 1372ء میں جو پہلی توسیع کی تھی اس میں یہ شامل مسجد کر دی گئیں۔

دار ابو بکرؓ غربی:

حضرت ابو بکر کا ایک مکان مغربی جانب مسجد نبوی سے متصل واقع تھا۔ مسجد نبوی میں آنے جانے کے لئے حضرت ابو بکرؓ نے اس مکان کا ایک دریچہ مسجد میں کھول رکھا تھا۔ اس دریچہ کے بارے میں آنحضرت کا یہ ارشاد مشہور ہے۔ مسجد میں کھلنے والے تمام دریچے بند کر دیئے جائیں، مگر صدیق اکبرؓ کے دریچے کے سوائے۔

Marfat.com

حضرت عمرؓ نے مسجد شریف کی دوسری توسیع فرمائی تو حضرت ابوبکرؓ کا یہ مکان بھی شامل مسجد کرلیا تھا۔

دار حضرت عبداللہ بن مکمل:

مشہور مؤرخ ابن شبہ حضرت عبداللہ بن مکمل کو صحابہؓ میں شمار کرتے ہیں۔ عہد عثمان غنی میں جب مرض الوفات میں مبتلا ہوئے تو اپنی تمام بیویوں کو طلاق دے کر حق وراثت سے محروم کرنا چاہا مگر خلیفہ ثالث نے ان ترکہ میں سے ان کی بیویوں کو مکمل حق دلوایا تھا۔

دار عبداللہ بن مکمل بھی سمت مغرب میں تھا۔ صحن قضا کی طرف اس کا دروازہ کھلتا تھا۔ یہ مکان حضرت عبداللہ کا خریدا ہوا نہیں تھا۔ بلکہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ان کو ہبہ کیا تھا۔ اس کے شمال میں نعیم بن عبداللہ نحام کا مکان تھا۔ ان دونوں مکانوں کے درمیان ایک گلی تھی جو مغرب کی طرف مدینہ کے بازار تک چلی جاتی تھی۔ اس مکان کی شکایت کرتے ہوئے عہد نبوی میں اس کے کسی رہائشی نے سرکار دو عالمؐ سے عرض کیا تھا کہ حضورؐ ہمارا کنبہ بھی بڑا تھا اور ہمارے پاس مال بھی کثیر تعداد میں موجود تھا مگر جب اس مکان میں قدم رکھا ہے ہماری تعداد بھی گھٹ گئی ہے اور مال بھی کم ہوگیا ہے۔ آنحضورؐ نے فرمایا اس برے مکان کو چھوڑ کر کہیں اور منتقل ہو جاؤ۔

وقت کے ساتھ ساتھ یہ مکان بھی کئی بار مدرسوں میں تبدیل ہوا پھر ایک مسافر خانہ ''رباط جوبانیہ'' یہاں قائم کردیا گیا۔ قرن اول میں جو بدشگونی کا تصور اس جگہ کے متعلق قائم ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ سے باقی رہا۔ چنانچہ اس مسافر خانہ کے بعض مغربی کمروں کے متعلق ایسے عجیب و غریب واقعات سننے میں آتے تھے جنہیں آسانی سے جھٹلایا نہیں جاسکتا تھا۔

اس مکان کے ساتھ حضرت حکیم بن حزامؓ کا مکان تھا جو حضرت ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے تھے۔ اس سے متصل حضرت مطیع بن اسود کا مکان تھا جو ''عقا'' کے نام سے مشہور تھا۔ اس سے آگے حضرت عبداللہ بن سعد کا مکان تھا جو باب السلام سے نکلتے ہوئے سامنے کی ایک سیدھی گلی میں شمالی جانب پہلا مکان تھا۔

دار حضرت امیر معاویہؓ:

خلفائے بنو امیہ میں پہلے تھے۔ حضرت حسنؓ کی دستبرداری کے بعد مسند خلافت پر

Marfat.com

بیٹھے تھے۔ان کا مدینہ منورہ میں مکان مطیع بن اسود اور حکیم بن حزام کے مکانات کے سامنے تھا۔ درمیان میں ایک گلی حائل تھی۔اس گلی میں ان تینوں مکانات کے دروازے کھلتے تھے۔

دار حضرت حارث بن نوفل:

حضرت حارث بن نوفل آنحضرتؐ کے چچازاد بھائی تھے۔آنحضرتؐ نے ان کا بھائی چارہ اپنے بھائی عباس سے قائم فرمایا تھا۔ان کو حضرت عباس کے ساتھ ہی ان سے متصل جگہ مدینہ میں عطاء کی گئی تھی۔ان کے مکان کے جنوبی جانب مروان بن حکم کا تعمیر کردہ محل تھا جس میں گورنر مدینہ قیام کرتے تھے۔

دار حضرت عمار بن یاسر:

یہ بنو مخزوم کے حلیف تھے ان کی والدہ سمیہ بن مخزوم کی آزاد کردہ باندی تھی۔جنگ صفین میں لشکر علی میں شامل ہو کر لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ان کا مکان مسجد نبوی کے جنوب مغربی کونے پر واقع تھا۔جس کے مشرق میں حضرت عباسؓ کا مکان تھا۔حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جو توسیع کرائی تھی اس میں شامل مسجد میں ہو گیا تھا۔

دار حضرت ابوسبرہ بن ابی رہمؓ:

یہ آنحضرتؐ کے پھوپھی زاد بھائی تھے ان کی والدہ حضرت "برہ" بنت عبدالمطلب تھیں۔ باب السلام کے اندر دائیں طرف دوسرے ستون کے پاس اس مکان کا محل وقوع سمجھنا چاہیے۔

دار حضرت ابوسفیانؓ:

فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے۔یاد رہے فتح مکہ کے دن ان کے گھر کو دارالامان قرار دیا گیا تھا۔مؤرخین کے نزدیک جب آغاز اسلام میں مکہ میں مشرکین آنحضرتؐ کو ایذا پہنچانا چاہتے تھے تو آپؐ حضرت ابوسفیان کے گھر میں پناہ لیتے تھے۔فاتح مکہ نے ان کا یہ احسان فتح مکہ کے دن ان کے گھر کو دارالامان قرار دے کر چکا تھا۔حضرت ابوسفیان کا مکان دار مروان کے مغربی جانب واقع تھا۔کہتے ہیں کہ حضرت ابوسفیان کے مکان سے خوبصورت کوئی عمارت مدینہ میں نہیں تھی۔واللہ بالصلم الصواب

Marfat.com

مسجد نبویؐ کے گرد بعض تاریخی عمارات

زائر جب مدینہ منورہ پہنچتا ہے تو اس کی نظرِ شوق عہد نبوی اور عہد راشدہ کے تاریخی مقامات کو ڈھونڈتی ہیں۔ اس کی دلی تمنا ہوئی ہے کہ کوئی اسے انگلی رکھ رکھ کر بتائے کہ دیکھو یہاں سرکار دو عالمؐ کا حجرہ تھا، یہاں حضرت صدیقؓ کا دریچہ تھا، یہاں فاروق اعظمؓ کا دارالقضاء تھا، یہاں حضرت عثمانؓ کی شہادت گاہ تھی، یہاں سیدہ فاطمہؓ کا حجرہ شریفہ تھا اور یہاں حضرت طلحہ کا باغ تھا اور یہاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا دارالقراء تھا۔

کیونکہ مسلمانوں کو خاک مدینہ کے ذرے ذرے سے عشق ہے اس لئے مدینہ کا سفر اُن کے لئے معراج عرش بریں سے کم نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہر زائر اس تلاش میں مدینہ کی گلیوں میں نکلتا ہے کہ اُسے حضورؐ کا پسینہ عطر کہاں سے ملے گا اور حضورؐ کا وضو کا پانی جسم پر ملنے کے لئے کہاں سے میسر آئے گا پھر جو کچھ بھی مل جائے۔ زائر اور عاشقین اسے تبرک اور غنیمت سمجھ کر رکھ لیتے ہیں۔ سقیفہ بنوساعدہ، اور جنازگاہ مدینہ کا ذکر کرلئے بغیر مدینہ منورہ کا تاریخی جغرافیہ مکمل نہیں کیا جاسکتا ہے لہٰذا چند سطور مدینہ منورہ کی ان تاریخی عمارات پر آپ کی نذر ہیں۔

سقیفہ بنوساعدہ:

تاریخ اسلام کی ہر کتاب میں ہمیں عہد راشدہ کے آغاز میں سقیفہ بنوساعدہ کا ذکر ملتا ہے۔ سقیفہ عربی زبان میں ''چوپال'' کو کہتے ہیں جہاں اس شہر یا علاقوں کے لوگ باہم مشورے کے لئے مل بیٹھتے ہیں۔ عرب میں ان کی تعمیر کا طریقہ یہ تھا کہ مشرق مغرب اور جنوب تین اطراف سے اینٹ کی دیواریں تعمیر کردی جاتیں جبکہ شمالی حصہ کھلا چھوڑ دیا جاتا تھا تاکہ گرمی میں ہوادار اور آرام دہ رہے۔ مشرقی دیوار میں ایک دریچہ رکھ دیا جاتا۔ چھت کھجور کی شاخوں اور تنوں سے بنادی جاتی تھی جس کے اوپر کھجور کی چٹائیاں ڈال دی جاتی تھیں۔ محققین نے لکھا ہے کہ امکان اغلب ہے کہ عہد نبویؐ میں سقیفہ بنوساعدہ کی تعمیر بھی انہیں خطوط پر کی گئی تھی۔

سقیفہ بنوساعدہ کو تاریخی اعتبار سے بڑی اہمیت حاصل ہے۔ روایات کے مطابق

Marfat.com

سرکار دو عالمؐ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے ساتھ اس سقیفہ میں تشریف لے گئے تھے اور پانی طلب فرمایا تھا۔ سہل بن سعد ساعدی نے کنویں سے پانی نکال کر آپؐ اور آپؐ کے صحابہ کی خدمت میں پیش کیا تھا اور سب نے نوش فرمایا تھا۔ مطلب بن عبداللہ سے روایت ہے کہ آنحضورؐ نے بنو ساعدہ کے اس سقیفہ میں نماز بھی ادا فرمائی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ جس جگہ آپ تشریف فرما ہوئے اور نماز ادا کی وہ جگہ بعد ازاں بطور نماز کی یادگار مخصوص کر دی گئی تھی۔ جب سہل بن سعد کی شادی ہوئی اور ان کی بیوی ہند بنت زیاد رخصت ہو کر یہاں آئیں تو انہوں نے گھر کے عین بیچ میں مسجد دیکھ کر تعجب سے پوچھا تھا کہ کسی دیوار کے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھی جاتی۔ ان کے شوہر نے کہا تھا کہ خاص اسی جگہ سرکار دو عالمؐ نے نماز ادا فرمائی تھی اور یہ جگہ سجدہ گاہِ امام الانبیاءؐ ہے۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضورؐ کی وفات کے بعد جو پہلی اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی وہ اسی سقیفہ بنو ساعدہ میں ہوئی تھی جس میں حضرت ابوبکرؓ کو اتفاق رائے سے سرکارؐ دو جہاں کا خلیفہ اول نامزد کیا گیا اور آپؓ کے دست مبارک پر بیعت کی گئی تھی۔ انہیں وجوہات کی بنا پر سقیفہ بنو ساعدہ تاریخ اسلام کے صفحات میں عموماً اور زائرین مدینہ کے دلوں میں خصوصی طور پر جاگزیں ہے اور عقیدت و ارادت کا ہمیشہ سے مرکز چلا آ رہا ہے۔

جائے وقوع:

مسجد نبویؐ کی حالیہ توسیع کے بعد یہ سقیفہ مسجد نبوی کی مغربی سمت میں آ گیا ہے۔ اس کے قریب ہی ''بصاعۃ'' نام کا ایک کنواں تھا۔ بنو ساعدہ کا پورا قبیلہ عہد نبوی اور عہد راشدہ اسی سقیفہ کے گرد آباد تھا۔ سب سے زیادہ قریب حضرت سعد بن عبادہ کا مکان تھا۔

عبدالقدوس انصاری متوفی 1403ء لکھتے ہیں کہ اسوقت یہاں محلّہ ''حیمی'' میں چونے کی بنی ہوئی ایک کھلی عمارت موجود ہے۔ اس میں برجیاں بنی ہوئی ہیں۔ اس کا دروازہ بند ہے۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ یہی ''سقیفہ بنو ساعدہ'' ہے۔ یہ عمارت 1030ھ کی تعمیر ہے اور علی پاشا کی یادگار ہے اور لیکن افسوس کہ اب یہ عمارت بھی نہیں رہی اور اب اس کی جگہ مسجد نبوی کے شمال مغرب 206 میٹر کی دوری پر ایک احاطہ کے اندر ہے۔

Marfat.com

ایک اور محقق علی حافظ مدنی نے سقیفہ کے بارے میں بڑی باریک تفصیلات فراہم کی ہیں۔ ان کے مطابق اس سقیفہ کا محل وقوع ''مثلثالسلطانیہ'' کے شمال میں ہے۔ مثلث السلطانیہ شامی ملہ میں ایک تکون نما احاطہ ہے۔ سلطانیہ اسے اس لیے کہتے ہیں کہ کسی سلطان نے اسے وقف کیا تھا اور یہ آج بھی محکمہ اوقاف کے زیر اہتمام ہے۔ اس مثلث نما احاطہ کا رقبہ 4938 مربع میٹر ہے۔

مدینہ منورہ کے میونسپلیٹی بورڈ 1383ھ میں حکومت کے سامنے ایک تجویز رکھی تھی کہ اس احاطہ میں ایک لائبریری اور ایک مسجد تعمیر کی جائے۔ لائبریری میں کانفرنسوں کے انعقاد کے لئے ایک ہال بھی ہو۔ اس کمپلیکس کا نام ''سقیفہ بنوساعدہ'' کے نام پر رکھا جائے، تاکہ اس اسلامی تاریخی عمارت اور اس سے وابستہ واقعات کی یاد ہمیشہ تازہ رہے۔

ماضی قریب میں مدینہ منورہ کی تعمیر وترقی کے دوران اس احاطے کو دو حصوں میں تقسیم کردیا گیا جس کے ایک حصے میں ایک باغیچہ برقرار ہے جبکہ مغربی حصہ میں ایک بجلی گھر قائم کردیا گیا ہے۔ ان دونوں حصوں کا مجموعی رقبہ 4845 مربع میٹر ہے جو اس مقدار سے کم ہو جو حافظ صاحب نے بیان کی تھی۔

جنازگاہ مدینہ منورہ:

مسجد نبویؐ کی مشرقی جانب ازدواج مطہرات کے حجرات کے عقب میں آنحضورؐ نے کھلا صحن رکھ چھوڑا تھا۔ یہ صحن کوچہ حبشہ اور کوچہ بقیع دونوں کو ایک دوسرے سے ملاتا تھا، اسی لئے ایک گلی سے دوسرے میں جانے کے لئے یہ صحن راستہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔

جنازگاہ:

مدینہ منورہ میں جب کسی کا انتقال ہوجاتا تو میت کی نماز جنازہ اسی صحن میں ادا کی جاتی تھی۔ اسی وجہ سے یہ جگہ ''المصلی الجنائز'' یا جنازگاہ کے نام سے مشہور ہوگئی۔

لیکن اس پر تاریخ خاموش ہے کہ اس جگہ پر نماز جنازہ ادا کرنے کی روایت کب اور کیسے شروع ہوئی تھی؟ صحابی رسولؐ حضرت ابوسعید حذریؓ نے کچھ یوں بیان کیا ہے۔

جب سرکار دوعالمؐ مدینہ تشریف لائے تو شروع میں یہ معمول تھا کہ جب کسی کا آخری

Marfat.com

وقت آجاتا تو ہم آنحضورؐ کو اس کی وفات کی اطلاع دیتے تو آنحضور بنفس نفیس مریض مرگ کی عیادت کرتے یا اس کی فوتگی پر تجہیز و تکفین میں شرکت کرتے تھے۔ چنانچہ صحابہؓ نے آپ کو اس مشقت سے بچانے کے لئے یہ فیصلہ کیا کہ آنحضرت کو فوتیدگی کے بعد مطلع کیا جائے۔ آپؐ فوتیدگی پر تشریف لاتے اور نماز جنازہ پڑھاتے اور دعائے مغفرت فرماتے تھے۔ اس کے بعد کبھی آپ نماز جنازہ کے بعد واپس تشریف لے جاتے اور کبھی تدفین تک ٹھہرتے تھے۔ پھر صحابہ نے فیصلہ کیا کہ آنحضرت کو اس آمد و رفت کی زحمت سے بچانے کے لئے جنازہ ہی آپؐ کے حجرہ مبارک کے پاس اٹھا کر لایا جائے اور آپ یہیں نماز جنازہ پڑھا دیں۔ اس پر اتفاق رائے ہو جانے کے بعد اس پر عمل شروع ہو گیا۔ اور یہ جگہ جناز گاہ کہلائی۔

محمد بن عمر سے روایت ہے کہ اسی وجہ سے اس جگہ کا نام ''مصلیٰ الجنائز'' پڑ گیا اور آج تک یہ روایت برقرار ہے جناز گاہ میں نماز جنازہ کی ادائیگی کے بعد میت کو تدفین کے لئے جنت البقیع لے جایا جاتا ہے۔

جناز گاہ میں سنگ ساری کی سزا:

عہد نبویؐ میں سرکار دو عالمؐ نے زنا کاری میں ملوث ایک یہودی جوڑے کو اسی ''مصلی الجنائز'' کے مقام پر سنگ سار کرنے کا حکم دیا تھا۔ صحیح بخاری شریف کے مطابق جب آنحضرتؐ کی عدالت میں اس یہودی جوڑے کو پیش کیا گیا جو زنا کے مرتکب ہوئے تھے تو یہودی علماء نے کہا ہمارے ہاں اس جرم کی سزا منہ کالا کر کے گدھے پر پھرانا ہے، اس پر عبداللہ بن سلام نے آنحضرت کو مشورہ دیا ان سے توریت منگوایئے۔ جب توریت لائی گئی تو یہودی عالموں نے آیت رجم کو چھپانے کی کوشش کی مگر آخر توریت کی آیت رجم واضح ہو گئی تو آنحضورؐ نے ان کو رجم کرنے کا حکم دیا۔ ان دونوں کو بلاط یا سنگی فرش پوش پر رجم کیا گیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنی توسیع میں جناز گاہ کو برقرار رکھا تھا۔ پھر آٹھ سو سال تک یہاں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ 886ھ میں آسمانی بجلی گرنے کی وجہ سے آتشزدگی کا حادثہ پیش آیا۔

مسجد نبویؐ حادثات اور تعمیر نو:

886ھ میں طوفان باد و باراں اور آسمانی بجلی نے مسجد نبویؐ شریف کو بڑا نقصان پہنچایا،

Marfat.com

لیکن حجرہ شریف محفوظ و مامون رہا۔ قائتبائی نے مسجد شریف کی دوبارہ تعمیر و مرمت کروائی۔

عثمانی سلاطین کے عہد میں سلطان سلیم ثانی اور سلطان محمود نے مسجد نبویؐ کی تعمیر و توسیع اور آرائش و زیبائش کی طرف توجہ مبذول رکھی۔ سلطان محمود نے حجرہ نبوی کے گنبد مبارکہ کی دوبارہ تعمیر کروائی اور اسے سبز رنگ سے مزین کرایا۔ اسی زمانے سے یہ گنبد الخضراء کہلایا۔

عثمانی سلاطین میں مسجد نبوی شریف کی خدمت کی جو سعادت سلطان عبدالحمید کے حصے میں آئی وہ بہت کم سلاطین کو نصیب ہوئی ہے۔ انہوں نے مسجد نبویؐ شریف کو از سر نو تعمیر کرایا، ساری مسجد کو قبوں سے آراستہ کیا گیا اور ستونوں کو مطلا کرایا گیا۔ تعمیر نو کے بعد مسجد کا طویل 600 فٹ اور عرض 480 فٹ تھا اور قبلہ جنوب کے رخ پر تھا۔ سلطان عبدالحمید کے دورے میں اس کے آگے پیچھے دس گیارہ دالان بنے ہوئے تھے، بہترین نقش و نگار سے آراستہ، حسن و زیبائش میں ایک سے بڑھ ایک، اس کے وسیع صحن، صحن کے دائیں بائیں دونوں جانب صحن کے برابر دالان، در و دیوار پر قرآن مجید کی آیات، بعض احادیث کے ٹکڑے، اسمائے الٰہی، اسمائے رسولؐ، اسمائے صحابہ کبار سب موقع در موقع کندہ کیے گئے تھے جو مشہور ترک خطاط عبداللہ بک زہدی کے فنی کمال اور صنعت کاری کا بے مثال شاہکار ہیں۔ بڑی محراب، محراب عثمانی کے نام پر موسوم ہے۔ محراب نبویؐ کی مغربی جانب منبر ہے جو سنگ مرمر سے تراشا گیا ہے اور عمدہ نقش و نگار سے آراستہ ہے، اسی منبر اور روضہ مبارکہ (حجرہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ) کے درمیان ریاض الجنتہ واقع ہے۔ اسی حصہ میں محراب النبی اور مصلیٰ نبویؐ بنا ہے۔ اب اصل مصلیٰ ایک دیوار سے چھپ گیا ہے۔ علم حدیث کے شارحین کے مطابق یہ خطہ زمین نزول رحمت و حصول سعادت میں جنت کے باغیچوں کے مثل ہے اور اسی لئے ریاض الجنتہ کہلاتا ہے۔ اسی ریاض الجنتہ میں وہ آٹھ ستون واقع ہیں جنہیں ''اسطوانات رحمت'' کہا جاتا ہے۔ جن کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔

گنبد الخضراء:

مسجد نبوی شریف کے گوشہ جنوب و مشرق میں دالانوں کے اندر وہ سبز گنبد والا روضہ اقدس واقع ہے جس کی زمین کی فضیلت بقول مشہور محدث قاضی عیاض مالکی پوری روئے زمین سے بڑھ کر ہے۔

Marfat.com

اسی روضہ میں آنحضرتؐ کے پہلو میں ادب کے ساتھ ذرا بائیں طرف ہٹ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ فاروق آرام فرما ہیں۔ روضہ مبارک کی عمارت 30-35 فٹ لمبی اور اس سے کچھ کم چوڑی ہے۔ سب سے پہلے چاروں طرف لوہے اور پیتل کی جالی اور جنگلے کی دیواریں ہیں۔ ان جالیوں کی دیواروں میں جنوب مشرق اور شمال کے رخ پر دروازے بھی ہیں جو ہمیشہ بند رہتے ہیں۔ جالیوں کے اندر سیسہ بھری ہوئی گہری بنیادوں کے اوپر ایک پختہ چار دیواری، جو حجرہ مبارکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو پوری طرح گھیرے ہوئے ہے اور جس میں کوئی دروازہ نہیں۔ اس عمارت پر غلاف پڑا ہوا ہے اور گنبد خضراء اسی عمارت کے عین اوپر واقع ہے۔ اس کے اندر اصل حجرہ عائشہ صدیقہ ہے جو عہد نبویؐ میں کچا یا خام تھا۔ بعدازاں پختہ کر دیا گیا۔ یہ بھی ہر طرف سے بند ہے جالیوں والی چار دیواری کے اوپر خوش رنگ سبز غلاف پڑا ہوا ہے۔ مدینہ منورہ سے کعبۃ اللہ چونکہ جنوب کی سمت میں واقع ہے۔ اس لیے روضہ اطہر کے صدر دروازہ بھی جنوبی سمت میں واقع ہے اور یہی مواجہہ شریف کہلاتا ہے۔ اسی کے سامنے آستانہ عالیہ نبوتؐ میں حاضر ہوتے اور دست بستہ کھڑے ہو کر ادب سے صلوٰۃ و اسلام عرض کرتے ہیں۔ اس اس عمارت کے اندر ہی حجرہ عائشہ صدیقہؓ سے ملا ہوا ایک اور حجرہ بھی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے اسی حجرے میں وفات پائی تھی۔ مسجد کے دالان سے ملا ہوا بستان فاطمہؓ بھی تھا۔ سابق زمانے میں یہاں کھجور کے چند شاداب درخت لگے ہوئے تھے اور ان کا سایہ ایک کنوئیں پر پڑتا تھا جس کا پانی شیریں اور لطافت میں مشہور تھا۔ مگر اب یہ درخت کٹوا کر صاف کر دیئے گئے ہیں۔ مولانا عبدالماجد دریابادی نے لکھا تھا کہ پہلے مسجد میں سینکڑوں خدام ہوا کرتے تھے مگر پھر گھٹ کر کم رہ گئے تھے۔ موجودہ حکومت نے مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع، زیبائش و آرائش پر لاکھوں بلکہ کروڑوں ریال صرف کئے ہیں اور اس کو اتنا وسیع کر دیا ہے کہ لاکھوں زائرین کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ اسی حکومت کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ پہلے کسی زمانے میں مسجد میں چار مصلے ہوا کرتے تھے۔ جو چاروں اماموں یعنی حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کی طرف منسوب تھے جن پر سالک اربعہ سے تعلق رکھنے والے امام الگ الگ نماز پڑھاتے تھے مگر سعودی حکومت نے اسے حرم کعبہ کی طرح ایک ہی مصلے میں بدل دیا ہے۔ مسجد نبوی کی حالیہ تعمیر نو سے پہلے مدینہ منورہ میں حضرت ابوایوب انصاری، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور

Marfat.com

حضرت عثمان غنیؓ کے گھروں کی نشاندہی کی جاتی تھی لیکن حرم شریف کی تعمیر نو کے بعد ان مکانات کی جگہیں سڑک کے نیچے آ گئی ہیں اور اب ان کی نشاندہی نہیں کی جا سکتی۔

جنت البقیع:

مدینہ المنورہ کے آثار میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اہم ترین قابل زیارت مقام جنت البقیع یا بقیع الغد ہے۔ یہ فصیل شہر کے باہر ایک چار دیواری میں واقع یہ اہل مدینہ کا قدیم ترین قبرستان ہے جو عہد جاہلیت سے اسی مقام پر چلا آ رہا ہے۔ اس میں عہد اسلامی کی بہت سی معزز، مکرم، ومحترم شخصیات مدفون ہیں جن میں صحابہ کرامؓ، ازواج مطہراتؓ، تابعین عظام، آل بیت اطہار، آئمہ کبار اور بے شمار صلحائے امت شامل ہیں۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ یہ اصل میں ایک وسیع میدان تھا جو ایک قسم کی خاردار جھاڑیوں سے، جنہیں عربی زبان میں غرقد کہتے ہیں پر تھا۔ یہ میدان شہر کے جنوب مشرقی سرے پر روضہ نبویؐ سے تھوڑے سے فاصلے پر واقع ہے۔ قبرستان کی چار دیواری، جس کے ایک دروازے یعنی ''باب البقیع'' سے قبرستان میں داخل ہونے کا راستہ ہے منہدم ہو گئی تھی اسے دوبارہ تعمیر کیا گیا ہے۔

مہاجرین صحابہؓ میں سب سے پہلے اس قبرستان میں دفن ہونے والے صحابی رسولؐ حضرت عثمان بن مظعونؓ تھے جن کا انتقال 5ھ/ 626ء میں ہوا تھا۔ ہجرت نبویؐ کے بعد اس میدان سے خاردار جھاڑیوں کو صاف کر دیا گیا اور مدینے میں وفات پانے والے مسلمانوں کے لئے قبرستان کے طور پر اسے وقف کر دیا گیا۔ خاندان نبویؐ سے آنحضرتؐ کی صاحبزادیاں، آپ کے معصوم فرزند حضرت ابراہیمؑ، امہات المومنین (سوائے حضرت خدیجہؓ کے جو مکہ میں قبہ معلیٰ میں مدفون اور حضرت امام حسین کے سوا تمام اخلاف نبویؐ بھی یہیں مدفون ہیں۔ حضرت فاطمہ الزہرہؓ ۔، مزار کا مسئلہ بعض مورخین کی نظر میں متنازع ہے۔ یہاں مدفون ہونے والے جلیل القدر بزرگوں میں خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ، حضرت مالک بن انسؓ اور ان کے استاد نافع، نبی اکرمؐ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ اور خاندان بنی ہاشم سے آپؐ کے معزز چچا حضرت عباس بھی شامل ہیں۔ رفتہ رفتہ اہل بیت، آئمہ کرام اور صلحائے امت بقیع غرقد میں دفن ہونے کو

Marfat.com

اعزاز سمجھنے لگے تھے۔ اس قبرستان میں مشہور و معروف شخصیات کی قبروں پر شاندار قبے اور اسلامی فن تعمیر کے شاہکار گنبد و مقابر تعمیر کیے گئے۔ مثلاً مشہور اندلسی ساح ابن جبیر کے مطابق حضرت حسنؓ بن علیؓ اور حضرت عباسؓ کے روضوں کے گنبد خاصے بلند تھے لیکن 1924ء میں شاہ عبدالعزیز بن سعود کی فتح مدینہ کے بعد وہابی اخوان کے زیر اثر حکومت نے مقابر کو بدعت اور شرک اور خلاف اسلام قرار دے کر قبوں اور مزارات کو مسمار کر دیا۔ جب مغربی سیاح برک ہارٹ Burck Hardt یہاں آیا تو اس نے البقیع کو مشرق کا ایک ویران اور خستہ حال ترین قبرستان پایا۔ احد میں حضرت حمزہؓ کا مزار جو کہ اب موجود نہیں بلکہ سعودی رواج کے مطابق زمین بوس کر دیا گیا ہے اور نواح مدینہ میں مسجد قباء کی طرح البقیع بھی مدینہ المنورہ کے متبرک اور مقدس مقامات میں سے ایک ہے اور مدینہ آنے والے زائرین کے لئے اس کی زیارت بھی کار ثواب ہے۔

نبی کریمؐ کے عہد میں البقیع ایک چھوٹی سی جگہ تھی۔ حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت حلیمہ سعدیہ کی قبور اس کی حد سے باہر تھیں۔ یعنی عہد خلافت راشدہ میں حضرت عثمان غنی بقیع غرقد کے باہر ایک مقام حش کوکب میں مدفون تھے، جسے امویوں نے اپنے عہد خلافت میں بہت بعد میں جنت البقیع میں شامل کر دیا تھا۔ مؤرخین کے مطابق یہاں تک کہ وہ احاطہ بھی البقیع کی موجودہ حدود سے باہر تھا جس میں مدینہ منورہ پر اموی حملے کے وقت شہید ہونے والوں میں سے بعض مدفون تھے۔ 1221ء بمطابق 1806ء میں سعودیوں کے اولین دورِ حکومت میں شروع کے وہابیوں نے جو گنبد اور قبے گرائے تھے انہیں ترکی کے سلطان عبدالحمید ثانی نے از سر نو تعمیر کروا دیا تھا لیکن انہیں شاہ عبدالعزیز بن سعود نے 26-1924ء دوبارہ گرا دیا جس پر مسلم امہ میں سعودی حکومت کے خلاف نفرت کی ایک لہر ابھری تھی۔ 1926ء میں ایک اور مغربی ساح رٹر Rutter نے وہابیوں کے تسلط کے بعد مدینہ منورہ کی سیاحت کی تھی وہ جنت البقیع کو ایک ایسے شہر سے تشبیہ دیتا ہے جسے زلزلے نے تباہ کر دیا ہو۔ 1954ء میں شاہ سعود بن عبدالعزیز کے حکم پر حاجیوں اور زائرین کی اس قبرستان میں آمد و رفت کے لئے سارے قبرستان میں سیمنٹ سے پختہ راستہ بنا دیئے گئے تھے جس سے شاید وہاں موجود مزید قبور بھی مسمار کر دی گئیں۔

احد:

مدینہ منورہ سے تین چار میل دور دامن احد میں ایک چار دیواری کے اندر وہ صحابہ کرامؓ

Marfat.com

مدفون ہیں جو غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے۔ یہیں آنحضرتؐ کے پیارے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب مدفون ہیں۔ پہلے ان کی قبر الگ تھی۔ مدینہ منورہ کے شمال میں جبل سلع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے کتبات ملے ہیں۔

مسجد قبا:

بیرون شہر مسجد قبا ہے جو مدینہ منورہ سے جنوب مغرب کی طرف تین میل کی دوری پر واقع ہے۔ یہ وہ مسجد ہے جس کی بنیاد نبی اکرمؐ نے بوقت ہجرت مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے پہلے رکھی تھی۔ یہ مربع اضلاع کی مسجد ہے، جس کے وسط میں گنبد ہے۔ روائت ہے کہ آنحضرتؐ کی اونٹنی یہاں آ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس مسجد متبرکہ کا ذکر قرآن مجید میں ان الفاظ میں آیا ہے۔ ''یہ وہ مسجد ہے جس کی بنیاد روز ازل سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔'' (9-التوبہ) سعودی حکومت نے یہ مسجد دوبارہ تعمیر کروائی ہے۔ مسجد قبا سے پچاس قدم کے فاصلے پر ایک کنواں ہے جسے بئر اریس کہتے ہیں۔ روایت ہے کہ ہجرتؐ کے موقع پر اس کنوئیں کا پانی کھاری تھا، آنحضرتؐ نے اپنا لعاب مبارک اس میں ڈالا تو اس کا پانی میٹھا ہو گیا۔ یہیں عین الزرقاء کا (ایک چشمہ) منبع ہے۔ قبا کے گرد و نواح کا علاقہ نہایت زرخیز ہے اور ہمیشہ سے سرسبز و شاداب چلا آتا ہے۔ یہ علاقہ قدیم الایام سے اہل مدینہ کی سیر گاہ رہا ہے۔ مسجد قبا کو جاتے ہوئے سڑک کے بائیں جانب مسجد الجمعہ واقع ہے۔ آنحضرت نے مدینہ منورہ میں تشریف آوری سے پہلے یہاں نماز جمعہ ادا فرماء تھی۔ اس کی تعمیر سلطان بایزید عثمانی (886ھ تا 918ھ) نے کرائی تھی۔ اس مسجد کی عمارت نہایت خوبصورت ہے اس کی بھی دوبارہ تعمیر و مرمت کی گئی ہے۔

مسجد القبلتین:

دو قبلوں والی مسجد، مدینہ منورہ سے شمال مغرب میں کوئی ڈیڑھ یا دو میل کے فاصلے پر ایک ٹیلے پر واقع ہے۔ کہتے ہیں کہ نبی کریمؐ اس مسجد میں بیت القدس کی طرف رخ کر کے ظہر کی نماز ادا فرما رہے تھے کہ تحویل قبلہ کی وحی نازل ہوئی اور دوران نماز ہی آنحضرتؐ نے اپنا رخ بیت اللہ کی جانب کر لیا۔ اس مسجد میں دو محرابیں موجود ہیں۔ ایک کا رخ بیت القدس کی طرف اور دوسری کا مکہ معظمہ کی جانب ہے۔ سلطان سلیمان عثمانی نے 950ھ میں اس کی دوبارہ تعمیر

Marfat.com

کروائی تھی حالیہ زمانے میں سعودی حکومت نے اس کی تعمیر نو کی ہے۔اسی مسجد کے پاس ایک پرانا کنواں ہے جسے بئر رومہ کہتے ہیں۔اسے حضرت عثمان غنیؓ نے ایک یہودی سے جو اس کنوئیں کے پانی کو قیمتاً بیچا کرتا تھا، خرید کر اہل مدینہ کے لئے وقف کر دیا تھا۔اس کنویں سے حالیہ زمانے تک کھیت سیراب ہوتے رہے ہیں۔سعودی حکومت نے اس کے قریب باقاعدہ ایک ڈیری فارم اور پولٹری فارم قائم کر دیا ہے اور اس کنوئیں سے پانی کی ترسیل کے لئے ایک چار پانچ موٹا پائپ لگا دیا جو ہر وقت اس سے پانی کھینچتا رہتا ہے۔مسجد قبلتین کے مغرب میں وادی عتیق واقع ہے۔یہ اموی عہد میں اہل مدینہ کی تفریح گاہ تھی۔وادی عقیق میں اسی زمانے میں منعقد ہونے والی ادبی مجالس کے ذکر سے الاغانی کے اوراق معمور ہیں۔وادی عقیق کا ذکر آگے آتا ہے۔

ایک زمانے میں خلفاء، امراء اور شعراء کے محلات کی وجہ سے یہ وادی مشہور تھی۔اب صرف یہاں ان محلات کے کھنڈرات پائے جاتے ہیں۔مدینہ منورہ میں متذکرہ بالا مساجد کے علاوہ مسجد السقیاہ، مسجد الفتح، مسجد الغمامہ، اور مسجد الاجابتہ بھی قابل ذکر ہیں۔مسجد الفتح کے جنوب میں تھوڑے سے فاصلے پر سلسلہ وار پانچ چھوٹی مساجد ہیں جو حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ عظام کے نام پر موسوم ہیں۔

کتب خانے:

حجاز میں ہر عہد میں ملوک وسلاطین، وزراء و روسا علماء وفضلاء نے سینکڑوں کتب خانے قائم کئے مگر انقلابات زمانہ ان کے اوراق کو یکے بعد دیگرے منتشر و پریشان کرتے رہے۔آج کل مدینہ منورہ میں جو کچھ علمی آثار باقی ہیں وہ ترکوں کی علمی قدر دانی کی زندہ یادگاریں ہیں۔ایک محتاط اندازے کے مطابق مدینہ منورہ میں بیسویں صدی کے تیسرے ربع تک 14 چھوٹے بڑے ذاتی اور موقوفہ کتاب خانے تھے۔ان میں قابل ذکر شیخ الاسلام، عارف حکمت بے، مدرسہ محمودیہ اور مسکن سیدنا عثمان کے کتب خانے تھے۔آخر الذکر میں تفسیر، حدیث اور فقہ کی نادر و نایاب کتابوں کا ذخیرہ تھا۔بلحاظ وسعت، انتظام، صفائی اور حفاظت شیخ الاسلام عارف حکمت بے کا کتب خانہ بے نظیر تھا۔یہ کتب مسجد نبوی سے متصل باب جبریل کے قریب قبلہ رخ واقع تھا۔اس کے وقف کرنے والے عارف حکمت تیرہویں صدی ہجری کے مشہور

Marfat.com

ترک علماء میں سے تھے جو مدینۃ المنورہ میں اس زمانے میں قاضی متعین کئے گئے تھے۔ انہوں نے 1270ھ میں اس کتب خانے کی بنیاد رکھی تھی۔ اپنی دولت اور جائیداد کا بڑا حصہ اس پر صرف کیا اور کتابوں کا معقول ذخیرہ فراہم کیا اور ترکی میں اپنی جائیداد اس کتب خانے کی بقاء اور ترقی کے لئے وقف کر دی تھی۔ انقلاب مصطفیٰ کمال پاشا کے بعد ترکی سے آمدنی موقوف ہو گئی تھی۔ اس کتب خانے کی باہر والی دیوار پر عربی، فارسی، ترکی اور اردو کے مختلف قطعات نہایت خوشخط انداز میں لکھے ہوئے تھے۔ اس کتب خانے میں 20 سے 22 ہزار تک عربی، فارسی اور ترکی زبان کی کتابیں محفوظ تھیں جن میں اکثر غیر مطبوعہ اور قلمی کتابیں شامل تھیں۔ ان قلمی کتابوں کی فہرست بھی شائع کی گئی تھی۔

مکتبہ المصحف:

باب الصدیق میں واقع تھا۔ اس میں قرآن مجید کے نادر قلمی نسخے موجود تھے۔ ان کے دیکھنے سے آنکھیں روشن ہو جاتی تھیں۔ بیشتر قلمی قرآن مجید ہرن کی کھال پر لکھے ہوئے ہیں اور فن اسلامی خطاطی کا شاہکار ہیں۔

الجامعہ الاسلامیہ:

مدینہ منورہ میں الجامعہ الاسلامیہ یا اسلامی یونیورسٹی کی تاسیس اسلامی علوم کی تدریس و ترویج کے سلسلے میں سعودی حکومت کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ درحقیقت یہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت علمی کی صدائے بازگشت ہے۔ جامعہ الاسلامیہ مدینہ منورہ سے پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر وادی عقیق میں حضرت سعد بن العاص کے قدیم قصر کے پہلو میں واقع ہے۔ اس کا آغاز 1961ء میں ہوا تھا۔

Marfat.com

مدینہ منورہ کی قدیم تعمیرات

حصون یثرب:

یثرب کی قلعہ نما عمارتوں کا احصن کا قلعہ کہتے تھے۔ جیسے کہ حصن کعب بن اشرف، حصن سعد ابن ابی وقاص وغیرہ۔

النواحان:

اس نام سے قدیم یثرب میں دو حویلیاں حیان بن عامر کی تھیں۔ جو قبا میں قلعہ بنی انیف کے قریب واقع تھیں۔

حصن زبیر بن باطا:

زبیر بن باطا نامی یہودی سردار کی دو حویلیاں یا مکانات مدینہ منورہ کے جنوب مشرق میں تھیں۔ حصن زبیر باطا (جدید) بنو قریظہ کے بھائی بند ''بنو ہذل'' کے نام سے مشہور تھا۔

بنوانیف کا محلّہ:

عرب قبیلہ بنوانیف عمالقہ قدیم کی نسل سے تھا۔ یثرب میں ان کی رہائش بلی نامی محلے میں تھی۔ ان کے علاوہ بنی معاویہ بن حارث اور بنو جذماء بھی یثرب میں آباد تھے۔ ان عرب قبائل نے شہر میں اپنی 13 حویلیاں تعمیر کی ہوئیں تھیں۔ نبی پاک ﷺ نے مسلمانوں کو مزید ایسی عمارات تعمیر کرانے کا حکم دیا تھا۔ آپؐ نے ایک موقع پر فرمای تھا کہ ''یہ قلعہ نما حویلیاں مدینہ کا حسن ہیں۔''

الجوانیہ اور قلعہ بنو حارثہ:

انصار کا یہ قلعہ عہد نبویؐ میں مدینہ المنورہ کے شمال میں الجوانیہ کے مقام پر تھا۔ جو آج کل الجوعانیہ (باغ آل الدخیل) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ الجوعانیہ احد کے دامن میں مسجد

Marfat.com

العریض کے جنوب میں شارع عام الموصل پر واقع ہے۔ الجوعانیہ میں صرار اور الدیان نامی قلعے یہود مدینہ کی ملکیت تھے۔

الحصون بنی ثعلبہ:

العریض کے راستے میں بنو ثعلبہ اور اہل زہرہ کے دو قلعے یا حصون تھے۔ ان کا ایک اور حصن باغ سعد بن عبادہؓ کے قریب تھا۔ مسجد العریض آج بھی مدینہ منورہ کے پرانے ہوائی اڈے کی شاہراہ پر دائیں جانب دو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

قلعہ بنو زعوراء:

یہ قلعہ مدینہ کے شمال میں مشربہ ام ابراہیم بن محمدؐ نامی سبیل کے قریب واقع تھا۔ ام ابراہیمؑ ام المومنین حضرت ماریہؓ قبطیہ تھیں جن کے بطن سے یہ صاحبزادہ رسولؐ پیدا ہوئے تھے۔ مشربہ ام ابراہیمؑ کے آثار شارع الحزام کی طرف العوالی کے بائیں طرف مستشفیٰ الزہرہ اور مستشفیٰ الوطنی کے درمیان میں واقع تھے۔ لیکن اب مدینہ منورہ میں نئی تعمیرات کی وجہ سے معدوم ہو چکے ہیں۔ اوس کی شاخ بنی زعوراء کا ایک اور حصن یا قلعہ مخاف نامی علاقے میں واقع تھے۔

قلعہ بنو زید اللات:

یہ مشہور صحابی عبداللہ بن سلام کی حویلی تھی جو محلّہ بنی غصینہ کے نزدیک واقع تھی۔

جبل الرایہ اور قلعہ الشرعی العظیم:

اہل شواط کا یہ قلعہ مدینہ المنورہ کے شمال میں جبل ذباب کی جانب واقع تھا۔ بعد میں اس مقام کو جبل الرایہ کے نام سے موسوم کیا جانے لگا تھا۔ جبل الرایہ پر غزوہ احد میں نبی اکرم کا خیمہ نصب تھا جس پر پرچم اسلام لہراتا تھا۔ یاد رہے عربی زبان میں رایہ پرچم کو کہتے ہیں۔ شاید اسی نسبت سے یہ جگہ جبل الرایہ کہلانے لگی تھی۔

قلعہ الابیض:

مدینہ المنورہ کے شمال میں بنو عبدالاشہل کا یہ قلعہ قبرستان بنو عبدالاشہل اور قصر عراک (بنو جذماء) کے درمیان واقع تھا۔ اسے محلّہ یمنی بھی کہتے تھے۔ بعد کے دنوں میں بنو عبدالاشہل قلعہ الابیض چھوڑ کر قلعہ رائج میں منتقل ہو گئے تھے۔

Marfat.com

یلیان عین فاطمہ:

یہ وہ قلعہ نما مکانات تھے جہاں مسجد نبوی شریف کی اولین تعمیر کے لئے اینٹوں کو پکایا گیا تھا۔

المدشونیہ:

یہ محلّہ مدینہ منورہ کے جنوب مشرق میں قدیم دنوں سے آباد تھا۔ یہاں یہودی قبیلہ بنو قینقاع کے مکانات اور حصن موجود تھے۔ آج کل یہاں آل الرفہ کا باغ ہے جو شارع الامیر عبدالحسن (شارع قربان) پر واقع ہے۔ اس کے جنوب میں حدیقۃ الشعب نامی باغ تھا جو اب بھی موجود ہے۔

قلعہ بنی عبید:

یہ قلعہ قباء کے دار المجد بن سعد میں واقع تھا۔ اس کے قریب پختہ کھجوروں کا مشہور علاقہ دار حمید بن دینار واقع تھا۔

بنی ماسکہ کے قلعے:

یہ قلعے مدینہ کے مشرقی علاقے میں واقع تھے۔ ان میں سے دو قلعے القف کے مقام پر تھے اور ایک قلعہ اسماعیل بن زید نامی باغ میں واقع تھا۔

حصون اہل عباس:

یہ 11 مکانات تھے جن میں سے ایک حویلی الحسنی گلی کے دائیں طرف واقع تھی۔

قلعہ بنی قینقاع:

بنو قینقاع کی ایک حویلی فصیل شہر کے قریب واقع تھی۔ اسے ذوالشہر بھی کہا جاتا تھا۔

قلعہ بشر:

یہ بنو مرشد کی ملکیت تھا۔ یہ قلعہ بنو خطیمہ کے علاقے دار المعادتین کے قریب واقع تھا۔

قلعہ الابعش:

یہ قبا کے قرب و جوار میں واقع تھا اور قبیلہ بنو انیف کی ملک تھا۔ اس کا ایک اور نام "لاوہ" بھی تھا۔

Marfat.com

قلعہ الجیم بالصعبہ:

یہ قلعہ قبا میں قرن اسلام میں واقع تھا۔ اس کا مالک حیان بن عامر تھا۔

قلعہ ویرہ بن ثعلبہ:

یہ حصن قبا میں بئر عذق اور المنزعہ کے درمیان واقع تھا۔

حصون بنی نضیر:

بنو نضیر کا ایک قلعہ ام عشر اور ام عربع نامی محلوں کے درمیان تھا جبکہ ان کا دوسرا دار طہمان (العلوانی) میں تھا اور تیسرا حصن بنی نظیر (العلوانی) میں بعد سہل بن حنیفؓ کی ملکیت بنا۔

حصن عمرو بن مجاس، حصن العویلہ اور حصن فاضہ بھی بنو نضیر کی ملکیت تھے۔

حصون صیفی الانیفی:

بنوانیف کے دو قلعے قباء کے مشہور باغ کے پاس تھے۔

حصن الازرق:

یہ قلعہ اہل والج کی ملکیت تھا اور مقام ''سید الشہداء'' کے راسیت میں وادی قناۃ کے نشیب میں واقع تھا۔ مقام ''سید الشہداء'' پر حضرت حمزہؓ غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے۔

قلعہ النواعم:

یہ قلعہ النواعم کے باغات میں واقع تھا جو مدینہ کے جنوب میں تھے۔ ان دنوں یہ علاقہ النویغمہ کہلاتا ہے۔

حصن بنی زریق:

یہ الشرط میں واقع تھا جسے آج کل الخالدیہ کہا جاتا تھا۔

حصن حسانؓ بن ثابت شاعر رسول حسان بن ثابتؓ کے نام سے موسوم یہ قلعہ مسجد نبوی کے مینار اور بڑے دروازے کے درمیان واقع تھا۔ اس کے آثار مسجد نبوی میں پہلی سعودی توسیع کے دوران میں دیکھے گئے۔

Marfat.com

حصن المزدلف:

عتبان بن مالک کی یہ حویلی مدینہ کے جنوب میں وادی رانونا کے درمیان تھی۔ اس حویلی میں نبی کریمؐ نے نماز ادا کی تھی۔ چنانچہ عتبانؓ نے یہاں نماز پڑھنے کی جگہ مختص کر دی۔

قلعہ الاضبط:

یہ قلعہ بنو قریع بن عوف تمیمی کی ملکیت تھا جن کا تعلق اہل یمن سے تھا۔

حسن المجدل:

یہ قلع سقایہ سلیمان سے ملحقہ کھیتوں کے پاس واقع تھا۔ ان میں سے بعض کھیت یہودیوں کی ملکیت تھے۔

حصون الدرع:

تین قلعے مسجد الدرع کے پاس واقع تھے۔ ان میں سے ایک یہودیوں کی ملکیت تھا۔

حصن الاشنف:

بنو عبید کا یہ قلعہ صحابی برا ابن معرور بن سنانؓ کی ملکیت تھا اور ''بئر الخصی'' کے قریب واقع تھا۔

حصن مالک بن عجلان:

یہ حویلی وادی الشرقیہ کے قریب مسجد الجمعہ کے شمالی جانب تھی۔

حصن زیدان:

آل حارثہ کی ملکیت یہ حویلی مسجد قباء کے قبلہ رخ واقع تھی۔

قلعہ سوید: یہ سیاہ رنگ کی بڑی سی حویلی بنو عامر مالک بن بیاضہ نے تعمیر کی تھی جس کی شمالی دیوار منہدم ہو چکی تھی۔

قلعہ شاس:

مسجد قباء کے منارے کی جگہ یہ قلعہ بنو عطیہ نے تعمیر کیا تھا۔

Marfat.com

قلعہ الشجرہ:

یہ قلعہ محلہ بنی قریظہ میں کعب بن اسد قرظی کی ملکیت تھا۔

قلعہ الشیخ:

مقام الشیخ پر واقع یہ گڑھی چشم نامی عرب اور اس کے بھائی کی ملکیت تھی۔

قلعہ الشماح:

یہ حویلی بنو سلیم کے گھروں کے سامنے واقع تھی۔

قلعہ العقرب:

یہ حویلی بنو بیاضہ کی ملکیت تھی جو خزرج کی ایک شاخ تھے۔

قلعہ حشان:

مدینہ کے جنوب میں واقع یہ قلعہ بنو قینقاع کی ملکیت تھا۔ عبرانی زبان میں حشن کے معنی "باغ" ہیں اور اس کی جمع حشاشین ہے۔ قلعہ (حشاشین انگریزی زبان میں آکر Assassin یعنی سیاسی قاتل ہو گیا جس سے مراد قلعہ الموت حسن الصباح کی جنت میں وہ لوگ تھے جنہیں الصبا نشہ پلا کر مدہوش کر کے لے جاتا تھا اور پھر انہیں جنت کا لالچ دے کر مختلف اسلامی شخصیات کے قتل پر اکساتا تھا) حشان عراق جانے والے راستے کے دائیں طرف واقع تھا۔

قلعہ اصیحان بن جلاح:

العصبہ کے قریب واقع اس قلعے کو الصیحان بھی کہتے تھے۔ یہ سیاہ رنگ کی مربع عمارت تھی۔

قلعہ القرط:

یہ قلعہ قباء میں نبیؐ کے چچازاد ابوسفیان بن حارثؓ کے گھر کے قریب احجاز المراء اور مجلس بنی موالی کے درمیان تھا۔

Marfat.com

قلعہ المدینہ:

اسے بنوعمرو بن عوف ارسی نے الصفاصف اور وادی کے درمیان تعمیر کیا تھا ان کے دو اور قلعے ''عذق'' اور ''غزہ'' نامی بھی تھے۔ قلعہ غزہ قباء میں حبیب بن عمرو بن عوف نے تعمیر کیا تھا۔ بر عذق کے قریب بنوعمرو بن عوف کا قلعہ مستظل نامی بھی تھا۔

قلعہ فویرع:

یہ حویلی بنوغنیم کی ملکیت تھی۔ اس کی جائے وقوع پر شیخ الاسلام عارف حکمت کی لائبریری قائم تھی۔

قلعہ عاصم:

یہ قلعہ قباء کے دار توبہ بن حسین بن سائب بن ابی لبابہ میں واقع تھا۔ جس میں ایک بڑا سا باغ تھا۔

Marfat.com

یثرب کی وادیاں

یثرب کی وادیاں:

عرب میں وادیوں سے مراد ندیاں بھی لی جاتی ہیں جو بارشوں کی زیادتی وجہ سے بہنے لگتی ہیں۔ عام دنوں میں یہ خشک رہتی ہیں۔ مدینہ منورہ کے اردگرد کئی ایسی وادیاں ہیں جن میں وادی رانونا، وادی قناۃ، وادی عقیق اور وادی بطحان زیادہ معروف ہیں۔ یہ وادیاں شہر مدینہ کے شمال مغرب میں جا کر آپس میں مل جاتی ہیں۔ ان وادیوں کے سنگم کے مقام کو مجمع الاسیال کہلاتا ہے۔ مدینہ کے مغرب میں آج کل بہنے والی وادی عقیق اور وادی بطحان کے درمیان ثنیۃ الوداع، حرۃ الوبرہ اور جبل بنی عبید واقع ہیں۔ رانونا اور عقیق جنوب سے شمال کی طرف بہتی ہیں جبکہ قناۃ جنوب مشرق سے مغرب کو یہ بات بھی اعادہ کے قابل ہے کہ عربی میں ''وادی'' سے مراد دراصل ''ندی کے آس پاس کی زمین ہے۔'' لیکن عام طور پر اس سے ندی ہی مراد لی جاتی ہے۔

وادی عقیق:

وادی عقیق مدینہ منورہ کے عین مغرب سے گزرتی ہے۔ اس وادی اور شہر کے درمیان حرہ الوبرہ حائل ہے۔ یہ شمال کی طرف بڑھ کر وادی الحمد سے جا ملتی ہے۔ جسے قدیم تذکروں میں اضم لکھا جاتا تھا۔ یہ الوجہ کے جنوب میں بحیرہ الحمر میں جا گرتی ہے۔ کوہ عبر مدینہ المنورہ کے جنوب میں وادی العقیق کے دائیں کنارے پر واقع ہے۔ یہ وادی اپنا پانی آس پاس کی برکانی گزرگاہوں سے حاصل کرتی ہے۔ زور کی بارش کے بعد اس وادی میں ایک وسیع و عریض دریا بہنے لگتا ہے جسے محققین دریائے فرات کے مثل بتاتے ہیں۔ امساک باران کی صورت میں اس وادی میں پانی کے ذخیرے صرف کنوؤں تک محدود ہو جاتے ہیں۔ جن سے انسان حیوان اور درخت اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ عہد نبویؐ میں مدینہ سے مکہ جانے والی شاہراہ کی پہلی منزل یہی وادی عقیق تھی۔ یہ شاہراہ اس وادی سے گزر کر ذوالحلیفہ پہنچتی تھی۔ یاد رہے آج کل بھی یہی راستہ

Marfat.com

اختیار کیا جاتا ہے۔ایسی متعدد روایات موجود ہیں۔ جن میں آنحضرتؐ نے وادی عقیق کو''مبارک وادی'' کہا ہے اور آپؐ اس وادی کے لئے شوق شیفتگی رکھتے تھے۔ اسی وادی میں خدا کے ایک فرشتے نے آپ کو ایک مرتبہ عبادت کرنے کے لئے کہا تھا۔

وادی عقیق کی لمبائی 150 کلومیٹر ہے۔ اور یہ دو حصوں میں تقسیم کی گئی ہے۔ ایک حصہ وادی صغیر کہلاتا ہے جبکہ دوسرا وادی کبیر وادی کا شمالی حصہ وادی صغیر کہلاتا ہے۔ اس حصے میں مشہور کنواں بئر رومہ واقع ہے جسے بعد ازاں بئر عثمان بھی کہا جاتا تھا۔ اس کنوئیں کو حضرت عثمان نے ایک یہودی سے خرید کر مسلم اہل مدینہ کے لئے وقف کیا تھا۔ خلافت راشدہ کے زمانے میں وادی کے اس حصے میں زراعت کا خاصا کام کیا جاتا تھا کیونکہ یہاں کی زمین خاصی زرخیز تھی۔ جنوبی حصے یعنی وادی الکبیر میں قصر عروہ اور مزید ستر مکانات واقع تھے۔ ایک روایت کے مطابق اس علاقے میں حضرت علیؓ نے 70 کنوئیں کھدوائے تھے۔ محققین کو اکثر وادی عقیق کے متعلق یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ اس کا ایک حصہ نبی اکرمؐ نے بلال بن حارث مزنی کو عطا کیا تھا مگر دائرہ معارف اسلامیہ دانش گاہ پنجاب کے مطابق عرب کے بعض اور حصوں میں بھی عقیق نام کی وادیاں موجود تھیں۔ ایک اور وادی عقیق بنو مزینہ کے علاقے میں واقع تھی اسے آنحضرتؐ نے بلال بن حارث مزنی کو بطور جاگیر عطا کیا تھا۔ چونکہ بلال بن حارث نے اس قطعہ زمین کو بہتر بنانے کی کوئی کوشش نہیں کی اس لئے حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے خلافت میں اس وادی کا بیشتر حصہ بلالؓ سے واپس لے کر دوسرے مستحق مسلمانوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

خلیفہ چہارم حضرت علیؓ کے خلیفہ منتخب ہو جانے کے بعد حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اپنی وادی عقیق والی جاگیر میں عزلت نشین ہو گئے تھے۔

بہر حال وادی عقیق کا پانی اس قدر شیریں تھا کہ وہ دور دراز عراق تک خلیفہ ہارون الرشید کے پینے کے لئے بھیجا جاتا تھا۔

مسجد ذوالحلیفہ اور مسجد معرس:

مدینہ سے مکہ عمرہ یا حج کی نیت سے جانے والے افراد آج کل اسی مسجد سے احرام باندھتے ہیں۔ یہ وادی عقیق میں واقع ہے۔ اس کے علاوہ اور مسجد معرس ہے جہاں نبی اکرمؐ نے مقامی لوگوں کے ساتھ نماز ادا کی تھی۔

Marfat.com

وادی بطحان:

مدینہ منورہ کے جنوب میں عوالی کے مقام پر مشرق وجنوب سے آنے والی تین وادیوں کا سنگم ہے۔اس سنگم سے وادی بطحان وجود میں آتی ہے جو اس کے بعد شمال مغرب کا رخ کرتی ہے اور مدینہ منورہ کے مغرب میں واقع مسجد الفتح کے قریب سے بہتی ہوئی مجمع الاسیال کی طرف چلتی جاتی ہے۔اس کے مشرق میں جرف، عرصہ، بدائع اور جبل سلع واقع ہیں جبکہ مغرب میں شینہ الوداع، ثیتہ النور، راس الثینہ اور حرہ وبرہ واقع ہیں۔اس وادی کے جنوب مغرب میں انصار بنو ساعدہ، بنو بیاضہ اور بنو سالم بن عوف کے حصن یا گڑھیاں تھیں۔راس الثینہ اور ثیتہ النور کے درمیان بنو سلمہ آباد تھے۔ نبی اکرمؐ نے ہجرت کے وقت قبا سے یثرب جاتے ہوئے بنو سالم بن عوف اور بنو بیاضہ کے محلوں کے مشرق سے گزر کر وادی بطحان عبور کی تھی اور پھر بنو نجار کے محلے کی طرف تشریف لے گئے تھے جو اس زمانے میں یثرب کے مشرق میں واقع تھا۔

محققین کے مطابق وادی بطحان کے درمیان بھی اہل مدینہ کے گھر واقع تھے جہاں سے سیلاب کے پانی کا دھارا گزرتا تھا۔کچھ پانی وادی کے نشیبی علاقوں میں کھڑا رہتا تھا۔جبکہ باقی پانی بنی خطمہ کے علاقے سے ہو کر زغابہ کے پاس وادی عقیق میں جا گرتا تھا۔وادی بطحان الماجشونیہ سے شروع ہو کر مسجد فتح کے عقب میں آکر ختم ہو جاتی تھی۔

وادی رانونا:

یہ وادی مدینہ منورہ کے جنوب میں واقع پہاڑ ''جبل عیسر'' کے بائیں جانب واقع ایک اور پہاڑ سے شروع ہوتی ہے۔جبل عیر قبا کے جنوب میں ہے اس جانب مشرقی حرہ یا حرہ واقم پر ایک جنگل بھی واقع تھا۔یہ وادی قرن صریح کے علاقے سے گزرتی ہے۔اس کے ایک جانب سد عبداللہ بن عمرو بن عثمان تھا جو سد عنتر کے نام سے بھی مشہور تھا۔وادی رانونا کے دائیں طرف قبا کا علاقہ ہے جہاں بنو عوف اور بنوانیف آباد تھے۔قبا کے شمال میں آنحضرتؐ نے بوقت ہجرت وادی رانونا کو عبور کر نماز جمعہ ادا فرمائی تھی جو سرزمین مدینہ میں بنو بیاضہ اور بنو ساعدہ اور بنو عوف کے محلوں میں ادا فرمائی گئی تھی۔

وادی رانونا سد عبداللہ اور حرہ واقم کی طرف سے بہتی ہوئی آکر قبا اور عصبہ کے مغرب

Marfat.com

سے گزرتی ہے۔ آگے عوالی یا العالیہ کے مغرب سے ہوتی ہوئی یہ وادی بطحان میں شامل ہو جاتی ہے۔ اس کا کچھ پانی دار الشواتر میں بنی زریق کے گھروں تک جاتا تھا۔

وادی مذینیب:

اس وادی کو وادی مذینب بھی کہا جاتا تھا۔ مشرق کی سمت سے آنے والی یہ وادی روضہ بنوامیہ کے پاس سے بہتی تھی۔ یہاں بنوامیہ کا باغ تھا۔ آگے چل کر اس کا پانی زغابہ کے مقام پر جمع ہو جاتا تھا۔ شمال مشرق سے ایک اور ندی، وادی مہزور بہتی ہوئی آتی تھی اور ان دونوں ندیوں کا سنگم بنوخطمہ کے محلے کے نزدیک ''فضا'' کے مقام پر واقع تھا۔ اس سنگم کے مشرق جانب یہود بنوقریضہ کی آبادی تھی۔ آگے اس ندی کا پانی مشرق الہن نامی بستی سے گزرتا تھا حتیٰ کہ وہ وادی رانونا کے پانی سے جاملتا تھا۔ بنونضیر کے یہودی وادی مذینیب کے جنوب میں آباد تھے جہاں کعب بن الشرف یہودی کا قلعہ تھا۔ یہ علاقہ العالیہ کہلاتا تھا۔

وادی مہزور:

یہ وادی حرہ شرقیہ یا حرہ واقم کے علاقہ شوران سے چلتی تھی اور مدینہ منورہ کے جنوب میں بنوقریضہ کے علاقہ تک آتی تھی، پھر فضا کے مقام پر وادی مذینیب سے مل جاتی تھی۔ اس سے پہلے اس کا پانی بنوامیہ بن زید کے گھروں کے پاس سے گزرتا تھا۔ بقیع اور یہود بنوقینقاع اور بنو واقف کے محلے وادی مہزور کے شمال میں واقع تھے جبکہ بستی بنوقریظہ اس کے جنوب میں تھی۔ بقیع کے اردگرد کھجوروں کے باغ اسی وادی کے پانی سے سیراب ہوتے تھے۔ وادی مہزور کا ایک دھارا مروان بن حکم چوتھے۔ خلیفہ بنوامیہ کے قصر کے گرد سے ہو کر قصر بنو یوسف تک جاتا تھا اور پھر بقیع کا رخ کر لیتا تھا حتیٰ کہ وہ مدینہ کے مشرق میں بنوجدیلہ کے علاقے سے گزر کر شمال میں وادی قناۃ میں شامل ہو جاتا تھا۔

ابن شبہ نمیری کے بیان کے مطابق عہد حضرت عثمان غنیؓ میں ایک مرتبہ وادی مہزور میں اتنا شدید سیلاب آیا تھا کہ شہر النبیؐ کے زیر آب آجانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے بئر مدری نامی کنوئیں کے نزدیک پتھروں اور مٹی سے ایک بند تعمیر کروایا تھا تاکہ مدینہ منورہ عموماً اور مسجد نبوی خصوصاً اس سیلاب کے پانی سے محفوظ رہے۔

Marfat.com

وادی قناۃ:

وادی قناۃ مدینہ منورہ کے شمال مشرق اور پھر شمال سے گزرتی ہے جہاں جبل احد اس کے شمال کی سمت میں آتا ہے۔ یادر ہے کہ یثرب کی یہی وہ وادی تھی جس میں یمن کا حمیری بادشاہ تبع داخل ہوا تھا اور اس کی وسعت دیکھ کر اس کے منہ سے نکلا تھا۔ "ھذا قناۃ الارض" "یہ تمام روئے زمین کی نہر ہے"۔ کہتے ہیں کہ اسی تاریخی وجہ کی بناء پر یثرب کی اس وادی کا نام "وادی قناۃ" پڑ گیا تھا۔ اسے وادی شطاۃ بھی کہا جاتا ہے۔ مورخ المدائنی کے مطابق وادی قناۃ طائف سے آنے والے راستے میں پڑتی ہے اور ارحفیۃ اور قرقرۃ الکدر کے علاقوں سے گزر کر بئر معاویہ نامی کنوئیں تک آتی ہے پھر شہدائے احد کی قبور کے قریب سے گزرتے ہوئے یہ زغابہ کے علاقے میں مجمع الاسیال میں آگرتی ہے۔

جغرافیہ دانوں کے مطابق وادی قناۃ کا شمار حجاز کی بڑی وادیوں میں ہوتا ہے۔ اس میں سیلاب عموماً طائف کی جانب سے آتا تھا۔ 690ھ میں وادی قناۃ میں اتنا شدید سیلاب آیا تھا کہ جبل عینین کے سامنے جبل الرماۃ کے آس پاس بڑے بڑے گہرے کھڈے پڑ گئے تھے اور چار ماہ تک سیلابی پانی مسلسل بہتا رہا تھا۔ اہل مدینہ باب البقیع کے اونچے مقام پر کھڑے ہو کر اس کا مشاہدہ کرتے تھے۔ یادر ہے کہ جبل الرماۃ وہ پہاڑی ہے جس پر نبی پاکؐ نے غزوہ احد کے موقع پر پچاس تیر انداز حفاظتی امور کے لئے متعین فرمائے تھے اور انہیں تاکید کی تھی کہ فتح یا شکست دونوں صورتوں میں اس جگہ کو نہیں چھوڑنا مگر جنگ کے پہلے مرحلے میں جب مسلمانوں کا پلہ مشرکین مکہ پر بھاری ہوا اور فتح کے آثار دکھائی دینے لگے تو ان تیر اندازوں نے مال غنیمت کے حصول کے لئے اپنی یہ جگہ نبی اکرمؐ کی تاکید کے باوجود چھوڑ دی تھی نتیجتاً خالد بن ولید نے موقع کی نزاکت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جبل الرماۃ کے اوپر کی جانب سے لشکر اسلام پر حملہ کر دیا جس کی وجہ سے مسلمانوں کو شدید نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ غزوہ کے موقع پر وادی قناۃ کے جنوب میں خندق کھودی گئی تھی۔

جبل الحرم النبوی شریف:

عثمانی سلطان عبدالمجید خاں (1839-1861ء) نے حرم نبوی کی توسیع کا کام شروع کیا تو ترک ماہرین تعمیر نے مدینہ کے نزدیک واقع ایک پہاڑ کے خوبصورت سنگ سرخ کو

Marfat.com

استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ پہاڑ وادی عقیق کے ایک جانب واقع ہے۔ اس مقصد کے لئے پہاڑ کے دامن میں سنگ تراشوں اور کاریگروں کی ایک پوری بستی آباد کی گئی جہاں ہنرمند پتھروں کو تراش خراش کر کے قابل تعمیر بناتے تھے۔ حرم نبوی میں ستون نصب کرنے کے لئے اس پہاڑ کی سنگلاخ چٹانوں کو اس مہارت سے کاٹ کر تراشا گیا کہ بغیر جوڑ کے مکمل ستون نکال لئے گئے۔ بعض ستونوں میں جوڑ بھی لگایا گیا۔ یوں تیرہ برس کی محنت شاقہ کے بعد سلطان عبدالمجید خان اول کی وفات کے تقریباً 3 سال بعد 1864ء/1280ھ میں حرم نبویؐ کی وہ تعمیر مکمل ہوئی جو آج مسجد شریف کے اندرونی حصے میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اس پہاڑ کے پتھروں کے حرم النبو شریف کی تعمیر میں استعمال ہونے کی وجہ سے جبل الحرم النبوی شریف پڑ گیا۔

جبل الصھوہ:

یہ وادی عقیق کا وہ حصہ ہے جو مدینہ منورہ کی سمت میں واقع تھا۔ اس حصے میں کچھ زمین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو عطا کی گئی تھی۔

زغابہ:

یہ مقام وادی عقیق اور الصغیر کے عقب میں واقع ہے۔ اسی مقام پر حضرت حمزہؓ کی قبر واقع ہے۔ یہاں حضرت سعد بن ابی وقاص کی زمین میں مدینہ کی ندیوں کا پانی جمع ہو جاتا تھا جسے مجمع الاسیال کہتے تھے۔ اس جگہ کو وادی اضم بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہاں چاروں طرف سے آنے والی ندیوں کا پانی باہم ضم ہو جاتا تھا۔

جبل حبشہ:

یہ پہاڑ وادی عقیق کی مغربی سمت میں واقع ہے۔ اس کے نزدیک غزوہ احزاب کے موقع پر قریش کے حبشی غلاموں نے قیام کیا تھا۔ شاید اسی نسبت سے اسے جبل حبشہ کا نام دیا گیا ہے۔

---

(۱) سلطان عبدالمجید خان اول: سلطان عبدالمجید خان اول سلطان محمود ثانی کا بیٹا تھا۔ یکم جولائی 1839ء کو مسند نشین ہوا اس کے عہد کے اہم واقعات میں خط شریف گل خانہ کا اجرا ہے جو خط ہمایوں بھی کہلاتا ہے۔ اس سلطان نے حرمین شریفین کی تعمیر و توسیع میں خصوصی دلچسپی لی تھی۔

Marfat.com

میدان ومقام بدر

المکہ اور مدینہ منورہ کے درمیان حجاز کا مشہور چشمہ البدر واقع ہے۔ 2ھ میں اس مقام پر عہد نبوی کا پہلا اہم غزوہ پیش آیا۔ مدینہ المنورہ کے جنوب مغرب میں بندرگاہ الجار سے ایک شبانہ منزل پر واقع ہے۔ قدیم محققین میں علامہ شبلی نے لکھا تھا کہ مقام بدر مدینہ سے 80 میل دور ہے۔

زمانہ جاہلیت میں بھی اس مقام کو ایک خاص اہمیت حاصل تھی کہ یکم ذیقعد سے آٹھ دن تک یہاں ہر سال ایک بڑا میلہ لگتا تھا۔ عصر جدید میں بھی یہاں ہر جمعہ ایک میلہ لگتا رہا ہے۔ جہاں گھی، کھالیں، روغن بلسان، اونٹ، بکریاں، اونی، عبائیں وغیرہ فروخت کے لئے آتی تھیں۔ مشہور جغرافیہ دان یاقوب نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ اس مقام کا نام بدر بدر بن یخلد بن النضر بن کنانہ کی طرف منسوب ہے۔ آغاز اسلام کے زمانے میں یہاں بنوضمرہ آباد تھے۔ ان کی ایک شاخ بنوغفار تھی، جس کی اصلاح کے لئے حضرت ابوذر غفاریؓ مامور کئے گئے تھے۔

محققین کے مطابق 1939ء میں یہاں ایک گاؤں آباد تھا جس میں عموماً ایک منزلہ پتھر کے کئی سو مکانات تھے۔ اس قریہ میں دو مساجد بھی تھیں جن میں ایک کو مسجد عریش یا مسجد عمامہ کہتے تھے جو یہاں کی جامع مسجد تھی۔ یہ مسجد ٹھیک اسی مقام پر تعمیر ہوئی تھی جہاں غزوہ بدر کے دن آنحضرتؐ کے لئے ایک سائبان بایا گیا تھا۔ یہ جگہ ایک ٹیلے کے اوپر واقع ہے۔ عریش عربی زبان میں سائبان کو کہتے ہیں۔ اس ٹیلے سے میدان کارزار صاف نظر آتا تھا مگر اب نئے باغ حائل ہو گئے ہیں۔

میدان بدر بیضوی شکل کا ساڑھے پانچ میل لمبا اور ساڑھے چار میل چوڑا وسیع میدان ہے۔ اس میدان کے اردگرد اونچے اونچے پہاڑ ہیں۔ مکہ، شام اور مدینہ منورہ کو جانے والے راستے جنوب، شمال اور مشرق کی وادیوں سے آ کر بدر کے مقام پر ملتے ہیں۔ ترکوں کے دور میں ایک سابق والی حجاز شریف عبدالمطلب کا بنایا ہوا قلعہ اب کھنڈرات میں بدل چکا ہے۔ بیسویں صدی میں حجاز آنے والے ایک مغربی سیاح برک ہارٹ Burk Hardt کا بیان ہے کہ یہاں

Marfat.com

کچی مٹی کی ایک نکمی سے فصیل تھی، مگر اب اس کے آثار نہیں ملتے۔ بدر ایک ریتلا اور سنگلاخ علاقہ ہے، مگر اس کے جنوب مغربی حصے کی زمین پولی ہے۔ یاد رہے یہ وہی جگہ ہے جہاں جنگ بدر کے دوران قریش نے اپنا پڑاؤ لگایا تھا جو غزوہ بدر کے دن بارش ہو جانے کی وجہ سے دلدلی زمین میں تبدیل ہو گئی تھی۔ یہ آج کل ایک سرسبز نخلستان میں تبدیل ہو چکا ہے، یہاں آبپاشی کے لئے ایک چشمہ اور ایک کاریز ہے۔ جس کا بہاء شمال مشرق (مدینہ کے راستے) سے جنوب مغرب (مکہ کے راستے) کی طرف ہے۔ اسی لئے عین غزوہ بدر کے دن اس کاریز کو کاٹ کر لشکر قریش کو پانی سے محروم کر دینا آنحضرت ؐ کے لئے ممکن تھا۔ جغرافیائی اعتبار سے بدر وادی یلیل میں واقع ہے۔ اس کے دونوں سروں (شمال مغرب اور جنوب مشرق) پر ریت اڑ اڑ کر جمع ہوتی رہتی ہے۔ حتیٰ کہ خاصے بلند ٹیکرے بن گئے ان کے قرآنی نام ''العدوۃ الدنیا اور العدوۃ القصویٰ وغیرہ ہیں جو قرآن مجید کے سورہ الانفال میں بیان کئے گئے ہیں۔ ان دونوں ٹیکروں کے درمیان جنوب مغرب میں ایک خاصا بلند پہاڑ ہے، جو اب جبل اسفل کہلاتا ہے اور یہاں سے سمندر صاف نظر آتا ہے۔ البکری اور المقدسی جیسے مسلم جغرافیہ دانوں نے اپنی کتب جغرافیہ میں یہاں کی زرخیزی اور کھجوروں کا ذکر کیا ہے۔ المقدسی نے لکھا ہے کہ یہاں مملوک مصر کی تعمیر کردہ چند مسجدیں ہیں۔

جنگ بدر:

ہجرت کے بعد جب مسلمانان مدینہ نے قریش کی جارحانہ حکمت عملیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے مدینہ کے قریب سے گزرنے والے قریش کے تجارتی قافلوں کو روک کر قریش پر معاشی دباؤ ڈالا تو یہ جنگ بدر کا فوری سبب بن گیا۔

ادھر آنحضرت قریش مکہ کے ناپاک عزائم سے مکمل طور پر باخبر تھے اور ان کی ہر قسم کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ کئی ایک مرتبہ اصحابہ کرام کے گروہوں کو مدینہ کے دفاعی مقاصد کے لئے روانہ کر چکے تھے تاکہ دشمن مدینہ پر حملہ آور نہ ہو جائے۔ مشہور مؤرخ ابن خلدون نے عمرو بن الحضرمی کے قتل کے واقعہ کو جو رجب 2ھ میں پیش آیا تھا۔ جنگ بدر کی تمہید قرار دیا ہے۔ ادھر ابوسفیان کی قیادت میں شام سے آنے والے قریش کے قافلے کے بچاؤ کے لئے ابوسفیان نے پیش قدمی کے طور پر شام سے ہی مکہ کی طرف قاصد دوڑا دیئے تھے کہ مسلمان

Marfat.com

اس قافلے پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان سب باتوں کی وجہ سے قریش مکہ ایک بڑی جمعیت کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے۔ صحابہ کرام سے مشورہ کر کے 8 رمضان 2 ہجری یا 12 رمضان کو آنحضرت بھی 313 جانثاروں کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور منزل بمنزل 17 رمضان کو بدر کے قریب پہنچے۔

ادھر صورت یہ پیش آئی کہ شام سے ابوسفیان کی قیادت میں آنے والا قریشی کارواں صحیح وسلامت مکہ پہنچ گیا۔ اس وجہ سے کچھ سرداران قریش نے کہا کہ اب لڑائی کی ضرورت نہیں رہی مگر ابو جہل نے لڑائی پر اصرار کیا۔ قریش کو آمادہ جنگ دیکھ کر مسلمانوں کے لئے بھی لڑائی ناگزیر ہوگئی۔ آنحضرتؐ نے بڑی دانشمندی سے میدان بدر میں پڑاؤ کیا اور اور پانی کے چشمے پر قبضہ کرلیا۔ قلت تعداد و اسلحہ کے باوجود آپؐ نے اپنے بہادر ساتھیوں میں اعتماد و یقین فتح پیدا کیا۔ پھر میدان جنگ میں گھوم پھر کر صفیں درست کیں اور پیغمبرانہ طور پر نشاندہی فرمائی کون کون دشمن کہاں کہاں قتل ہو کر گرے گا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پھر جنگ کے دن لڑائی کا آغاز یوں ہوا کہ کفار مکہ میں سے پہلے عامر الحضرمی (جو عمرو بن الحضرمی کا چھوٹا بھائی تھا) آگے بڑھا۔ اس کے بعد کچھ دیر تک عرب روایات کے مطابق اکیلے اکیلے آدمی عوت مبازرت دیتے رہے۔ اس کے بعد عام لڑائی شروع ہوگئی۔ لڑائی کے دوران جب عتبہ اور ابو جہل مارے گئے تو قریش کے پاؤں اکھڑنے لگے اور مسلمان انتہائی قلیل تعداد اور کمتر ساز وسامان واسلحہ کے باوجود فتح مند ہوئے۔ جنگ بدر تاریخ اسلام کی ایک فیصلہ کن جنگ ہے۔ فتح جنگ بدر میں مسلمانوں کے لئے تائید ایزدی شامل ہونے کے علاوہ آنحضرتؐ کی جنگی حکمت کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مثلاً جب میدان بدر میں صف بندی کی تو سورج کو پس پشت رکھا اور ہدایت کی کہ بلا اجازت حملے کے لئے آگے نہ بڑھا جائے۔ دشمن دور ہو تو تیر ضائع نہ کئے جائیں۔ اسے نزدیک آنے دیا جائے اور جب بہت قریب آجائیں تو تیر کی بجائے پتھر مارے جائیں اور نیزہ وتلوار سے کام لیا جائے۔ اس جنگ کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ الانفال میں بالصراحت کیا گیا ہے۔ یہ جنگ عرب فن حرب میں ایک لاثانی کارنامہ ہی نہیں بلکہ تاریخ عالم کا ایک اہم واقعہ بھی ہے۔ کہ اس کے ساتھ ہی اسلام کی فتوحات کا آغاز ہوگیا۔

Marfat.com

خیبر

خیبر حجاز کا ایک سرسبز نخلستان ہے جو سطح سمندر سے 2800 فٹ بلند اور مدینہ منورہ سے 125 میل یا تقریباً 184 کلومیٹر شمال میں بری راستے سے آنے والے حجاج کی شاہراہ پر واقع ہے۔ عہد نبویؐ میں غاب یعنی جبل احد کے مغرب سے گزرتے تھے۔ اب جدید ہوائی اڈے سے اتصال کی خاطر مشرق سے گزرتے ہیں۔ تقریباً ایک سو کلومیٹر تک یہ راستہ تنگ اور پیچدار دروں سے ہوتا چلا گیا ہے۔ اس کے دونوں طرف بلند و بالا پہاڑ ہیں۔ اسی ساری مسافت میں پتھر ہوں یا مٹی، حرہ یعنی آتش فشانی سے جلے ہوئے عناصر پر مشتمل ہیں۔ درخت اور پانی اس علاقے میں نام کو نہیں۔ اکا دکا بکریاں چرتی ہوئی نظر آجاتی ہیں جو بہت پستہ قد ہوتی ہیں۔ یہ بھی دودھ نہیں دیتیں بلکہ ان کا صرف گوشت استعمال کیا جاتا ہے۔ مدینہ سے خیبر تک صرف دو آبادیاں راستے میں ملتی ہیں۔ پہلی صلصال کہلاتی ہے جو 128 کلومیٹر پر واقع ہے اور کافی سرسبز ہے۔ مقامی لوگوں کا بیان ہے کہ بستی کے نصف حصے میں کنوؤں کا پانی کڑوا ہے اور نصف حصے کے کنوؤں کا پانی میٹھا ہے۔ محققین کا خیال ہے کہ ممکن ہے فدک یہی ہو۔ اس سے آگے ایک دوسری چھوٹی اور ویران سی بستی ہے۔

خیبر بھی ایک حرہ ہے۔ مدینہ سے آئیں تو شہر سے پندرہ بیس کلومیٹر کے فاصلے پر سفید اور قابل کاشت لیکن افتادہ زمینیں ملتی ہیں جو دس بارہ کلومیٹر کے علاقے میں پھیلی ہوئی ہیں۔ بعدازاں پھر حرہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس حرے میں شاہراہ کے دائیں جانب قدیم یہودی کھنڈرات میلوں تک پھیلے ہوئے ہیں جن میں کچھ تالابوں کے منہدم بند نظر آتے ہیں۔ گرمی میں پانی خشک ہو جاتا ہے تو ان تالابوں کی تہہ میں جمی ہوئی مہین مٹی دور دور تک نظر آتی ہے۔ امریکی انجینئر ٹو یچل Twi Tchell نے سعودی عرب کی زراعت کے لئے جو پیمائشی رپورٹ تیار کی تھی اس میں یہاں سدالحصید اور پانچ دیگر تالابوں کا ذکر کیا تھا۔ یاد رہے غزوہ خیبر پر تشریف

Marfat.com

لیجاتے ہوئے آنحضرتؐ نے سد الصہبا میں قیام کیا تھا۔ محققین نے اسے بھی یہیں کہیں بتایا ہے۔ اس کے آگے ایک پست اور وسیع وادی ہے جس میں شہر خیبر آباد ہے۔ یہ نخلستانوں سے اس قدر اٹا ہوا ہے کہ کسی بلندی پر سے بھی شہر کے خط و خال بالکل نظر نہیں آتے۔ عہد نبویؐ میں محلّہ الکتیبہ میں کھجور کے چالیس ہزار پیڑ بیان کیئے گئے ہیں۔ آج کل بھی شہر کے جنوب میں، ایک بلند پہاڑ کے دامن میں کئی میل لمبا ایک گھنا نخلستان ہے۔ خیبر میں عصر حاضر میں عنیزہ قبیلے کے عرب آباد ہیں۔ کہتے ہیں کہ فصل کٹنے کے زمانے میں ہنگامی ابادی پچیس سے تیس ہزار تک ہو جاتی ہے، ورنہ مستقل آبادی صرف آٹھ سے دس ہزار کے لگ بھگ بیان کی جاتی ہے۔ شہر میں کئی بلند ٹیلے اور پہاڑیاں ہیں جن میں سب سے ممتاز وہ ہے جسے قصر مرحب کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور یہودی عہد کی یادگار سمجھا جاتا ہے۔ ترکوں کے دور میں یہاں ایک فوجی چھاؤنی تھی، اب اس میں سعودی گورنر خیبر رہتا ہے۔

بعض محققین کی رائے میں خیبر کے یہودیوں کی زبان میں ''خیبر'' کے معنی قلعہ کے تھے۔ یاقوت اور دیگر جغرافیہ دانوں نے الرجاجی سے روایت کی ہے کہ یہ اس بستی کے بانی خیبر بن قاینہ بن مہلائیل کے نام سے منسوب ہے۔ جدید محققین کا خیال ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ اسباط یہود کے گم گشتہ قبائل نے یہاں اور پشاور سے آگے برصغیر میں درہ خیبر میں بھی اپنی نشاندہی کے لئے یہ نام دیا ہو؟

تاریخ میں خیبر کا قدیم ترین ذکر بابل کے آخری کلدانی بادشاہ بنونعد (بنونیدس) 556 یا 539 ق م کے مسیحی کتبے میں ملا ہے جو حران کی منہدم جامع مسجد کے فرش کے ایک پتھر پر ملا تھا۔ اس کتبہ کے مطابق جب اس بادشاہ نے تیماء میں اپنا ذیلی دارالحکومت قائم کیا تو خیبر و فدک وغیرہ سے ہوتے ہوئے یثرب تک کی سیاحت کی۔ اس جیسا ایک دوسرا کتبہ بھی حران کے قرب و جوار سے ملا ہے، جو سیاقی ہندسوں کے ساتھ عربی زبان میں ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ ''میں نے، یعنی شرجیل بن ظلمو نے ذالمرالطول کو سنہ 463 میں خیبر کی تباہی (مفسدر) کے ایک سال بعد تعمیر کرایا۔'' اس کے مطابق اس تاریخ سے مراد سال 568 عیسوی ہے۔ جس کے مطابق غسانی حکمران الحارث بن ابی شمر جبلہ (528ء......570ء) نے اس رخ پر حملہ کیا تھا۔ یہ ممکن ہے کہ خیبر والوں نے ایرانیوں اور حیرہ کے حکمرانوں سے کچھ ساز باز کی ہو اور اس پر باز

Marfat.com

نطینی قیصر روم نے اپنے ماتحت حکمران کو ادھر حملہ کر کے روانہ کیا ہوا۔ تاریخ اس پر پر خاموش ہے کہ اس وقت خیبر کے باشندے کون تھے؟ لیکن اس کے 60 سال بعد جب پیغمبر اسلامؐ یہاں تشریف لائے تو یہاں صرف اہل یہود بستے تھے جو معاشی طور پر بہت خوشحال تھے۔ چنانچہ اہل مکہ شادی بیاہ کے موقع پر یہیں سے دیگیں اور زیورات کرایہ پر حاصل کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اہل مکہ نے خیبر والوں کے کرایہ پر دیئے زیورات گم ہو گئے تھے تو انہیں دس ہزار دینار کا ہرجانہ ادا کرنا پڑا تھا۔ (طبقات ان سعد) بہت ممکن ہے ان معاشی روابط نے نوبت شادی بیاہ تک بھی پہنچا دی ہو اور یہاں کی یہودی خواتین بلا جھجک عربوں سے رشتہ ازواج میں منسلک ہوتی ہوں۔ چنانچہ آنحضرتؐ کے پردادا حضرت ہاشم اور ان کے بھائی المطلب نے ایسا ہی کیا ہو (ابن حبیب) یہاں کھجوریں بھی بہت ہوتی تھیں، لیکن زمانہ جاہلیت میں لوگ یہاں کے ملیریا بخار سے بہت گھبراتے تھے (القزدینی) یہود خیبر کے لباس میں طیلسان بہت مشہور ہے۔ حضرت عبدالمطلب نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر ان کے ہاں دس بیٹے ہوں گے تو وہ ایک کی قربانی کریں گے۔ قرعہ فال نبی اکرمؐ کے والد گرامی قدر جناب عبداللہ پر پڑا۔ اس سلسلے میں اہل مکہ کے اصرار پر جس کاہنہ سے مشورہ کیا گیا تھا وہ کچھ عرصہ خیبر اور کچھ عرصہ مدینہ میں رہتی تھی۔ یاقوت نے اپنی معجم البلدان میں مشاہیر خیبر میں ابن القاہر الحیبری اللخمی محدث کا ذکر خاص طور پر کیا ہے۔ لیکن عہد اسلامی کے ایک اور جغرافیہ نگار اسکری نے اپنی کتاب میں الشکونی کا جو اقتباس دیا وہ واقف حال شخص کا بیان کردہ معلوم ہوتا ہے۔ وہ لکھتا ہے خیبر مدینہ سے آٹھ برید پر ہے۔ پیدل دن میں آسکتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ خیبر کا بازار المرطلہ بہت مشہور ہے جو ت عثمان غنیؓ نے عہد راشدہ میں بسایا تھا۔ وہاں کے قلعے میں کچھ پرانے لوگ باقی ہیں، جو ت عمرؓ کی نسل سے ہیں۔ اس سے آگے حصن وجدہ ہے۔ جس میں رو غیرہ کے درخت ہیں۔ یہ صرف خاص نبوی رہا ہے۔ پھر السلالم ہے جس کا بڑا حصہ صرف خاص نبویؐ تھا۔

پھر جبل الاہیل آتا ہے، جس میں یہودی برجی (اطام) ہیں پھر وہ مزارع اور باغات ہیں جن سے امہات المومنین اور بنو عبدا کے روزینے مقرر تھے۔ اس کو الوطیع کہتے ہیں۔

الوطیع سے متصل ایک وادی ہے جسے الکتیبہ کہتے ہیں۔ یہ سب کی سب صرف خاص نبویؐ رہی ہے۔ یہ کتیبہ خیبر کے قلعہ بند مقاموں میں سے ایک تھی۔ یہیں اصہباء ہے جہاں

Marfat.com

آنحضرتؐ نے پڑاؤ ڈال کر رات بسر کی تھی۔ یہ خیبر سے ایک برید کی مسافت پر ہے۔ خیبر کا سب سے بڑا قلعہ القموص تھا جسے حضرت علیؓ نے فتح کیا تھا۔ اسی کے دامن میں ایک مسجد نبوی ہے۔ وہیں نطالا اور الشق دو وادیاں ہیں۔ ان دونوں کے مابین جو رقبہ ہے اسے السبحۃ اور الخاصۃ کہتے ہیں۔ یہ اس بڑی مسجد تک جاتا ہے جہاں خیبر میں آنحضرتؐ کا قیام رہا تھا۔ یہ مسجد بعد ازاں عیسیٰ بن موسیٰ نے زر کثیر خرچ کر کے تعمیر کروائی تھی۔ اس کی بناء ''طاقات معقودہ'' پر ہوئی تھی۔ اس میں بڑے صحن بھی ہیں۔ وہاں وہ چٹان بھی ہے جسے سترہ بنا کر آنحضرتؐ نماز پڑھا کرتے تھے۔ آج کل یہاں نماز عیدین ادا کی جاتی ہے۔ نطاۃ میں مرحب کا قلعہ اور قصر ہے۔ یہ قصر حضرت زبیر بن العوامؓ کے حصے میں آیا تھا۔ الشق میں الحمۃ نامی چشمہ ہے جسے آنحضرتؐ نے قسمۃ الملائیکہ کا نام دیا تھا۔ اس سے دو نالے نکلتے ہیں۔ اس کا دو تہائی پانی ایک نالے میں جاتا ہے اور ایک تہائی ایک نالے میں حالانکہ نکلتا ایک ہی جگہ سے یکساں ہے۔ عہد نبویؐ سے آج تک یہ چشمہ اور اس کے پانی کی یہ تقسیم ایک عجوبہ چلی آ رہی ہے۔ اس چشمے میں تین کھجوریں یا لکڑی کے تین ٹکڑے ڈال دو تو دو ایک نالے میں چلے جاتے ہیں اور بالکل اس کے پانی کی تقسیم کی طرح ایک ٹکڑا ایک نالے میں چلا جاتا ہے یہ کسی کے بس کی بات نہیں کہ اس قدرتی تقسیم کو بدلا جا سکے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی اس نالے میں کھڑا ہو جائے جس میں دو تہائی پانی جاتا ہے تاکہ کم پانی والے نالے میں پانی کی مقدار کو بڑھایا جائے تو پانی اس پر غالب آ کر بہہ نکلتا ہے مگر دوسرے نالے میں ایک تہائی سے زیادہ نہیں جاتا ہے۔ خیبر میں سب سے پہلے دار بنی قمۃ فتح ہوا تھا جو نطاۃ میں ہے۔ اسی میں مرحب کا بھائی الیاس رہتا تھا۔ اسی کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا تھا کہ دار بنی قمۃ کی فتح سے قبل آنحضرتؐ نے جو کی روٹی اور کھجور پیٹ بھر کر نہیں کھائی تھی۔

قصر مرحب کے دامن میں آج کل ایک چھوٹی سی مسجد رہ گئی ہے۔ اس کے قریب جو چشمہ ہے اس کے قریب ہی دوسرا بڑا چشمہ بھی ہے۔ یہ بڑا چشمہ اب چشمہ علیؓ کہلاتا ہے کہ مرحب پر وار کرتے ہوئے ان کی تلوار زمین میں اتر گئی تھی اور یہ چشمہ پھوٹ نکلا تھا۔

تاریخ اسلام میں خیبر کی ساری شہرت 7ھ/628ء میں ہونے والے غزوہ نبوی کے باعث ہے۔ مدینہ منورہ سے نکلنے کے بعد بنو النضیر کے یہودی خیبر میں آ بسے تھے۔ یاد رہے غزوہ خندق بنو نضیر کی انگیخت پر رونما ہوا تھا۔ بنو نضیر کے خطرے کی بناء پر غزوہ خندق کے دوران نبی

Marfat.com

اکرمؐ نے قریش سے ان کی من مانی شرائط پر صلح کی تھی۔ اس غزوہ سے فارغ ہونے کے فوراً بعد ہی آنحضرؐ نے یہود خیبر کے خلاف کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور بمشکل ایک ماہ بعد آپؐ پندرہ سو کی جمعیت لے کر مدینہ منورہ سے خیبر کے لئے روانہ ہوئے۔ جب آپ الصہبا کے مقام پر پہنچے تو قبیلہ غطفان کے لوگ آپ کے راستے میں حائل ہو گئے کیونکہ وہ خیبر کے لوگوں کی اعانت کرنا چاہتے تھے۔ لیکن جب آپؐ نے الصہبا سے وادی الرجع یا دیار غطفان کا رخ کیا تو وہ گھبرا گئے اور خیبر واپس آ گئے۔ آپؐ تین دن تک وادی الرجع امیں ٹھہرنے کے بعد خیبر واپس آ گئے۔ اہل خیبر آپ کی پیش قدمی کی خبر سن کر مقابلے کے لیے تیار تھے۔ اس زمانے کی عرب آبادیوں کی طرح خیبر بھی متعدد چھوٹے قبائلی علاقوں پر مشتمل تھا۔ ہر محلّہ یا آبادی دوسرے سے کچھ فاصلے پر تھا۔ ہر ایک کی قلعہ یا گڑھیاں اور کھیت اور کھلیان بھی علیحدہ علیحدہ تھے۔ جہاں تک ان کے دفاع کا تعلق تھا وہ ایک تو اپنے سات بڑے اور متعدد چھوٹے قلعوں میں محفوظ تھے۔ جن میں سے بعض میں منجنیقیں تک نصب تھیں۔ مؤرخ یعقوبی نے اہل خیبر کے بیس ہزار جنگجو سپاہیوں کی خبر بھی دی ہے۔ المقریزی کے مطابق ان میں سے پندرہ ہزار جنگجوؤں سے مسلمانوں کو مقابلہ کرنا تھا۔

خیبر کے قلعوں کے پرانے نام اب بھلا دیئے گئے ہیں مگر مؤرخین کے مطابق سب سے پہلے خیبر کا جو قلعہ سر ہوا تھا وہ قلعہ ناعم تھا۔ پھر اندرون شہر کا قلعہ قموص فتح ہوا جو ام المومنین حضرت صفیہؓ کے خاندان کی رہائش گاہ تھا۔ اس کی فتح جناب حضرت علیؓ کے دست مبارک پر ہوئی۔ پھر حصن الشق، حصن النطاۃ اور حصن الکتیبہ سر کیے گئے۔ اس کے بعد حصن الوطیع اور حصن السلام دو آخری قلعے کوئی دو ہفتوں کی کشمکش کے بعد فتح ہوئے۔ بظاہر انہیں آخری دو قلعوں میں تمام یہود خیبر جمع ہو گئے تھے۔ فتح کے بعد اگر یہودیوں کے ساتھ انہیں کی کتاب توریت کے احکامات کے مطابق برتاؤ کیا جاتا تو سارے بالغ مرد قتل اور تمام عورتیں اور بچے غلام بنائے جا سکتے تھے۔ مگر پیغمبر اسلامؐ رحمت العالمین ہیں۔ آپ نے یہود خیبر سے رحم دلی اور درگزر سے کام لیا۔ سب کی جان بخشی کر دی اور فرمایا کہ وہ اپنا مال چھوڑ کر صرف اپنے جسم کے کپڑوں کے ساتھ جہاں مرضی چلے جائیں۔ سیرۃ شامی کے مطابق مدینہ میں بنونضیر کے پاس ایک ''کنز'' (خزانہ) تھا جو وہ مدینہ سے خیبر ساتھ لائے تھے جب یہ کنز مسلمانوں کے سپرد نہ کیا گیا تو صاحب کنز کی

Marfat.com

جواب طلبی کی گئی۔ اس نے بہانہ کیا یہ مال تو جنگ کی تیاریوں پر صرف ہو گیا مگر وہ رات کو کھنڈرات میں گھومتا ہوا پکڑا گیا اور وہیں سے اس کا یہ کنز دفن شدہ برآمد ہو گیا۔

غزوہ خیبر کے دوران ابتدائی ناکامیوں ہی نے اہل خیبر کے حوصلے پست کر دیئے تھے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ حصن الزبیر اپنے استحکام کے باوجود آسانی سے فتح ہو گیا کیونکہ اس کے پانی کے ذخیرے تک جو زمین دوز راستہ جاتا تھا اس کی نشاندہی ایک مقامی یہودی نے کر دی تھی۔

جب خیبر کے تمام قلعوں پر قبضہ ہو گیا تو آنحضرتؐ نے شرائط صلح میں مزید نرمی اختیار فرمائی اور یہود خیبر کو اجازت دی کہ وہ تاحکم ثانی خیبر میں ہی رہیں اور کاشت کر کے نصف پیداوار بطور لگان ریاست مدینہ کو ادا کریں۔

یاقوت نے مزید صراحت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے نصف علاقہ بحق حکومت مدینہ محفوظ کر دیا باقی لشکر اسلام میں بانٹ دیا۔ یاد رہے لشکر اسلام میں بارہ سو پیدل اور تین سو گھڑ سوار شامل تھے اور سواروں کو چونکہ دگنی غنیمت ملتی ہے۔ اس لئے سارا علاقہ چھتیس حصوں میں بانٹ دیا گیا۔ اس تقسیم میں عرب روایات کے مطابق خمس حکومت کے لئے لے لیا گیا یہ کیتبہ کا نخلستان تھا۔

یہودیوں کا بٹائی پر کام کرنا عہد راشدہ میں حضرت عمرؓ کی خلافت تک جاری رہا۔ پھر جب یہود خیبر نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ کے قتل کی سازش کی تو ان کو وہاں سے شام منتقل کر دیا گیا اور یہاں کی زراعت کو مسلمانوں نے سنبھال لیا۔

بعد کے زمانے میں کچھ یہود کے دوبارہ خیبر میں آبسنے کی داستان بالکل بے بنیاد ہے اور صلیبی جنگوں کے زمانے میں تدیلہ کے بن یامین کا یہ بیان بعید از قیاس ہے بہر حال یہ بن یامین لکھتا ہے کہ 1173 عیسوی میں خیبر میں یہودی کی آبادی موجود تھی۔ انیسویں صدی کے آغاز میں جب مشہور مغربی سیاح برکہاٹ خیبر پہنچا تو اسے یہاں ایک بھی یہودی نظر نہ آیا۔

ام المومنین حضرت صفیہؓ:

غزوہ خیبر میں یہودی سردار حیی بن اخطب کی بیٹی صفیہ بھی جنگی قیدیوں میں شامل تھی۔ آپؐ نے انہیں حضرت دحیہ کو بخش دیا تھا مگر پھر بعض صحابہ کے مشورے پر سات قیدیوں کے معاوضے پر انہیں واپس لے لیا اور مدت عدت پوری ہونے تک حضرت ام سلمہؓ کے پاس

Marfat.com

رکھا۔ حضرت صفیہ مسلمان ہوگئیں اور آنحضرتؐ نے انہیں آزاد کر کے اپنی زوجیت کا شرف بخشا۔ اس کا فوری اثر یہ ہوا کہ مسلمان سپاہیوں کا برتاؤ اپنے نبی کے سسرالیوں سے نرم ہوگیا۔ بظاہر اس نکاح سے آنحضرت کا مقصد بھی یہی تھا۔ حضرت صفیہؓ اپنے غیر مسلم میکے والوں سے ہمیشہ عزیزانہ سلوک کرتی رہیں اور انہوں نے اپنی وفات پر یہ وصیت فرمائی تھی کہ ان کے متروکے کا ایک تہائی، یعنی ایک لاکھ درہم ان کے غیر مسلم بھانجے کو دیئے جائیں۔ اس وصیت پر عمل درآمد کی بعض مسلمانوں نے مخالفت کی تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے دخل دے کر ان کی وصیت کو عملی جامہ پہنایا اور تصدیق کی کہ اسلامی قانون ایسا ہی کرنے کا حکم دیتا ہے۔

زہر خورانی کی سازش:

فتح خیبر کے موقع پر ایک یہودی عورت زینب بنت الحارث (زوجہ اسلام بن مشکم) نے ایک بھنی ہوئی بکری آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کی مگر اس میں زہر ملا دیا۔ آپؐ نے اس بکری کے گوشت کا ایک لقمہ اٹھایا اور چبا کر تھوک دیا اور فرمایا کہ یہ زہر آلود ہے۔ آپؐ کے ساتھ حضرت بشیر بن البراء بن معرور نے یہ زہر آلود گوشت کھا لیا، جس کے اثر سے وہ شہید ہوگئے۔ پھر آنحضرتؐ نے اس یہودی عورت کو بلا بھیجا۔ اس نے جرم کا اقرار کیا، مگر اسے آنحضرتؐ نے قتل نہ کرایا۔ ایک اور روایت کے مطابق اس یہودی عورت کو بشیر کے وارثوں کے حوالہ کر دیا گیا جنہوں نے اسے قتل کر دیا تھا۔ اسی طرح صلح ہو جانے کے بعد یہودیوں کے باغوں سے مسلمان سپاہیوں کے پھل ترکاری لینے یا چھیننے کو آپؐ نے غیر مباح فرما دیا تھا۔

Marfat.com

فدک

شمالی حجاز میں خیبر کے قریب ایک قدیم قصبہ جو جغرافیہ نگار یاقوت کے مطابق مدینہ منورہ سے دو یا تین دن کی مسافت پر تھا۔ بظاہر عصر جدید میں اس نام کی کوئی بستی اب موجود نہیں رہی۔ البتہ حافظ وہبہ نے بیان کیا ہے کہ الحویط کا گاؤں جو کہ حرہ خیبر کے آخری سرے پر واقع ہے، فدک ہی کی پرانی بستی کی جگہ پر آباد ہے۔ خیبر کی طرح فدک بھی یہودی کاشتکاروں کی ایک آبادی تھی۔ یہاں پانی کے چشمے تھے اور کھجور اور اناج کی پیداوار ہوتی تھی۔ یہ قصبہ دستکاری کے لئے بھی مشہور تھا اور یہاں کمبل بننے کا کام کیا جاتا تھا۔

7ھ میں فتح خیبر کے بعد رسول اللہؐ نے محیصہ انصاری بن مسعود کو اہل فدک کی طرف روانہ فرمایا تھا تا کہ انہیں دعوت اسلام دی جائے۔ اس زمانے میں اہل فدک کا سردار یوشع بن نون یہودی تھا۔ ابن حزم نے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو بھی اہل فدک کے ایک قبیلہ بنو عبداللہ بن سعد کی طرف بھیجا تھا۔ اہل فدک نے آپؐ کی اس دعوت کے جواب میں اسلام تو قبول نہیں کیا لیکن انہوں نے آنحضرتؐ کے ساتھ بحیثیت باج گزار ریاست کے نصف زمین مع پیداوار مسلمانوں کو حوالہ کرنے کی شرط پر صلح کر لی۔ چنانچہ بغیر کسی جنگ وجدل کے یہ سرزمین اللہ تعالیٰ نے (بطور فی) اپنے رسولؐ کو عطا فرمائی۔ فدک کے باغات اور زمین وغیرہ آنحضرتؐ کی زندگی میں آپؐ کے لئے مخصوص رہے اور آپؐ ان کی آمدنی کو اپنے اہل بیت اور ابناء السبیل (مسافروں) کے اخراجات کے لئے استعمال فرماتے رہے۔ ابوداؤد اور واقدی کے مطابق تین زمینیں رسول اللہؐ کے لئے مخصوص تھیں۔ (1) ارض بنی نضیر (مدینہ) جس کی آمدنی ناگہانی ضروریات کے لئے استعمال ہوتی تھی۔ (2) ارض خیبر، جسے آنحضرتؐ نے تین حصوں میں تقسیم فرمایا تھا۔ دو حصے عام مسلمانوں کے لئے تھے اور ایک حصہ ازواج مطہرات کے سالانہ مصارف کے لئے۔ اس میں سے جو کچھ بچ جاتا وہ غریب اور نادار مہاجرین کی اعانت میں صرف ہوتا تھا۔ (3) فدک کی زمین، جو ابنائے السبیل کے لئے وقف تھی۔ آنحضرتؐ نے حضرت حکم بن سعید

Marfat.com

بن ابی العاص کو فدک وغیرہ کا والی مقرر فرمایا تھا۔

خلیفہ ثانی حضرت عمر بن خطابؓ کے زمانے تک یہود خیبر کی طرح فدک میں بھی آباد تھے۔ بعدازاں، خلیفہ ثانی نے یہودیوں کے حصے کی قیمت ادا کردی اور انہیں وہاں سے نکال کر شام کی طرف بھیج دیا تھا۔

اختلاف رائے:

آنحضرتؐ کے وصال کے بعد خیبر اور فدک کی زمین اور باغات کی حیثیت کے بارے میں صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلاف رائے رونما ہوا۔ ایک طرف تو آنحضرتؐ کی ازواج مطہرات نے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مطالبہ کیا کہ رسول اللہؐ کے ترکے میں سے ان کا حصہ داد کر دیا جائے اور دوسری طرف آپؐ کے چچا عباسؓ بن عبدالمطلب اور آپؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ نے یہ تقاضا کیا کہ خیبر اور فدک کی جائیدادکو آنحضرت ﷺ کی میراث کے طور پر ان میں تقسیم کردی جائے۔ بعدازاں حضرت علیؓ بھی حضرت فاطمہؓ کی وجہ سے اس معاملے میں فریق بنے۔

اکثر کتب حدیث وتاریخ میں جو روایات ملتی ہیں ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک اصول کی بناء پر کہ جس کی اساس آنحضرتؐ کی ایک حدیث مبارکہ ہے یہ مطالبہ بہر طور تسلیم نہ کیا اور فرمایا کہ یہ زمینیں اسی مصرف میں لائی جائیں گی۔ جس میں رسول اللہؐ خود لایا کرتے تھے اور اس معاملے میں اصول وراثت نہیں چلے گا۔ صحابہ کرامؓ میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے بھی یہی موقف اختیار کیا اور بعض روایات کے مطابق جب حضرت علیؓ مسند نشین خلافت ہوئے تو انہوں نے فدک کی سرکاری حیثیت کو برقرار رکھا، بلکہ ان کے جانشین حضرت حسنؓ نے بھی بالآخر یہی موقف اختیار کیا تھا۔ اس موقف کے حق میں سیدنا ابوبکرؓ کے پاس آنحضرت کی یہ حدیث مبارکہ تھی۔ ''لا نورث، ماترکنا صدقة''. ہمارا کوئی وارث نہیں ہوگا، ہم کچھ چھوڑ جائیں گے وہ صدقہ ہوگا۔''

حضرت ابوبکرؓ کے انکار پر حضرت فاطمہؓ رنجیدہ ہوئیں (اور یہ رنجیدگی بتقاضائے بشریت قدرتی امر تھا) لیکن ایک روایت کے مطابق حضرت ابوبکرؓ حضرت فاطمہؓ کی بیماری کے زمانے میں ان کے ہاں عیادت کے لئے گئے تھے اور آپؓ، سیدہؓ کی بطور بزرگ دلجوئی کی تھی۔ اس پر حضرت فاطمہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے لئے جو آپؓ کے دل میں رنج تھا دور کر دیا تھا۔ یاد

Marfat.com

رہے یہی خانوادہ رسولؐ کی شان ہے کہ عفو اور درگزر سے کام لیتے تھے۔ اس کے علاوہ عہد راشدہ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ حضرت فاطمہؓ اور جملہ اہل بیت کے وظائف و مراعات جو آنحضرتؐ نے مقرر فرمائے تھے برقرار رکھے تھے۔ فدک کا قضیہ خلفائے راشدینؓ کے بعد اموی اور عباسی خلافتوں میں بھی کبھی بنو ہاشم کے حق میں، کبھی ان کے خلاف چلتا رہا تھا۔ عہد بنو امیہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بنو ہاشم کی دلجوئی کی، مگر اسی خانوادے کے دوسرے خلفاء نے اسے اپنی ضروریات کے لئے استعمال کیا۔ یہی صورت بنی عباس کے زمانے میں رہی، لیکن اس کا وہ مصرف برقرار نہ رکھا جا سکا جس کی بنیاد خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ نے رکھی تھی اور آنحضرتؐ کے قول کے مطابق اسے ساری مسلم قوم کی ملکیت قرار دیا تھا۔

شیعی روایات بھی فدک کے متعلق اس کے قریب قریب ہیں، مگر تعبیر اور نقطہ نظر میں اختلاف ہے۔

خیبر اور فدک میں رسول اللہؐ کا حصہ تھا اس میں سے حق وراثت حاصل کرنے کے لئے ازواج مطہرات نے حضرت عثمان غنیؓ کو اپنا نمائندہ بنا کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس بھیجا تھا۔ یہ سن کر حضرت عائشہ صدیقہ نے باقی ازواج مطہرات کو فرمایا تھا کہ کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتیں، کیا تم نے رسول اللہؐ کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ ہماری کوئی میراث نہیں ہے؟ اور یہ کہ ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہوگا۔ یہ حدیث مبارکہ سن کر ازواج مطہرات اس معاملے میں خاموش ہوگئی تھیں۔

حضرت فاطمہؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جب فرمایا تھا کہ فدک مجھے دو کہ وہ رسول اللہؐ نے میرے لئے مخصوص فرمایا تھا اور اس کی شہادت میں حضرت علیؓ کو پیش کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس معاملہ کو شرعی حیثیت دینے کے لئے دوسرا گواہ مانگا، جناب سیدہؓ نے دوسرے گواہ کے طور پر حضرت ام ایمنؓ کو پیش کیا۔ جس پر حضرت ابوبکرؓ نے سیدہؓ کو اطلاع دی کہ ''اے بنت رسولؐ! کیا آپ جانتی ہیں کہ شہادت کے بغیر کسی معاملے کو شرعی حیثیت نہیں دی جا سکتی اور شہادت خود بغیر اس کے جائز نہیں ہوتی کہ یا دو مرد بطور گواہ پیش ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں۔'' یہ سن کر جناب سیدہؓ خاموشی سے واپس تشریف لے گئی تھیں۔''

ایک اور روایت کے مطابق حضرت فاطمہ ابوبکرؓ کے پاس تشریف لے گئیں اور پوچھا کہ جب تم مر جاؤ گے تو تمہارا وارث کون ہوگا؟ انہوں نے فرمایا میری اولاد۔ اس پر جناب سیدہؓ

Marfat.com

نے فرمایا تھا کہ کیا ہمارے ہوتے ہوئے تم رسول اللہؐ کے وارث بن گئے ہو؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا ''اے بنت رسول میں نے آپؐ کے والدؐ سے کوئی چیز وراثت میں نہیں پائی۔ آپ سیدہؓ بولیں پھر خیبر ہمارا حصہ اور فدک ہمارا صدقہ ہے۔ جناب ابوبکرؓ نے فرمایا ''اے بنت رسولؐ! میں نے رسول اللہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ ''یہ وجہ معاش اللہ نے میری زندگی تک کے لئے عطا فرمائی ہے۔'' جب میں وصال کر جاؤں تو اس کو مسلمانوں میں تقسیم کر دینا۔''

فدک کی آل فاطمہؓ کو واپسی:

210ھ میں عباسی خلیفہ مامون الرشید نے فدک کو سرکاری طور پر آل فاطمہ کو واپس دیئے جانے کا حکم دیا اور اس کے متعلق عباسی گورنر مدینہ کو لکھا کہ رسول اللہؐ نے فدک اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو عطا فرمایا تھا اور یہ ایسی ظاہر اور معروف بات تھی کہ اس میں آل رسول اللہؐ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں تھا۔ اس کی وجہ سے آج فدک امیر المومنین سے یہ تقاضا کر رہا ہے فدک حضرت فاطمہؓ کے وارثوں کو واپس کیا جائے۔ اس کی دلیل مامون الرشید نے یہ بھی دی تھی کہ جب رسول اللہؐ کے انتقال کے بعد ہر موسم حج پر یہ منادی کرائی جاتی تھی کہ جنہیں کوئی صدقہ دیا گیا ہو یا کوئی چیز ہبہ کی گئی ہو یا ان سے وعدہ کیا گیا ہو تو وہ آ کر بیان کریں اور ان کی بات قبول کی جاتی تھی اور ان کا حصہ انہیں دے دیا جاتا تھا تو حضرت فاطمہؓ اس کی زیادہ مستحق تھیں کہ اس چیز کے بارے میں انؓ کا قول بلا کسی حجت کے قبول اور صحیح تسلیم کر لیا جاتا جو ان کے لئے رسول اللہؐ نے مخصوص کر دی تھی۔

اس فرمان کے جاری کرنے کے بعد مامون الرشید نے اپنے آزاد کردہ غلام مبارک طبری کو حکم دیا کہ فدک اپنی اصلی حالت میں اور اصلی حدود کے ساتھ معہ ان تمام حقوق کے جو اسے حاصل ہیں اور معہ اس کے وسائل کے حضرت فاطمہؓ بنت رسولؐ کے ورثاء کو محمد بن یحییٰ بن الحسین بن زین بن علی بن الحسین اور محمد بن عبداللہ بن الحسین بن علی بن حسین ہیں دے دیا جائے۔

یہ فرمان 2 ذیقعدہ 210ھ بروز بدھ لکھا گیا تھا، لیکن جب المتوکل علی اللہ خلیفہ بنا تو اس نے فدک کا پھر وہی انتظام کر دیا جو المامون سے پہلے تھا۔ یعنی آل فاطمہؓ سے اسے واپس لے لیا۔

Marfat.com

وادی القریٰ

وادی القریٰ آج کل العلاء کہلاتی ہے۔ یہ صوبہ تبوک کے ساحلی شہر ابوجہ سے تقریباً 150 کلومیٹر بجانب مشرق میں واقع ہے۔ آج کے العلاء سے ایک سڑک البدائع اور قلعہ زمرد کے راستے خیبر کو جاتی ہے جو لعلاء سے کم وبیش 190 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ العلاء سے ایک سڑک مشرق میں قصبہ حائل کو چلی جاتی ہے۔ رسول کریمؐ فتح خیبر کے بعد وادی القریٰ تشریف لے گئے تھے اور وہاں کے یہودیوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی مگر انہوں نے یہ دعوت قبول نہ کرتے ہوئے ارادہ جنگ کیا۔ ان کی طرف سے ایک آدمی میدان جنگ میں اترا تو اسے حضرت زبیرؓ نے قتل کر دیا پھر دوسرا مبازرت کے لئے آیا تو اسے بھی واصل جہنم کر دیا گیا۔ تیسرے کو حضرت علیؓ نے کیفر کردار تک پہنچایا۔ اس طرح وادی القریٰ کے 11 آدمی قتل ہوئے۔ جب کوئی نیا آدمی میدان جنگ میں آتا تو رسول اللہؐ اسے دعوت اسلام دیتے غرض اسی طرح شام ہو گئی۔ دوسرے دن پھر میدان جنگ لگا مگر سورج ابھی نصف النہار پر نہیں پہنچ پایا تھا کہ اہل لقریٰ کو شکست ہو گئی، شکست اٹھانے کے بعد اہل قریٰ نے دربار نبویؐ میں درخواست کی کہ ان سے اہل خیبر کا معاملہ کیا جائے۔ آپؐ نے شرائط خیبر پر ان سے معاہدہ کیا۔ یعنی وہ اپنی جگہ مقیم رہیں گے اور غلے کا نصف مسلمانوں کو سالانہ لگان کی صورت میں ادا کریں گے۔

البلاذی نے ''فتوح البلدان'' میں لکھا ہے وادی القریٰ کی فتح کے دن غزوہ وادی القریٰ کے دوران ایک غلام لڑکا جس کا نام مدغم تھا آنحضرتؐ کے کجاوے کی نگہبانی کر رہا تھا۔ کسی نے اسے تیر مارا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ لوگوں نے رسول اللہؐ کی خدمت میں عرض کی ''یا رسول اللہ آپؐ کا فلاں غلام شہید ہو گیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ''ہرگز نہیں وہ اس عبا میں آگ کی طرف گھسیٹا جائے گا جو اس نے خیبر کے دن مال غنیمت سے چرائی تھی۔''

رسول اللہؐ نے حمزہ بن نعمان بن ہوذۃ العذری کو وادی القریٰ میں وہ جگہ بطور جاگیر عطا کی جہاں انہوں نے اپنا کوڑا پھینکا تھا۔ یہ حمزہ قبیلہ بنی عذرہ کے سردار تھے اور اہل حجاز میں پہلے تھے جنہوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے قبیلے کی طرف سے صدقہ پیش کیا تھا۔

Marfat.com

تیماء

تیماء عہد نبویؐ کی ایک پرانی بستی ہے جو شمالی عرب کے ایک شاداب نخلستان میں واقع ہے اور دومتہ الجندل کے جنوب میں چار دن کی مسافت پر واقع ہے۔ بقول المقدسی حجر سے تین دن اور وادی القریٰ سے بھی چار دن کی مسافت پر ہے۔ یہ جگہ ایک نشیب میں واقع ہے جس کی لمبائی یوسن Jaussen اور ساوینیاک Savignac کے مطابق 2 میل اور چوڑائی تقریباً 500 گز ہے۔ زیر زمین پانی جمع ہو کر ایک کنویں میں جو 40 یا 45 فٹ گہرا ہے اور جس کا قطر 60 فٹ ہے پھوٹ پڑتا ہے۔ یہ بھی مذکورہ بالا دو مغربی سیاحوں کے بیان کے مطابق ہے۔ تیماء کا ذکر قدیم مسماری کتبوں اور عہد نامہ عتیق میں بھی اس حیثیت سے آیا ہے کہ یہ کاروانی راستوں پر ایک اہم منزل تھا (اشعیا Isaiah 14:21 ارمیاہ Jeirmiah 23:25۔ سفر ایوب 19:6۔ قدیم آرامی زبان کا ایک کتبہ جو اوائے ٹنگ Euting کو ملا تھا ایرانی عہد سے متعلق ہے اور اس جگہ کی ثقافتی اہمیت پر روشنی ڈالتا ہے۔

مشہور شاعر جاہلیت امراء القیس نے اس کا ذکر اپنے ایک شعر میں کیا ہے" وتیماء لم یترک بھا جذبع نخلہ. "ولا اطماء الا مشیاءا بجندل" یعنی یہ طوفان باد و باراں تیماء میں کسی کھجور کے درخت کو قائم نہیں چھوڑتا اور نہ کسی مکان کو جب تک کہ وہ پتھروں سے بنا ہوا نہ ہو۔"

شمالی عرب کے دیگر نخلستانوں کی طرح یہاں بھی مہاجر یہودی آبادیاں عہد نبویؐ میں موجود تھیں۔ یہاں کے یہودی باشندے پیغمبر اسلامؐ اور مسلمانوں کے دوستانہ تعلقات قائم رکھنے کے خواہاں نہیں تھے، لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ فتح وادی القریٰ کے دن ان کے ہم مذہب یہودیوں سے اچھا سلوک کیا گیا تو وہ اپنی خوشی سے مطیع ہو گئے اور جزیہ دینا قبول کیا۔ عہد راشدہ میں حضرت عمر فاروقؓ نے تیماء کے یہودیوں کو بھی خیبر اور فدک کے یہودیوں کی طرح شام جلاوطن کر دیا اور ان کی زمینیں اور نخلستان ان لوگوں میں تقسیم کر دیئے جو یہاں عہد نبوی میں غزوہ میں شریک ہوئے تھے۔ بہر حال کہا جاتا ہے کہ یہاں کے یہود کو جلاوطن نہیں کیا گیا تھا

Marfat.com

کیونکہ یہ علاقہ الحجاز سے خارج تھا۔

علامہ البلاذری نے لکھا ہے کہ یزید بن معاویہؓ کے عہد میں عبدالملک بن مروان (آئندہ مروانی شاخ کا خلیفہ) نے یزید معاویہؓ سے کہا کہ امیر المومنین معاویہؓ نے وادی القریٰ میں ایک یہودی سے ایک زمین خریدی تھی جو آپ کی توجہ سے محروم ہو کر خراب ہو رہی ہے۔ آپ یہ زمین مجھے دے دیجیے میں اس کی خبر گیری کروں گا۔ یزید نے اس کے جواب میں ''ہم نہ بڑی چیزوں میں بخل کرتے ہیں اور نہ چھوٹی چیزوں سے غفلت برتتے ہیں۔'' یہ کہہ کر یزید نے وہ زمین عبدالملک بن مروان کو عطا کر دی۔ جب وہ دربار یزید سے چلا گیا تو یزید نے کہا ''اس کی نسبت سے کہا جاتا ہے کہ یہ ہمارے بعد والی (خلیفہ) ہوگا۔ اگر یہ سچ ہے تو ہم نے اس کو رشوت دی اور اگر جھوٹ ہے تو ہم نے اسے انعام دیا۔''

دسویں صدی عیسوی میں مسلمان جغرافیہ نگار ابن حوقل لکھتا ہے کہ تیماء کی آبادی تبوک سے بھی زیادہ گنجان آباد تھی۔ مقدسی نے اس قریہ کا ذکر زیادہ تفصیل سے کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ ایک شاداب اور وسیع نشیبی علاقے میں واقع ہے جس میں ایک چشمہ اور کئی کنویں ہیں اور کھجور کے درخت بکثرت ہیں جن کا پھل اچھا ہوتا ہے۔ اس تعریف کے برعکس وہ یہاں باشندوں کے حرص و آز کی مذمت کرتا ہے اور افسوس ظاہر کرتا ہے کہ اس شہر میں نہ کوئی عالم ہے اور نہ کوئی حاکم جن پر بھروسہ کیا جا سکے۔ اس سے اگلی صدی میں البکری یہاں آیا اور اس نے بھی یہاں کی شادابی کی خبر دی ہے۔ موجودہ زمانے کے سیاحوں میں اوئے ٹنگ Euting نے اس شہر کا حال اچھی طرح بیان کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ اس کے کوچہ و بازار تنگ ہیں اور مکان ثمر دار درختوں سے گھرے ہوئے ہیں۔ قدیم آثار میں اسے وہاں معبدوں کے کھنڈرات ملے اور ایک مستطیل عمارت جس کے گوشوں میں برج تھے۔ اسے قلعہ ابلق کا کوئی نشان نہیں ملا جس کے کھنڈرات کا ذکر یاقوت حموی نے کیا ہے۔ کلاسن اور ساوینیاک یہاں عجیب قسم کے گول ٹیلوں کا ذکر کرتے ہیں، جن کے اطراف سیڑھیوں کی شکل کے تھے اور جن پر چڑھ کر ایک چھوٹی سی مربع عمارت تک پہنچا جاتا تھا۔ آج کل تیماء میں ہر طرف زوال کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔

Marfat.com

الحجر یا مدائن صالحؑ

جنوبی عرب کا ایک شہر الحجر جو تیماء کے جنوب میں وادی القریٰ سے ایک دن کی مسافت پر واقع تھا۔ یہ ازمنہ قدیم کا وسیع تجارتی شہر ہے جس کا مشہور یونانی جغرافیہ نگار بطلیموس نے Evpa اور رومی محقق پلینی Pliny نے Egra کے نام سے ذکر کیا ہے۔ یہ شہر اب معدوم ہو چکا ہے۔ عصر جدید میں اس نام کا اطلاق بدوی اس سپاٹ وادی پر کرتے ہیں جو مبرک اناقہ (مزحم) اور بئر الغنم کے درمیان کئی میل تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس زرخیز زمین میں کئی کنویں ہیں جہاں بدوی بڑی تعداد میں اپنے گلوں سمیت آ کر خیمہ زن ہوتے ہیں۔ الحجر سے دو سڑکیں مکہ کی طرف جاتی ہیں۔ ایک تو شاہراہ نجد جسے آج کل حاجی استعمال کرتے ہیں اور دوسری شاہراہ مرو، جس سے قدیم زمانے میں زائرین مکہ جایا کرتے تھے۔ الحجر کے مغرب میں ایک پہاڑ ہے جو ریت کے پتھروں کی پانچ منفرد چٹانوں پر مشتمل ہے۔ جنہیں مشہور مغربی سیاح ڈفٹی Doughty نے اپنی کتاب میں ہر جگہ Ethlib لکھا ہے۔ کہتے ہیں ان پر بہت خوش وضع یادگاریں تراش کر بنائی گئی ہیں ان میں قصر البنت، بیت الشیخ، بیت اخر صمات، محل المجلس اور دیوان شامل ہے جو پرندوں اور جانوروں کی متعدد تراشی ہوئی اشکال اور بہت سے کتبوں سے مزین ہے۔ چارلس ڈفٹی یورپ کا سب سے پہلا سیاح اور ایکسپلو Explorers تھا جس نے 1876ء اور 1877ء میں الحجر کی سیاحت کی اور ان چٹانوں کا اور ان پر تراشی ہوئی عمارتوں کا بغور مشاہدہ کیا۔ اس نے پتہ چلایا کہ یہ عمارتیں ماسوائے دیوان کے دراصل مقبرے ہیں جن میں طاق اور انسانی اجسام کی باقیات موجود ہیں۔ مکے جانے والے زائرین ایک دن کے لئے جبل اثالث پر قیام کرتے اور نمازیں ادا کرتے ہیں۔

قدیم زمانے میں یہاں کچھ بے دین اور متکبر لوگ جو قوم ثمود کہلاتے تھے آباد تھے، جن کے متعلق قرآن مجید میں کہا گیا ہے کہ وہ چٹانیں کاٹ کر وہاں اپنا مسکن بناتے تھے۔ ان لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کو ان کے پاس

Marfat.com

بھیجا جنہوں نے اونٹنی کو بطور نشان پیش کیا اور بتایا کہ اگر اسے نقصان پہنچایا گیا تو عذاب الٰہی نازل ہوگا۔ لیکن جب اس قوم نے شرک اور بت پرستی جاری رکھی اور اس اونٹنی کو مار ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر زلزلہ کا عذاب نازل کیا جس سے وہ نیست و نابود ہو گئے۔ الحجر کے ریتلے پتھر کی چٹانوں کو مع ان یادگاروں کے جو ان کے اندر تراش کر بنائی گئی ہیں حضرت صالحؑ کے نام پر "مدائن صالح" بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی حضرت صالحؑ کا شہر۔ عرب روایات کے مطابق حضرت ابراہیمؑ اپنے رب کے حکم پر حضرت ہاجرہ اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو الحجر میں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل یہاں اپنی والدہ حضرت ہاجرہ کے پہلو میں دفن ہیں۔

عہد نبویؐ میں الحجر کا ذکر آتا ہے۔ جب 9ھ/ 631ء میں جناب رسول اللہؐ تبوک کی طرف تشریف لے جا رہے تھے تو الحجر سے آپؐ کا گزر ہوا۔ مجاہدین اسلام نے چاہا کہ یہاں آرام کر کے یہاں کے کنوؤں پر اپنے آپ کو تازہ دم کر لیں، لیکن رسول اللہؐ نے انہیں اس کی اجازت نہیں دی کہ وہ ایسی جگہ قیام کریں جہاں قہر الٰہی نازل ہو چکا تھا۔

عصر حاضر میں افسر سعود یہاں ایک شہر بسانا چاہتا تھا لیکن ایک ایسے مقام پر جو منجانب اللہ مورد لعنت و عذاب ٹھہر چکا ہو از سر نو ایک شہر آباد کرنے پر علمائے دین نے شدید اعتراضات کیے جن کی وجہ سے یہ منصوبہ پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ چارلس ڈفٹی کے بعد ملک الساشیا Alsatia کے ایک سیاح C. Huber نے دوسرے یورپی سیاح کے طور پر الحجر کی سیاحت کی تھی۔ وہ ایک مرتبہ 1879ء اور دوسری مرتبہ اوئے ٹنگ کے ہمراہ 1884ء میں یہاں آیا تھا۔

Marfat.com

تبوک

درب الحج پر واقع ایک شہر جو دمشق اور المدینہ ریلوے کا ایک بڑا اسٹیشن بھی تھا تبوک کہلاتا ہے۔ یاقوت کے مطابق یہ الحجر سے چار دن کی راہ پر ہے اور مدینۃ المنورہ سے بارہ دن کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ ریتلے میدان کی معمولی سے اونچائی پر واقع ہے اور اس کا کنواں بھی بہت اچھا تھا۔ غالباً یہی کنواں ہے جس کا ذکر قصص العرب میں بھی آیا ہے۔ یہاں کی اہم ترین عمارت ماضی قریب میں حاجیوں کا قلعہ تھی جو عمارت میں لگے ہوئے ایک کتبے کے مطابق 1064ھ/ بمطابق 1654 عیسوی میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اس قلعہ کا قدیم ترین حصہ بعد کی ترمیمات سے بخوبی پہچانا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ عصر حاضر کی ایک مسجد ہے جس کی عمارت میں خوبصورت تراشے گئے پتھر لگے ہوئے ہیں۔ اوئے ٹنگ نے 1884ء میں اس عمارت کو تقریباً خالی پایا تھا، کیونکہ اس میں ان دنوں صرف پانچ فوجی تعینات تھے۔ یوسان Jussen اور ساوئنیاک Savigna یہاں کوئی چالیس گھروں کے آباد ہونے کا ذکر کرتے ہیں جن کی دیواریں کچی اینٹوں کی تھیں اور جن کی چھتوں پر کھجور کی شاخیں ڈالی گئی تھیں۔ پھلدار درختوں کی حالت سے پتہ چلتا تھا کہ ان سے بہت غفلت برتی جا رہی ہے۔

عہد نبوی اور عہد راشدہ میں تبوک بلاد عرب کی شمالی سرحد کے خط پر واقع تھا۔ اس کے پرے سے بازنطینی سلطنت شروع ہو جاتی تھی۔ جب 9ھ میں رسول اللہؐ نے شمالی علاقوں کے خلاف غزوات عظیمہ شروع کیے تو تبوک کو تاریخی اہمیت حاصل ہوگئی۔ جب رسول اللہؐ یہاں پہنچے تو رومی عاملہ لخم اور جذام جو یہاں جمع ہو گئے تھے، آپ کی آمد سے منتشر ہو گئے۔ آپؐ نے بھی اس مہم کو ترک کرنے کا فیصلہ کیا۔ آپؐ کے قیام تبوک کے زمانے میں موسم گرما انتہائی شدت پر تھا۔ آپ یہاں دس رات قیام کر کے واپس ہو گئے۔ ان ایام میں قیام کر کے آپؐ نے یہ فائدہ اٹھایا کہ تبوک، ایلہ، اذاح مقنا اور الجربا کے لوگوں سے آپ کی بات چیت ہوئی اور انہوں نے اطاعت اختیار کی۔

تبوک میں قیام کے دوران ایلہ کا سردار یحنہ بن روبہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔

Marfat.com

آپؐ نے اس سے مصالحت فرمائی اور اس کی قلمرو میں آباد ہر بالغ فرد پر ایک دینار سالانہ جزیہ مقرر فرمایا جس سے صرف تین سو دینار وصول ہوتے تھے۔ اس علاقے میں آباد لوگوں پر یہ شرط بھی لگادی کہ ان کی آبادیوں میں سے جو مسلمان گزرے گا وہ اس کی مہمانداری کریں گے۔ اس کے ساتھ ہی ایک تحریری معاہدہ بھی عمل میں آیا جس میں اقرار کیا گیا کہ وہ مسلمانوں کی حفاظت وحمایت کریں گے۔

واقدی سے رویت ہے کہ عہد نبویؐ اور عہد راشدہ کی تقلید کرتے ہوئے اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز بھی اپنے عہد میں اہل ایلہ سے صرف 300 دینار سالانہ کے سوا کچھ نہیں لیتے تھے۔

اہل الجرباء سے بھی جزیہ کی ادائیگی پر صلح ہوئی آپؐ نے انہیں ایک تحریر عطا فرمادی۔

اہل مقناء سے جو یہودی تھے ان کے مال کے چوتھے حصے کی ادائیگی پر مصالحت کی گئی۔

جدید وقدیم محققین کے مطابق غزوہ تبوک کا فوری سبب یہ تھا کہ جناب رسول اللہؐ کو معلوم ہوا تھا کہ رومیوں نے شام میں ریاست اسلام کے خلاف بہت زبردست لشکر جمع کرلیا تھا اور اپنے ہراول دستوں کو رومیوں نے بلقاء کے مقام تک بڑھا دیا تھا جو ایک مشہور مقام تھا۔ چونکہ موتہ کی جنگ میں رومی سلطنت اپنے زبردست جنگی وسائل کے باوجود مسلمانوں کے قلیل التعداد لشکر کا کچھ نہ بگاڑ سکی تھی۔ اسی وجہ سے رومی اسے اپنی ذلت اور ناکامی تصور کرتے تھے۔ اس وجہ سے بھی رومی مملکت اسلام پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ رومیوں کی سرحد پر فوجی نقل وحمل کی اطلاعات ملنے کے فوراً بعد ان کے خلاف جوابی کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا گیا باوجود اس کے ان دنوں عرب میں قحط پڑا ہوا تھا اور گرمی بھی جوبن پر تھی اس لئے شامی سرحد تک کا یہ سفر انتہائی دشوار گذار تھا۔ لشکر اسلام میں دس ہزار مجاہدین شامل تھے مگر تین مجاہدوں کے حصے میں سواری کے لئے صرف ایک گھوڑا آیا جس پر باری باری سفر کرنا پڑتا تھا۔

جب لشکر اسلام کی پیش قدمی کی اطلاعات رومیوں کو پہنچی تو وہ اس قدر حیران اور مرعوب ہوئے کہ انہیں پیغمبر اسلامؐ سے نبرد آزما ہونے کی جرأت نہ ہوسکی۔ آپؐ نے تبوک کے مقام پر چھاؤنی ڈالی اور بیس دن تک دشمنوں کی آمد کا انتظار کیا اور پھر اس علاقے کے مقامی سرداروں سے بات چیت کے ذریعے مصالحت کے بعد واپس مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ یہ عہد راشدہ میں رومیوں کے خلاف لڑی جانے والی جنگوں کا دراصل نقطہ آغاز تھا۔

Marfat.com

دومتہ الجندل

وادی سرحان کے سرے پر واقع ایک نخلستان آج بھی دومتہ الجندل کہلاتا ہے۔ وادی سرحان جنوب مشرق سے شمال مغرب کی سمت میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے ایک سرے پر وسطی عرب اور دوسرے پر حوران اور شام کے کوہستان ہیں۔ یہ وادی شام اور سعودی عرب کے ان علاقوں کو آپس میں ملاتی ہے۔ اور اس لئے یہ مدینے اور دمشق کے درمیان سب سے زیادہ سیدھے راستے پر واقع ہے جو مدینہ منورہ سے تقریباً پندرہ دن کی مسافت اور دمشق سے تقریباً سات دن کی یا اس سے زیادہ پیدل مسافت پر واقع ہے۔

یہ واحد (نخلستان) ایک نشیب یا، زیریں علاقیمیں واقع ہے۔ جس کا طول بقول یاقوت پانچ فرسنگ یا موجودہ اصلاح میں بقول حافظ وہبہ، تین میل اور عرض آدھ میل اور گہرائی اردگرد کے صحرا کی بلند سطح سے پان سوفٹ نیچے ہے۔ اس علاقے کی ہیئت کی وجہ سے اس کے نام میں تغیر رونما ہو گیا ہے اور کم از کم پچھلی صدی سے اسے الجوف یعنی ''وسیع نشیب'' کے نام سے موسوم کیا جانے لگا ہے۔

دومہ غالباً ایک آرامی زبان کا لفظ ہے۔ قدیم فضلائے عرب کے مطابق یہ نام حضرت اسمٰعیلؑ کے بیٹوں میں سے ایک نام (دو یا دومان) سے ماخوذ ہے۔ اتفاق سے دوما نام عہد نامہ عتیق میں بھی آیا ہے۔ ''سفر'' تکوین 14:25 اس میں اسے ایک اسمٰعیلی قبیلے کا نام بتایا گیا ہے۔

عرب تاریخوں میں آیا ہے کہ جب تہامہ حضرت اسمٰعیلؑ کا کثیر التعداد گھرانوں کے لئے کافی چراگاہیں مہیا نہ کر سکا تو ان کا مذکورہ بالا فرزند ہجرت کر کے اس علاقے میں آ گیا۔ انہیں کے نام پر اس علاقے کا نام دومتہ الجندل پڑ گیا۔ یاد رہے حضرت دوما نے یہاں ایک قلعہ بھی تعمیر کیا تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ اسلام سے پہلے ہی دومتہ الجندل میں قلعہ موجود تھا۔ اس کے نام مادو کا ذکر ایک قدیم ضرب المثل میں بھی آیا ہے۔ ایک قدیم قلعہ کے کچھ باقی بچے کھچے نشانات 19 ویں صدی تک باقی تھے۔ اوئے تنگ Euting نے اس قلعہ کا ایک خاکہ بھی بنایا تھا۔ یہ قلعہ پتھر

Marfat.com

کا بنا ہوا تھا اس کے گرد پتھروں کی تعمیر کردہ ایک دیوار بھی تھی۔ انہیں تعمیرات کی وجہ سے دومتہ کے ساتھ جندل کا اضافہ ہو گیا تھا جس کے معنی پتھر کے ہیں۔

غزوات:

دومتہ الجندل کو قدیم اسلام میں ایک خاص شہرت ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ پیغمبر اسلامؐ حضرت محمدؐ نے اسے فتح کرنے کے لیے تین غزوات کیے تھے۔ غزوہ اول 5ھ 626ء، اس غزوہ میں خود نبی کریمؐ قائد الجیش تھے۔ لیکن یہ غزوہ بے نتیجہ رہا کیونکہ واحہ کے باشندے لشکر اسلام کے پہنچنے سے پہلے ہی تتر بتر ہو گئے۔ دوسرا غزوہ 6ھ/ 28-627ء میں پیش آیا اس غزوہ کے قائد الجیش حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ تھے۔ اس غزوہ کے نتیجے میں سردار الاصبع بن عمرو الکلبی نے اسلام قبول کر لیا۔ تیسرے غزوے کی آنحضرتؐ نے تبوک سے تیاری کی اور حضرت خالد بن ولیدؓ کو 9ھ میں اس مہم پر بھیجا حضرت خالد بن ولید نے واحہ (نخلستان کے شہر پر قبضہ کر لیا اور وہاں کی آبادی پر بھاری تاوان جنگ عائد کیا۔ وہاں کے سردار اکیدر بن عبدالملک الکندی الکسونی پر دباؤ ڈالا کہ وہ مدینہ جا کر نبیؐ علیہ السلام سے معاہدہ صلح کرے۔ اس معاہدہ کی اصل عبارت اب تک محفوظ چلی آئی ہے۔

تاریخ اسلام کے نزاعات:

تاریخ اسلام کے بعض مآخذ میں دومتہ الجندل کا نام اس سلسلہ بیان میں بھی آتا ہے جو آنحضرتؐ کے وصال کے بعد 12ھ/ 633ء میں خالد بن ولیدؓ کے مشہور واقعہ عبور صحرا سے تعلق رکھتا ہے۔ جب حضرت خالد بن ولیدؓ سے کہا گیا کہ شام میں موجود مسلم افواج سے جتنا جلد ممکن ہو جا ملے، کیونکہ انہیں دشمنوں نے گھیر لیا ہے تو حضرت خالد فوراً روانہ ہو گئے اور روایت ہے کہ راستے میں انہوں نے دومتہ الجندل پر حملہ کیا اور اکیدر کو قتل کر دیا۔ یہاں مؤرخین اور مغربی محققین خصوصاً مستشرق ڈخویہ کو ابہام ہے کہ یہ دومہ حیرہ کے قریب ہے اور یہاں غالباً صرف دومہ لکھنے کی بجائے جندل بڑھا دیا گیا ہے لیکن انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار کے نزدیک یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خالد بن ولید نے اتنا وسیع چکر لگایا ہو جو انہیں اپنے راستے سے دور ہٹا دے اور یلغار میں دیر لگا دے۔ مستشرق ڈخویہ کا استدلال بہت منطقیانہ ہے

Marfat.com

اور کائتانای اور دیگر مغربی محققین نے اسے تسلیم کرلیا ہے۔

اس بناء پر اکیدر کا قتل، اگر وہ قتل تھا، تو عراق میں واقع ہوا۔ ہمیں یہاں یہ اضافہ کرنا ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ کو دوران ''ردہ'' میں حکم ملا تھا کہ ودیعہ کلبی سے جنگ کرے جو بعض دیگر کلبیوں کے ساتھ باغی ہو گیا تھا اور دومتہ الجندل میں پناہ گزین تھا۔ ابن الاصبغ واسلام کا وفادار ہی رہا تھا۔ شاید یہ عمروؓ ہی ہوں جنہوں نے دومتہ الجندل فتح کیا تھا مگر یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کارنامہ عیاض بن غنم کی طرف منسوب کیا جائے۔ فی الواقع قصہ یہ ہے کہ ایک فوجی دستہ اس کی قیادت میں مدینہ سے روانہ ہوا تھا اور اس کی غرض بھی یہی تھی مگر وہ مشکلات میں پھنس گیا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ عیاض واحہ پر 13ھ/ 634ء میں حکمران تھا۔ اسی کے مطابق یہ نہ دومتہ الجندل میں ہوا اور نہ حیرہ کے قریب کے دومہ میں، جیسا کہ ڈخویہ کا خیال ہے۔ تاریخ اسلام میں ایک اور موقع پر، ایک بڑے واقعہ کے سلسلے میں بھی دومتہ الجندل کا نام باعث نزاع بن گیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ عہد راشدہ میں جنگ صفین کے بعد صفین کے مقام پر یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ حکمین حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ جب حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے باہمی نزاع کے بارے میں اپنی تحقیقات مکمل کر چکیں تو اسی نخلستان (واحہ) میں اکٹھے ہوں اور اسی جگہ اپنا فیصلہ سنائیں، لیکن بعض ماخذ اکٹھے ہونے کا مقام اذرح بتاتے ہیں۔ اس کی توجیہہ یہ کی گئی ہے کہ حقیقت میں ان کا اجتماع مختلف مقامات پر مختلف تاریخوں میں دو مرتبہ ہوا۔ ایک دفعہ دومتہ الجندل میں اور اس کے چند ماہ بعد بہت ہی مختلف حالات کے اندر اذرح میں (اگر یہ توجیہہ تسلیم کر لی جائے تو واقعات کا تسلسل واضح ہو جاتا ہے) حضرت علیؓ کو پریشان کرنے والی کارروائیوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ حضرت معاویہؓ نے 39ھ/ 660 عیسوی میں ایک فوج اور دومتہ الجندل روانہ کی، حضرت علیؓ اس حملہ آور فوج کو پسپاہ کر دینے میں تو کامیاب ہو گئے، لیکن اس نخلستان کے باشندوں نے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہ میں سے ہر ایک کا اقتدار تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح جب اسلامی مملکت کا مرکز بنوامیہ کے عہد خلافت میں دمشق اور بنوعباسیہ کے زمانے میں بغداد عراق مقرر ہوا تو دومتہ الجندل کی ساری اہمیت جاتی رہی۔ اس وقت سے وہ عرب کے ایک نخلستان کے سوا کچھ نہ تھا جہاں کی بکھری ہوئی آبادی کو کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی کیونکہ اس زمانے میں تجارتی راستے بھی اس نخلستان سے نہیں گزرتے تھے۔

Marfat.com

عصر حاضر:

عصر حاضر کی عرب تاریخ میں انیسویں صدی میں سلطنت عثمانیہ کے عہد آخر میں شمالی عرب میں عام طور پر فسادات کا دور دورہ تھا اور یہاں جبھی امن قائم ہو سکا جب وہابیوں نے اس ملک پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ انہوں نے دومتہ الجندل پر بھی قبضہ کر لیا اور یہ قبضہ اس وقت تک رہا جب کہ آل رشید کے ایک امیر شار طلال نے حکومت سنبھالی کیونکہ 1855ء میں یہ حایل کے تحت ایک ریاست بن گیا تھا۔ 1909ء میں ایک قبائلی سردار نوری ابن اشعلان نے اس پر قبضہ جما لیا اور آخر کار عبدالعزیز بن سعود نے حکومت شار کا قلع قمع کر کے اسے 1921ء میں اپنی مملکت بخد میں شامل کر لیا اور اس کے فوراً بعد اردن نے جنوب کی طرف اپنی سرحد کو النفود کے صحرا تک بڑھانے کی کوشش کی، لیکن ابن سعود نے سختی سے یہ کوشش ناکام بنا دی (1923ء) کویت میں منعقد ہونے والی ایک مجلس میں اس مسئلے کا کوئی حل نہیں نکل سکا۔ ابن سعود نے حجاز اور عراق پر عسکری کارروائیاں کرتے ہوئے اردن پر بھی یورش کی۔ جب ابن سعود اور سر جی کلے ٹن G Clayton کے درمیان حد بندی کا فیصلہ ہوا تو سرحدیں معین کر دی گئیں۔ (2 نومبر 1925ء) اس وقت سے وادی سرحان مع الجوف اور قریات الملح بخد کا حصہ قرار پائے۔

البلاذری کی فتوح البلدان کے مطابق واقدی نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت خالد بن ولیدؓ نے شام جانے کے لئے عراق سے کوچ کیا تھا تو وہ دومتہ الجندل سے ہو کر گزرے تھے اور اس کو فتح کر کے بہت سے قیدی ساتھ لائے تھے۔ انہیں قیدیوں میں ایک خاتون لیلیٰ بنت الجودی الغسا بھی تھی۔ اس خاتون کے حسن بے مثال پر ایک زمانہ فریفتہ تھا۔ اس پر فریفتہ ہونے والوں میں کہتے ہیں عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ بھی شامل تھے۔ انہوں نے اس کی نسبت یہ شعر کہا تھا۔ ع

تذکرت لیلی و السماوة بیننا

وما لابنته الجودی لیلیٰ ومانیا

یعنی میں نے لیلیٰ کو اس وقت یاد کیا جب اسماوہ ہم دونوں کے درمیان حائل تھا۔ بنت الجودی کو مجھ سے کیا کام۔ گرفتار ہونے کے بعد وہ خاتون انہیں کو دی گئیں۔ انہوں نے اس سے شادی کر لی۔ یہ خاتون ان پر اس طرح چھا گئی کہ وہ اپنی دوسری بیویوں کو بھول گئے مگر اسے ایسی شدید بیماری لاحق ہوئی کہ اس کا حسن جاتا رہا اور ابن ابوبکرؓ نے بالآخر اسے متعہ دے کر گھر واپس بھیج دیا۔

Marfat.com

تہامہ

تہامہ، ساحل عرب سے متصل وہ نشیب اور تنگ قطعۂ زمین جو جزیرہ نمائے سینا سے شروع ہو کر عرب کی مغربی اور جنوبی جانب کے ساتھ ساتھ چلا گیا ہے۔ تہامہ کے بارے میں جغرافیائی تفصیلات الادریسی نے بیان کی ہیں۔ اس کے مطابق اس میں پہاڑوں کا ایک سلسلہ گزرتا ہے خلیج قلزم سے شروع ہو کر (ان میں سے ایک پشتہ کو 16 مشرق کی طرف چلا جاتا ہے اور مشرقی سرحد پر پہاڑیوں کا ایک سلسلہ ہے جو شمالاً جنوباً چلا جاتا ہے۔ اسے جبل اسراۃ کہتے ہیں۔ تہامہ کی مغربی سرحد پر خلیج قلزم واقع ہے۔ عرب کا یہ صوبہ، تہامہ الادریسی کے مطابق سرجہ سے عدن تک پھیلا ہوا ہے۔ ساحل کے ساتھ ساتھ بارہ دن کی مسافت اور سڑک کے راستے پہاڑوں سے لے کر علاقہ تک چار دن کی راہ ہے۔ تہامہ کا عریض ترین حصہ جدہ کی بندرگاہ کا عقبی علاقہ ہے۔ مکہ المکرّمہ کو بھی اکثر غلط فہمی سے تہامہ میں شامل سمجھا جاتا رہا ہے۔ البتہ مکہ کی کچھ تحصیلیں تہامہ میں واقع تصور کی جاتی ہیں۔

تہامہ کی آب و ہوا نہایت ناخوشگوار یعنی گرم اور خشک ہے اور سال کے بعض حصوں میں درجہ حرارت بہت بلند ہو جاتا ہے (مئی اور ستمبر میں درجہ حرارت 35 تا 44 سینٹی گریڈ) موسم گرما میں درجہ حرارت بارش کی کثرت کی وجہ سے کچھ نیچے چلا جاتا ہے لیکن ساحل پر دن میں 40 سینٹی گریڈ اور 30 سینٹی گریڈ رات کے وقت ہونا معمول کے مطابق ہے۔ موسم سرما میں درجہ حرارت 25 سینٹی گریڈ سے 35 سینٹی گریڈ کے درمیان رہتا ہے اور ساحل پر 14 درجہ سینٹی گریڈ سے کبھی کم نہیں ہوتا۔ برسات کا موسم فروری تا مارچ یا مئی تا ستمبر رہتا ہے۔ عرب کے مغربی ساحل کا صرف انتہائی جنوبی حصہ ہی اس منطقہ میں شامل ہے جہاں موسم گرما میں موسمی بارش ہوتی ہے۔ تہامہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہاں سے دھند اٹھتی ہے، جسے تخیمانی یا عمتہ کہتے ہیں۔ یہ دھند صبح کے وقت اٹھتی ہے اور آہستہ آہستہ پہاڑی علاقوں کی طرف جاتی ہے اور انہیں اچھا خاصا گرم خانہ بنا دیتی ہے۔ جس کے ذریعے بہت سی قیمتی فصلیں خوب تیار ہوتی ہیں

Marfat.com

بالخصوص قہوے کی فصل۔

تہامہ کی سرزمین گرم خشک ہونے کی وجہ سے میدانی نباتات پیدا کرنے کی قدرتی اہلیت رکھتی ہے۔ جیسے خاردار جھاڑیاں وغیرہ۔ شورزار بے درخت میدان جو ساحل سے متصل ہے جھاڑیوں سے ڈھکا رہتا ہے۔ تہامہ کے اندرونی علاقوں میں باجرہ، مکئی، گندم، گنا، کھجور، تیل، نیل اور کپاس کی پیداوار اچھی ہوتی ہے۔ تہامہ کی آبادی تقریباً پچاس لاکھ سے زائد ہے۔ ساحل کے لوگ تجارت، جہاز رانی، ماہی گیری اور غوطہ خوری سے موتی نکالنے کا کام کرتے ہیں جبکہ اندرون کے لوگ زیادہ تر کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ تہامی لوگ مخلوط نسل کے معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے چہرے کا رنگ زیتونی ہوتا ہے اور ان کے بال اور موٹے ہونٹ اس بات کی دلیل ہیں کہ ان میں افریقی خون شامل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ تہامی عربوں کی زبان فصیح عربی سے بہت مختلف ہے اور اس میں بیشمار دخیل الفاظ موجود ہیں۔

تہامہ کی نسبت سے نبی اکرمؐ تہامی کہلاتے ہیں۔ ینبع اور جدہ کی بندرگاہیں تہامہ میں تصور کی جاتی ہیں۔ حبشہ کو ہجرت کرنے والے مسلمان تہامہ کی بندرگاہ عصبہ سے جہازوں پر سوار ہوتے تھے۔ ینبع جو مدینہ منورہ سے 225 کلومیٹر کے فاصلے پر بدر کی سمت میں واقع ہے۔ آج کل سعودی تیل کی صنعت کا اہم مرکز ہے۔

حجاز اور تہامہ کی وادیاں:

شمالی حجاز کی مشہور وادیاں (ندیاں) وادی الاخضر، وادی الجزل، وادی الحمض، وادی القمر، حجاز اور تہامہ کی وادیاں کہلاتی ہیں۔ شمالی حجاز میں وادی الحمض طویل ترین وادی ہے اور وادی الجزل کو سمیٹتی ہوئی جدہ کے جنوب میں سمندر میں گرتی ہے۔ مدینہ منورہ کی وادی العقیق بھی اس کی معاون ہے۔

Marfat.com

نجران

صفا سے تقریباً 200 کلومیٹر شمال میں یمن کا قدیم شہر نجران واقع ہے۔ یہ ان دنوں سعودی سرحد کے اندر واقع ہے اور صوبہ نجران کا دارالحکومت ہے۔ جو نجران نواس کے مغرب میں ظہران الجوب ہے جو سعودی صوبہ عیسر کے شہروں خمیس، شیط اور ابہا سے بذریعہ سڑک ملا ہوا ہے۔ نجران سے مشرق میں ایک شاہراہ ربع الخالی کے قصبوں شرورہ اور ودیعہ کی طرف نکل جاتی ہے۔ آغاز اسلام کے زمانے میں نجران سرسبز و شاداب اور تجارتی قافلوں کی گزرگاہ تھا۔ ان دنوں اہل نجران شجر پرستی اور جادوگری کی برائیوں میں مبتلا تھے۔

یاقوت حمودی کے مطابق نجران کو نجران بن زید الابن سبا بن ...... بن یعرب بن قحطان نے آباد کیا تھا اور یہ اسی کے نام سے موسوم تھا۔ یہیں اصحاب الاخدود یا خندق والوں کا واقعہ پیش آیا۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔

اصحاب الاخدود:

یہ واقعہ چھٹی صدی عیسوی کے ربع الاول میں حمیری بادشاہ ذونواس کے عہد کا واقعہ ہے۔ ان دنوں عیسائی راہبوں کی تبلیغ سے نجران عیسائیت کا مرکز بن گیا تھا۔ یہاں ایک عیسائی راہب کی خانقاہ تھی۔ ایک لڑکا اکثر اس راہ سے گزرتا تھا۔ راہب کی تبلیغ سے وہ لڑکا معبود برحق پر ایمان لے آیا۔ اللہ نے اسے بیماروں کو شفا دینے کا وصف عطا کیا۔ اس کی دعاؤں سے شفایابی کی خبر بادشاہ کو پہنچی۔ اس نے اس لڑکے کو بلا کر پوچھ گچھ کی تو لڑکے نے آخر اس راہب کے بارے میں بتا دیا۔ اب اس بے دین بادشاہ نے راہب کو اپنے دربار میں بلا کر عیسائیت چھوڑ دینے اور اس کی تبلیغ و پرچار سے باز آنے کا حکم دیا مگر اس راہب نے یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر بادشاہ ذونواس نے اس راہب کو آرے سے چروا دیا اور اس کے ساتھی کا بھی یہی حشر کیا۔ پھر اس لڑکے کو دین سے برگشتہ کرنے کے لئے پہاڑ سے گرایا گیا اور سمندر میں ڈبو دینے کی کوششیں کی گئیں مگر وہ لڑکا نہ صرف صحیح سلامت رہا بلکہ اپنے دین سے برگشتہ بھی نہ ہو سکا۔

Marfat.com

جب ذوانواس اس کو دین سے ہٹانے کی کوششیں کر کے عاجز آ گیا تو لڑکے نے کہا مجھے قتل کرنا ہے تو سب لوگوں کو اس کھلے میدان میں جمع کرو اور مجھے درخت سے لٹکا کر میرے ہی تیر کو کمان میں رکھ کر ''باسم اللہ رب العلام'' کہہ کر تیر کو پھینکو۔

بادشاہ نے جب اس لڑکے کو بتائے ہوئے طریقے پر عمل کیا تو وہ لڑکا شہید ہو گیا، مگر جو لوگ اس تماشائے ظلم کو دیکھنے کے لئے میدان میں جمع کئے تھے وہ یک بارگی پکار اٹھے کہ ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے۔ ظالم بادشاہ کو یہ کب برداشت ہو سکتا تھا کہ ایک ایماندار شخص کی موت بے شمار لوگوں کے ایمان لانے کا سبب بن جائے۔ اس نے ان ایمان لانے والوں کو شدید عذاب میں مبتلا کرنے کے لئے خندقیں کھودنے کا حکم دیا۔ پھر ان خندقوں میں آگ بھڑکائی گئی اور ان سب لوگوں کو باری باری لا کر عیسائیت ترک کرنے کا حکم دیا جاتا جب وہ اس سے انکار کرتے تو اس جرم کی پاداش میں انہیں آگ میں پھینک دیا جاتا۔

کہتے ہیں بخران کے لوگوں میں وہ جگہ اب تک معروف ہے جہاں یہ خندقیں کھود کر آگ جلائی گئی تھی اور اصحاب الاخدود کا واقعہ پیش آیا تھا۔ اللہ کی آخری الہامی کتاب قرآن مجید میں یہ واقعہ سورۃ البروج میں بتایا گیا ہے۔ محققین کے مطابق یہ واقعہ 523 عیسوی میں پیش آیا تھا۔ 524ء میں ذونواس مر گیا پھر اہل حبشہ کے عیسائی بادشاہ نے تقریباً 525ء میں اپنا لشکر بخران بھیج کر حمیری سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور یمن کو سلطنت حبشہ کا صوبہ قرار دے دیا۔ اہل حبشہ کی فتح یمن کے نتیجے میں یمن اور بخران کے لوگ عیسائیت میں تثلیث کے پیروکار بن گئے۔

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار کے مطابق قدیم قصبے یا شہر بخران کے متعلق بہت کم معلومات حاصل ہیں۔ دوسری صدی عیسوی کے مشہور یونانی جغرافیہ نگار بطلیموس نے اسے ایک بڑا شہر لکھا ہے جس پر Aelius Gallus نے حملہ کر کے اسے تباہ کر دیا تھا۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ اس واقعہ کے بعد بخران کا شہر موجود ہی نہیں رہا تھا مگر اس شہر کی موجودگی مختلف بیانوں میں کئی وجوہ کی بناء پر ثابت ہوتی ہے۔ بہر حال موجودہ زمانے میں قدیم بخران نام کا کوئی شہر موجود نہیں۔

یورپی سیاحوں اور مکتشفوں میں سے صرف ایک یورپی سیاح جوزف ہیلوے Joseph Helvay موسم بہار 1870ء میں قدیم بخران کی تلاش میں یمن گیا تھا۔

Marfat.com

جوزف ہیلوے کا خیال تھا کہ اس نے مدینہ الخذود میں اس قدیم شہر کے آثار دیکھے تھے جو دریا کے طاس کے جنوبی کنارے پر بکثرت موجود تھے۔ فصیل شہر جو سخت کالے پتھر سے بھدے طور پر بنائی گئی تھی اس کے کچھ حصے باقی ہیں۔ ایک مسجد جو اس وقت تک کھنڈرات کی صورت میں باقی تھی۔ ابتدائی اسلامی زمانے کی تصور کی جاتی تھی۔ اس بیان کی تائید مسلمان جغرافیہ نگار البکری کے عجیب وغریب بیان سے بھی ہوتی ہے۔ جس نے لکھا ہے کہ ''الاخدود'' جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ بخران کے شہروں میں سے ایک تھا اور سوائے ایک مسجد کے جسے حضرت عمر بن خطابؓ نے تعمیر کرایا تھا اب کچھ باقی نہیں رہا۔

یمن میں مسیحیت کی نشر واشاعت کے سلسلے میں بخران نے اپنے رسل ورسائل کی وجہ سے اہم کردار ادا کیا۔ قیصر روم جسٹینین Justinian کے زمانے میں مسیحیت کو ان عیسائی وحدت الوجود مسیح Mdnophysite عقیدہ رکھنے والوں کی وجہ سے بھی فروغ حاصل ہوا جو بازنطینی علاقے سے جلاوطن ہو کر بخران آبسے تھے۔ یمن میں اہل حبشہ کے حملوں کے سلسلے میں جنوبی عرب کے عیسائیوں پر جو ظلم وستم ہوئے ان کے متعلق عیسائیوں کی روایات نے بڑی شہرت اور اشاعت پائی۔ یہاں کا مشہور ومعروف حکمران ذوانواس جو 525ء میں فوت ہوا اس کے عہد میں بخران اسکی ستم رانیوں کا سب سے بڑا ہدف بنا رہا۔

عہد نبویؐ اور عہد راشدہ سے پہلے یمن کے متعلق حقیقی تاریخی حوالے دستیاب نہیں ہوتے۔ عہد نبوی میں حضرت خالد بن ولیدؓ بنو الحارث اور بنو عبد المدان پر جو بخران میں تھے بھیجے گئے تھے تاکہ انہیں اسلام قبول کرنے کی تاکید کریں اور انہوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں اپنا ایک نمائندہ بھیج کر اظہار عقیدت کیا تھا۔ عمرو بن حزم کو بخران کا عامل مقرر کیا گیا اور حضرت علیؓ کو حکم دیا گیا تھا کہ وہاں سے زکوٰۃ جمع کریں۔ بخران کے عیسائیوں کی طرف دربار نبویؐ میں ایک سفارت بھی بھیجی گئی تھی جس سے یہ معاہدہ ہوا تھا کہ وہ اپنی جائیداد پر قابض رہیں گے اور مذہبی عقائد کے معاملے میں آزاد ہوں گے۔ اس کے عوض وہ ایک مقرر رقم بطور اخراج ادا کریں گے۔ اس معاہدے کی توثیق حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی اپنے اپنے عہد خلافت میں کر دی تھی۔ تاہم حضرت عمرؓ نے کچھ عرصہ بعد عیسائیوں اور یہودیوں کو جزیرہ نما عرب سے نکال دیا تھا۔ جس پر عیسائیوں نے عراق میں ایک نئے بخران کی بنیاد رکھی تھی جو کوفہ سے دو دن

Marfat.com

کی مسافت پر واقع تھا۔ البکری نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے احکام کے باوجود ایک عرصہ تک نجران میں عیسائیوں کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی نجران میں عیسائیوں کی مباہلہ خاصی تعداد موجود تھی جبکہ یہود تو عصر جدید تک یمن میں موجود تھے۔ علامہ بلاذری ''فتوح البلدان'' میں لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی خدمت میں نجران سے دو عیسائی راہب حاضر ہوئے تھے۔ آپؐ نے ان کے سامنے اسلام کو پیش کیا، انہوں نے کہا ہم اس سے پہلے ہی اسلام لا چکے ہیں۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا ''تم جھوٹ بولتے ہو۔ تمہیں تین چیزیں اسلام سے روکتی ہیں۔ ایک سؤر کا گوشت کھانا، صلیب کی پرستش کرنا اور تیسرے یہ کہنا کہ حضرت مسیح ابن اللہ تھے۔ ان دونوں نے اس پر رسول اللہؐ سے سوال کیا کہ پھر حضرت عیسیٰ کا باپ کون ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی بات میں جلدی نہیں فرماتے تھے، حتیٰ کہ اس بارے میں اللہ کا حکم آ جاتا۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران کی آیت نمبر 51 نازل فرمائی ترجمہ: ''یہ نشانیاں اور دانشمندی کی باتیں ہیں ہم تمہارے سامنے بیان کرتے ہیں۔ اللہ کے نزدیک عیسیٰؑ کی مثال آدمؑ کی سی ہے جنہیں مٹی سے (بغیر باپ کے) پیدا کیا (گیا) پھر ان سے کیا گیا ''ہو جا'' اور وہ ہو گئے۔'' جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو رسول اللہؐ نے ان دونوں کے سامنے پڑھی اور پھر ان دونوں کو عرب رواج کے مطابق مباہلہ کی دعوت دی اور حضرت فاطمہؓ، حضرت امام حسنؓ و حسینؓ کا ہاتھ پکڑا اور بڑی شان سے روانہ ہوئے تاکہ نجران کے عیسائیوں سے مباہلہ کریں۔ آپؐ اور اہل بیتؓ کی تمکنت دیکھتے ہوئے ایک عیسائی راہب نے دوسرے سے کہا کہ پہاڑ پر چڑھ جا مگر ان (ایسی نورانی صورت والوں) سے مباہلہ نہ کر۔ اگر تو نے مباہلہ کیا تو (یاد رکھ کہ اہل نجران میں سے کوئی اس لعنت سے نہ بچے گا۔ پھر انہوں نے باہم مشورے سے خراج ادا کرنے کا معاہدہ کیا جو عہد راشدہ تک جاری رہا۔

عہد فاروقیؓ میں جب اہل نجران کی تعداد چالیس ہزار ہو گئی تو وہ آپس میں حسد کرنے لگے۔ وہ دربار خلافت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ انہیں جلاوطن کر دیا جائے۔ حضرت عمرؓ پہلے ہی ان کی طرف سے مسلمانوں کے لئے خائف تھے۔ انہوں نے یہ موقع غنیمت جان کر انہیں جلاوطن کر دیا۔ بعد ازاں یہ لوگ بہت پچھتائے اور حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ ہمیں جلاوطن نہ کیا جائے۔ مگر آپؐ نے انکار کر دیا۔ پھر جب حضرت علیؓ کا زمانہ خلافت آیا تو اہل نجران حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؓ کو وہ

Marfat.com

سفارش جو آپؓ نے آنحضرتﷺ سے کی تھی یاد دلا کر عرض کرنے لگے کہ ہمیں معاف کر دیجیے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ بڑے معاملہ فہم تھے میں ان کے خلاف عمل کرنے کو برا سمجھتا ہوں۔ پھر جب امیر معاویہؓ یا یزید بن معاویہ خلیفہ ہوئے تو ان لوگوں نے شکایت کی کہ ہم منتشر ہو گئے ہیں۔ ہم میں سے بعض مر گئے بعض نے نے شکایت کی کہ ہم منتشر ہو گئے ہیں۔ ہم میں سے بعض مر گئے۔ بعض نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر وہ تحریر دکھائی جو حضرت عثمان غنیؓ نے خراج کے حلوں کی تعداد کم کرتے ہوئے انہیں لکھ کر دی تھی اور کہا کہ ہماری تعداد اب اور بھی کم ہو گئی اور ہم بہت ضعیف ہو گئے ہیں۔ حضرت معاویہؓ نے دو سو حلے خراج مزید کم کر دیا۔

پھر جب حضرت عمر بن عبدالعزیز مسند نشین خلافت ہوئے تو اہل نجران ایک بار پھر دربار خلافت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ ہماری تعداد روز بروز کم ہوتی جا رہی ہے اور عرب ہم پر چھاپے مارتے ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان کی مردم شماری کرائی تو واقعی وہ صرف دسواں حصہ آ بچے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان کے مرنے والوں کا جزیہ ساقط کر دیا اور ان پر نفری جذیہ نافذ کر دیا جو پہلے سے بہت کم تھا۔ مگر حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد اہل نجران پر وہی جزیہ نافذ کر دیا گیا جو وہ پہلے ادا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ابو العباس سفاح خاندان عباسیہ کا پہلا خلیفہ متمکن خلافت ہوا۔ اہل نجران نے سفاح کے کوفہ پہنچنے پر ان کا استقبال کیا اور ان کے سامنے اپنا معاملہ پیش کیا۔ خلیفہ ابوالعباس السفاح نے ان کی درخواست پر ان کا جزیہ کم کر دیا۔

عہد عباسی میں جب خلیفہ ہارون الرشید حج پر روانہ ہوئے تو الکوفہ سے گزرے اہل نجران نے ان کے سامنے بھی اپنا معاملہ پیش کیا اور حکومتی عمال کی سختی کی شکایت تو خلیفہ نے انہیں عمال کے ذریعے معاملت سے معاف کر دیا اور براہ راست اپنا جزیہ خود بیت المال میں جمع کرانے کا حکم دے دیا۔

Marfat.com

نجد

تہامہ یعنی ساحلی زمین اور غور یعنی نشیبی زمین کے بالمقابل عرب کی بلند زمین کو قبیلہ ہذیل کی بولی میں نجد کہتے ہیں۔ نجد عرب دراصل ایک جغرافیائی تصور اور اس کی حدود کے تعین میں اختلاف رہا ہے۔ اس سے کبھی تو وہ علاقہ مراد لیا جاتا ہے جو ساحلی میدان سے بلند تر ہے۔ کبھی وہ علاقہ جو وسعت میں تہامہ اور یمن کا اگلا حصہ اور عراق وشام کے پچھلے حصوں پر مشتمل ہے۔ کبھی نجد سے عرب کا وہ علاقہ مراد لیتے ہیں جو حدود یمامہ سے لے کر مدینہ منورہ تک اور پھر وہاں سے صحرا کے پرے بصرہ سے لے کر بحرین تک پھیلا ہوا ہے۔

اسلام سے پہلے نجد کا خطہ یمامہ عرب میں غلے کا ذخیرہ یا گھر سمجھا جاتا تھا۔ سنہ 6 ہجری کے آغاز میں یہاں سے مکہ کو غلے کی برآمد روک دی گئی تو وہاں قحط پڑ گیا اور قریش بے بس ہو گئے تھے۔ نجد کے نخلستان بھی ہمیشہ مشہور رہے ہیں اور یہ بے وجہ نہ تھا کہ یہاں کا دیوتا بھی آئے اور کھجور سے بنا ہوا ایک عظیم القامت بت تھا، لیکن اس توہم کے ساتھ نجد میں توحش بھی پایا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ قحط سالی ہوئی تو لوگوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، اتنے اس دیوتا ہی کو ٹکڑے کر کے ہڑپ کر گئے اور رقیب قبائل کی شاعری میں دیوتا خوری کے سزاوار ٹھہرے۔

نجد کی یہی زرخیزی اسے ہمیشہ سے عرب کے معاشی نظام میں ایک متضاد مقام دلانے کا باعث رہی ہے۔ یمامہ کے شہر حجر میں ہر سال یوم عاشورہ سے انتہا محرم تک ایک میلہ لگتا۔ یہ عرب کے ان عظیم الشان میلوں میں سے ایک تھا جو بین العرب اہمیت رکھتے تھے۔

یہ بات بھی اہم ہے کہ تاریخ اسلام کی رو سے عہد نبویؐ میں اس علاقے کے تعلقات اسلام اور بانی اسلامؐ کے ساتھ تقریباً آخر تک کھنچے رہے اور اسلام کو خالص تر بنانے کے دعویدار نجدی کبھی مکمل طور پر سر اطاعت خم نہ کر سکے۔ (درباری نبویؐ میں)۔

یہ بھی واقعہ ہے کہ قبل از ہجرت ایک حج کے موقع پر آنحضرتؐ نے جب کوئی پندرہ قبائل کے لوگوں سے یکے بعد دیگرے اس کی خواہش کہ آپ کو یعنی پیغمبر اسلام کو وہ اپنے گھر لے

Marfat.com

چلیں تو تمام قبائل میں سے بنو حنیفہ کے نجدی ہی سب سے زیادہ درشت لہجے میں سپاٹ جواب دینے کی گستاخی میں پیش پیش اور انتہائی بد اخلاق ثابت ہوئے تھے۔ آج بھی توقیر پیغمبر اسلام کو کم کرنے میں پیش پیش ہیں۔ کبھی آپؐ کے علم غیب پر جو عطیہ خداوندی تھا شک کرتے ہیں اور کبھی انما مثل بشرکم کی آیت سے آپ کو انسان محض ثابت کرنے کے درپے ہیں حتیٰ کہ یہ بات کسی تعارف کی محتاج نہیں کہ رسول، نبی اور پیغمبر کا مقام عام انسانوں سے بہت بلند تر ہوتا ہے۔ ثمامہ بن اثال نجدی (جو بعد ازاں اگرچہ سچے دل سے مسلمان ہو گئے تھے) نے آنحضرتؐ سے یہاں تک سخت کلامی کی تھی کہ "(نعوذ باللہ) اگر تو مزید میرے سامنے آیا تو میں تجھے جان سے ہی مار ڈالوں گا (ابن حجر: اصابہ: عدد: 961) ہجرت کے بعد کے سالوں میں بھی قبائل نجد سے اسلام کی عام طور پر جنگ ہی رہی۔

بیر معونہ کا دلگداز واقعہ؟ جس میں مبلغین اسلام کو غداری سے شہید کیا گیا تھا کہیں اور نہیں نجد میں پیش آیا تھا۔ وفاداری کے پردے میں اسلام کو کھلم کھلا نقصان پہنچایا گیا۔ یمامہ، نجد کے ایک سردار ہودہ بن علی الحنفی کو کسریٰ ایران نے ایک جڑاؤ ٹوپی عطا کی تھی جس کے باعث وہ ذوالتاج کہلاتا تھا۔ اسے آنحضرتؐ نے تبلیغی خط ارسال کیا تو جواب میں اُس گستاخ نے لکھا تھا کہ "مجھے اپنا ملک دے دو تو مسلمان ہوتا ہوں" مگر اگر غور سے دیکھا جائے تو چاہے 1300 سال بعد ہی اہل نجد اپنی اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ضرور ہو گئے۔ نہ صرف حجاز بلکہ جزیرہ نما عرب کے بڑے حصے پر بالآخر انہوں نے اپنی حکومت قائم کر لی۔ نجد کے ایک اور سردار مجاعہ بن مرارہ کو آنحضرتؐ نے تالیف قلب کے لئے ایک جاگیر عطا کی تھی۔ خلافت صدیقؓ میں اس نے بھی ارتداد اختیار کیا، لیکن بعد ازاں تائب ہو گیا تھا۔ عہد نبویؐ میں جب اطراف نجد میں اسلام عام طور پر پھیل گیا تو 9 ہجری میں نجد کے بنو حنیفہ قبائل نے بھی مدینہ منورہ ایک وفد بھیجا جس میں مسیلمہ کذاب جیسا انسان بھی شامل تھا۔ السہیلی نے اپنی مشہور زمانہ کتاب الروض الانف میں کذاب کی عمر ڈیڑھ سو برس لکھی ہے۔ جب مسیلمہ اپنے پڑاؤ سے نکل کر آنحضرتؐ سے ملاقات کرنے کے لئے گیا تو کہتے ہیں کہ اس کے ساتھی اس کو پردہ کرتے رہے تھے۔ مسیلمہ کے وفد نے بظاہر اسلام قبول کر لیا، لیکن نجد واپس پہنچتے ہی اس نے اپنی جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اس کے اس فتنے کا انسداد آخر عہد صدیقی میں سیف اللہ حضرت خالدؓ بن ولید نے

Marfat.com

لیا تھا۔ خلفائے راشدین نے عرب میں اسلام کو اتنا راسخ کر دیا کہ پھر وہاں ارتداد کا اعادہ نہ ہوا لیکن مرور زمانہ سے اعتقادات میں کمزوریاں در آئیں اور اٹھارہویں صدی عیسوی کے مشہور نجدی مصلح شیخ محمد بن عبدالوہاب نے جو تعلیمات پھیلائیں تو عرب میں ان کے نتائج واثرات حوصلہ افزا نظر آئے البتہ تقشّف غالب رہا۔ اب آج کے سعودی دور میں وہاں آہستہ آہستہ تمدن پھیل رہا ہے۔

شہرہ آفاق فرزندان نجد میں پندرہویں صدی عیسوی کے اسد البحر شہاب الدین احمد بن ماجد کا نام لیا جا سکتا ہے، جس کا جد اعلیٰ ابوالبرکائب النجدی تھا۔ کم از کم تین پشت تک اس خاندان کا پیشہ جہاز رانی رہا اور انہوں نے اس موضوع پر بڑی اہم تصنیفات کیں۔ یاد رہے ابن ماجد کی ہی رہنمائی میں پرتگیز جہاز راں واسکوڈی گاما 1498ء میں ملندی، افریقہ سے کالی کٹ، جنوبی ہندوستان تک پہنچ سکا تھا۔

نجد کے رقبے کو ماضی میں جو وسیع ترین مفہوم دیا گیا ہے، وہ غالباً نجد کی موجودہ سلطنت (سعودیہ) کی حدود کے متوازی ہے، جسے شاہ عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود نے قائم کیا۔ 1902ء میں اس نے صرف دس ساتھیوں کے ساتھ ریاض (دارالحکومت نجد) کو فتح کر کے اپنی آبائی ریاست حاصل کر لی اور 1921ء کے موسم گرما میں وہ ''سلطان نجد'' منتخب ہوا۔ 10 جنوری 1926ء کو یعنی پانچ سال سے بھی کم عرصہ میں اس حجاز کو فتح کرنے کے بعد اپنے سلطان نجد وحجاز ہونے کا اعلان کر دیا اور یوں ''مملک العربیۃ السعودیہ'' معرض وجود میں آگئی جو پہلے نجد کی نسبت سے ''ملک نجد وملحقات'' قرار پائی تھی۔ سلطنت سعودیہ کی موجودہ حدود یہ ہیں، اس کے مشرق میں خلیج فارس ہے جو جدرہ اور راس نے قطر سے لے کر راس المشعب تک چلی گئی ہے، پھر وہ غیر جانبدار علاقہ ہے، جو نجد اور کویت کے مابین ہے اور اس راس سے لے کر راس القلیہ تک پھیلا ہوا ہے۔ مغرب میں حجاز کی سابقہ مملکت اور بحر قلزم واقع ہے۔ جنوب میں اس کی حد بندی اس خط سے ہوتی ہے جو بندرگاہ قنفذہ (بحر قلزم) سے لے کر ابہا، عیسر کے نیچے تک، پھر وادی الدواسر کے نیچے تک جاتا ہے جس میں نجران بھی شامل ہے۔

1934ء میں نجد اور امام یمن میں جو جنگ چھڑی تھی، وہ غالباً سرحد کو زیادہ متاثر نہ کر سکی تھی۔ خاص کر اس لیے کہ جوف یمنی کے بارے میں پہلے بھی اختلاف رہ چکا تھا۔ شمالی سرحد کا

Marfat.com

تعین سلطان نجد، عبدالعزیز بن سعود کے ان معاہدوں کے ذریعے سے ہوا جس پر دستخط 2 دسمبر 1922ء کو عقیر میں ہوئے تھے۔ ایک دوسرا معاہدہ برطانیہ و شرق اردن کے ساتھ 2 نومبر 1927ء کو جدہ میں ہوا۔ ان معاہدات کی رو سے سرحد اولاً اس غیر جانبدار علاقے کے ساتھ ساتھ چلتی ہے جو نجد اور عراق کے مابین ہے۔ یہ شمال میں جبل عنیزہ کو چھوڑ کر جنوب کی طرف مڑ کر کر وادی رجل کی طرف جاتا ہے اور 38 درجے طول البلد مشرقی اور 30 درجے عرض بلد شمالی کے تقاطع کے مقام کو کاٹتا ہوا بڑھتا ہے۔ اس طرح وادی سرحان اب بھی نجد میں شامل ہے۔ جنوب میں یہ خط 25 درجے سے 38 درجے طول البلد مشرقی تک جاتا ہے اور حجاز ریلوے کو عقبہ کے پاس کاٹتا ہے۔ سلطنت سعودیہ کے علاقے کا رقبہ نو لاکھ مربع میل اندازہ کیا گیا ہے اور اس کی آبادی 40 لاکھ اور دارالسلطنت ریاض ہے۔ الحساء کی بیشتر آبادی سرکاری حنبلی مسلک اختیار کر چکی ہے۔ یہ آبادی مختلف عرب قبائل سے تعلق رکھتی ہے۔

نجد کا اکثر علاقہ ایک کف دست میدان اور صحرا پر مشتمل ہے۔ شمالی نجد کا بڑا حصہ صحرا نفوذ اور دھناء پر مشتمل ہے اور صحرا ربع الخالی اس کے جنوب مشرق سے پیوستہ ہے۔ نجد میں ایسی ندیاں یا دریا نہیں جو سال بھر بہتے ہوں۔ اس لیے یہاں کے لوگ پانی کے زیر زمین ذخیروں کو استعمال کرنے پر مجبور ہیں۔ جن کی گہرائی مختلف ہے۔ پانی کے ان ذخائر تک رسائی کنوئیں کھود کر ہوتی ہے۔ نجد کے نخلستان خرج میں کنوؤں کی گہرائی صرف 20 سے 40 فٹ ہے۔ حائل اور ریاض میں تقریباً 80 فٹ تک پہنچتی ہے۔ بعض اوقات پانی کے سوتے یکا یک غائب ہو جاتے ہیں جو غالباً زمین کے اندر انہیں کوئی اور نکاس مل جانے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ گرمی اور سردی کے موسم میں نجد میں بارشیں ہوتی ہیں۔ یہاں شدید بارشیں ہونے کا سراغ تاریخ سے ملتا ہے۔ ابن جبیر جیسے مشہور مسلم سیاح نے مارچ 1184ء میں ہونے والی ایک شدید بارش کا ذکر اپنے سفرنامے میں کیا ہے۔ اسی طرح مغربی سیاح ہوبر Huber نے جون 1884ء میں یہاں شدید بارش ہوتی ہوئی دیکھی تھیں۔

نجد کا بہترین حصہ الشرف ہے اور مرغزار چراگاہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں کی وادی الجریر اور وادی المیاء بہت مشہور ہیں۔ یہیں خلفائے راشدین نے محفوظ چراگاہیں (حمی) قائم کی تھیں۔ مثلاً درعیدہ، الرزبدہ، ذوالشریٰ اور نقیع میں خلفائے راشدین کی قائم کردہ چراگاہوں میں

Marfat.com

سب سے مشہور چراگاہ درعیہ میں تھی۔ جہاں حضرت عمرؓ نے فوجی ضرورتوں کے تحت چھ عربی میل کے قطر کا رقبہ تین سو گھوڑوں اور تیس ہزار اونٹوں کے لئے بطور چراگاہ حاصل کیا تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اس رقبے کو بڑھا کر دس میل کر دیا۔ عباسی خلیفہ المہدی نے یہ طریقہ جاری نہ رکھا کیونکہ وہ اسے اموی خلفاء کا طریقہ سمجھتے تھے جنہوں نے مغربی نجد کو خوب آباد کیا تھا۔

نجد آج کل مملکۃ العربیۃ السعودیہ کا ایک صوبہ ہے جس کا دارالحکومت ریاض ہے۔ الریاض ملک کا دارالحکومت بھی ہے۔ اس لیے زمینی اور فضائی راستوں سے ملک کے باقی حصوں سے ملا ہوا ہے۔ تیل کی دریافت نے ملک کی معاشی، اقتصادی اور معاشرتی حالت میں انقلاب عظیم برپا کر دیا ہے۔ باشندے خوشحال اور فارغ البال ہو گئے ہیں۔ اب اونٹوں کی جگہ نجد کے راستوں پر جدید قسم کی کاریں دوڑتی نظر آتی ہیں۔ نجد کے گوشے گوشے میں مدارس اور اہم مقام پر شفاخانے قائم ہو گئے ہیں۔ الریاض میں جامعہ امام محمد بن سعود جدید طرز کی یونیورسٹی ہے۔ اسلمی تعلیمات کی نشر و اشاعت کے لیے متعدد جماعتیں سرگرم عمل ہیں۔ الریاض اب عربی صحافت کا ایک بڑا مرکز ہے۔ نجد میں اب عصر حاضر کی تعلیم و تمدن اور ثقافت کے اثرات ہر جگہ نمایاں ہیں۔

Marfat.com

الرجیع

جزیرہ نمائے عرب کے دو مقامات کا نام الرجیع ہے۔ ایک الرجیع خیبر کے قرب وجوار میں تھا جہاں غزوہ خیبر کے موقع پر رسول اللہ نے پڑاؤ کیا تھا اور خواتین، زخمی مجاہدین اور بھاری سامان اسی مقام پر چھوڑا گیا تھا۔ یہ مقام مدینہ منورہ سے چار دن کی مسافت پر تھا۔

الرجیع نام کا دوسرا مقام مکہ المکرّمہ اور طائف کے درمیان الھداۃ نام کے ایک مقام کے قریب واقع ہے جس کے قریب ہی عہد نبویؐ اور عہد راشدہ میں بنو ہذیل کا ایک نخلستان واقع تھا جسے بئر معاویہ کہتے تھے۔ مکہ مکرمہ اور عسفان کے درمیان بقول امام بخاریؒ بنو ہذیل کے کنوئیں واقع ہیں۔ یاقوت کے مطابق الرجیع نامی ان دونوں مقامات کے درمیان تقریباً پندرہ دن کی مسافت ہے وہ مقام جہاں اصحاب رسولؐ کے ساتھ غزوہ الرجیع پیش آیا وہ موخذ الذکر مقام ہے۔

غزوہ احد کے بعد وسط ماہ صفر 4ھ میں قبیلہ عضل والقارۃ کے کچھ لوگ آنحضرتؐ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور اسلام کا اقرار کرتے ہوئے عرض کیا کہ ہمارے قبیلے کے لوگ اسلام سے بڑی رغبت رکھتے ہیں، اگر آپ اپنے اصحابؓ میں سے چند مبلغ ہمارے ساتھ کر دیں تو ہمارا قبیلہ ان کے ذریعے تعلیمات اسلام سے مستفید ہو جائے گا۔ ان کی اس درخواست پر رسول اللہ نے سات صحابہ کرام پر مشتمل ایک تبلیغی وفد ان لوگوں کے ہمراہ کر دیا۔ جو بزرگ صحابیؓ اس تبلیغی وفد میں شامل تھے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ حضرت مرثد بن المرثد الغنوی، خالد بن البکیر، عبداللہ بن طارق البلوی، ان کے بھائی معتب بن عبید، حضرت خبیب بن عدی، زید بن الدثنہ البیاضی اور عاصم بن ثابت رضوان اللہ ہم۔ اس وفد کی قیادت حضرت مرثد اور بعض روایات کے مطابق حضرت عاصم بن ثابتؓ کے سپرد تھی۔

الواقدی کے مطابق یہ بنو عضل والقارہ کی ایک چال تھی مگر چونکہ یہ درخواست تبلیغ اسلام کے نام پر کی گئی تھی اس لیے آنحضرتؐ نے قبول فرمالی تھی اور مبلغین کو پوری طرح تیار کر کے بھیجا تھا۔ اس مکارانہ چال کا پس منظر یہ تھا کہ سفیان بن خالد الہذلی جنگ احد میں مسلمانوں

Marfat.com

کے ہاتھوں قتل ہوا تھا، اس کا انتقام لینے کے لئے اس کی قوم کے چند لوگ قبیلہ عضل والقارۃ کے پاس گئے اور انہیں انعام واکرام کا لالچ دے کر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ تبلیغ اسلام کے نام پر اصحاب رسولؐ میں سے کچھ لوگ اپنے ساتھ لے آئیں تا کہ وہ اپنے مقتول سردار کا انتقام لے سکیں اور باقی ماندہ کو قریش کے حوالے کر کے ان سے منہ مانگی رقم وصول کر سکیں، چنانچہ جب تبلیغی وفد کے ارکان کو الرجیع نامی نخلستان کے قریب لے جایا گیا تو بنو ہذیل کے لوگوں کو ان پر حملہ کرنے کے لئے پکارا گیا۔ اس پر تقریباً ایک سو کے قریب آدمیوں نے تلواروں سے مسلح ہو کر مسلمانوں کے تبلیغی وفد پر حملہ کر دیا۔ صحابہ کرام نے بھی اپنی تلواریں بہادرانہ طور پر بے نیام کر دیں۔ اس پر وہ لوگ کہنے لگے ہم تم سے عہد کرتے ہیں کہ تمہیں قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ ہم تمہیں قریش کے سپرد کر دیں گے اور رقم وصول کر لیں گے۔ اس پر حضرت خبیب بن عدیؓ، زید بن الدثنہؓ اور عبداللہ بن طارق نے قیدی بننا پسند کیا مگر حضرت عاصم بن ثابتؓ حضرت مرثد، حضرت خالد اور معتبؓ نے ان ظالموں کی اس پیشکش کو ٹھکرا دیا اور حضرت عاصمؓ نے یہ کہہ کر تلوار چلانا شروع کر دی ''میں کبھی بھی بددیانت مشرکین کی پناہ میں آنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔''

حضرت عاصمؓ بن ثابت اور ان کے یہ ساتھی تو الرجیع کے موقع پر کفار سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ (بنو ہذیل) کے لوگوں نے حضرت عاصم کا سر ان کی شہادت کے بعد کاٹ لینا چاہا تھا اسے سلافہ بنت سعد کے ہاتھ بیچ سکیں۔ کیونکہ سلافہ کے دو نوجوان بیٹے حضرت عاصمؓ کے ہاتھوں جنگ میں مارے گئے تھے اور سلافہ نے منت مانی تھی کہ وہ اپنے بیٹوں کا انتقام حضرت عاصم کی کھوپڑی میں شراب پی کر لے گی، مگر اللہ کی قدرت دیکھیے کہ اس نے شہد کی مکھیوں کو بھیج کر حضرت عاصمؓ کی لاش کی حفاظت کی، پھر اسی رات اس علاقے میں شدید سیلاب آ گیا جو حضرت عاصمؓ کی لاش کو بہا کر لے گیا۔ اس طرح کفار انہیں شہید کرنے کے باوجود ان کی لاش تک نہ پہنچ سکے۔ چونکہ شہد کی مکھیوں نے ان کی حفاظت کی تھی اس لیے انہیں ''حمی الدبر'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس سے کچھ دن بعد بئر معونہ کا واقعہ پیش آیا۔ ان دونوں واقعات میں بہت سے قاری، حفاظ اور مبلغ شہید ہو گئے۔ کفار کی مکاری اور سازش اور مشرکین کی غداری کے باعث بزرگ صحابہ کرام کی شہادت کا آنحضرتؐ اور صحابہ کرامؓ کو بے حد صدمہ ہوا۔ چنانچہ آپ تقریباً ایک ماہ تک ہر نماز میں شہدائے الرجیع اور بئر معونہ کے قاتلوں کے لیے بددعا کرتے رہے۔

Marfat.com

شاعر رسولؐ حضرت حسان بن ثابتؓ نے بنو ہذیل اور بنولحیان کی اس غداری کی وجہ سے ہجو کی اور اصحاب الرجیع کی مدح بیان کی۔

جب پناہ لینے والے اصحاب الرجیع، حضرت خبیب، زید اور عبداللہ کو بنو ہذیل کے لوگ پابجولان کر کے مکہ لے جانے لگے تو مرالظہر ان کے مقام پر حضرت عبداللہ بن طارق نے ہتھکڑی سے ہاتھ نکال کر تلوار تھام لی، مگر بالآخر شہید کر دیئے گئے۔ ان کی قبر بھی مرالظہران میں ہے۔ حضرت خبیب اور حضرت زید کو مکہ لے جا کر قریش کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا، پھر قریش مکہ نے انہیں اسلام چھوڑ دینے کے لئے بے پناہ اذیتیں دیں، لیکن ان کے ایمان اور استقلال میں لغزش نہ آئی اور بالآخر انہیں پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔

حضرت خبیبؓ بن عدی کو مکہ میں حارث کے بیٹوں نے اور حضرت زیدؓ بن الدثنہ کو صفوان بن امیہ نے خریدا تھا۔

جب حضرت خبیب کو تنعیم کے مقام پر مقتل میں لایا گیا تو انہوں نے قریش سے اجازت لے کر بڑے خشوع و خضوع سے اپنی زندگی کی آخری دو رکعت نماز پڑھی اس طرح اس عاشق اللہ و رسولؐ نے شہادت سے پہلے نماز پڑھنے کی رسم کی ابتداء کی۔ ع رسم شبیری ہے ہے سر کٹانے سے پہلے کا سجدہ ادا کرنا۔ حضرت زید کو مقتل میں لایا گیا تو وہاں ابوسفیان بھی موجود تھا۔ اس نے حضرت زیدؓ سے پوچھا، سچ بتاؤ اگر اس وقت تمہارے بدلے محمد قتل کیے جاتے تو کیا تم اسے اپنی خوش نصیبی نہ سمجھتے؟

عشق رسولؐ سے سرشار حضرت زیدؓ نے بے ساختہ جواب دیا ''واللہ! مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ میرے بچاؤ کے بدلے رسول اللہؐ کے پاؤں مبارک میں بھی کانٹا چبھے۔ ابوسفیان یہ سن کر کہنے پر مجبور ہو گیا'' اللہ کی قسم! میری نظر سے کوئی شخص ایسا نہیں گزرا جو دوسرے شخص سے ایسی محبت کرتا ہو، جیسی اصحاب محمدؐ سے کرتے ہیں۔ حضرت زید کو صفوان کے حکم پر اس کے غلام نطاس نے شہید کیا تھا۔

Marfat.com

بیرِ معونہ

جولائی/اگست 625ء میں اسلام کے خلاف ایک اور خوفناک سازش بھی رونما ہوئی جو واقعہ بیرِ معونہ کہلاتی ہے۔ اس طرح صفر 4ھ کا مہینہ مسلمانوں کے لئے بہت بھاری رہا۔

قبیلہ کلاب کا رئیس ابو براء بن مالک کلابی رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اسے دعوت اسلام دی جسے اس نے قبول کیا۔ مگر رد بھی نہ کیا۔ البتہ آپؐ سے درخواست کی کہ مسلمان مبلغین و معلمین کی ایک جماعت اہل نجد کے ہاں بھیج دیں مجھے امید ہے کہ وہ لوگ اسلام قبول کر لیں گے۔ آپؐ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ مجھے اپنے آدمیوں کے متعلق اہل نجد سے خدشہ ہے۔ ابو براء نے کہا کہ میں ان کا ضامن ہوں۔ آپؐ نے چالیس یا ستر مبلغین کی ایک جماعت تیار کی جن میں اکثریت اہل صفہ کی تھی اور انہیں نجد روانہ کیا۔ اس جماعت کے امیر حضرت منذر بن عمرو ساعدیؓ مقرر ہوئے جو حضرت عمر فاروق کے خسر اور عاصم بن عمرؓ کے نانا تھے۔ مسلمانوں میں یہ جماعت قراء کے نام سے مشہور تھی اور اپنے زہد و ورع کی وجہ سے بڑی مقدس سمجھی جاتی تھی۔

بیرِ معونہ کے مقام پر صحابہ کرامؓ کی اس مقدس جماعت نے قیام کیا اور حضرت حرام بن ملحانؓ کو رسول اللہؐ کا نامہ مبارک دے کر بنو عامر کے رئیس عامر بن طفیل کے پاس بھیجا۔ وہ بڑا شقی القلب انسان اور فرعون وقت تھا۔ قاصد رسولؐ کو دیکھتے ہی آگ بگولا ہو گیا۔ اس ظالم نے نہ تو نامہ مبارک کو پڑھنا ہی گورا کیا اور نہ ہی بین الاقوامی آداب سفارت کا کچھ خیال کیا۔ اپنے مہمان حضرت حرام بن ملحانؓ کو اشارے سے نیزہ مار کر شہید کرا دیا۔ اس شقی القلب نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے قبیلہ والوں کو اس جماعت مقدس کے قتل پر اکسایا مگر اہل قبیلہ نے محض اس بناء پر اس بہیمانہ اقدام سے اجتناب کیا کہ عامر بن طفیل کے چچا ابو براء نے نجد میں مسلمانوں کی سلامتی کی ضمانت دی تھی۔ ان سے مایوس ہو کر وہ فرعون وقت بنو سلیم کو اس جرم پر آمادہ کرنے کے لئے گیا ان بد بخت لوگوں نے اس کے کہنے پر قبائل عصیہ، رعل اور ذکوان کی ایک مختصر جماعت لے کر صحابہ کرام کی مقدس جماعت پر حملہ کر دیا اور ان سب سفرائے امن کو شہید کر دیا۔ اس جماعت کے صرف دو اشخاص زندہ بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو سکے۔ ایک حضرت کعب بن زیدؓ انصاری جنہیں مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا گیا تھا اور دوسرے حضرت عمروؓ بن امیہ ضمری جن کو عامر بن طفیل نے یہ

Marfat.com

کہہ کر چھوڑ دیا کہ اس کی ماں نے قبیلہ ضمری کے کسی شخص کو آزاد کرنے کی منت مانی تھی۔

حضرت عمرو بن امیہؓ اپنے ساتھیوں بہیمانہ قتل عام کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر صدمے سے نڈھال مدینہ کی طرف واپس آرہے تھ یکہ ان کی مڈبھیڑ بنو کلاب کے دو اشخاص سے ہوگئی۔ حضرت ابن امیہ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ جوش انتقام میں ان دونوں اشخاص کو قتل کر دیا۔ انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ ان دونوں کو آنحضرتؐ امان دے چکے تھے۔ آپؐ سے جب عمرو بن امیہ نے اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ کو اس کا سخت رنج پہنچا۔ آپؐ نے اس واقعہ پر ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اور مقتولین کا خون بہا دینے کا اعلان کیا۔ آپؐ خون بہا دینے کے سلسلے میں خود تشریف لے گئے اور بنو کلاب کے حلیف بنو نضیر سے بات چیت کی مگر بنو نضیر نے آپؐ کو ہلاک کرنے کی سازش و کوشش کی، اس طرح یہ واقعہ غزوہ بنو نضیر کا فوراً سبب بن گیا۔

اس طرح دشمنان اسلام کی اس خطرناک سازش کہ جس کے ذریعے وہ مسلمانوں کے فضلاء بالخصوص حفاظ قرآن اور عالموں کو غداری اور دھوکے سے قتل کر دینے کے منصوبے پر عمل پیرا تھے، کا ایک حصہ یوم الرجیع کے شہداء تھے اور اس سازش کی دوسری کڑی شہدائے بیئر معونہ تھے۔ بیئر معونہ علاقہ بنو عامر اور حرہ بنو سلیم کے درمیان ایک کنواں تھا جو بنو سلیم کی ملکیت تھا اور ان کے قریب تر بھی۔ اس کنوئیں کے آس پاس کا علاقہ بھی بیئر معونہ ہی کہلاتا ہے۔ ویسے تو مدینہ منورہ اور اس کے گرد و نواح میں بہت سے کنوئیں اور چشمے تھے جو مختلف ناموں سے پکارے جاتے تھے۔ لیکن تاریخ اسلام کے اس خونی واقعہ کی وجہ سے بیئر معونہ کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ یہ کنواں مدینہ سے مکہ جانے والے راستے پر بنو سلیم کی پتھریلی زمین شروع ہونے سے پہلے ابلیٰ پہاڑ میں واقع تھا۔

بیئر معونہ کا سانحہ 20 صفر 4ھ کو پیش آیا۔ اس واقعہ میں شہید ہونے والے صحابہ کرامؓ کے چند اسمائے گرامی یہ ہیں۔ سعدؓ بن عمرو، الحارث بن الصمتہ بن عمرو النجاری، قطبہؓ بن عبد عمرو النجاری، سلیمؓ بن ملحان، حرامؓ بن ملحان، خالد بن ابی صعصعتہ، المنذرؓ بن محمد، رافعؓ بن ورقا الخزاعی، عروہ بن اسماء، حکمؓ بن کیسان، نافع ابن ہذیل بن ورقا، عامر بن البکیر، المنذر بن عمرو، عامر بن فہیرہ، یہ حضرت ابو بکرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کے قتل کرنے والے جبار بن سلمیٰ کا بیان ہے کہ جب میں نے ان کو نیزہ مارا تو کسی نے میرے نیزے کو اچک لیا، پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے ان کو آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا پھر فرشتوں نے ان کی تدفین کی۔

Marfat.com

الیمامہ

وسطی عرب کا ایک علاقہ جسے اصل میں ''جو'' (وادی کی تہہ) کہتے تھے۔ آج کل یمہ کے نام سے وہ نخلستان معروف ہے جو وادی عجیمی میں جبل طویق کی جنوب مشرقی ڈھلوان پر واقع اور کھجوروں کے ایک مربع میل جھنڈ اور چار دیہات پر مشتمل ہے۔ اس کے سامنے ایک وسیع رقبہ میں محلات و مکانات کے کھنڈر بکھرے پڑے ہیں۔ لہٰذا مغربی سیاح فلبی Philby قدیم یمامہ کا محل وقوع وادی حنیفہ اور وادی نساح کے زاویہ میں قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس کا پہلا صدر مقام الخضر مہ وادی العرض میں واقع تھا۔ چوتھی صدی ہجری کے نصف آخر میں صحرا الیمامہ نے اس کی جگہ لے لی تھی۔ خضر مہ ایک شہر بیان کیا گیا ہے جو المدینہ سے چھوٹا تھا مگر زرعی پیداوار کے لئے مشہور تھا۔ یمامہ کی ایک اور خصوصیت یہاں کی لونڈیاں تھیں جو اپنے حسن کی بدولت بڑے مہنگے داموں میں بکتی تھیں۔

عہد قبل از اسلام میں یمامہ میں بنو جدیس آباد تھے۔ جن کے قلعے وادی عرض میں واقع تھے۔ یہ حمیری حکمرانوں کے ماتحت تھے۔ ان کے بعد بنو حنیفہ بن لجیم تھے جو مسلیمہ کذاب، جھوٹے مدعی نبوت کے خلاف جنگ (12ھ) میں قریب قریب ختم ہو چکے تھے۔ آج کل یہ علاقہ سعودی قلمرو میں شامل ہے اور صرف پانچ ہزار کی آبادی کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ فلبی بلاشبہ صحیح طور پر اس کی قدیم مزروعہ زمین کی بربادی کو وادی حنیفہ میں آنے والے ایک تباہ کن طوفان سے منسوب کرتا ہے۔

کہتے ہیں الیمامہ کے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ قبیلہ جدیس کی ایک عورت زرقا الیمامہ بنت مرکو اس کے دروازے پر پھانسی دی گئی تھی، جس کی وجہ سے یہ یمامہ کہلانے لگا تھا۔

7ھ کی ابتداء میں جب رسول اللہ نے شاہان عالم کو خطوط بھیجے تھے تو ان میں سے ایک نامہ ہوذہ بن علی الحنفی و اہل یمامہ کے نام بھی تھا جس میں ایک انہیں دعوت اسلام دی گئی تھی۔ ہوذہ بن علی الحنفی نے نامہ مبارک کا جواب یہ دیا تھا کہ ''اگر آپؐ اپنے بعد مسلمانوں کی امارت میرے لئے مخصوص فرما دیں تو میں اسلام قبول کرلوں گا اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ کی مدد کروں گا۔ اسی طرح بنی حنیفہ کے وفد کے ساتھ آنے والے مسلیمہ کذاب نے رسول اللہ سے عرض کی تھی کہ اگر آپؐ چاہیں تو ہم آپ ﷺ کے لئے نبوت کا معاملہ فی الحال چھوڑ

Marfat.com

دیں اور اس شرط پر آپؐ سے بیعت کرلیں، کہ یہ آپ کے بعد ہمیں ملے گی۔ جب بنی حنیفہ کا یہ وفد الیمامہ واپس آیا تو مسلیمہ کذاب نے اپنی جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ ایک اور کاذب شخص الرجال بن عنفوہ نے اس کے اس جھوٹے دعویٰ نبوت کی شہادت دی تھی اور کہا تھا کہ رسول اللہؐ نے اس کو اپنے ساتھ شریک نبوت ٹھہرالیا ہے۔ بنی حنیفہ اور دیگر اہل یمامہ اس کی پیروی کرنے لگے۔ اس نے رسول اللہ کی خدمت میں عبادہ بن الحارث کے ہاتھ خط بھیجا جس میں لکھا تھا

"مسلیمہ رسول اللہ کی جانب سے محمد رسول الہؐ کے نام

اما بعد نصف زمین ہماری ہے اور نصف قریش کی، مگر قریش انصاف نہیں کرتے والسلام علیک۔

اس گستاخانہ خط کے جواب میں آنحضرتؐ نے تحریر فرمایا!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم محمدؐ النبی کی جانب سے مسلیمہ کذاب کے نام اما بعد زمین اللہ کی ملک ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے۔ عاقبت پرہیزگاروں کے لئے اور سلامتی اس پر جو راہ راست پر چلے۔ پھر آنحضرتؐ کی وفات کے بعد خلیفہ اول نے نجد اور دیگر علاقوں کے جھوٹے مدعیان نبوت کے خلاف عسکری کارروائی کی اور مرتدین کا پورا استحصال کر کے حضرت خالد بن ولیدؓ کو جھوٹے مسلیمہ سے لڑنے یمامہ بھیجا۔ پہلا شخص جو مسلیمہ کے حق میں مسلمانوں سے لڑا وہ الرجال بن عنفوہ تھا۔ مسلیمہ کو خداش بن بشیر بن الاصم نے قتل کیا۔ یہ بھی روایت ہے کہ مسلیمہ کو وحشی بن حرب حبشی نے قتل کیا تھا۔ وہ اس جنگ کے بعد کہا کرتا تھا کہ جس نے ایک بہترین انسان (حضرت حمزہؓ) اور ایک بدترین انسان (مسلیمہ کذاب) کو قتل کیا۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان کا دعویٰ تھا کہ مسلیمہ کو انہوں نے قتل کیا تھا۔ بنو امیہ مسلیمہ کا قاتل حضرت معاویہؓ کو سمجھتے تھے۔ بہر حال الیمامہ عہد راشدہ میں 12ھ میں فتح ہوا۔

یمامہ نجد میں شامل ہونے کے باوجود ایک الگ خطہ ہے۔ اس کے مشرق میں متحدہ عرب امارات، عمان اور بحرین، شمال اور مغرب میں اصل نجد اور جنوب میں ربع الخالی کا صحرا ہے۔ یمامہ کے قدیم شہر حجر کے آثار ریاض سے تقریباً 50 کلومیٹر شمال میں واقع ہیں۔ عہد نبوی میں یمامہ کے حکمران ثمامہ بن اثال نے اسلام قبول کیا تھا۔

Marfat.com

الابواء

ابواء ایک مقام جو مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ جانے والی شاہراہ پر الجحفہ سے 23 میل دور، قبیلہ کنانہ کی شاخ بنوضمرۃ کے علاقے میں واقع ہے۔ بعض روایات کے مطابق یہ ایک پہاڑ کا نام تھا جو اس مقام پر واقع ہے۔ حضرت محمد رسول اللہؐ کی والدہ ماجدہ سیدہ حضرت آمنہؓ نے مدینہ منورہ سے مکہ المکرّمہ واپس آتے ہوئے اسی مقام پر وفات پائی تھی اور اسی مقام پر مدفون ہوئی تھیں، لیکن بعض روایات کے مطابق آپؓ کو مکہ معظمہ میں دفن کیا گیا تھا۔

مدینہ منورہ سے پہلی عسکری مہم جس میں رسول اللہؐ نے خود شرکت فرمائی تھی۔ مقام الابواء اور اس کے قریب ایک اور مقام ودان کی طرف روانہ ہوئی تھی۔ اسلام کی یہ پہلی عسکری مہم غزوہ ابواء کہلاتی ہے۔ صفر 2ھ / 1 اگست 623ء میں آپؐ نے مدینہ منورہ میں حضرت سعدؓ بن عبادہ کو اپنا قائم مقام بنایا اور خود 70 صحابہ کرامؓ کے ہمراہ پہلے ودان اور پھر ابواء تشریف لے گئے جو قریش کی شام جانے والی تجارتی شاہراہ پر ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتا تھا۔ آج کل یہ دونوں مقام ضلع فرع میں واقع ہیں اور ان کے درمیان تقریباً سات، آٹھ میل کا فاصلہ ہے۔ محدثین کرام نے آپؐ کی اس اولین عسکری مہم کو اول الغزوات قرار دیا ہے۔

مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ جب 3ھ/ 625ء میں اہل مکہ نے مدینہ منورہ پر چڑھائی کی تھی تو وہ مقام ابواء پہنچے۔ اس مقام پر پہنچنے کے بعد ان میں سے بعض نے یہ تجویز پیش کی کہ نعوذ باللہ والدہ ماجدہ رسول اللہؐ جناب حضرت آمنہؓ کی لاش ان کی قبر کھود کر نکال لی جائے۔ لیکن اکثریت نے اہل قبور کی اس بے حرمتی کی مخالفت کی جس کی وجہ سے سیدہ آمنہؓ کی قبر مبارک محفوظ رہی۔

پھر بیسویں صدی عیسوی میں فتح حجاز کے بعد سعودی حکمرانوں نے جہاں بقیع غرقد اور جنت المعلیٰ جیسے عظیم قبرستانوں میں صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار کی قبور پر بنے ہوئے روضے اور قبے منہدم کر دیئے، وہیں مقام ابواء میں والدہ ماجدہ نبویؐ کے روضہ کو بھی ڈھا دیا گیا

Marfat.com

اور یوں تمام نشانات بزرگان دین نیست و نابود کر دیئے گئے۔ یہاں تک کہ قبور کے علاوہ مولد النبیؐ اور مولد حضرت فاطمہؓ کے گنبد بھی مسمار کر دیئے گئے جو کہ قبور پر نہیں تھے۔

بواط اور غزوہ بواط:

غزوہ بواط ربیع الآخر 2ھ/623ء میں پیش آیا۔ اس غزوہ میں رسول اللہؐ قافلہ قریش کی تلاش میں جبل رضوی کے نواح میں بواط کے مقام تک پہنچے تھے جو جہینہ قبیلے کے دو پہاڑ تھے۔ یہ ینبع البحر کی جانب سے شمال میں تقریباً 60 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہیں جبکہ مدینہ منورہ سے تقریباً 110 کلومیٹر مغرب میں واقع ہیں۔ اس غزوہ کے موقع پر رسول اللہؐ نے حضرت سائبؓ بن عثمان بن مظعون کو اپنا قائم مقام مقرر کیا تھا اور 200 مجاہدین کی معیت میں بواط پہنچے تھے، لیکن کاروان قریش ہاتھ نہ آیا، غالباً قریش کو آپؐ کی آمد کی اطلاع مل گئی تھی۔

ذوالعشیرہ:

مدینہ منورہ سے تقریباً 130 کلومیٹر کے فاصلے پر ینبع اور الابواء کے نواح میں ایک چھوٹا سا قلعہ تھا جو ذوالعشیرہ کہلاتا تھا۔ یہاں نومبر 623ء میں غزوہ عشیرہ پیش آیا تھا۔ اس کا مقصد بھی ایک تجارتی قافلے کو روک کر مسلمانوں کی اہمیت کا احساس دلانا تھا۔ تاہم یہ قافلہ بھی مجاہدین اسلام کی آمد سے کئی دن پہلے یہاں سے گزر گیا تھا۔ عصر حاضر میں یہ تاریخی قصبہ معدوم ہو چکا ہے اور آج کل وہاں عین البرکہ آباد ہے۔ یاد رہے کہ البرکہ بدر سے مدینے کے راستے پر کچھ فاصلے پر آباد ہے اور العشیرہ مدینہ سے پچاس کلومیٹر جنوب میں جدید شاہراہ مکہ کے مشرق میں واقع ہے۔

بیئر ام معبد:

اسے خیمہ ام معبد بھی کہا جاتا ہے اور یہ قدید کے شمال اور مشلل کے مشرق میں واقع ہے۔ یہاں نبی اکرمؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ہجرت کے سفر میں ایک دوپہر ام معبد بن حارث عسیؓ کے خیمے میں قیام کیا تھا اور اس کی بکری کا دودھ نوش فرمایا تھا۔

عسفان:

یہ مقام مکہ سے 80 کلومیٹر شمال میں ہے۔ سفر ہجرت میں نبیؐ پاک عسفان کے جنوب سے گزر کر رابغ کی طرف گئے تھے۔ اسی مقام پر 5ھ میں بنی لحیان کے خلاف غزوہ وقوع پذیر ہوا تھا۔

Marfat.com

مر الظہران:

اصمعی نے مرّ کے معنی بستی کے اور ظہران کو ایک وادی بتایا ہے۔ دوران ہجرت نبی کریمؐ یہاں سے گزرے تھے۔ یہاں بنو اسلم اور بنو ہذیل آباد تھے۔ یہاں غزوہ بدر الآخرہ، ذی قعدہ 4ھ میں پیش آیا تھا۔ اسی مقام پر جنگ احد کے ایک بعد ابو سفیان اپنے وعدے کے مطابق ایک لشکر لے کر آیا تھا جس میں 2 ہزار افراد شامل تھے مگر پھر مقابلہ کئے بغیر واپس لوٹ گیا تھا۔

جحفہ:

یہ شام اور مصر سے آنے والوں کے لئے میقات ہے جو مدینہ منورہ سے نہ گزرنا چاہیں: جحفہ، رابغ کے جنوب مشرق میں 22 کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ یہ شارع جدہ سے مشرق کی طرف تقریباً دس کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔

وادی الرمہ اور اصحاب الرس:

شمالی نجد کا وسطی علاقہ العقیم حرہ خیبر اور جنوبی حایل سے آنے والی ندی ''وادی الرمہ'' کے دونوں کناروں پر آباد ہے۔ یہاں کے مشہور مقامات میں ایک الرس ہے۔ قرآن مجید کی سورہ فرقان کی آیت نمبر 38 اور سورہ ق کی آیت نمبر 12 میں اصحاب الرس (کنوئیں والوں) کا ذکر آیا ہے جنہوں نے انبیاء کرام کو جھٹلایا اور تباہی سے دوچار ہوئے۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اصحاب الرس نے اپنی نبی کو کنوئیں میں پھینک دیا تھا۔ اس لیے وہ اصحاب الرس کہلائے۔ آج کل یہ الافلاج کے علاقے میں واقع ہے جو الریاض سے 325 کلومیٹر جنوب میں واقع ہے۔

جنوبی نجد میں الریاض سے نجران جانے والی شاہراہ الافلاج سے گزرتی ہے جس پر لیلیٰ اور البدیع نامی دو قصبے آباد ہیں۔ محققین کا خیال ہے کہ ممکن ہے انہیں میں سے کوئی ایک ماضی کا فلج ہو۔ کہا جاتا ہے قصبہ لیلیٰ سے کچھ فاصلے پر قیس عامری کی مشہور زمانہ محبوبہ لیلیٰ کی قبر موجود ہے۔ یہ قیس عامری وہی قیس ہے جو دنیائے ادب میں مجنوں کے نام سے مشہور ہے۔

چھانی ہے خاک ہم نے بھی صحرائے نجد کی
مجنوں کا نام ہو گیا قسمت کی بات ہے

Marfat.com

عمان

محل وقوع:

عمان جزیرہ نما عرب کے مشرقی ساحل پر واقع ایک قدیم ریاست ہے۔ یہ خلیج فارس اور خلیج عمان کے مقام اتصال پر واقع جزیرہ نما راس مسندم عمان کا حصہ ہے۔ اس کے شمال میں خلیج عمان، مشرق اور جنوب میں بحیرہ عرب، جنوب مغرب میں یمن، مغرب میں سعودی عرب اور شمال مغرب میں متحدہ عرب امارات واقع ہیں۔

آب و ہوا:

یہاں سال بھر موسم گرم و خشک رہتا ہے البتہ پہاڑی علاقوں میں موسم قدرے خوشگوار ہے۔

معدنیات، اہم زرعی پیداوار:

کھجور، کیلا، آم، ناریل، گنا، انار، تمباکو و گندم۔ اہم معدنیات میں تیل، قدرتی گیس، تانبا، جست لوہا وغیرہ شامل ہیں۔ عمان کا سب سے زرخیز حصہ باطینہ ہے جو ایک ساحلی میدان ہے۔ عرب کے جغرافیہ نگار یہاں کی کھجوروں کے بارے میں رطب اللسان ہیں۔

زمانہ قدیم میں عمان کو بحری تجارت میں بڑی اہمیت حاصل تھی۔ اور یہاں کی تجارت بحر ہند اور خلیج فارس کے علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ اسلام کی آمد سے پہلے عمان میں بنی المتکبر کی ایک بڑی سلطنت موجود تھی جو ایرانی سلطنت کی باج گزار تھی۔ جب جبل فاران کی چوٹیوں کو اسلام کے نور نے منور کیا تو اس وقت عمان کے تخت پر المتکبر خاندان کے دو رئیس فرمان روا تھے۔ ان دونوں نے پیغمبر اسلامؐ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ پھر 630ء میں یہاں کے باشندوں نے اسلام قبول کیا۔ عہد راشدہ میں یہاں اسلام خوب پھلا پھولا۔

تاریخ اسلام میں فتنہ خارجی کے رونما ہونے کے بعد عمان پر خارجیوں کی حکومت قائم ہو گئی اور بعد ازاں یہاں کے سربراہ مملکت امام کہلانے لگے۔ 751ء میں خارجیوں کا یہ امام

Marfat.com

پہلے عباسی خلیفہ ابوعباس السفاح کے ہاتھوں جنگ میں مارا گیا۔

دسویں صدی میں قرامطہ نے عمان کو فتح کر لیا۔ بعدازاں یہاں سلجوق ترک قابض ہو گئے۔

عصر جدید میں پرتگیزیوں نے یہاں قبضہ کرنے کی بہت سی کوششیں کیں۔ 1508ء میں یہاں پرتگیزیوں کا قبضہ ہو گیا۔ 1650ء میں امام نصر بن مرشد اور اس کے جانشین سلطان بن سیف نے اسے پرتگیزیوں کے قبضہ سے آزاد کرایا۔ موجودہ شاہی خاندان کا آغاز 741ء میں احمد بن سعید یمنی نے کیا تھا۔ یہی خاندان تقریباً 250 سال سے برسراقتدار ہے۔

عہد راشدہ میں:

کہتے ہیں وصال نبویؐ کے بعد جب حضرت ابوبکر مسند آرائے خلافت ہوئے تھے تو عمان کے ازدی بھی مرتد ہو گئے تھے اور ان کا سردار لقیط بن مالک ذوالتاج دبا کی طرف بھاگ گیا تھا۔ بعض مؤرخین کے مطابق وہ دوما کی طرف بھاگا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حذیفہؓ بن محصن البارقی کو جو ازدیوں میں سے تھے اور حضرت عکرمہؓ بن ابوجہل کو مرتدین کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ اہل دباء میں سے اس جنگ میں گرفتار ہوئے انہیں عکرمہؓ نے غلام بنا کر مدینہ منورہ بھیجا۔ پھر ازدیوں نے دوبارہ اسلام کی طرف رجوع کیا مگر اہل عمان میں سے بعض گروہ مرتد ہو کر الشجر کی طرف بھاگ گئے۔ عکرمہ نے ان کا تعاقب کیا اور ان پر فتح پائی۔ اس کامیابی کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حذیفہ بن محصن کو عمان کا والی مقرر کیا اور وہ اپنی وفات تک یہیں رہے۔ ان کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عکرمہؓ کو الیمن بھیج دیا۔

اس کے بعد اہل عمان اسلام پر قائم رہے اور صدقات اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے حتیٰ کہ خلافت راشدہ میں حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں یہاں خارجیوں کا زور ہو گیا۔ خلافت عباسیہ میں جب ہارون الرشید کا زمانہ آیا تو اس نے عیسیٰ بن جعفر کو عمان کا والی مقرر کیا۔ اہل عمان نے جو خارجی تھے اس عباسی سالار سے جنگ کی اور اسے شہر میں داخل نہ ہونے دیا یہاں تک کہ اسے شکست دے کر سولی پر چڑھا دیا۔ پھر یہ عباسیوں کی اطاعت سے انکاری ہو گئے اور انہوں نے اپنوں ہی میں سے ایک والی بنا لیا۔

Marfat.com

الیمن

محل وقوع:

یمن جزیرہ نمائے عرب کے جنوب مغرب میں ایک خودمختار مملکت ہے۔اس کے نام کی وجہ تسمیہ محققین نے مختلف بیان کی ہے۔بعض کے مطابق اسے یمن اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ علاقہ کعبہ کے دائیں طرف یمین یا سورج کے دائیں طرف واقع ہے۔بعض کا خیال ہے کہ چونکہ یقطن بن عابر اور اس کے ساتھی دیگر عرب قبائل سے جدا ہو کر دائیں طرف مڑ گئے تھے، اس لئے یہ نام پڑا جبکہ کچھ کے نزدیک ایک فرضی عرب جانباز یمن بن قحطان کے نام سے اس کا نام نکلا ہے۔مشہور مستشرق سپرینگر کا خیال ہے کہ اہل یونان اور اہل روم تمن اور یمن کا ترجمہ Eudaemon اور Felix کیا کرتے تھے اور Arabia Felix میں اس سارے علاقے کو شامل کرتے تھے جو شام کے جنوب میں واقع ہے۔یہ یمن کی قریب وہی حد بندی ہے جو عہد نبویؐ کی طرف منسوب کی جاتی ہے کہ تبوک میں آپ سرکار دو عالمؐ ایک ٹیلے پر چڑھے اور شمال کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ "یہ سب شام ہے" اور پھر جنوب کی طرف مڑ کر ارشاد فرمایا "یہ سب الیمن ہے"۔

قدیم یونانی جغرافیہ نگار بطلیموس کے مطابق Arabia Felix کی حدود العقبہ سے تقریباً 6 میل کے فاصلے سے شروع ہو جاتی تھیں جس کے شمالی حدود وہاں سے شمال مشرق کی طرف جبال شراء کے دامن کو جاتی ہیں اور پھر مشرق کو مڑ کر النفود کے ریگستان کے شمال سرے کو عبور کرتے ہوئے النجف پر ختم ہو جاتی ہیں۔الواسعی یمن کی حدود اس طرح بیان کرتا ہے۔اس کے مشرق میں خلیج فارس، جنوب میں بحیرہ عرب، مغرب میں بحیرہ احمر اور شمال میں خلیج قلزم، شام اور عراق واقع ہیں۔یمن کو اس کی ہریالی کی وجہ سے الخضراء بھی کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

اسلامی عہد:

اہل یمان کا ایک وفد بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوا اور آپ نے انہیں تحریر کر کے دیا کہ اہل یمن کے تمام اموال اور اراضی جس پر وہ اب قابض ہیں اسلام لانے کے بعد بھی ان کی ملکیت رہیں گی۔

الواقدی کے مطابق رسول اللہؐ نے خالد بن سعید بن العاص کو صنعا کا گورنر مقرر کر کے روانہ کیا تھا۔ بعض مؤرخین نے المہاجر بن امیہ کا نام لکھا ہے جبکہ بعض کہتے ہیں کہ المہاجر کو عہد راشدہ میں حضرت ابوبکرؓ نے صنعا کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔ اس پر سب کا اجماع ہے کہ رسول اللہؐ نے زیاد بن لبید کو حضرت موت کا والی مقرر کیا تھا۔

یمن تاریخ و تہذیب عالم میں ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔ محققین کے نزدیک اس ملک کی تاریخ کا آغاز 2500 ق م میں شاہان مکرب سبا کی سلطنت بنے ہوتا ہے جو 650 قبل از مسیح تک قائم رہی۔ انہیں تاریخ یمن میں کاہن بادشاہ کا جاتا ہے۔ ان بادشاہوں کا دارالحکومت صرواح کہلاتا تھا۔ دسویں صدی قبل از مسیح (965 ق م...... 926 ق م) میں یہاں حضرت سلیمانؑ کی ایک ہم عصر ملکہ شیبا Sheba کی حکومت رہی۔ اسے ملکہ سبا کہا جاتا ہے۔ اس ملکہ کے عہد میں اہل یمن سورج کی پرستش کرتے تھے اور انہوں نے شمس دیوتا کا جو معبد تعمیر کیا تھا وہ قدیم زمانے کے فن تعمیر کی معراج تھا۔ اس معبد میں 365 ایسے روشن دان یا سوراخ رکھے گئے تھے جن سے فلک پر سفر کرتے ہوئے سورج کی کرنیں مختلف اوقات میں معبد میں پڑتی تھیں اور اہل یمن ان اوقات میں سورج کی پوجا کرتے تھے۔

روایات کے مطابق یمن ہی وہ علاقہ ہے جہاں سے عربوں و عرب تمدن کا آغاز ہوا تھا۔ عربی زبان کے قدیم ترین مخطوطے بھی یمن ہی میں دریافت ہوئے ہیں۔ قرآن مجید کے مطابق ملکہ سبا (بلقیس) حضرت سلیمان کی نبوت پر ایمان لے آئی تھی اور اہل یمن اللہ کی وحدانیت کے قائل ہو گئے تھے مگر بعد کے زمانوں میں کسی وقت پھر یہاں بت پرستی شروع ہو گئی۔

650 ق م کے بعد شاہان یمن نے مکرب کا لقب چھوڑ کر ملک کا لقب اپنا لیا اور تقریباً اسی زمانے کے میں سد مآرب نام کے ایک قدیم ڈیم کی بنیاد رکھی۔ اب دارالحکومت کا نام بھی

Marfat.com

مآرب ہوگیا جو صنعا سے 60 میل مشرق کی جانب اور سطح سمندر سے 4000 فٹ کی بلندی پر واقع تھا۔ زمانہ قدیم میں سد مآرب کی تعمیر کے بعد یمن میں زراعت اور خوشحالی کو فروغ ملا۔ 115 ق م میں مملکت سبا پر حمیر نامی ایک قبیلے کے لوگ قابض ہو گئے اور 300 عیسوی تک یہاں حکومت کرتے رہے۔ حمیریوں نے مآرب کی جگہ زیدان کو دارالحکومت قرار دیا۔ بعد کے زمانے میں یہ شہر ظفار کے نام سے مشہور ہوا تھا۔ اسی عہد میں ملک کا نام ''یمنات'' رکھا گیا تھا جس کا اختصار یمن بن گیا۔

300 عیسوی سے 450 عیسوی تک کا زمانہ یمن کی تاریخ میں شرک اور بت پرستی کی انتہا کا زمانہ ہے۔ اسی ظلم عظیم کے نتیجے میں ملک شدید خانہ جنگیوں اور بیرونی حملہ آوروں کی مداخلت کے دور سے گزرا۔ پھر 450 عیسوی کے لگ بھگ یمن پر ایک اور قیامت ٹوٹ پڑی۔ سد مآرب جیسا عظیم تاریخی ڈیم ایک طاقتور سیلاب کی وجہ سے ٹوٹ گیا۔ کہتے ہیں کہ یہ سیلاب ایک قہر الٰہی تھا جو یمنیوں کے شرک اور بت پرستی کے نتیجے میں ان پر نازل کیا گیا تھا۔ اس سیلاب کو اللہ کی آخری الہامی کتاب قرآن مجید میں ''سیل العرم'' کا نام دیا گیا ہے۔ اس بند کے ٹوٹ جانے کے بعد ملک میں زرعی خوشحالی تقریباً ختم ہو گئی۔ 450ء کے بعد کچھ عرصہ یمن پر یہودیوں نے حکومت کی 230ءمیں یہودی بادشاہ ''ذونواس'' نے ملک کی عیائی آبادی پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے۔ قرآن مجید میں واقعہ اصحاب الاخدود اسی بادشاہ کے ظلم وستم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پھر شاہ حبشہ نے حمیری سلطنت یمن کا خاتمہ کر دیا اور یمن کو سلطنت حبشہ میں شامل کر لیا۔ لیکن حبشہ کے یہ نئے عیسائی حکمران بھی جو عیسائیوں کو یہودیوں کے ظلم سے بچانے کے لئے یمن آئے تھے۔ خود بھی ظالم ثابت ہوئے۔ 570ء عیسوی میں مکہ پر اپنے ہاتھیوں سمیت حملہ کرنے والا البراہہ، یمن کا ایک حبشی گورنر تھا جو بیت اللہ کو مسمار کرنا چاہتا تھا مگر قرآن مجید کے مطابق اس نے ابابیل جیسے ننھے پرندوں سے شکست کھائی (الفیل)

575ء میں ساسانی ایران یمن پر قابض ہو گیا اور 628ء میں یمن کے ایرانی گورنر باذان کے قبول اسلام تک یہاں ایرانیوں کی حکومت رہی پھر 623ء میں مسلمانوں نے پورا یمن اسلامی قلمرو میں شامل کر لیا۔ عہد بنو امیہ کے بعد عہد عباسیہ میں یہاں نیم مختار اور مختار

Marfat.com

خاندانوں مہدوی، ایوبی اور یعروبی آئمہ کی حکومت رہی۔

10 ویں صدی عیسوی میں عراق کے زیدی شیعہ امام یمن میں برسر اقتدار آ گئے۔ قرامطہ اور اسماعیلی فرقے ان کی وساطت میں خوب پھلے پھولے۔

1037ء میں یہاں فاطمین مصر کی حکومت قائم ہوئی جو تقریباً ایک صدی تک قائم رہی۔ ان کے بعد ایوبی، مملوک اور عثمانی ترک یہاں کے سیاہ وسفید کے مالک بنے۔ سولہویں صدی میں پرتگیزوں کو دنیا کے سمندروں پر تصرف حاصل ہوا تو انہوں نے بحر ہند میں واقع یمن کا جزیرہ ''سکوترا'' ہتھیا لیا۔ 1538ء میں یمن سلطنت عثمانیہ کا حصہ بن گیا۔ 1618ئمیں مغرب کی سب سے عیار قوم بھی یعنی انگریزوں نے عثمانی سلطان کی اجازت سے یہاں ایسٹ انڈیا کمپنی کی ایک فیکٹری قائم کی پھر اس عیار قوم نے ہندوستان کی طرح 1756 تک یمن کو اپنا زیر حفاظت علاقہ قرار دے دیا۔ جہاں مقامی شیخ خود مختار تھے۔ 1802ء میں ایک معاہدے کے تحت عدن پر برطانیہ کا تسلط قائم ہو گیا۔ 1802ء میں ایک معاہدے کے تحت عدن پر برطانیہ کا تسلط قائم ہو گیا۔ 1815ء میں مصر کے گورنر محمد علی پاشا نے نجد کے وہابیوں کو شکست دینے کے بعد اپنے بیٹے ابراہیم پاشا کو حجاز کے راستے یمن پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجا اور ترک یمن پر دوبارہ قابض ہو گئے مگر انگریز ان کے شانہ بشانہ تھے۔ یمن کے زیدی 1911ء تک ترکوں کے خلاف مزاحمت کرتے رہے۔ بعدازاں انہوں نے ترکوں سے مصالحت کر لی۔ اسی دوران ترکوں اور انگریزوں نے یمن کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جس کے نتیجے میں شمالی اور جنوبی یمن وجود میں آئے۔ زیدی امام کی مسلسل بغاوتوں کے بعد عثمانیوں نے بالآخر شمالی یمن میں امام کو داخلی خود مختار دے دی۔ 1918ء میں جنگ عظیم اول میں ترکوں کی شکست کے بعد یمن آزاد ہو گیا اور شمالی یمن میں زیدی امام یحییٰ برسر اقتدار آئے۔

1924ئمیں یمن اور انگریزوں میں ایک معاہدے کے تحت عدن کو ایک علیحدہ ریاست کا درجہ دے دیا اور اس کے عوض انگریزوں نے امام یحییٰ کو یمن کا بادشاہ تسلیم کر لیا۔

11 فروری 1959ء کو 6 یمنی ریاستوں ''مغربی محفوظ ریاستون کا وفاق'' بنا۔ 1962ء میں 8 مشرقی ریاستیں بھی اس وفاق میں شامل ہو گئیں۔ اس نئے وفاق کا نام ''اتحاد

Marfat.com

الجنوب العربی' یا جنوبی یمن رکھا گیا اور اس کا دارالحکومت ''الاتحاد'' شہر بنا۔ عدن اس وفاق میں 1963ء میں شامل ہوا۔

22 مئی 1990ء کو شمالی اور جنوبی یمن کی مملکتوں کو متحد کر کے اس کا نام ''جمہوریہ یمن'' رکھا گیا۔ صنعا اس کا سیاسی دارالحکومت اور عدن کو اقتصادی دارالحکومت قرار دیا گیا۔ مگر شومئی قسمت سے یمن کا یہ اتحاد زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا اور ملک کے صدر اور نائب صدر میں اختلافات کی خلیج وسیع تر ہوتی چلی گئی اور شمالی اور جنوبی حصوں میں بالآخر جنگ چھڑ گئی۔ اس طرح مئی 1994ء میں صدر صالح اور نائب صدر البیض کی حامی فوجوں میں شدید اور خونریز خانہ جنگی چھڑ گئی اور جولائی 1994ء میں شمالی یمن کی فوجوں نے جنوبی یمن کو فتح کر لیا۔ 8 جولائی کو جنوبی فوجوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس خانہ جنگی میں یمن کے تقریباً ایک لاکھ باشندے مارے گئے تھے مگر یمن بالآخر متحد ہو گیا تھا۔

۞......۞......۞

Marfat.com

حضر موت

حضر موت، بلاد عرب میں یمن کے مشرق میں 47-532 طول بلد مشرق کے درمیان اور 15 ,19 درجہ عرض بلد شمال کے درمیان ایک مملکت ہے۔جس کی جنوبی حد پر سمندر ہے، جنوب مشرقی سمت میں مہرہ کا علاقہ، شمال مشرق اور شمال مغرب میں وسطی عرب کا صحرائے اعظم اور جنوب مشرق میں عوالق ہے۔ عرب روایات کی رو سے حضر موت کا نام حضر موت بن حمیر بن یعرب بن قحطان کے نام سے ماخوذ ہے۔

قدیم زمانے میں حضر موت کی شہرت "لوبان کے ملک کی حیثیت سے تھی اور اس کی وسعت اس سے کہیں زیادہ تھیں جتنی اب موجود ہے۔ وہ لوگ جنہیں رومی جغرافیہ نگار سٹرابو نے Xa- Tpau Wtrat اور پلینی Pliny نے Atramitae لکھا ہے۔ ان کا دارالحکومت سبا تا تھا۔ حضرت موت ایک پہاڑی سرزمین ہے جس کے آر پار ایک بڑی وادی یا ندی بہتی ہے اور اس میں سے کئی ندیاں نکلتیں ہیں۔ ان کے پیچھے پہاڑوں کا ایک بلند سلسلہ واقع ہے۔ جن میں سب سے بلند چوٹی جبل العرشہ ہے۔ حضر موت کی آب و ہوا خشک اور صحت بخش ہے۔ گرمی کے موسم میں یہاں سخت گرمی پڑتی ہے اور جاڑے میں یہاں سخت سردی ہوتی ہے۔

زمانہ قبل از اسلام میں حضر موت میں صدف آباد تھے۔ بنو کندہ نے جو تقریباً بیس یا تیس ہزار کی تعداد میں رسول اللہؐ کے زمانہ ولادت کے قریب بحرین سے ترک وطن کر کے حضر موت آ گئے تھے اور اپنے آپ کو یہیں سے وابستہ کر لیا تھا۔ اس زمانے میں ابن کی سب سے بڑی شاخ بنو تجیب تھی جن کی تعداد ہمدانی کے زمانے میں 1500 تھی۔ رسول اللہؐ کے زمانے میں حضر موت میں جو بادشاہ حکومت کرتے تھے ان کا لقب عبابلہ تھا۔ عہد نبوی میں کندہ کے سردار قیس بن الاشعث نے اسلام قبول کر لیا تھا اور جب نبی اکرمؐ وفات پا گئے تو وہ اسلام سے منحرف ہو گیا تھا، لیکن عہد راشدہ میں جلد ہی اس کی بغاوت پر قابو پا لیا گیا تھا۔

بیسویں صدی کے آغاز تک یہ ملک سلطنت عثمانیہ کا حصہ تھا مگر ترکوں کی سیادت برائے نام تھی اور حکومت ترکی کی طرف سے نہ تو یہاں کوئی فوج رہتی تھی اور نہ ہی کوئی لگان عائد تھا۔ بعد میں حضر موت جمہوریہ جنوبی یمن کا حصہ بن گیا تھا۔

Marfat.com

صنعا

یہ شہر یمن کے قدیم ترین تمدن کی علامت ہے۔ اس کا قدیم نام ازال تھا جب چوتھی صدی عیسوی میں اہل حبشہ نے یمن پر قبضہ کیا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے تھے کہ یہ شہر پتھروں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ وہ بے اختیار ہو کر بول اٹھے ''ہذا صنعا'' یعنی یہ تو بڑی کاریگری ہے۔ اس وجہ سے اس کا نام صنعا پڑ گیا۔ 525ء میں اہل حبشہ کے یمن پر قبضہ کے بعد 37ء میں صنعا کو دارالحکومت قرار دے دیا گیا تھا۔ اس زمانے میں صنعا ہی یمن کا دارالحکومت چلا آرہا ہے۔ عہد نبوی میں صنعا میں باذان نامی ایک شخص اہل ایران کی طرف سے گورنر یمن تھا۔ یاد رہے خسرو اول، نوشیرواں عادل نے 574ء میں یعنی پیدائش نبوی کے چوتھے سال اہل حبشہ کو شکست دے کر یمن کو فارس کی سلطنت کا حصہ بنا لیا تھا اور ایرانی اگلے ساٹھ سال (628ء) تک یمن پر حکمرانی کرتے رہے۔

آب و ہوا:

جغرافیائی طور پر صنعا سطح سمندر سے 2196ء میٹر یا تقریباً ساڑھے چھ ہزار فٹ بلند ہے اور یہاں کی آب و ہوا نہایت خوشگوار اور معتدل ہے۔ مشہور مسلم جغرافیہ نگار قزوینی نے اپنی کتاب میں صنعا کو فن تعمیر کا شاہکار قرار دیا ہے۔ معتدل آب و ہوا کی وجہ سے یہاں حشرات الارض بھی کم پائے جاتے ہیں۔ کہیں کوئی شخص بیمار ہو جاتا تو وہ کہتے ہیں کہ صنعا آ کر بالکل تندرست ہو جاتا تھا۔ اسی طرح اگر اونٹ بھی کہیں کسی وبائی مرض کا شکار ہو جاتے تو انہیں صنعا لایا جاتا تھا وہ یہاں چراگاہوں میں چرتے تو بالکل صحت مند ہو جاتے۔ عرب شاعر اپنی شاعری میں اکثر صنعا کی تعریف کرتے رہے ہیں۔

قصر خمدان:

صنعا کا قصر خمدان یہاں کے حمیری بادشاہوں کی یادگار تھا جسے یشرح بن یحصب نے

Marfat.com

تعمیر کروایا تھا۔ مربع شکل کا یہ محل قدیم عرب فن تعمیر کا شاہکار تھا۔ اسی محل کے اندر ایک اور سات منزلہ محل تھا۔ جب سورج طلوع ہوتا اس کا سایہ تین میل تک پھیل جاتا تھا۔ ایک عجیب بات اس محل کے متعلق یہ تھی کہ اس محل کے بالائی دالان کی چھت سنگ مرمر کے ایک تختے پر مشتمل تھی۔ اس کا ہر ستون شیر کی شکل کا تھا۔ کہتے ہیں جب کبھی ہوا چلتی تو ان مجسموں سے شیر کے دھاڑنے کی آوازیں آنے لگتی تھیں۔

صنعا کے قرب و جوار میں پھٹکڑی کا ایک پہاڑ ہے۔ اس پہاڑ کی برف پوش چوٹی سے ہر وقت پانی بہتا رہتا ہے۔ جس میں زمین تک پہنچنے سے پہلے گھلی ہوئی پھٹکڑی منجمد ہو جاتی ہے۔ اعلیٰ قسم کی یہ پھٹکڑی حکمت کی زبان میں ''شب یمانی'' کہلاتی ہے۔

قصہ باغ ضروان والوں کا:

القرآن کی سورۃ قلم میں اللہ تعالیٰ نے جو باغ والوں کا قصہ بیان کیا ہے۔ وہ صنعا کے قریب واقع ضروان کے علاقے میں رونما ہوا تھا۔ مفسرین کے مطابق یہ لوگ اہل حبشہ کے اہل الکتاب تھے۔ وہ ضروان نامی بستی میں رہتے تھے جو صنعا کے 6 میل کے فاصلے پر واقع تھی۔ یہاں واقع ایک باغ کا مالک باغ کی پیداوار میں سے اپنے خاندان کی کفالت کے لئے سال بھر کا خرچہ نکال کر باقی آمدنی کو اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیتا تھا۔ اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں نے محتاجوں کو یہ صدقہ دینا بند کر دیا اور باغ کی ساری آمدنی اپنے خرچ میں لے آئے تو ان پر اللہ کا عذاب ایک آتشیں آندھی کی شکل میں نازل ہوا۔

صنعا وادی کوہ میں مشرقی سراۃ پر واقع ہے۔ یہ وادی مغرب کی طرف جبل عیبان کی پہاڑیوں کے سلسلہ تک کھلی ہے۔ مشرق کی طرف اس شہر پر جبل نقم سایہ فگن ہے، جو اس کی سطح سے تقریباً 1600 فٹ اونچا ہے۔ یہ شہر 15-23 عرض بلد شمال اور 44-12 طول بلند مشرقی پر واقع ہے۔ موسم گرما میں یہاں دن بھر ہوائیں چلتی ہیں جبکہ جاڑے میں درجہ حرارت رات کو صفر تک گر جاتا ہے جس سے برف پڑنے لگتی ہے، مگر یہ برف دن کے وقت غائب ہو جاتی ہے۔ موسم بہار میں اور وسط موسم گرما بالخصوص جولائی میں بارش بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اگرچہ تقریباً ہر موسم گرما میں بارش ہونے کی وجہ سے موسم خشک نہیں رہتا مگر جب کبھی بارش نہیں ہوتی تو وہ موسم

Marfat.com

بہت مصیبت انگیز ثابت ہوتا ہے۔

الاسود العنسی اور صنعا میں فتنہ ارتداد:

کہتے ہیں یمن میں الاسود عنسی بن کعب نے کہانت کے روپ میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا۔ اس کا اصل نام عیہلہ یا عبہلہ بتایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ ذوالخمار، یعنی نقاب پوش یا ذوالحمار یعنی گدھے والا بھی معروف تھا۔ کیونکہ اس کے پاس ایک سدھا ہوا گدھا بھی تھا۔ 628ء میں خسرو پرویز دوم کے قتل کے بعد یمن کے ایرانی گورنر باذان اور دوسرے ایرانی سرداروں نے مسلمانوں سے اتحاد کرلیا تھا یعنی یمن کا وہ حصہ جس پر ایرانی قابض تھے اسلام کے سیاسی نظام سے منسلک ہوگیا تھا۔ ایرانی گورنر باذان کی وفات کے بعد نبی اکرمؐ نے اس علاقے میں مدینہ سے کچھ عمال بھیجے تھے لیکن صنعا کا علاقہ باذان کے ایک بیٹے کے زیر تصرف رہا۔

مارچ 623ء میں قبیلہ مدحج قبیلہ کے لوگوں نے الاسود عنسی کی قیادت میں مدینہ کی حکومت اور اسلام کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے رسول اللہؐ کے مقرر کردہ دو عمال خالد بن سعید اور عمرو بن حزم کو نجران اور اس کے نواحی علاقے سے باہر نکال دیا، شہر کو شکست دے کر قتل کر دیا اور صنعا پر قبضہ جما کر الیمن کے بیشتر حصے پر الاسود کا اقتدار قائم کرا دیا گیا۔ اس بغاوت میں قیس بن المکشوح المرادی نے قبیلہ مراد کی قیادت حاصل کرنے کے لئے اپنے حریف فروۃ بن مسیک کے مقابلے میں الاسود عنسی کا ساتھ دیا۔ یاد رہے کہ فروۃ رسول اللہؐ کی طرف سے قبیلہ المراد کا مسلمہ سردار تھا۔ یوں گویا الاسود عنسی کی تحریک ایرانیوں کے اقتدار کے خلاف ہونے کی بجائے اس نظام کے خلاف تھی جو رسول اللہؐ نے یمن میں قائم کیا تھا، کیونکہ بغاوت کے بعد بھی متعدد ایرانی صنعا میں کلیدی عہدوں پر فائز رہے۔ الاسود کی اس تحریک ردۃ یا ترک دین کا مذہبی پہلو اتنا نمایاں نہیں تھا جتنا کہ اور مقامات پر ہوا، تاہم الاسود نے دعویٰ کر کے کہ وہ کاہن (غیب گو) ہے اور وہ جو کچھ کہتا ہے اللہ یا الرحمٰن کی طرف سے کہتا ہے، نیز ہاتھ کی صفائی یا شعبدہ بازی سے کام لے کر اس عیار شخص نے اپنا اثر و رسوخ بڑھا لیا تھا۔

اس کا عقیدہ توحید الوہیت اسلام کی بجائے غالباً عیسائیت یا الیمن کی یہودیت سے ماخوذ تھا۔ الاسود کی حکومت صرف ایک دو ماہ ہی قائم رہی۔ یہ بھی روایت ہے کہ اس کاذب کی

Marfat.com

موت رسول اللہؐ کے وصال سے پہلے واقع ہوگئی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے اس کے رفقاء ہی میں سے بعض نے یعنی قیس بن المکشو حاور ایرانی النسل الفیروز الدیلمی اور داؤدیہ نے شہر کی بیوہ کی مدد سے، جس کے ساتھ الاسود نے شادی کرلی تھی موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

حضرت ابو بکرؓ نے زیاد بن البید البیاضی کو عمال رسول اللہؐ کی مدد کرنے کا حکم دیا تھا۔ انہوں نے ان کی مدد کی اور باغیوں کی سرکوبی کی۔ حضرت ابو بکرؓ المہاجرین ابی امیہ کو صنعا اور اس کے گرد نواح کا والی مقرر کیا تھا۔

الاسود عنسی نہایت ہی مغرور ومتکبر انسان تھا۔ اس نے الابناء کو ذلیل کیا جو ان ایرانیوں کی ولاد میں سے تھے جنہیں کسریٰ ایران نوشیروان نے ابن ذی یزن کے ساتھ یمن بھیجا تھا۔ ان کو اپنا خدمت گار بنالیا۔ المرزبانہ نامی ایرانی خاتون سے شادی کرلی جو سردار باذان کی بیوہ تھی جو کسریٰ کی طرف سے یمن کا حاکم تھا۔ رسول اللہؐ نے اپنے آخری ایام میں قیس بن ہبیرہ المکشوح المرادی کو الاسود سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ ان کا نام المکشوح اس لیے تھا کہ وہ ایک ایسی بیماری میں مبتلا ہوگئے تھے جو ان کے پہلو میں داغ کے نشان چھوڑ گئی تھی۔ فروۃ بن مسیک المرادی کو بھی ان کے ہمراہ کر دیا تھا۔ ان کے یمن پہنچنے کے بعد رسول اللہؐ کے وصال کی خبر آئی۔ قیس نے الاسود کو کہلا بھیجا کہ میں تمہارا ہم خیال ہوگیا ہوں اس لیے اس نے الصنعا میں داخل ہونے کی اجازت دے دی اور وہ مدجح اور ہمدان قبائل کے لوگوں کے ساتھ شہر میں داخل ہوگئے۔ سب سے پہلے انہوں نے الانباء کے سردار فیروز دیلمی کو رام کر کے مسلمان کیا پھر یہ دونوں سردار باذان کے پاس گئے۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ باذان کی وفات ہو چکی تھی اور اس کا جانشین داؤدیہ سردار بن چکا تھا۔ داؤدیہ کے ساتھ مل کر انہوں نے یہ طے کیا کہ الاسود عنسی کو اچانک جا دبوچیں اور قتل کر دیں۔ اس کی بیوی المرزبانہ کو بھی الاسود سے نفرت تھی اس لیے اسے بھی اس سازش میں شریک کرلیا گیا اور اس نے حملہ آوروں کو قصر کے اندر آنے کا خفیہ راستہ بتادیا۔ اس طرح یہ لوگ صبح سویرے الاسود کے سر پر جا پہنچے جو مدہوش پڑا سو رہا تھا۔ قیس نے اسے ذبح کر دیا۔ جب قتل ہوتے ہوئے وہ بیل کی طرح ڈکرانے لگا تو اس کے چوکیدار خبردار ہو

Marfat.com

گئے مگر انہیں المرزبانہ نے یہ کہہ کر چپ کرا دیا کہ الاسود پر وحی نازل ہو رہی ہے پھر قیس نے اس کا سر کاٹا اور فصیل پر چڑھ کر اعلان کیا کہ الاسود جھوٹا ہے۔ اس کا سر اس کے پیروؤں کے پاس پھینک دیا جس سے وہ منتشر ہو گئے۔

محققین کے مطابق الاسود عنسی کو قتل تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے پانچ دن پہلے کر دیا گیا تھا مگر مدینہ اس کے قتل کی خبر اس وقت پہنچی جب حضرت ابوبکرؓ کو مسند نشین ہوئے دس راتیں گزر چکی تھیں۔

کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں بعد ازاں قیس بن ہبیرہ پر داؤدیہ کے قتل کی تہمت لگائی گئی تھی۔ جب حضرت ابوبکرؓ کو یہ خبر ہوئی کہ قیس الابناء کو صنعا سے نکالنے پر کمربستہ ہیں تو آپؓ بہت برہم ہوئے اور المہاجر بن امیہ کو جو یمن میں آپؓ کے عامل تھے آپؓ نے لکھا کہ صنعا جا کر قیس کو میرے پاس لاؤ، وہ صنعا گئے اور قیس کو لے آئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے رسول اللہؐ کے منبر مبارک کے قریب قیس سے یہ قسم لی کہ اس نے داؤدیہ کو قتل نہیں کیا اور جب انہوں نے اس قتل میں ملوث نہ ہونے کا یقین دلا دیا تو انہیں مسلمانوں کے ساتھ شام بھیج دیا۔

Marfat.com

مآرب

مآرب یمن کا ایک شہر ہے جو سلطنت سبا کے زمانے میں دارالحکومت تھا۔ یہ آج کل المشرق کے ضلع کے امیر کی منزل اور دارالحکومت ہے۔ 1960ء کی دہائی تک اس کی آبادی صرف آٹھ سو (800) نفوس پر مشتمل تھی اور یہ لوگ تقریباً ایک سو مکانوں میں رہتے تھے۔ صنعا سے اونٹوں یا خچروں پر چار دن کی مسافت میں مآرب پہنچا جا سکتا تھا۔ تاہم 1951ء سے یہاں وہ موٹر کاریں بھی چل رہیں جن میں بڑے بڑے ضخیم ٹائر لگے ہوتے ہیں۔

مآرب یمن کی تہذیب قدیم سے تعلق رکھتا ہے ازمنہ قبل الاسلام کی تاریخ اور علوم آثار قدیمہ کے لحاظ سے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ اگرچہ پہلا مغربی ساح جوزف تھامس آرناوَڈ جہاں 1843ء میں پہنچا تھا مگر یہاں کا سب سے مشہور مغربی سیاح ایڈورڈ گلیزر رہے جو تیسرا مغربی سیاح تھا۔ وہ 1888ء میں ایک عرب شیخ کے لباس میں یہاں آیا تھا اور خود کو حاجی حسین کے نام سے پکارتا تھا۔ اس وقت کے ترک گورنر یمن اور مآرب کے اشراف نے اسے وہاں پہنچنے میں مدد دی تھی۔ وہ مآرب میں تقریباً ایک ماہ ٹھہرا اور اس نے بہت سے تاریخی کتبے نقل کئے تھے۔ مآرب کے قدیم کھنڈرات کو 1945ء اور اس کے بعد سب سے زیادہ نقصان شمالی یمن کے حکمران امام یحییٰ کے حاکم کو پہنچا جس نے ان قدیم عمارتوں کو توڑ کر ان کا پتھر نئی سرکاری عمارتوں میں لگانے کا حکم جاری کر دیا تھا جس سے یہ بیش قیمت تاریخی عمارات گرا دی گئیں اور ان پر درج قدیم کتبوں کا بھی کوئی لحاظ نہیں کیا گیا۔

عرش بلقیس:

مسلمان جغرافیہ نگار الہمدانی کے مطابق مآرب میں تین قدیم مستحکم قصر تھے، قصر الصالحین، قصر القشیب اور قصر الہجر۔ ان میں سب سے مشہور قصر الصالحین تھا اسی میں محققین کے مطابق ملکہ سبا بلقیس کا تخت، عرش بلقیس رکھا تھا۔ یاد رہے یہ وہی تخت ہے جس کا ذکر قرآن مجید

Marfat.com

کی سورۃ النمل میں ملکہ بلقیس اور حضرت سلیمانؑ کے درمیان قائم ہونے والے تعلق کے سلسلے میں آیا ہے۔ الہمدانی نے لکھا ہے کہ اس عرش (تخت) کے پائے اس کے زمانے تک بدستور قائم تھے اور وہ اس قدر ضخیم اور اتنی مضبوطی سے زمین میں گڑے ہوئے تھے کہ خواہ کتنی ہی تعداد میں آدمی مل کر بھی انہیں نہیں گرا سکتے تھے۔ مشہور مغربی مستشرق سپرینگر Sprenger نے عرش بلقیس کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے۔ وہ ایک عرب مؤرخ کے حوالے سے لکھتا ہے کہ یہ تخت پتھر سے تراشے گئے پایوں پر قائم تھا جن میں سے ہر ایک 29 ذراع بلند تھا اور اسی قدر زمین میں اس کی بنیاد گہری تھی۔ سپرینگر نے غلطی سے اس بیان کو البکری سے منسوب کیا ہے جبکہ محققین کے مطابق عرش بلقیس کے متعلق یہ معلومات ابن المجاور کی فراہم کردہ ہیں۔ ستونوں کی بلندی کو 28 ذراع بتایا گیا ہے۔ مآرب کے لوگ اب تک مآرب کے بعض قدیم مندروں کو عرش بلقیس سے وابستہ کرتے ہیں۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ قدیم مندروں کے سامنے اب تک کچھ قدیم ستونوں کی قطار موجود ہے جن میں سے بعض کی بلندی 29 ذراع تک پہنچتی ہے۔ یمنی شاعر نشوان الحمیری عرش بلقیس کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ ایک قلعہ تھا۔ محققین کا خیال ہے کہ اس صورت میں اس کی جگہ فصیل شہر کے اندر ہونی چاہیے۔ یاد رہے یمن میں کچھ اور مقامات یا جگہیں بھی ہیں جنہیں عرش بلقیس کہا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک سرواح کا بہترین طریقے سے محفوظ مندر ہے۔ اسے دار بلقیس بھی کہا جاتا ہے۔ یاقوت حموی کے مطابق عرش بلقیس ضمر سے ایک دن کی مسافت پر واقع ایک جگہ کا نام ہے جس پر سنگ مرمر سے تراشے گئے 6 ستون کھڑے ہیں۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس جگہ کا نام ظفار ہونا چاہیے جو یمن کے مشہور تاریخی مقامات میں سے ایک ہے۔ جہاں اب بھی مشہور قدیم عمارات کے آثار پائے جاتے ہیں۔ ان قدیم کھنڈرات کی باقی ماندہ دیواروں اور ستونوں کے علاوہ جو کھدائی کرنے والے ماہرین آثار قدیمہ کے منتظر ہیں یہاں بہت سے کتبات، مزین پتھر اور بتوں کے نیم اور مکمل مجسمے معبد کے اصل کمرے میں رکھے ہوئے پائے گئے ہیں۔ یہاں پر سنگ رخام اور دیگر پتھروں کے بنے ہوئے بہت سے سر بھی ہیں جن کی بلندی 15 سے 35 سینٹی میٹر تک ہے اور جو صنعت گری کی

Marfat.com

بعض خصوصیات ظاہر کرتے ہیں۔ یہاں کانسی کے بنے ہوئے بہت سے بت بھی پائے جاتے ہیں۔ سنگی تابوتوں کے شکستہ حصے ہمہ وقت دیکھے جاسکتے ہیں۔ مشہور مغربی سیاح گلیزر Glaser نے مآرب میں بیئر عبیدہ کے مقام پر ایک صحیح وسالم سنگی تابوت دیکھا تھا جس پر کوئی کتبہ رقم نہیں تھا اور جو اس وقت جانوروں کے پانی پینے کے لگن کے طور مستعمل تھا۔ اسی طرح کے پتھروں کے تابوت سرواح میں بھی دیکھے گئے ہیں۔

چھوٹی چھوٹی چیزیں مثلاً تعویذ، منکے اور انگشتریوں کے نگینے وغیرہ کثیر تعداد میں موجود ہیں اور ان میں سے بعض اپنی بابلی، مصری اور یونانی اصل پر دلالت کرتے ہیں۔ بعض پتھر کی سلیں اور قربان گاہیں جو مآرب میں پائی گئی ہیں یقیناً اپنے بابلی الاصل ہونے کو ظاہر کرتی ہیں۔

مآرب میں کبھی منتظم طور پر آثار قدیمہ کی کھدائی کا کام نہیں کیا گیا اور یہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ جو اشیاء محققین کے ہاتھ آئی ہیں وہ ان کھنڈرات کی سطح پر پڑی ہوئی ملی ہیں یا جنہیں کھود کر قدیم عمارات سے نکالا گیا ہے، لیکن ان میں کوئی ایسی صحیح نشانی نہ تھی جس سے اس جگہ کی جہاں سے یہ اشیاء لی گئی تھیں قابل وثوق تاریخ معلوم کرنے میں مدد مل سکے۔ دیگر اشیاء جو صنعا اور عدن میں نوادر فروشوں سے خریدی گئیں ان سے سوا اس کے جو کچھ ان کے بیچنے والوں نے بتایا ان کے اصل مقام کا پتہ نہیں چل سکا۔ لہٰذا یہ واقعہ ہے کہ مآرب کی تاریخ کبھی بھی اس کے آثار قدیمہ کی منظم طور پر کی گئی کھدائی کے بغیر نہیں لکھی جاسکتی۔

سد مآرب:

مآرب کا مشہور بند، سد مآرب اس زرخیز وادی کو سیراب کرتا تھا اور شہر کے اردگرد کے باغات ان نہروں کے ذریعے سیراب کئے جاتے تھے جو اس بند سے نکلتی تھیں۔ یاد رہے سد مآرب تمام دنیا میں ایک مشہور قدیم عمارت ہے جو آبپاشی کے مقصد کے لیے قدیم زمانے میں تعمیر کی گئی تھی۔ سد مآرب کی شکستگی کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے جو 543ء اور 570ء درمیان مآرب کے زرخیز علاقے اور اس کے گردونواح کی تباہی کا سبب بنی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک گھونس (چوہے نما جانور) کو اس سد کی پتھر کی دیواروں کو کتر ڈالنے پر مقرر کیا تھا جس سے پانی

Marfat.com

ان سوراخوں سے بہنے لگا اور یہ دیواریں پانی کے زور سے ٹوٹ گئیں اور پانی سیلاب کی صورت میں پورے علاقے پر چھا گیا اور اس نے کشت زاروں کو تباہ کر دیا۔

قوم سبا کے باغات اور سیل عرم:

محققین کے مطابق قوم سبا کے دو باغات تھے جو ایک دائیں طرف اور دوسرا آنے والوں کے بائیں طرف پڑتا تھا۔ خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ خدا کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو یعنی ان تمام چیزوں پر جو اس نے تمہیں عطا کی ہیں۔ ان کا یہ شہر بھی بڑے صحت افزا مقام پر تھا جہاں نہ مچھر تھے، نہ پسو، نہ ہی سانپ اور مکھیاں پائی جاتی تھیں۔ ان باغات میں ہر شخص اپنے سر پر خالی ٹوکری لے کر آتا اور واپسی پر یہ ٹوکری بھر کر لے جاتا تھا۔ خدا نے ان لوگوں کی طرف اپنے تیرہ پیغمبر بھیجے جنہوں نے ان کو سیدھے راستے پر چلنے کی نصیحت کی اور اللہ کی عنایات یاد دلائیں اور خدا کے عذاب سے ڈرایا، لیکن ان لوگوں نے کوئی پروا نہیں کی اور کہا کہ ہم نہیں جانتے کہ اللہ نے ہم پر کوئی عنایت کی ہے؟ ان کا سد مآرب جو ملکہ بلقیس نے بنوایا تھا۔ ایک بڑے تالاب کی شکل کا تھا جس کے بارہ دروازے تھے جن سے الگ الگ دریا بہتا تھا۔ ملکہ بلقیس کی حضرت سلیمانؑ سے ملاقات کے کچھ بعد تو وہ نیکو کار رہے، لیکن اس کے بعد وہ ظلم و حرص پر اتر آئے اور اللہ کا انکار کر بیٹھے۔ اس پر اللہ نے ان پر عذاب مسلط کرنے کے لئے ایک اندھا چوہا (خلد یا گھونس) بھیجا جس سد (عرم) کی بنیادوں میں سوراخ کر دیئے جن کی وجہ سے بالآخر یہ بند ٹوٹ گیا اور اس کے ٹوٹنے سے آس کے باغات اور کھیت تباہ ہو گئے اور اہل سبا کی تمام زرعی زمین تباہ ہو گئیں۔ کہتے ہیں اہل سبا کو اپنی کتابوں اور پیشین گوئیوں کی وجہ سے اس بات کا علم تھا کہ ایک دن اس بند کو ایک چوہا تباہ کر دے گا، لہٰذا انہوں نے ہر دو پتھروں کے درمیان ایک بلی مقرر کر دی تھی۔ جب اللہ کا مقرر کردہ وقت آیا تو ایک سرخ رنگ کا چوہا ایک بلی کے پاس آیا اور اس پر حملہ آور ہوا جونہی پیچھے ہٹی چوہا شگاف میں گھس گیا اور اسے کھودنا شروع کر دیا پھر پانی کا ریلا آیا تو چوہے کے بنے ہوئے سوراخوں میں گھس گیا اور یوں مقرر کردہ تباہی آ کر رہی۔ عرم کے گر جانے کے بعد تمام علاقہ میں طغیانی آ گئی اور ان لوگوں کے گھر بار ریت سے اٹ گئے۔

تبع کے بیان کے مطابق مآرب چاروں طرف سے سنگ مرمر سے گھرا ہوا تھا اور اس

Marfat.com

کی چھتیں سرخ سونے سے مزین تھیں۔ بطلیموس کی کتاب جغرافیہ میں مآرب کو "اقلیم" اول کا مرکز بتایا گیا ہے۔ اس کے اور عدب ابین کے درمیان دس دن کیمسافت تھی۔

سد مآرب قدیم شہر مآرب کی جنوبی دیوار کے باہر واقع تھا۔ آج بھی وہاں پانی کے باؤ کو منظر کرنے والے ایک بند کے آثار موجود ہیں جو اس نہر کی قدیم گزرگاہ کے اس سرے سے اس سرے تک پھیلا ہوا تھا جس میں بند کا پانی آتا تھا۔

محرم بلقیس:

محرم بلقیس کا معبد جسے حرم بلقیس کہنا صحیح نہیں جیسا کہ قدیم سیاحوں نے لکھا ہے یہ مآرب کے علاقے کی سب سے مضبوط قدیم عمارت ہے۔ یہ آج کل مآرب کے جنوب مشرق میں ایک گاؤں سے 4 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ ارناؤڈ اور گلیزر کے بعد العظم یہاں آیا تھا۔ 1947ء میں بھی ایک اور محققن نے یہاں کے سفر کے دوران کچھ پیمائشیں کیں اور تمام عبارتوں اور کتبوں کو نقل کیا جو اب تک دیواروں پر محفوظ تھیں، یہ تمام 1952ء میں مغربی دنیا کے اخباروں میں شائع کیا گیا تھا۔ امریکہ کے ایک علمی وفد نے بھی محرم بلقیس کے ایک حصہ میں کھدائی کی تھی جو معبد کے پھاٹک کے آٹھ ستونوں کے گردا گرد تھا، نیز اس جگہ کو جو ستونوں اور اصلی احاطے کے اندر واقع ہے کھودا گیا تھا۔ محرم بلقیس قدیم یمن کا مشہور معبد ہے جو چاند دیوتا، المقہ کی پوجا کے لیے بنایا گیا تھا۔ یہ ایک بیضوی شکل کی بہت بڑی عمارت ہے جس کا اصل دروازہ شمال مشرق کی طرف کھلتا ہے اور اس کے سامنے آٹھ ستونوں کا پھاٹک ہے جو اس سے تقریباً دس میٹر کے فاصلے پر ہے۔ نسبتاً طویل محور شمال مغرب سے جنوب مشرق کی طرف جاتا ہے۔ اس جگہ سے جب ریت ہٹائی گئی تو معلوم ہوا کہ موخر الذکر جگہ میں چار ستون درصل ایک مختصر عبادت گاہ کے چار کونے ہیں۔ آثار یا کھدائیوں سے ظاہر ہوا کہ 8 ستونوں اور معبد کے دروازے کے درمیان ریت کے نیچے ایک بڑا سا ئبان چھپا ہوا تھا جسے چھوٹے چھوٹے ستون چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے جن کی بلندی 5 میٹر سے زائد تھی اور ان ستونوں کے درمیان بڑی بڑی سلیں تھیں جن پر کتبے کندہ تھے اور مجسموں کی کرسیاں تھیں۔ بعض مجسمے کانسی کے بنے ہوئے تھے۔ ان مجسموں میں سے ایک تو بالکل صحیح و سالم تھا۔ یہ ایک پروہت کا مجسمہ تھا۔ ان کتبات سے جو اس سائبان سے ملے یہ ظاہر ہوا کہ ان میں بیشتر ابتدائی زمانے کے نہیں جس

Marfat.com

سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ معبد تقریباً ایک ہزار سال تک زیر استعمال رہا تھا۔

محرم بلقیس دو لفظوں کا مرکب ہے۔ محرم کا مطلب ''دیوتا کی مقدس جگہ'' جبکہ بلقیس کا لفظ بطور ملکہ سبا کے نام کیہے جس کا تعلق حضرت سلیمانؑ کے دور سے تھا۔ محققین کا خیال ہے کہ اس ملکہ کا نام بلقیس نہیں تھا بلکہ ''بلقمہ'' تھا جو چاند دیوتا، المقہ کے نام سے مشتق تھا۔ بہر حال ابھی بلقیس کے نام کے اشتقاق اور اس کے معنی کا تعین باقی ہے۔

العمید:

العمید کی جائے وقوع محرم بلقیس سے شمال مغربی جانب 1400 میٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہاں پانچ ستون کھڑے دکھائی دیتے ہیں جو تمام منظر پر چھائے ہوئے ہیں جن کی بلندی دشت کی سطح سے تقریباً 24 فٹ ہے۔ ان کی اصل بلندی تو یقیناً زیادہ ہوگی کیونکہ اس جگہ کی ابھی تک کھدائی نہیں ہوئی اور ستونوں کے قاعدے ابھی تک چھپے ہوئے ہیں۔ ان ستونوں میں ہر ستون پتھر کے ایک ہی ٹکڑے کو تراش کر بنایا گیا ہے اور ہر ستون کی چوٹی نقش و نگار سے مزین ہے۔ اطراف سے ان کی پیمائش 82×63 سینٹی میٹر ہے۔ اور ماضی میں یہ بالضرور کسی مندر کے پھاٹک کا حصہ رہیں ہوں گے اور ان کی تعداد بھی زیادہ ہوگی۔

ان ستونوں کے گرد ایک یا دو اور ستونوں کے آثار بھی دکھائی دیتے ہیں۔ نیز کچھ اور ستونوں کی کرسیاں بھی ہیں جن پر کتبات کندہ ہیں اور کچھ آراستہ ستونوں کے حصے ہیں۔ ان کرسیوں میں سے ایک کے گرداگرد ایک کتبہ ہے جس میں لکھا ہے کہ دمار علی نامی ایک شخص نے المقہ دیوتا کو ایک شخص کی معرفت جس کا نام العمر تھا، کچھ نذر پیش کی تھی۔ ایک اور کرسی کے کتبے میں ذکر کیا گیا ہے کہ دو اشخاص نے المقہ دیوتا کے نام زمین وقف کی ایک اور کتبہ کے مطابق جو اس مقام سے پڑا ہوا ملا تھا اس مندر کا نام بران معلوم ہوتا ہے اور اسے دیوتا المقہ کی نذر کیا گیا تھا۔

رومی حملہ:

لوبان کی تجارت کی وجہ سے قوم سبا کے تجارتی تعلقات تمام قدیم دنیا سے قائم تھے بالخصوص روم کے ساتھ رومی مصنفین نے عرب اور قوم سبا کی دولت کا نہایت بھڑک دار الفاظ میں ذکر کیا تاکہ رومی تاجروں کو غیرت دلائی جائے اور رومی حکومت کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ

Marfat.com

ایسے اقدامات کرے کہ بڑے بڑے تجارتی راستوں پر اہل اور مالی قبضہ ہو جائے۔ شہنشاہ آگسٹس نے مصر پر قبضہ کرنے کے چند سال بعد تقریباً 24 ق م دنیائے عرب کی تسخیر کے لیے اپنا ایک رومی جرنیل اولیس گالس Alius Guluus روانہ کیا تھا۔ مشہور رومی جغرافیہ دان سٹرابو Strabo بھی اس حملہ میں شامل تھا۔ یہ رومی حملہ ناکا رہا۔ شمالی جانب سے رومی فوج جنوبی عرب پہنچی اور بخران کو چھوڑتی ہوئی الجوف آئی جہاں اس نے پہلی لڑائی لڑی پھر انہوں نے مآرب کا محاصرہ کیا لیکن صرف چھ دن بعد رومی یہ محاصرہ ترک کر کے مصر واپس جانے پر مجبور ہو گئے۔ مآرب تک پہنچنے میں انہیں چھ ماہ لگے تھے۔ سٹرابو کے مطابق اگرچہ جنگ میں صرف سات آدمی مرے تھے۔ لیکن عرب کی آب و ہوا نے بہت رومیوں کو مار ڈالا تھا۔ اس طرح دنیائے عرب پر یہ پہلا رومی حملہ آخری حملہ ثابت ہوا۔

Marfat.com

الشام

ملک شام مغربی ایشیاء میں مشرق وسطی کا ایک اہم ملک ہے اسکو عربی زبان میں سوریہ کہتے ہیں ارض شام اور اس ملحقہ فلسطین کی زرخیز سرزمین قدیم زمانے سے لیٹرے عرب بدوؤں کے لئے کشش کا باعث رہی ہے۔ جسے وہ ''شراب اور خمیری روٹی کی سرزمین'' کہتے تھے۔ پورے بدوی عرب قبائل شام کی طرف آنکلتے تھے جن کی حدیں صحرا سے ملتی تھیں۔ دوسری صدی قبل از مسیح کے آغاز میں انہوں نے حمص، تدمر Palmyra اور الحجر Petra میں اپنی ریاستیں قائم کر لیں تھیں۔ شام کی زبان اور ثقافت اختیار کرنے میں انہیں کوئی خاص وقت پیش نہیں آئی۔

پانچویں صدی میں شام کی سرحدوں کی حفاظت اور مدافعت کا کام غسانی سرداروں کے سپرد تھا جو نسلاً عرب اور مذہباً عیسائی تھے۔ ان کے علاوہ بنولخم، بنو جذام اور بنو کلب نے بھی عیسائیت قبول کر لی تھی۔ یہ شامی عرب، ایک قسم کی بولی بولتے تھے۔ جو عربی اور آرامی زبانوں کے اختلاط سے وجود میں آئی تھی۔ اور حضری کہلاتی تھی۔ بتوک سرزمین عرب اور شام کا سرحدی مقام ہے۔ اس علاقے پر اسلام کے آغاز میں بازنطینی حکومت کی طرف سے عرب سردار حکومت کرتے تھے۔ المدینہ کی اسلامی ریاست کے قیام کے ساتھ ہی سرزمین عرب پر ان کے حملوں کی افواہیں پھیلتی رہتی تھیں۔ اس بازنطینی یا غسانی خطرے کے پیش نظر آنحضرت ﷺ نے رجب ۹ ھ میں تبوک کا مقصد کیا۔ تبوک پہنچ کہ معلوم ہوا کہ حملے کی افواہیں غلط ہیں۔ آپ ﷺ نے بیس دن تک تبوک میں قیام کیا اور اردگرد کے حکمرانوں کو کہ جن سے مدینہ کو خطرات لاحق تھے، مطیع کر کے آپ ﷺ مدنیہ شریف لائے۔

آنحضرت ﷺ کے وصال تک ہر وقت رومیوں کے حملے کا خطرہ لگا رہتا تھا اس خطرے کے انسداد اور شہدائے موتہ کے انتقام کے لئے رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ جو شام پر حملہ کرنے کے لئے بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا مگر اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے

Marfat.com

ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی۔

حضرت ابوبکرؓ صدیق ۱۳ھ میں حضرت ابوبکرؓ نے مسند نشین خلافت ہونے کے بعد صحابہ کبار سے مشورے کے بعد شام پر فوج کشی کا فیصلہ کیا تھا۔ فتنہ ارتداد اور جھوٹے نبیوں کے معاملات کو نمٹانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اہل مکہ، اہل الطائف و اہل یمن اور نجد و حجاز کے تمام عربوں کے نام فرامین بھیجے جن میں انہیں دعوت جہاد دی اور روم کی غنیمتوں پر راغب کیا۔ دمشق کی مہم پر یزید بن ابی سفیانؓ حمص پر حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ، اردن پر شرجیل بن حسنہؓ اور فلسطین پر عمر بن العاصؓ مقرر ہوئے۔ حضرت ابو عبیدہؓ ان سب کے سپہ سالار اعظم مقرر ہوئے۔ بوزنطی افواج کی کثرت کا اندازہ کرتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ نے خالد بن ولیدؓ کو جو عراق کے محاذ پر بڑھ رہے تھے، حکم دیا کہ وہ شام چلے آئیں۔ حضرت خالد بن والید کے شام پہنچنے کے بعد انکی زیر قیادت عربوں نے ۳۰ جولائی ۶۳۴ء کو اجنادین کے مقام پر جو بیت المقدس اور بیت خیبرین کے درمیان واقع ہے۔ دشمن کو ایک تباہ کن شکست دی۔ شکست خوردہ رومی افواج نے بیسان کی دلدلوں کے عقب میں سنبھلنے کی کوشش کی۔ وہاں سے ہٹائے جانے کے بعد وہ دریائے اردن کے پار چلے گئے جہاں فحل کے مقام پر ایک بار پھر بری طرح پٹے۔ اس طرح سرزمین فلسطین مکمل طور پر بازنطینی سلطنت سے نکل گئی۔

دمشق کی دیواروں کے سائے میں:

مارچ ۶۳۵ء میں عربوں نے دمشق کی فصیلوں کے سائے میں ڈیرے ڈالائیے۔ جب رومی محافظ افواج شہر چھوڑ کر چلی گئیں تو ماہ ستمبر میں شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا گیا۔ شہر کے محاصرے کی غرض سے شہنشاہ ہرقل نے جو فوج اکٹھی کی وہ بہت تاخیر سے پہنچی۔ عربوں نے جابیہ میں قدم جمائے اور بعد میں پیچھے ہٹ کر دریائے یرموک کے عقب میں مورچے بنائے۔ یہ دریائے اردن کا مشرقی معاون دریا ہے۔

بازنطینی لشکر گاہ میں ارمنی دستوں میں بغاوت پھوٹ پڑی۔ اس لڑائی میں شامی عربوں نے بھی رومی شہنشاہ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس لئے انہیں مکمل طور پر شکست ہوئی۔

Marfat.com

معرکہ یرموک:

۲۰ اگست ۶۳۶ء کو معرکہ یرموک لڑا گیا۔ یہ تاریخ عالم کا ایک مشہور واقعہ ہے۔ اس فیصلہ کن جنگ نے شام کی تقدیر کا فیصلہ کر دیا اور صدیوں سے مسلط رومی حکومت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ اس معرکہ میں مورخین کے مطابق ہرقل روم نے دو لاکھ سے زائد سپاہ مسلمانوں کے مقابلے بھیجیں تھیں مگر ۲۴ ہزار مسلمانوں نے اس لاکھوں کے لشکر کو شکست سے دوچار کیا اور ستر ہزار رومیوں کو تہ تیغ کر دیا۔ ہرقل کو جب جنگ یرموک میں رومیوں کی شکست کی خبر ملی تو وہ انطاکیہ سے واپس اپنے دارالحکومت قسطنطنیہ چلا گیا۔ کہتے ہیں معرکہ یرموک کے آغاز سے پہلے حضرت عمرؓ نے جو حضرت ابوبکرؓ کے بعد مسند نشین ہوئے حضرت خالد کو سپہ سالار کے عہدے برطرف کر دیا تھا۔ مگر اس حکم پر عملدرآمد جنگ یرموک کے بعد کیا گیا تھا۔ تاکہ مسلمان دلجمعی سے لڑ سکیں۔

اس بڑی جنگ کے بعد شام کے دوسرے حصے اور ساحل فنیقیہ بہت آسانی سے فتح کر لیے گئے۔ ۶۳۸ء میں بیت القدس اور قیصریہ نے بھی ہتھیار ڈال دیئے۔ القدس کی حوالگی سے پہلے عیسائیوں نے یہ شرط پیش کی تھی کہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ خود بیت القدس آ کر معاہدہ صلح لکھیں چنانچہ آپؓ بیت القدس تشریف لے گئے اور وہاں کے عیسائیوں کے جان و مال کو محفوظ قرار دیا۔

طاعون عمواس:

سنہ ہجری کے اٹھارہویں سال شام اور ملحقہ علاقوں میں طاعون کی وباء پھوٹ پڑی۔ اس سال کو سال عمواس کہتے ہیں۔ اس وباء سے ہزاروں مسلمان لقمہ اجل بن گئے۔ انہیں ایام میں حضرت عمرؓ نے دوبارہ شام کا سفر کیا اور مناسب انتظامات کیئے۔ یزید بن معاویہ گورنر دمشق شام بھی اسی وباء سے وفات پا گئے ان کے بعد ان کے بھائی حضرت امیر معاویہؓ کو انکی جگہ گورنر دمشق شام بنا دیا گیا۔ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت معاویہؓ کو پورے شام کا حاکم بنا دیا گیا۔ انہوں نے اپنے اس دور امارت میں شام کے سرحدی علاقوں کو فتح کر کے الشام کو رومیوں کے حملوں سے مامون کر دیا تھا۔

خلیفہ راشد چہارم، حضرت علیؓ اور امیر معاویہ تصادم

حضرت امیر معاویہ کا تاریخ اسلام میں ایک بڑا کارنامہ بحری فوج کی تشکیل اور جزیرہ

Marfat.com

قبرص کی عہد حضرت عثمان غنی میں فتح تھی۔ مگر خلیفہ راشد چہارم، حضرت علیؓ سے ان کی نہ بن سکی اور حضرت علیؓ کے خلافت جنگیں لڑ کر حضرت امیر معاویہ نے شام کو مرکزی حکومت سے الگ کر لیا اور خود یہاں کے آزاد حکمران بن گئے۔ حضرت علیؓ کی شہادت اور حضرت امام حسنؓ کی خلافت سے دستبرداری کے بعد امیر معاویہ پورے عالم اسلام کے سیاہ سفید کے مالک بن گئے اور انہوں نے دمشق کو دارالخلافہ قرار دیا۔ امیر معاویہؓ کے عہد حکومت میں اسلامی حکومت کے رقبے میں متعد بہ اضافہ ہوا۔ امیر معاویہؓ کی کامیابیاں ان کے فہم وفراست اور حلم وتدبر کی مرہون تھیں۔ اس کے علاوہ ان کے مشیران خاص نے بھی جن میں حضرت عمرو بن العاصؓ کو خصوصی مقام حاصل ہے اہم کردار ادا کیا۔ امیر معاویہ نے ۶۰ میں وفات پائی۔

عہد بنو امیہ اور سانحہ کربلا:

ان کے بیٹے اور جانشین یزید کو اکابر صحابہ کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ امام حسنؓ جیسے اہل بیت نے یزید کے خلاف اور اسکے فسق وفجور کے خلاف جہاد کرتے ہوئے۔ اور آواز حریت بلند کرتے ہوئے میدان کربلا میں یزیدی فوجوں کے ہاتھوں شہادت پائی۔ یزید ہی کے عہد میں مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے حرمتی کی وجہ سے عالم اسلام میں یزید کے خلاف خصوصی اور بنو امیہ کے اخلاف عمومی نفرت پھیل گئی۔ یزید کے بعد اسکے بیٹے تخت خلافت نہ سنبھال سکے اور امرائے شام نے بنو امیہ کے دوسرے خانوادے یعنی مروانیہ کو تخت نشین کر دیا۔ اس خانوادہ کا پہلا خلیفہ مروان بن الحکم ۲۲ جون ۶۸۴ء کو تخت خلافت پر بیٹھا جس بعد بنو امیہ کے بہت عقلمند اور دانشمند خلفا تخت نشین ہوئے۔ مروان دوم آخری اموی خلیفہ تھا جس نے ۷۵۰ء میں عیسائیوں کے ہاتھوں زاب اعلیٰ کے مقام پر شکست کھائی اور خلافت بنو امیہ اختتام کو پہنچی۔ اسکے ساتھ ہی دمشق اور شام کو اسلامی حکومت میں جو مرکزی حیثیت حاصل تھی وہ عراق اور بغداد کو حاصل ہوگئی۔

عہد بنو امیہ میں خلیفہ عبدالملک بن مروان نے عربی کو سرکاری اور دفتری زبان قرار دیدیا تھا۔ اس لیے غیر عرب اقوام کو بھی عربی سیکھنا لازم ہو گیا تھا۔

عباسی اور فاطمی عہد:

بنو امیہ کے زوال کے ساتھ ہی شام اپنی حکومت کے شعبوں میں برتری بھی ختم ہوگئی

Marfat.com

۔عہد عباسی میں ایرانیوں کو اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز کیا گیا اور بغداد صدیوں تک اسلام کی عظمت اور شکوہ کا عظیم نشان بنا رہا۔خلیفہ واثق باللہ کے عہد کے بعد خلافت عباسیہ زوال پذیر ہوگئی۔اس دوران شام میں ناکام بغاوتیں بھی ہوئیں اور قیسی اور یمنی عربوں کی باہمی چپقلش خانہ جنگی کی شکل بھی اختیار کر گئی۔کئی خلفائے عباسیہ حج کے لئے جاتے ہوئے یا بازنطینی سلطنت کے خلاف جہاد کے سلسلے میں شام کا سفر کرتے رہے۔

۸۲۵ء،۲۱۴ھ میں مامون الرشید شام آیا اور اس نے اس صوبے کی اراضیاتی پیمائش دوبارہ کرائی۔

مرکز حکومت کی دوبارہ دمشق منتقلی:

۸۵۸ء میں المتوکل نے مرکز حکومت بغداد سے دوبارہ دمشق منتقل کر دیا،لیکن صرف اڑتیس دن بعد شہر کی مرطوب آب و ہوا نے اسے دمشق چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔عباسی عہد میں شام میں وسیع پیمانے پر اشاعت اسلام ہوئی اور بہت سے عیسائی حلقے اسلام میں داخل ہو گئے۔ اسلام کی اشاعت نے عربی زبان کو ایک بار پھر فروغ بخشا،ابوتمام اور البحتری اس دور کے نامور شاعر تھے۔امام اوزاعی اس زمانے کی ممتاز دینی شخصیت تھی۔شامی عیسائیوں نے فلسفے اور الہیات کے علاوہ طب اور ہیئت کے شعبوں میں بڑا نام پیدا کیا۔یوحنا ابن ماسویہ، حنین بن اسحٰق اور ثابت ابن قراء نے بہت سے یونانی علوم کو عربی میں منتقل کیا اس طرح ارسطو اور جالینوس کی بہت سے کتب عربی خوانوں کی دسترس میں آ گئیں۔

عباسی سلطنت کے زوال کے بعد شام میں بنو حمدان اور اتابک ترکوں کی حکومتیں قائم ہوئیں۔۱۰۷۶ء میں سلجوق ترک فاتح بن کے آئے۔شامی حکمرانوں عمادالدین زنگی اور نورالدین زنگی نے صلیبی جنگوں میں نمایاں خدمات انجام دیں۔پھر صلاح الدین ایوبی نے ۱۱۸۷ء میں حطین کے مقام پر صلیبیوں کو عبرتناک شکست دی اور اسکے بعد بیت المقدس کو آزاد کرالیا۔ایوبیوں کے بعد ۱۲۶۰ء میں شام مصر کے حملوں کے زیر نگیں آ گیا۔ان کے دور میں دمشق ایک عالمی منڈی بن گیا تھا۔پندرھویں صدی کے آغاز میں امیر تیمور نے ۱۴۰۰ء میں دمشق اور حلب پر حملہ کیا اور لوٹنے کے بعد نذر آتش کر دیا۔

Marfat.com

۱۵۱۶ء میں عثمانی سلطان سلیم اول نے مملوکوں کو شکست دی اور شام عثمانیہ سلطنت کا حصہ بن گیا۔ ۱۹۱۸ء میں پہلی جنگ عظیم کے بعد شام عثمانیہ سلطنت سے الگ ہوا۔ اور شاہزادہ فیصل نے دمشق فتح کر کے یہاں ایک آزاد سلطنت قائم کی جو فرانس کو پسند نہ آئی اور ۲۵ء جولائی ۱۹۲۰ء کو فرانس نے دمشق پر قبضہ کر لیا اور امیر فیصل کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ اسی دوران لبنان اور فلسطین کو شام سے الگ کر دیا گیا۔ فرانسی اقوام متحدہ کے مینڈیٹ کے نام پر اگلے ۲۵ سال شام پر قابض رہا۔ جنگ عظیم دوم کے دوران برطانیہ نے اپنی مخصوص عرب حکمت عملی کی بنا پر فرانس کو شام کی آزادی کے لیے آمادہ کیا جنگ عظیم دوم کے دوران جب فرانس کو پے در پے شکست کا سامنا کرنا پڑا تو ۱۶ ستمبر ۱۹۴۱ء کو شام کو جمہوریہ قرار دیدیا گیا۔

Marfat.com

دمشق

دمشق دنیا کا قدیم ترین شہر ہے۔ ملک شام کے صحراؤں میں گھرے ہوئے نخلستان ''الفتاح'' کے نزدیک کوہ قاسیون کے دامن میں آباد اس شہر کی قدامت ۱۹۵۰ء میں تل الصالحیہ کے مقام پر ہونے والی کھدائی سے تقریباً ۴۰۰۰ ق م ثابت ہوئی ہے جو اسے دنیا کا قدیم ترین شہر بنا دیتی ہے۔

ملک شام کا یہ دارالحکومت ۳۰ درجے ۱۸ دقیقے طول البلد مشرقی اور ۳۳ درجے ۳۰ دقیقے عرض بلد شمالی کے درمیان واقع ہے۔ سطح سمندر سے اسکی بلندی تقریباً ۷۰۰ میٹر ہے۔ یہ شہر بحیرہ روم سے کم و بیش ایک سو کلومیٹر کے فاصلے پر جبل لبنان و جبل مشرقی کے عقب میں ہے۔ یہ پہاڑ اس شہر کی دہری سد کا کام دیتے ہیں اور ۳۰۰۰ میٹر تک بلند ہیں۔ لہذا اس بلندی کی وجہ سے سمندر کی ہوائیں اور بادل اس شہر تک نہیں پہنچ پاتے۔

آب و ہوا:

اس شہر کے موسموں میں بڑا فرق پایا جاتا ہے یہاں موسم سرما انتہائی مختصر ہوتا ہے۔ جس کے دوراں کبھی کبھار برفباری بھی ہو جاتی ہے۔ بارش دسمبر، جنوری اور فروری کے مہینوں میں ہوتی ہے فروری کا مہینہ انتہائی مرطوب ہوتا ہے۔ یہاں کا موسم بہار بھی انتہائی مختصر ہے۔ اور اخزا مارچ اور اوائل اپریل میں محض چند ہفتوں تک رہتا ہے۔ اسکے بعد شدید گرمی آجاتی ہے۔ مئی سے نومبر تک موسم بھی قطعی خشک رہتا ہے۔ نومبر کے آخر میں پہلی موسلا دھار بارش درختوں کے پتوں پر جمی ہوئی ریت کو دھوڈالتی ہے۔ یہ یہاں کا موسم خزاں ہے مگر نیم صحرائی قسم کی آب و ہوا میں خلاف توقع نباتات خاص افراط سے ہوتی ہیں اور انسانوں اور جانوروں کی ضروریات کو پورا کر دیتی ہیں۔ اس علاقہ کا واحد دائمی چشمہ آب بردی پہاڑ کے پہلو سے نکل کر، صحرائیں جذب ہو جانے سے پیشتر میدان میں داخل ہوتا ہے۔ اس چشمے کے پانی کو، آبپاشی

Marfat.com

کے کام میں لانے کے لئے بڑی ہوشیاری سے منصوبہ بندی کی گئی ہے۔ یہاں کا علاقہ الفوطہ اپنی بے مثال زرخیزی کی وجہ سے ارضی بہشتوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

گیارہویں صدی قبل از مسیح میں دمشق سرزمین ارم کا بارونق صدر مقام تھا، جس کا حوالہ بمیس حضرت ابراہیمؑ کے قصے میں ملتا ہے۔ کتاب مقدس توریت میں الملوک الثانی، باب نمبر ۵ میں نعمان الابرص کے قصے سے پتہ چلتا ہے کہ دسویں صدی ق م میں نہر ابانتہ کوہ بردی کے ساتھ ساتھ بہتی تھی اور اس علاقے کو سیراب کرتی تھی۔ گیارہویں صدی میں یہ شہر حضرت داؤدؑ کے ہاتھوں فتح ہوا پھر دمشق کے بادشاہ نے حضرت سلیمان کے عہد میں شاہاں آشور اور جنوب کے ملوک اسرائیل کے خلاف جنگ میں کامیابی حاصل کی ۷۳۲ ق م میں تگلت پلاسر سوم کی فوج نے دمشق کی بادشاہت کا خاتمہ کر دیا۔ اور اس شہر پر قبضہ کریں۔ اسکے بعد چوتھی صدی قبل از مسیح میں سکندر اعظم کے یونانی لشکر نے اور پہلی صدی قبل از مسیح میں اس پر بازنطیوں اور رومیوں نے فیصہ کیا۔ یاد رہے سکندر اعظم نے ۳۳۳ ق م میں دمشق کو فتح کیا تھا۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ ۶۳۵ء میں عربوں کی فتح تک کئی، صدیوں تک یہ شہر مشرق کے حکمرانوں، ہخامنشیوں کے ہاتھوں سے نکل کر اقوام مغرب کے زیر تسلط رہا۔ یونانی عہد کو بطلیموسی، انطیا کوسی اور سلیوقی عہد حکومتوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

۸۵ ق م میں یہ شہر پہلی بار نبطیوں کے قبضے میں آیا۔ ۶۴ ق م میں رومی جنرل پومپی اعظم نے شام کو رومی سلطنت کا ایک صوبہ بنانے کا اعلان کیا۔ پھر اگلے تقریباً ساڑھے ۶ سو سال یہ شہر رومیوں اور بازنطینیوں کے قبضہ میں رہا۔

جولائی ۶۳۴ء میں مسلمانوں نے اس شہر کا محاصرہ کر لیا۔ ستمبر ۶۳۵ء میں شہر کے دروازے باب شرقی کو مسلمانوں کے لیے کھول دیا گیا۔ اور بازنطینی فوجی دستے شمال کی طرف ہٹ گئے۔ دمشق کی اسلامی تسخیر کے بارے میں کئی روایات ملتی ہیں۔

فتح اسلامی:

مشہور ترین روایت ابن عساکر کی ہے جس کی رو سے حضرت خالدؓ بن ولید بزور شمشیر باب مشرقی سے اور دوسری طرف حضرت ابو عبیدہ باشندگان دمشق کو امان دینے کے بعد

Marfat.com

باب الجابیہ سے شہر میں داخل ہوئے یہ دونوں سالاران اسلام شہر کے مرکزی گرجا کے وسط میں ایک دوسرے سے ملے۔ مشہور مورخ کائتانی نے ۱۴ھ، ۶۳۵ء میں حضرت ابوعبیدہ کی عراق میں موجودگی اور شام میں عدم موجودگی ثابت کر کے ان روایات کی صحت کو باطل قرار دینے کی کوشش کی ہے اور فتح دمشق کے موقع پر حضرت خالدؓ کے ساتھ یزید بن ابی سفیان کا نام تجویز کیا ہے جو بعدازاں حاکم دمشق بنائے گئے تھے۔

فتح دمشق کے بعد مسلمانوں نے عیسائیوں کو ان کی املاک یعنی اراضی، مکانات اور گرجاؤں کی حفاظت کی ضمانت دی۔ مگر جب ۶۳۶ء میں ایک رومی لشکر ہرقل روم کے بھائی تھیوڈورس کی قیادت میں دمشق کی طرف بڑھا تو حضرت خالد بن ولید نے وقتی طور پر یہ شہر خالی کر دیا اور دمشق کے شہریوں سے ان کی حفاظت کے لیے وصول کی گئی جذیہ کی رقم واپس کر دی پھر حضرت خالدؓ بن ولید نے رومیوں کو جلد ہی میدان یرموک میں راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ پھر حضرت خالد بن ولیدؓ تو اسکے بعد مدینہ منورہ واپس چلے گئے اور دمشق کی دوبارہ فتح کا سہرا حضرت ابوعبیدہؓ کے سر رہا۔ دسمبر ۶۳۶ء میں اہل دمشق نے دوبارہ ہتھیار ڈال دیئے اور اسلامی مملکت سے اس کا حتمی طور پر الحاق ہو گیا۔

دمشق کا رومی سقوط تاریخ عالم کا ایک ایسا اہم واقعہ ہے جس کی اہمیت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اس فتح نے اس شہر پر اہل مغرب کی ایک ہزار سالہ سیادت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔ اہل دمشق جو ثقافت کے اعتبار سے سامی النسل، حضرت مسیح کے اتحاد باللہ کے قائل اور یونانی بولنے والے مغربیوں کے مخالف تھے انہوں نے مسلمانوں کا استقبال دلی طور پر کیا۔

خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ نے یزید بن ابی سفیان کو شہر کا حاکم مقرر کیا۔ فاتحین میں سے ممتاز ترین افراد بازنطینیوں کے خالی کردہ مکانات میں مقیم ہو گئے۔

عہد بنو امیہ

۶۳۹ء، ۱۸ھ میں حضرت یزیدؓ بن ابی سفیان کا انتقال بعارضہ طاعون ہو گیا تو دمشق کی حکومت حضرت معاویہؓ (انکے بھائی) کے سپرد کر دی گئی یوں خلافت راشدہ ہی میں دمشق اور شام بنو امیہ کے مرکز کی حیثیت اختیار کر گئے۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد امیر معاویہ خلیفہ

Marfat.com

منتخب ہوئے تو انہوں نے مقام جابیہ سے ترک سکونت کر کے دمشق میں مکمل طور پر بود و باش اختیار کی اور اس نئے اسلامی دار الحکومت کو درجہ کمال تک پہنچا دیا۔ مگر بنو امیہ کی حکومت کے آخری دور میں دمشق جھگڑوں اور فسادات کا گھر بن گیا تو آخری اموی خلیفہ مروان ثانی ۷۴۴ء، ۱۲۷ھ میں جب اپنے نئے دار الخلافہ حران میں تخت نشین ہوا تو دمشق کی فصیل منہدم ہو چکی تھی۔

اس شہر کے نقشے میں بازنطینی عہد کے بعد حکومت کی گئی تبدیلی کا سراغ صرف دو عمارتوں کی تعمیر میں ملتا ہے جو ایک دوسرے سے ملحق تھیں، یعنی قصر خلافت اور مسجد امویہ، ان دو عمارتوں کے علاوہ شہر کے قدیم نقشے میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی تھی قدیم مورخ دمشق کو مدینہ القدس کہتے کیونکہ دمشق میں آنحضرت نبی اکرم ﷺ کی عظیم و جلیل نواسی سیدہ زینبؓ کا مزار مقدس ہے۔ پہلے اموی خلیفہ اور صحابی رسولؐ، حضرت امیر معاویہ کے مزار کے علاوہ عظیم مسلم فاتح صلاح الدین ایوبی اور مشہور صوفی بزرگ محی الدین ابن عربی اسی شہر میں مدفون ہے۔

تاریخی آثار دمشق:

دمشق کی یہ عظیم مسجد اسی مقام پر تعمیر کی گئی ہے جہاں تقریباً ۲۰۰۰ ق م میں عظیم آرامی دیوتا کا مندر تعمیر کیا گیا تھا جو رومی عہد میں رومی دیوتا جوپیٹر کے مندر میں تبدیل کر دیا گیا۔ پھر اسے سینٹ پال کے کینسیہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ عہد بنو امیہ میں اسی جگہ اسلامی فن تعمیر کا اولین اور عظیم ترین شاہکار، جامع مسجد اموی تعمیر کی گئی۔ اسکی تعمیر کا سہرا خلیفہ ولید بن عبد الملک کے سر ہے۔

غازی صلاح الدین کا مقبرہ:

۱۱۸۷ء میں القدس کو آزاد کرانے اور اہل مغرب خصوصاً انگریز بادشاہ رچرڈ شیر دل کو شکست دینے والا عظیم مسلم جرنیل صلاح الدین ایوبی دمشق میں محو خواب ہے۔ جب ۱۹۱۷ء میں برطانوی جنرل ایلن بی نے دمشق کو فتح کیا تو وہ سیدھا اس مسلم فاتح کے مقبرہ پر گیا تھا اور اسے مخاطب کر کے کہا تھا۔ ''اے صلاح الدین ہم دوبارہ آ گئے۔'' اس مختصر سے جملے میں اہل مغرب کی دنیائے اسلام سے دشمنی مکمل طور پر عیاں ہے یعنی صلاح الدین ایوبی ہاتھوں سے انگریز

Marfat.com

بادشاہ رچرڈ کی شکست کو اہل مغرب بیسویں صدی تک نہیں بھولے تھے۔تبھی تو جنرل ایلن بی نے دمشق کو فتح کر کے الدین ایوبی کو یاد دلایا تھا کہ لو ہم پھر آ گئے۔

سیدہ زینبؓ کا مزار اقدس:

سانحہ کربلا کے بعد جب بچے کھچے اہل بیت رسول ﷺ دمشق پہنچے تو سیدہ زینبؓ کا انتقال اسی دیار غیر میں ہوگیا۔آج جناب سیدہؓ دمشق میں خوابیدہ ہیں۔آپؓ کا مزار اقدس دمشق کو دنیا کے مقدس ترین شہروں میں شامل کرتا ہے۔

کینسہ سینٹ انانیہ:

قدیم مسیحی روایات کے مطابق یہ دمشق کا وہ مکان ہے جہاں معجزانہ طور پر سینٹ پال کی بینائی بحال ہوگئی تھی۔اس مقام پر گرجا ایک فرانسیسی راہب نے تعمیر کرایا تھا۔گرجا کے درودیوار انجیل مقدس کی آیات سے مزین ہیں۔

تکیہ سلیمانیہ:

شام اور اسکے دارالحکومت دمشق پر ۱۵۱۶ء میں عثمانی سلاطین کا قبضہ ہوگیا تھا۔عثمانی فن تعمیر کا شاہکار جو آج بھی دمشق میں محفوظ ہے وہ جامع سلیمانیہ ہے جو قدیم قصر الابلق کے محل وقوع پر سلطان سلیمان قانونی نے سنان معمار کے نقشے کے مطابق ۱۵۵۵ء،۹۶۲ھ میں تعمیر کرائی تھی۔حقیقت میں یہ مسجد بہت سی شاہی عمارات کا ایک حصہ تھی جو آج بھی تکیہ سلیمانیہ کے نام سے معروف ہیں۔

دمشق کا قلعہ اور بازار:

دمشق کے ایل خوجہ El-Khouja بازار کے عین وسط میں قلعہ دمشق کا داخلی صدر دروازہ ہے۔یہ قلعہ تیرہویں صدی عیسوی میں تعمیر کیا گیا تھا۔آج اسے شام کی پولیس کے ہیڈ کوارٹر کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔سیاحوں کا اس قلعے کو دیکھنے کے لئے خصوصی اجازت لینا پڑتی تھی۔

Marfat.com

محل اعظم:

اندرون شہر جو واحد قابل ذکر عمارت بنی وہ مسجد جامع اموی کے جنوب مشرق کی جانب ۱۷۴۹ء میں تعمیر کردہ ایک محل ہے جب اس وقت کے والئی دمشق اسعد پاشا اعظم نے تعمیر کردیا تھا۔ اس محل کی سب عمارتیں اٹھارہویں صدی کے شامی مکانات کی ترتیب کے مطابق بنائی گئیں تھیں۔ یہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ اس کا ایک حصہ ''سلاملیق'' (دیوان خانہ) اور دوسرا چوبی کام سے آراستہ ہے۔ آج کل اس محل میں نسلیات Ethno-Aphy اور عوامی فنون کا عجائب گھر قائم کردیا گیا ہے۔

عصر حاضر:

۱۹۲۰ء میں شہزادہ فیصل کو نکالنے کے بعد دمشق پر فرانسیسیوں کا تسلط قائم ہوگیا تھا۔ جس کے خلاف شدید ترین مظاہرہ ۱۹۲۵ء میں سلطان الاطرش کی قیادت میں ہوا تھا۔ اکتوبر ۱۹۲۵ء اس مظاہرے کے بعد دمشق میں فسادات برپا ہوگئے جن کے بعد سے جنرل سوریل نے شہر پر گولہ باری کی۔ اسکے علاوہ اس قدیم شہر کو جنگ عظیم اول و دوم میں شدید نقصان پہنچا تھا۔ ۶ ستمبر ۱۹۴۱ء کو فرانس نے شام کو آزاد کردیا جس کے بعد دمشق دنیا کا ایک بڑا اور جدید شہر بن گیا ہے۔

Marfat.com

الرصافتہ

شام کے علاقے تدمر الشامیہ کا ایک صحرائی شہر، جو دریائے فرات سے جنوب میں چار فرسخ یا پچیس میل کے فاصلے پر آباد ہے۔

زمانہ قبل از اسلام میں بھی اس شہر کا یہی نام تھا۔ ان اشخاص کی آشوری فہرست میں جنہوں نے اپنے نام پر شہر آباد کیے۔ 737 ق م میں ایک شہر را۔ صا۔ یہ۔ کا نام بھی ملتا ہے جو آشوری حاکم (شکفو) کا صدر مقام تھا۔ ادادنراری چہارم کی لوح قبر کے منبت کتبے میں بھی رصاماپا کا نام مذکور ہے اوران علاقوں میں شامل ہے جن پر ارگلوارش Urigallu- eresh حکومت کرتا تھا۔

طلیموس اس شہر کا پالیمرا (تدمر) کے علاقے کے نام سے ذکر کرتا ہے۔ صدر اسقف اسکندر ہیراپدلیسی ایک مراسلے میں اس کا نام آصافہ لکھتا ہے۔ اس نام کا مفہوم سیمنٹ سے بنی ہوئی سڑک ہے۔

434ء عیسوی میں اس شہر کو عام دستور کے خلاف صدر اسقف اسکندر ہیراپودیسی نے نہیں بلکہ بطریق حناالانطا کی نے اسقف کا حلقہ قرار دیا تھا۔

نوشیرواں نے 540 میں جب شام پر حملہ کیا تھا تو سرجیو پولی کے بطریق کندیدوس نے کنار فرات کے شہر سورہ کے بارہ ہزار قیدیوں کے فدیے میں دوسو پاؤنڈ سونا دینے کا وعدہ کیا تھا۔ نوشیرواں نے اپنے تیسرے حملے میں اس بطریق کو قید کرلیا تھا جو اپنا وعدہ پورا نہ کرسکا تھا۔ مگر صحرائی علاقے میں پانی کی قلت کی وجہ سے نوشیرواں کو پسپاہ ہونا پڑا جس کے تقریباً نصف صدی بعد یہ کہانی مشہور ہوگئی کہ سینٹ سرجیوس اوراس کی آسمانی فوجوں نے اس شہر کی دستگیری کی تھی۔ یہ کہانی عیسائیوں میں اس شہر کے تقدس کا باعث بنی۔ اسلامی عہد میں اس صحرائی شہر نے تازہ شہرت اس وقت حاصل کی جب خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے اپنی شہزادگی کے زمانے (723......724ء) میں اسے اپنا بادیہ (صحرائی صدر مقام) دریائے فرات کے نشیبی علاقے سے جہاں مچھروں کی بہتات تھی، یہاں منتقل کر کے اسے اپنی جائے سکونت قرار دیا تھا۔ ہشام

Marfat.com

نے 125ھ/ 743ء میں جب وفات پائی تو اپنی وصیت کے مطابق وہ الرصافہ میں دفن ہوا۔ اسی وجہ سے یہ شہر اس زمانے میں الرصافہ ہشام کہلانے لگا۔ یہ نام اسے رصافۃ بغداد سے متمیز کرنے کے لیے دیا گیا تھا۔ آصافہ بغداد، بغداد کے مشرقی مضافات میں شامل تھا۔ دوسرے اموی خلفاء نے بھی گاہ بگاہ اس شہر میں قیام کیا۔ مثلاً مروان، سلیمان بن ہشام اور محمد ابن الولید۔ ہشام کی وفات کے بعد اس کے جانشین الولید نے اپنے پیشرو کی تمام جائیداد ضبط کرنے کا حکم دیا تھا۔ سلیمان بن ہشام نے 745ء میں الرصافہ میں ایک لشکر جمع کیا۔ پھر مروان ثانی کے بالمقابل جس کی فوج قنسرین میں تھی، پڑاؤ ڈالا۔ پھر شکست کھا کر دوبارہ الرصافہ آ گیا۔ عبداللہ بن علی عباسی 132ھ/ 749 میں الرصافہ آیا اور اس نے ہشام کی حنوط شدہ لاش کی بے حرمتی کی اور اسے جلا دیا۔ مؤرخین نے لکھا ہے یہی عبداللہ بن علی جب 754ء میں صرف پانچ سال بعد اپنے بھتیجے جعفر بن منصور کی موجوں کے آگے ایک باغی کی حیثیت سے بھاگا جا رہا تھا تو اس نے ایک رات کے لئے الرصافہ میں قیام کیا تھا۔

244ھ/ 858ء میں عباسی خلیفہ المتوکل اپنے دورہ شام کے موقع پر خصوصاً دمشق سے الرصافہ آیا وہ ہشام اور سلیمان کے محلات اور ایک بازنطینی خانقاہ دیکھنا چاہتا تھا۔ قرامطیوں نے 289ھ/902ء عیسوی میں اس شہر پر تاخت کی اور باشندوں کو تہہ وتیغ کر دیا، یہاں کی جامع مسجد کو جلا ڈالا اور گردونواح کو بھی تاراج کر ڈالا۔ عرب جغرافیہ نویسوں نے الرصافہ کو بے گیاہ صحرا کے وسط میں واقع بیان کیا ہے۔ اس کے باشندے صرف ان تالابوں سے پانی پیتے تھے جو شہر کی فصیل کے اندر بنے ہوئے تھے اور جب اس سے کام نہ چلتا تو دریائے فرات سے پانی لاتے جو چار فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ الاصمعی (م 830ء) جو ہارون الرشید کا استاد تھا، الرصافہ اور الزوراء کو ایک ہی مقام بتایا ہے اور وہاں ایک قابل دید خانقاہ کا ذکر کرتا ہے۔ ابن بطلان نے یہاں کے کلیسا کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے باہر سونے کی پچی کاری کا کام کیا ہوا تھا۔ وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ اسے ہیلنا کے بیٹے قسطنطین نے بنوایا تھا۔ اس گرجے کے نیچے ایک زمین دوز حوض بھی تھا۔ آج اس شہر کے مرعوب کن کھنڈرات عہد قدیم کی یادگار ہیں۔

Marfat.com

اجنادین

اس جگہ کا روایتی نام ہے جہاں جمادی الاولیٰ یا جمادی الآخر 13ھ/ جولائی اگست 634ء میں عرب مسلمانوں اور شام و فلسطین کے رومی مدافعین کے درمیان جنگ لڑی گئی تھی۔ تاریخی مآخذوں کی رو سے اس جگہ کا محل وقوع رملہ اور بیت جبرین کے درمیان غزہ سے یروشلم جانے والی شاہراہ پر آخری مقام سے تھوڑے فاصلے پر جنوب مغربی جانب واقع تھا۔ اب اس کا صحیح نشان نہیں ملتا۔ می ایڈ نیکوف Mied Nikoff نے اس علاقے کے مقامی جغرافیے Toposraphy کی بنا پر لڑائی کے محل وقوع کا تعین وادی الصمت کے کناروں پر واقع الجنابتہ نام کے دو گاؤں، غربیہ اور شرقیہ کے نواح میں کیا ہے جو 34 درجہ 57 دقیقہ طول البلد مشرقی اور 31 درجہ 41 دقیقہ عرض بلد شمالی پر واقع ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اجنادین کا روایتی نام الجنابتہ کی تثنی شکل (الجنابتین اور اجناد (افواج) کے باہم غلط ملط سے بن گیا۔

قیصر روم ہرقل Heraclius کا بھائی تھیوڈورس Theodorus جنگ اجنادین میں رومی افواج کا سپہ سالار اعظم تھا۔ بعض ابتدائی عرب مآخذ نے اس ضمن میں ایک شخص اطربوان Arettion کا نام بھی دیا ہے۔ عرب افواج ان تین الگ الگ دستوں پر مشتمل تھیں جو فلسطین اور ماورائے اردن میں جنگی کارروائیوں میں مصروف تھے۔

رومیوں سے جنگ چھڑی تو یہ تینوں اسلامی عساکر حضرت خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں جمع ہو گئے۔ ان اسلامی عساکر کی مجموعی تعداد تین ہزار تھی۔ ان کی قیادت حضرت یزیدؓ بن ابی سفیان، حضرت عمروؓ بن العاص اور حضرت شرجیلؓ بن حسنہ کر رہے تھے۔ پھر کمک پہنچی تو اسلامی لشکر کی تعداد ساڑھے سات ہزار ہو گئی۔ دونوں لشکروں کے مابین 30 جولائی 634ء کو اجنادین کے مقام پر خونریز جنگ لڑی گئی۔ اس جنگ میں رومی فوج بری طرح تباہ ہو گئی اور فلسطین میں رومی تسلط کے بچاؤ کی کوئی صورت باقی نہ رہی تو رومی پسپا ہو کر دمشق کی طرف ہٹ آئے۔ مسلمانوں کی افواج بھی دوبارہ الگ الگ دستوں میں بٹ گئیں۔ چھ ماہ بعد جب رومی قیادت نے نخل کے مقام پر دوبارہ مورچہ بندی قائم کرنے کی کوشش کی تو عرب افواج کو ان کا مقابلہ کرنے کے لیے دوبارہ یکجا ہونا پڑا۔

Marfat.com

الیرموک

الیرموک شام کا ایک مشہور تاریخی دریا ہے جو آج کل شریقۃ المناضرہ کہلاتا ہے۔ یہ دریا حوران کے مقام سے نکلتا ہے اور جسر الجامع کے مقام پر دریائے اردن میں جا گرتا ہے۔

جنگ یرموک کا مشہور معرکہ شام میں جس مقام پر لڑا گیا وہ دریائے یرموک اور نہر القاد کے سنگم کے قریب واقع تھا۔ یہ جگہ جدید الیاقوصہ سے دور نہیں ہے۔

معرکہ یرموک 12 رجب 15ھ/ 20 اگست 636ء کو پیش آیا۔ اس جنگ میں تقریباً نصف لاکھ رومی سپاہ کو قلیل التعداد عرب مسلمانوں نے حضرت خالد بن ولیدؓ کی سرکردگی میں شکست فاش دی۔ رومی مؤرخ تھیوفینیز □Theo Phanese کے مطابق بازنطینی افواج کو اس تباہی کا سامنا الجابیہ کے مقام پر کرنا پڑا تھا۔

جنگ یرموک میں مسلمانوں کی تعداد البلاذری نے چوبیس ہزار لکھی ہے۔ اطراف میں نہایت شدید و خونریز جنگ لڑی گئی۔ کہتے ہیں معرکہ یرموک میں رومیوں نے اپنے آپ کو زنجیروں میں باندھ لیا تھا تاکہ آپس میں بندھے ہونے کی وجہ سے وہ راہ فرار نہ اختیار کر سکیں۔ مگر اللہ نے مسلمانوں کے ہاتھوں اس معرکہ میں تقریباً 70 ہزار رومیوں کو تہ و تیغ کرا دیا پھر بقیۃ السیف آخر بھاگ نکلے اور انہوں نے انطاکیہ، حلب، الجزیرہ اور آرمینا کی راہ اختیار کی۔

البلاذری کے مطابق معرکہ یرموک میں بعض مسلمان خواتین نے خوب جنگ کی، ہند بنت عتبہ ام معاویہ پکارتی تھی کہ " کافروں (غیر مختونوں) کو اپنی تلواروں سے کاٹ پھینکو"۔ کہتے ہیں جب قیصر روم ہرقل کو جنگ یرموک میں رومیوں کی شکست کی خبر ملی تو اس نے فلسطین و شام کو مستقل طور پر خیرآباد کہنے کا فیصلہ کر لیا اور وہ انطاکیہ سے قسطنطنیہ واپس چلا گیا۔ الدرب سے گزرتے ہوئے اس ارض شام کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ اے سوریہ! تجھ پر سلام ہو۔ دشمن کے لیے یہ کیسا اچھا

Marfat.com

ملک ہے۔اس سے اس کی مراد مرغزاروں کی کثرت تھی جوارض شام میں ہے۔

جنگ یرموک ہر لحاظ سے تاریخ عالم کی ایک فیصلہ کن جنگ تھی جو اس عہد کی ایک بہترین مسلح شاہی افواج اور نیم مسلح مجاہدین اسلام میں لڑی گئی۔ رومی فوج کا سالار ماہان جو مسلمانوں کی بہادری سے مرعوب تھا۔اس نے ایک جنگی حکمت عملی کے ذریعے مسلمانوں کے سالار حضرت خالدؓ بن ولید کو جنگ سے پیشتر ایک دعوت پر بلا کر گرفتار کرنا چاہا مگر ناکام رہا۔اسی طرح اس جنگ میں حضرت خالدؓ کے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹیں۔

Marfat.com

حلب

شمالی شام کا ایک قدیم شہراور ایک ترکی ولایت جس کے شمال مغرب میں اور شمال میں ادنہ یا آطنہ اور سیواس کی ولایتیں ہیں۔ شمال مشرق میں معمورۃ العزیز، مشرق میں دیرانزور کا ضلع سنجاق، جنوب میں دمشق اور بحیرہ روم ہیں۔

حلب کو 420ھ سے سیف الا دولہ حمدانی نے ایک الگ علاقہ بنا دیا تھا۔ اسی وجہ سے سیف الدولہ کو حلب کا پہلا بادشاہ تصور کیا جاتا ہے۔ حلب کا شہر 38 درجے اور 68 دقیقے 5 ثانیے طول البلد مشرقی اور 40 درجے 12 دقیقے عرض البلد شمالی پر واقع ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی 1275 فٹ ہے۔ یہ دریائے قویق (گوک ضو) کے کنارے واقع ہے۔

آب وہوا:

موسم سرما میں یہاں کی آب و ہوا سرد ہوتی ہے۔ موسم بہار فروری میں شروع ہوتا ہے۔ مئی سے لے کر ستمبر تک سخت گرمی پڑتی ہے۔ اوسط درجہ حرارت سال بھر کا 68ء درجے، جاڑے کا 42 درجے اور گرمی کا 87 درجے فارن ہیٹ ہے۔

حلب دنیا کے ان قدیم ترین شہروں میں سے ایک ہے جو زمانہ قدیم سے اب تک مسلسل آباد چلے آتے ہیں۔ اس شہر کی بنیاد غالباً حطیوں Htttites نے رکھی تھی۔ حلب کا ذکر سب سے پہلے 750ء قبل از مسیح میں ملتا ہے جو آشوری زبان کے ایک کتبے میں درج ہے۔ قدیم مصری زبان کی تحریروں میں حلب (حرب) کا ذکر سولہویں صدی قبل از مسیح میں جنرل امنحب Amenmeheb کے سوانح حیات کے ضمن میں آیا ہے۔ عہد نامہ قدیم میں جس ''ارم صوبہ'' کا ذکر ہے وہ حلب ہی معلوم ہوتا ہے۔ سلوقی یونانی خاندان کے عہد میں اس شہر کا نام برویا ہو گیا تھا۔ یہ نام سلوکس نکاتور نے رکھا تھا جو اس شہر کو نہایت عزیز رکھتا تھا۔ بازنطینی عہد میں اس کا پرانا نام یونانی شکل میں ہمیں دوبارہ دکھائی دیتا ہے۔

Marfat.com

عرب فتح:

مسلمانوں نے 16ھ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں حلب پر یلغار کی تو کسی نے ان کا مقابلہ نہیں کیا۔ اہل شہر نے بلا مزاحمت کئے حضرت ابوعبیدہؓ کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔ مسلمان اس شہر میں باب انطاکیہ سے داخل ہوئے تھے۔ یہیں انہوں نے پہلی مسجد کی بنیاد رکھی تھی جو بعدازاں مسجد الغفائری اور مدرسہ الشیعیہ کے ناموں سے مشہور ہوئی۔ یہاں کے پہلے مسلم والی بھی حضرت ابوعبیدہ ہی تھے۔ 18ھ میں ان کے انتقال کے بعد حضرت امیر معاویہؓ پورے شام کے حاکم ہوگئے۔ جب وہ خلیفہ بنے تو انہوں نے حمص کا نظم ونسق اس سے الگ کر دیا۔ اموی خلفاء کے والی حلب اور اس کے گردونواح میں رہتے تھے۔ خلافت کے لیے بنوامیہ اور بنوعباس کے درمیان جو کشمکش ہوئی اس میں پہلے تو اہل حلب عباسی سپہ سالار عبداللہ بن علی الہاشمی کے ساتھ مل گئے تھے۔ شام 325ھ میں مصر کے والی محمد الاخشید کے ماتحت آ گیا اس نے احمد بن سعید الکلابی کو جو بدوی سردار تھا حلب کا والی مقرر کیا تھا۔ محمد الاخشید کے بعد حلب اور حمص ابن رائق کی حکومت میں آ گیا تھا۔ 329ھ میں ابن لائق کو ناصر الدولہ ہمدانی نے قتل کر دیا۔ اسی کے معروف بھائی علی کو سیف الدولہ کا خطاب ملا تھا۔ اسی سیف الدولہ حمدانی نے حلب میں الگ حکومت قائم کی تھی۔ گیارہویں صدی عیسوی میں اسے سلجوقی ترکوں نے فتح کر لیا۔ 1124ء میں مغرب کے صلیبیوں نے اس کا محاصرہ کر لیا مگر اسے فتح کرنے میں ناکام رہے۔ 1183ء میں صلاح الدین ایوبی اس پر قابض ہوگیا۔ 1260ء اور پھر 1401ء میں چنگیزی اور تیموری تاتاریوں کا اس پر قبضہ رہا۔ پھر یہ مصر کے مملوکوں کے زیرنگیں چلا گیا۔ 1832ء...... 1840ء میں یہ پھر ترکوں کے قبضے میں آ گیا اور 1920ء تک سلطنت عثمانیہ ترکی کا حصہ رہا۔

عمارتی تاریخ:

سلوقی اور بازنطینی عہد حکومت میں حلب کے گرد ایک مضبوط فصیل تھی اور حلب ایک قلعہ بند شہر تھا۔ غالباً اس کی چار دیواری مستطیل شکل کی تھی۔ جس کے ہر پہلو کے وسط میں ایک دروازہ تھا۔ کسریٰ ایران نوشیرواں نے 540ء عیسوی میں جب شام پر فوج کشی کی تو حلب پر

Marfat.com

قبضہ کر کے اس کی فصلیں مسمار کرادیں۔ لیکن قلعہ کو چھوڑ دیا۔

باب الحنان اور باب انطاکیہ کے مابین دیواروں کے کچھ حصے ابن شداد کے وقت تک موجود تھے۔ یہ حصے ایرانی اینٹوں سے تعمیر کیے گئے تھے۔ کہا جاتا ہے یہ اس زمانے کے ہیں جب نوشیرواں نے شہر پناہ کی مرمت کرائی تھی۔ جب عربوں نے شہر پر قبضہ کیا تھا تو حضرت ابو عبیدہ باب انطاکیہ سے ہی شہر میں داخل ہوئے تھے۔

حلب کی قلعہ بندی کا سب سے قدیم حصہ جواب تک موجود ہے۔ وہ اندرونی دیوار ہے جو فاطمی خلیفہ الحاکم کے عہد (407ھ) میں حلب کے والی عزیز الدولہ نے تعمیر کروائی تھی۔ اس دیوار میں کتبے صرف دروازوں اور برجوں پر موجود ہیں۔ اس وجہ سے دیوار کی تاریخ تعمیر انہیں کتبوں پر منحصر ہے۔

609ھ میں صلاح الدین کے بیٹے سلطان الظاہر غازی نے شہر کا ایک دروازہ باب النصر تعمیر کروایا تھا۔ جو اس کے عہد سے پہلے "باب الیہود" کہلاتا تھا۔ تیمور کے حملے میں منگولوں کے ہاتھوں حلب کی تباہی کے بعد اسے سلطان المؤید الشیخ نے دوبارہ تعمیر کروایا تھا۔

بہر حال شہر میں موجود قدیم عمارتیں شامی فن تعمیر کا نمونہ ہیں۔ شامی فن تعمیر میں اصل خصوصیت اعتدال ہے جس میں تمام غیر ضروری زیبائش سے اجتناب برتا جاتا تھا اور پتھر کے کام کی مضبوطی حسن تناسب اور حصوں کی خوش ترتیبی ہی سے اثر پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔

قلعہ:

حلب کا قدیم قلعہ ایک قدرتی ٹیلہ ہے جس کے پہلوؤں کو مصنوعی طور پر زیادہ ڈھلوان دار بنا دیا گیا ہے اور اس کے گرد ایک گہری خندق کھودی گئی ہے۔ اس کی شکل بیضوی ہے اور ٹیلے کی چوٹی پر اس کا رقبہ 300×130 مربع گز ہے۔ یہ قلعہ بہت قدیم زمانے سے موجود چلا آتا ہے۔ یعنی آشوری اور حطی کتبوں میں اس کا ذکر موجود ہے۔ قلعہ میں موجود چقماق پتھر کے بنے ہوئے شیر کے دو حطی عہد کی یادگار ہیں۔ اگرچہ بازنطینی عہد میں حلب ایک صوبائی شہر تھا تاہم

Marfat.com

اسے قلعہ بند بنا دیا گیا تھا۔ اس زمانے کی یادگار وہ بڑا حوض ہے جو قلعے کی تقریباً وسط میں ایک چٹان کاٹ کر بنایا گیا تھا اور جس پر نو محرابوں کی گنبد والی چھت چار ستونوں پر قائم ہے۔ عہد عباسی کے کوئی آثار باقی نہیں بچے البتہ سلجوقی عہد کا ایک کنواں باقی ہے جس کے عمودی عمق کے گرد ایک زینہ بل کھاتا چلا گیا ہے۔ 659ھ میں ہلاکو خاں نے یہ قلعہ فتح کر کے اسے تباہ کر دیا۔

جامع مسجد:

حلب کی جامع مسجد، ایک مقبرے کی وجہ سے جو اس میں موجود ہے، مسجد زکریا کہلاتی ہے۔ یہ مسجد اموی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں تعمیر کی گئی تھی۔ لیکن اب اس قدیم عمارت کے کوئی آثار موجود نہیں ہیں۔ اس مسجد کے مینار کی نچلی منزل پر 483ھ کندہ ہے اور اس کے کتبے میں ملک شاہ اور قاضی ابن الخشاب کا ذکر ہے۔ یہ کتبہ 1908ء میں دریافت ہوا اور بعد کی مرمتوں میں اس پر پلستر کر دیا گیا ہے۔

ایوبی عمارات:

حلب کی ایوبی عمارات کا ذکر بھی ضروری ہے۔ مشہد علی، جس کا کچھ حصہ دراصل اس عہد سے پہلے کا ہے۔ الظاہر غازی کی مسجد، جس میں وہ مدفون ہے۔ فردوس کی مسجد جس میں بھی ایک مقبرہ ہے۔ فرافرا کی خانقاہ اور شہر کے شمالی حصے میں بابلا کے مقام پر ایک مسجد جس میں شیخ فارس کا مقبرہ بھی ہے۔

حمص:

شام کا ایک قدیم شہر جو 36 درجے طول البلد مشرقی اور 34 درجے 20 دقیقے عرض البلد شمالی کے درمیان دریائے العاصی کے مشرقی کنارے پر سطح سمندر سے 500 میٹر بلند واقع ہے۔ شہر حمص ایک وسیع اور مزروعہ میدان کے وسط میں آباد ہے جس کے مشرق میں صحرا اور مغرب میں آتش فشاں پہاڑ ہیں۔ یہ شہر کوہ لبنان اور جبل النصاریہ کے درمیان ایک نشیب کے دہانے پر واقع ہے۔ اس دہانے سے یہاں سمندری ہوائیں آتی رہتی ہیں۔ اس لیے یہاں کی آب و ہوا خوشگوار ہے۔

Marfat.com

آب وہوا:

شام کے دوسرے شہروں کے مقابلے میں یہاں بارش سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ سالانہ اوسط 600 ملی میٹر تک پہنچتا ہے۔ یہاں آبپاشی کے نظام کی بدولت پچھلے پانچ ہزار سال سے یہ جگہ آباد چلی آتی ہے اور اس شہر کی پانچ ہزار سالہ تاریخ اہم واقعات سے پر ہے۔ یاقوت کے مطابق اس شہر کا نام حمص بن البھر بن ہاف بن مکنف العمالقی کے نام پر حمص پڑا تھا۔ اس شہر کی بنیاد قدیم یونانیوں کے ہاتھوں پڑی تھی۔ قیاساً حمص کا شمار ان شہروں میں ہوتا ہے جنہیں سلیوکس نکاتور Seleucus Nicator نے آباد کیا تھا یا جن کے نام یونانی ہیں لیکن اس امر کی کوئی تصدیق نہیں ہو سکی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شہر پر رومی نقشہ تعمیر کی چھاپ لگی ہوئی ہے۔ اسلام کی آمد سے بہت پہلے بے شمار عرب یہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔ 81ق م سے 96ء تک حمص پر عربوں کے ایک مقامی خاندان کی حکومت تھی۔ ایک مخروطی سا مقبرہ جو 87ء میں ایک شہزادے نے حمص میں بنوایا تھا۔ 1911ء میں آگ سے تباہ ہوا۔ رومی شہنشاہ ہیلیو گیبلس (205ء......223ء) اصلاً حمص میں (جس کا قدیم لاطینی نام اماسا Emesa تھا) بعل دیوتا کا ایک پجاری تھا جو بعد میں شہنشاہ بن گیا تھا۔ اسی مقام پر شہنشاہ آریلین (270ء...... 275ء) نے 272ء میں پالمیر (تدمیر) کی ملکہ زینوبیا کو شکست دی تھی۔

636ء میں جنگ یرموک کے بعد رومی شہنشاہ ہرقل حمص چھوڑ کر چل دیا۔ جب مسلم افواج حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کے زیر کمان حضرت خالد بن ولیدؓ کی ہمراہی میں اس شہر کی فصیلوں کے سامنے نمودار ہوئیں تو باشندوں نے امان طلب کی اور زر تاوان ادا کرنے کا اقرار کیا۔ اس طرح مسلمان حمص میں بغیر کسی خونریزی کے داخل ہو گئے۔ ایک روایت کے مطابق آنحضرتؐ کے پانچ سو صحابیؓ اس نئے مفتوحہ شہر میں سکونت کے لیے چلے آئے تھے۔ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں حمص کا گورنر سعید بن عامر تھا۔ 26ھ/ 647ء) میں امیر معاویہؓ نے حمص اور قنسرین پر قبضہ کر کے ان کا الحاق صوبہ شام سے کر دیا۔ 37ھ/ 657ء میں جب حضرت علیؓ اور معاویہ کے درمیان جنگ صفین لڑی گئی تو حمص کے باشندے حضرت علیؓ کے حامی تھے جس کی

Marfat.com

وجہ سے شیعیت کو اس علاقے میں عرصہ دراز تک اقتدار حاصل رہا۔

اس کے بعد حمص نے عہد بعہد اسلامی تاریخ میں اہم کردار ادا کیا۔ عباسی عہدِ حکومت میں حمص کی تاریخ میں ایک تاریک دور تھا۔ آبادی کی اکثریت یمنیوں پر مبنی تھی۔ انہوں نے قیسیوں کے خلاف بغاوت کر دی جس کی وجہ سے ہارون الرشید نے برافروختہ ہو کر اہل حمص کے خلاف تعزیری مہمات روانہ کیں۔

عباسی عہد میں آخری تعزیری مہم المستعین کے عہد میں بھیجی گئی تھی۔ اس نے 864ء میں حلب، قنسرین اور حمص کا انتظام و انصرام ایک ہی گورنر کے ماتحت کر دیا تھا۔

عباسی خلافت پر ضعف طاری ہوا تو مصر کے احمد بن طولون نے اپنی حکومت کا دائرہ کار شام تک وسیع کر لیا اور حلب اور حمص اس کے زیر سیادت آ گئے۔ اس کے بعد پانچویں صدی ہجری میں یہ شہر فاطمیوں کے زیر تسلط آ گئے۔ اسی صدی میں 1098ء میں یہ شہر صلیبی جنگجوؤں کی معرکہ آرائیوں کا بھی مرکز رہا۔ پھر سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس پر قبضہ کر کے اسے ایک اہم دفاعی مورچہ بنا لیا۔ جوں جوں صدیاں گزرتی چلی گئیں اس قدیم فصیل دار شہر کے دروازے اور فصلیں ایک ایک کر کے گرتے چلے گئے۔ 1785ء میں اس شہر کی سیاحت کرنے والے والنی Volney نامی فرانسیسی سیاح نے لکھا ہے کہ ماضی میں حمص مستحکم اور خوب آباد تھا لیکن اب اس کی حیثیت ایک تباہ شدہ قصبے سے زیادہ نہیں رہی۔

1831ء میں حمص پر جانبازوں نے قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد یہ شہر ابراہیم پاشا کے ہاتھ آ گیا جو 1846ء تک محمد علی پاشا گورنر مصر کا شام میں نائب السلطنت رہا۔ اسی زمانے میں اس شہر میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی جسے فرو کرنے میں مصری افواج کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس شورش کے نتیجے میں یہاں کے قدیم قلعہ کو بھی مکمل طور پر تباہ کر دیا گیا۔ 1840ء کے بعد شہر پر ترک دوبارہ قابض ہو گئے۔

حمص زمانہ قدیم سے اہم تجارتی راستوں کے چوراہے پر واقع ہونے کی وجہ سے ہمیشہ زراعت اور تجارت کا مرکز رہا ہے اور اب شام کی معیشت میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ یہ شہر تہذیب قدیم کے آثار سے معمور ہے۔ پرانی مسجد میں حمام، مزارات، خانقاہیں اب بھی محفوظ

Marfat.com

ہیں۔مزاروں کے ضمن میں کعب الاحبار کا مقام قابل ذکر ہے۔یہ مزار جو باب الدرید سے باہر ہے بالائی منزل کی مسجد پر مشتمل ہے۔

مرج الصفر :

اسے مرج الصفرین بھی کہتے ہیں۔دمشق کے جنوب میں 34.5 کلومیٹر کے فاصلے پر موضع کسوہ کے بعد یہ ایک وسیع مرغزار ہے۔تاریخی حیثیت سے یہ ایک اہم مقام ہے۔اسلام سے قبل یہاں بنوغسان کی بستیاں آباد تھیں۔حضرت حسانؓ بن ثابت کے اشعار میں اس کا ذکر آیا ہے۔اسلامی عہد میں اس میدان کا نام ان اہم معرکوں کی بناء پر آتا ہے۔جو یہاں لڑے گئے۔پہلا معرکہ 14ھ/635ء میں یہاں رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان لڑا گیا جس میں مسلمانوں نے رومیوں کوشکست دے کر بھگا دیا۔

پھر 64ھ/683ء میں یہاں دوسرا معرکہ بنوقیس اور بنوکلب کے قبیلوں کے مابین لڑا گیا جس میں بنوکلب نے جو بنوامیہ کا حمایتی تھا فتح پائی۔یہ معرکہ مرج راہط کے معرکے سے پہلے ہوا تھا۔پھر 702ھ/1302ء میں غازان کے تاتاری لشکر اور سلطان مصر،محمد قلادون کے درمیان مشہور معرکہ لڑا گیا۔یہاں جو تاریخی عمارتیں بنوائی گئیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔ایک قصرام حکیم ہے،دوسری اہم عمارت خان خطاب ہے جو ایک سرائے تھی۔

Marfat.com

مرعش

مرعش شام کا ایک شہر تھا، جو ایشیائے کوچک کی سرحد پر، سطح سمندر سے کوئی دو ہزار فٹ کی بلندی پر ایک نشیب کے شمالی کنارے پر واقع ہے۔ یہ نشیب دریائے جیحان کے مشرق میں ہے اور اس دریا کی ایک معاون ندی نہر حوریث (آق صو) اسے سیراب کرتی ہے۔ چونکہ یہ شہر ان سڑکوں کے سنگم پر واقع ہے جو انطاکیہ تک عین زربہ اور المصیصہ سے جاتی ہیں۔

رومی شہنشاہیت کے زمانے میں اس کا نام جرمنکیا Germnikia شہنشاہ کالی گولا کے اعزاز میں رکھا گیا تھا۔ جرمنکیا اور مرعش کا ایک ہونا بہت سے ادبی بالخصوص سریانی ماخذوں سے تحقیق ہو چکا ہے۔

شہنشاہ ہرقل 626ء میں اس شہر سے گزرا تھا۔ ایک اور رومی شہنشاہ لیو ثالث کا اصلی وطن مرعش تھا۔

عہد راشدہ میں 16ھ میں حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو منبج سے مرعش پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا تھا اور مرعش کے قلعہ پر متعین رومی فوج نے اس قلعے کو اس شرط پر حضرت خالدؓ کے حوالے کیا تھا کہ انہیں قلعے سے نکلتے وقت تنگ نہیں کیا جائے گا۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ نے اس قلعہ کو منہدم کرا دیا تھا۔ 650-652ء میں سفیان بن عوف الغامدی مرعش سے بازنطینیوں کے خلاف مہم لے کر نکلے تھے۔ حضرت معاویہؓ نے اپنے مسند نشین ہونے کے بعد اس شہر کو از سر نو تعمیر کرایا تھا اور یہاں مسلم فوج کے سپاہیوں کو آباد کیا تھا۔ یزید اول کی وفات کے بعد اس شہر پر بازنطینیوں نے اتنے شدید حملے کیے کہ یہاں کے باشندے اس کی سکونت ترک کر گئے۔

آج کل مرعش موجود جمہوریہ ترکی کے ایشیائی مقبوضات میں ایک شہر اور ضلع ہے۔

Marfat.com

ارضِ فلسطین

چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی میں ظہور اسلام کے وقت رومی سلطنت کے جس صوبے کا نام پیلسٹینا پرائما Plaestina_Prima تھا یہ عملاً یہودیہ Judaea□ اور سامریہ کی ولایتوں پر مشتمل تھا۔ اس کا صدر مقام Caesarea تھا۔ اسے عربوں نے فلسطین کا نام دیا۔ عرب مؤرخین کے مطابق حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عہد خلافت میں عمرو بن العاص کے ماتحت جو لشکر ریلتہ کے راستے مغربی فلسطین بھیجا تھا وہ 7 مارچ 634ء/ 13ھ تک وہاں نہ پہنچ سکا تھا۔ اسکے برعکس ایک شامی مآخذ کی رو سے، یونانیوں اور مسلمانوں کے مابین سب سے پہلے ایک مقام پر جو غزہ سے مشرق میں تین گھنٹے کی مسافت پر واقع تھا، فروری 634ء میدان کارزار گرم ہوا تھا۔ اس جنگ میں یونانیوں کو شکست ہوئی اور حضرت عمروؓ کو غزہ پر قبضہ کرنے کا موقع مل گیا۔ اس کے بعد وہ اپنی فوج لے کر قساریہ کی طرف بڑھے اور جولائی اگست میں معرکہ اجنادین پیش آیا۔ غالباً اجنادین کی فتح کے بعد ہی حضرت عمروؓ نے فلسطین کے وہ شہر فتح کر لیے تھے جن کی تفصیل البلادری نے ''فتوح البلدان'' میں دی ہے۔ یعنی سسطیہ، نابلس، لد، یبنی، عمواس، بیت جبرین، اور رافیہ۔ بڑی فوج کے ساتھ مل جانے اور فیصلہ کن لڑائیوں میں حصہ لینے کے بعد وہ جنگ یرموک کے اختتام پر اگست 636ء میں فلسطین واپس آئے اور بیت القدس کا محاصرہ کرنے کے لیے آگے بڑھے جو بالآخر 16ھ/ 637ء میں فتح کر لیا گیا۔ اب صرف قیساریہ باقی رہ گیا تھا۔ جس کی بہت مستحکم مورچہ بندی کی گئی تھی حضرت عمروؓ نے اس کا از سر نو محاصرہ کیا، لیکن اسی دوران 640ء میں انہیں مصر طلب کر لیا گیا اور اس محاصرے کی قیادت یزید بن ابی سفیان کو سونپ دی گئی۔ اس معرکے میں کامیابی حضرت یزیدؓ کی وفات کے بعد نصیب ہوئی۔ جب ان کے بھائی یعنی حضرت امیر معاویہؓ نے ایک مقامی باشندے کی مدد سے یہ شہر سر کیا۔ فتح فلسطین کی تکمیل اس وقت ہوئی جب حضرت امیر معاویہ نے عسقلان فتح کیا۔

عربوں نے اپنی فتح کے بعد یہاں کے سابق نظم و نسق کو بحال رکھا اور خاص فلسطین

Marfat.com

ایک علیحدہ صوبہ ہی رہا۔اس کا نام جند فلسطین یعنی فلسطین کا فوجی ضلع رکھا گیا اور اس کا صدر مقام قیساریہ سے لُد منتقل کر دیا گیا۔زمانہ مابعد میں نئے شہر رملہ نے لُد کی جگہ لے لی۔
رملہ کو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے ان دنوں آباد کیا تھا جب وہ فلسطین کا عامل تھا۔ سلیمان بن عبدالملک نے خلیفہ بن جانے کے بعد بھی رملہ ہی میں رہنا پسند کیا تھا۔
الاصطخری کے بیان کے مطابق صوبہ فلسطین کا سب سے بڑا شہر رملہ تھا جبکہ بیت القدس جسے یاقوت نے صدر مقام بتایا ہے دوسرے درجے پر تھا۔
الاصطخری کے مطابق فلسطین شام کے زرخیز ترین علاقوں میں سے ایک ہے لیکن اس کی آبپاشی کا انحصار صرف بارشوں پر ہے۔المقدسی نے فلسطین سے برآمد کی جانے والی اشیاء میں زیتون کے تیل، چھوٹی انجیر، منقیٰ، خرنوب اور مختلف قسم کے پارچہ جات کا نام لیا ہے۔ بیت القدس اور بیت جبرین کی اشیاء برآمد بھی گنوائیں ہیں۔
مؤرخ ابن خلدون نے خلافت عباسیہ کے زمانے میں فلسطین کی طرف سے ادا کردہ مالیہ کی آٹھویں صدی کے نصف آخر میں ایک فہرست دی ہے جس کی رو سے ان دنوں فلسطین کا سالانہ مالیا تقریباً تین لاکھ دس ہزار دینار تھا۔
صلیبی جنگوں کے دوران اس صوبے کی پرانی تقسیم ختم کر دی گئی تھی اور عہد ایوبی میں اسے مملکات میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔غزہ کی مملکت عملی طور پر اس علاقے پر مشتمل تھی جسے قدیم زمانے میں فلسطین کہتے تھے۔ 18ھ میں جو طاعون کی وباء پھیلی تھی اس کی ابتداء فلسطین کے علاقے عمواس سے ہوئی تھی۔ اس وباء میں بہت سے مسلمانوں نے وفات پائی۔ ان میں حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح، معاذؓ بن جبل اور یزیدؓ بن ابی سفیان شامل تھا۔
روایت ہے کہ جب خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کو حضرت ابوعبیدہؓ کی خبر ملی تو انہوں نے یزید بن ابی سفیان کو ان کی جگہ گورنر شام بنا دیا اور قیساریہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ یزید بن ابی سفیان نے 17 ہزار کے لشکر کے ساتھ قیساریہ کا محاصرہ کر لیا مگر اسی دوران وہ بھی وباء کا شکار ہو گئے اور انہوں نے محاصرہ قیساریہ میں اپنے بھائی حضرت معاویہ کو اپنا قائم مقام کیا اور خود دمشق چلے گئے۔ حضرت معاویہ نے ایک مقامی باشندے کی مدد سے قیساریہ فتح کر لیا۔ یزید بن ابی

Marfat.com

سفیان کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت معاویہ کو شام و فلسطین کا گورنر بنادیا تھا۔ کہتے ہیں اس امر پر حضرت ابوسفیانؓ نے ان کا شکریہ ادا کیا تھا اور کہا تھا کہ "اے امیر المومنین آپ نے صلہ رحم کا حق ادا کر دیا۔ کہتے ہیں محاصرہ قیساریہ تقریباً سات برس جاری رہا تھا۔

قدیم تاریخ:

علم تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد اسی علاقے میں رہائش پذیر تھی۔ اور حضرت یعقوب کے بیٹے یہاں حکمران رہے تھے۔ 721 ق م میں آشوریوں نے اس علاقے پر قبضہ کر لیا تھا پھر اہل بابل، اہل فارس اور اہل مقدونیہ اس پر یکے بعد دیگرے حکومت کرتے رہے۔ 320 ق م میں مصری حکمران بطلیموس نے اور 66 ق م میں رومی جنرل پامپی نے اسے تباہ و برباد کیا۔ اگلے 636ء برس رومی یہاں حکومت کرتے رہے۔ 636ء میں عربوں نے اسے فتح کیا۔ بارہویں صدی میں اقوام مغرب نے اس علاقے سے مسلمانوں کا تسلط ختم کرنے کے لیے صلیبی جنگوں کا سلسلہ شروع کیا جو تیرہویں صدی تک جاری رہا مگر مسلمانوں کی عملداری بھی قائم رہی۔

عصر حاضر:

فلسطین مختلف تاریخی ادوار سے گزر کر 1516ء میں عثمانی ترکوں کے زیر انتداب آیا اور 1918ء تک ان کے قبضے میں رہا 1897ء میں ایک یہودی رہنما تھیوڈور ہرزل نے فلسطین کو یہودی ریاست میں بدلنے کی مہم کا آغاز کیا۔ اس سلسلے میں بیسل میں پہلی صیہونی کانگرس منعقد کی گئی اور دنیا بھر کے یہودیوں نے فلسطین میں ایک یہودی ریاست قائم کرنے کے فیصلے کی حمایت کا اعلان کیا۔ پھر پہلی جنگ عظیم کے شروع ہو جانے کی وجہ سے یہودیوں کی اس تحریک کو پنپنے کا موقع مل گیا اور عملی طور پر ایک یہودی ریاست کے قیام کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران ہی برطانیہ نے عربوں کو ترکوں کے خلاف ابھارا اور آزادی دلانے کا وعدہ کیا تھا۔ جنگ کے دوران ہی برطانوی وزیر خارجہ لارڈ بالفور نے 2 نومبر 1917ء کو برطانیہ میں مقیم یہودیوں کی فیڈریشن کے چیئرمین کے نام ایک خط جاری کیا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ ملک معظم کی حکومت فلسطین میں یہودی عوام کے ایک قومی وطن کے قیام کو پسندیدگی کی

Marfat.com

نگاہ سے دیکھتی ہے اور اس مقصد کے حصول میں وہ یہودیوں کی ہر ممکن مدد کرے گی لیکن یہ بات واضح ہو جائے کہ کوئی ایسا اقدام نہیں کیا جائے گا جس سے اس علاقے میں رہنے والے عربوں کے مفادات کو نقصان پہنچے۔ اسے تاریخ میں اعلان بالفور کہا جاتا ہے۔

مگر اعلان بالفور محض ایک سیاسی دعویٰ تھا عملاً حکومت برطانیہ نے یہودیوں کو بالآخر عربوں کی لاشوں پر اسرائیل قائم کرنے کی اجازت دی اور ہر طرح ان کے ہاتھ مضبوط کیے اور یہودیوں کی ایک بڑی تعداد کو فلسطین میں آباد کر دیا۔ پھر 1948ء میں جب برطانوی فوجوں نے فلسطین کو خالی کیا تو یہودیوں کو الگ ریاست قائم کرنے کے لیے ہر ممکن مواقع فراہم کر دیے گئے اور امریکہ کی ساز باز سے اسرائیل وجود میں آ گیا۔

1967ء میں اسرائیل نے عرب اسرائیل جنگ میں دریائے اردن کے مغرب کا دو ہزار مربع میل کا علاقہ ہتھیا لیا جس میں بیت القدس اور غزہ کی پٹی بھی شامل تھی۔ یوں اسرائیل عربوں کے سینے کا ناسور بن گیا۔

بیت القدس:

یروشلم کو عربی زبان میں القدس کہتے ہیں۔ اسے قدیم مصنفین عام طور پر بیت المقدس لکھتے تھے۔ دراصل اس سے مراد ہیکل سلیمانؑ تھا جو عبرانی میں ''بیت ہمقدش'' کہلاتا ہے، لیکن بعد ازاں اس کا اطلاق تمام شہر پر ہونے لگا۔ اس شہر کے لیے مصنفین ''ایلیا'' کا لفظ بھی بکثرت استعمال کرتے ہیں۔

بیت القدس دنیا کا قدیم ترین شہر ہے۔ علاوہ ازیں یہ دنیا کا واحد شہر ہے جو یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے نزدیک یکساں متبرک ہے۔ تینوں الہامی مذاہب اس شہر کی توقیر کرتے ہیں۔ قدیم ترین تاریخی شہادتوں سے پتہ چلتا ہے کہ شہر مصریوں کی عملداری میں تھا۔ اس زمانے کے بعد حضرت یعقوب نے یہاں مسجد بیت القدس کی بنیاد رکھی تھی۔ تقریباً 1000 ق م میں اسے حضرت داؤدؑ نے فتح کیا اور انکے جانشین حضرت سلیمان نے مسجد اور شہر کی تعمیر و تجدید کی۔

بخت نصر اور تباہی ہیکل:

چھٹی صدی قبل از مسیح کے آغاز میں بابل کے حکمران بخت نصر نے یروشلم کو فتح کر کے

Marfat.com

ہیکل سلیمان کو جلا دیا اور شہر کو پیوست زمین کر دیا۔ اس کے علاوہ بخت نصر کے حکم پر صحائف یہود نذر آتش کر دیئے گئے اور ایک لاکھ یہودیوں کو قید کر کے بابل بطور جنگی قیدی لے جایا گیا۔ اس کے بعد القدس اور فلسطین عموماً ایرانیوں اور رومیوں کے زیر تسلط رہا۔

ہیکل کی تعمیر نو:

ہیرود اعظم کے زمانہ میں ہیکل کی تعمیر نو ہوئی اور بیت المقدس ایک بار پھر بارونق شہر بن گیا۔ اسی زمانے حضرت مسیح نے بیت المقدس کے قرب وجوار میں دعوت وتبلیغ کا مرکز قائم کیا تھا۔

ثانوی تباہی:

بیت المقدس کی رونق کا یہ زمانہ بھی زیادہ طویل ثابت نہ ہو سکا اور ستمبر 70ء عیسوی میں جب قیصر ٹائٹس Titus کے سپاہیوں نے ایک طویل محاصرے کے بعد جب اس مقدس شہر پر قبضہ کیا تو اس وقت دوبارہ تعمیر کردہ عالیشان معبد (ہیکل سلیمانی) ٹائٹس کے حکم پر اور بعض مؤرخین کے نزدیک اس کی مرضی کے خلاف جلوا دیا گیا۔ مؤرخین کے مطابق رومی فتح کے بعد آخری چند راتوں میں سارا شہر ایک آگ کا سمندر نظر آتا تھا۔ رومی سپاہی جو شہریوں کی سخت مزاحمت و مدافعت کی وجہ سے دیوانے ہو گئے تھے انہوں نے شہر پر قبضہ کرنے کے بعد بھی تباہی جاری رکھی اور بڑی بے رحمی سے شہر اور اہالیان شہر کو غارت کیا اور شہر آگ وخون کے سمندر میں غلطاں ہو گیا۔

اس سقوط یروشلم کے نصف صدی بعد تک کے حالات کا مؤرخین کو کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ تباہ شدہ یروشلم کے گردونواح میں متواتر بغاوت کی آگ متواتر بھڑکتی رہی مگر پائے تخت کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ بالآخر قیصر ہیڈرین کے عہد کے آغاز میں امن قائم ہو گیا۔ (132-135ء) ایک اور بغاوت اس وقت ہوئی جب شہنشاہ نے یہودیوں کو ختنہ کرنے سے منع کیا اور یروشلم کے کھنڈرات پر ایک نیا شہر آباد کرنے کا ارادہ کیا۔ بڑی مشکل کے بعد جب اس بغاوت کو فرد کر دیا گیا تو اس نے اپنی تجویز پر عملدرآمد کیا اور ایک خالص بت پرستانہ شہر تعمیر کروایا جسے کالونیا ایلیا یا کیپوٹولینا کہتے تھے۔ رومی شہنشاہ قسطنطینا اعظم نے جب 324 عیسوی میں عیسائیت اختیار کی تو عیسائی زائرین کے گروہ بیت المقدس آنے لگے تو اس شہر میں گرجے، خانقاہیں اور سرائیں تعمیر کی گئیں۔ بہرحال قسطنطین نے جو عظیم الشان عمارات تعمیر کروائیں ان

Marfat.com

میں صرف ان چیزوں سے واسطہ رکھا جو ب مذہب عیسوی سے تعلق رکھتی تھیں۔ شہنشاہ قسطنطین کا ارادہ تھا کہ وہ تمام شہر کو عالم نصرانیت کی ایک عبادت گاہ میں تبدیل کر دے۔ اس کے لیے اس نے ایک عظیم الشان عمارت تعمیر کروائی جو شان وشوکت اور سامان عمارت کے قیمتی ہونے کے لحاظ سے بہت اہمیت رکھتی تھی۔

یہودیوں کو قسطنطین کے عہد میں کسی قدر آسانی حاصل ہوئی۔ اب انہیں یروشلم آ کر معبد کے مقام پر پتھر کے قریب رونے کی اجازت دے دی گئی۔ یوسطینیانوس کے عہد میں مزید رعایت دی گئی کیونکہ اس نے نہ صرف قدیم امتناعی حکم کو بالکل منسوخ کر دیا، بلکہ معبد کو دوبارہ تعمیر کرنے کی اجازت بھی دے دی۔ اگرچہ یہودیوں کو مؤرخین کے مطابق اس مقام سے نکلنے والے آگ کے شعلوں نے تعمیر کا کام کرنے نہ دیا۔ اس شہنشاہ کی وفات کے بعد قسطنطین کے احکامات پر پھر عمل درآمد کیا جانے لگا۔ 614ء میں ایرانیوں کے تباہ کن حملے نے اس دور امن و سکون کا یکایک خاتمہ کر دیا۔ جب ایرانی یروشلم پہنچے تو بطریق زکریا نے قدیم یہودی پیغمبر یرمیاہ Jeremia کی طرح اس حملے کو فسق وفجور کی سزا سمجھا جو ان دنوں اس شہر میں پھیلا ہوا تھا اور لوگوں کو اطاعت اختیار کرنے کی صلاح دی، اگرچہ فلسطین کی رومی افواج بھی اس شہر کو چھوڑ کر جا رہی تھیں مگر پھر بھی لوگوں نے بطریق کا کہنا نہ مانا اور اطاعت اختیار نہ کی۔ آلات محاصرہ کی مدد سے ایرانی شہر میں داخل ہو گئے اور شہر میں بوڑھے مرد عورت اور بچوں کے خون کی ندیاں بہا دیں گئیں۔ گرجاؤں کو ویران اور پامال کر دیا اور حضرت مسیح کی مورتیوں کو قدموں تلے روند دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہودیوں نے جن کے ایرانیوں سے تعلقات عا مطور پر اچھے تھے، اس موقع پر عیسائی مفتوحین سے انتقام لینے کے لیے استعمال کیا۔ یروشلم کے بطریق کو دوسرے بڑے عہدیداروں کے ساتھ جلاوطن کر دیا گیا اور فاتح ایرانی اس بڑی مقدس صلیب کو جو شہر کی محافظ مانی جاتی تھی اٹھا کر لے گئے، اس واقعہ نے پوری مسیحی دنیا کو لرزہ کر رکھ دیا۔ اس خوف و ہراس میں تبدیلی صرف اس وقت پیدا ہوئی جب ہرقل نے اپنی حیرت انگیز فتوحات کی مہم شروع کی، جس کی بدولت ایرانی فتوحات شکستوں میں بدل گئیں اور ہرقل ایرانی سرحد میں اندر تک گھستا چلا گیا۔ قباد ثانی، شیرویہ، شہنشاہ ایران نے جو اپنے باپ کو قتل کر کے تخت نشین ہوا تھا ہرقل کو صلح کی

Marfat.com

درخواست کی اور ایرانی افواج کو بازنطینی حدود سے واپس بلالیا۔ ایرانی حکومتی ابتری پھیل جانے کے بعد جنگ جاری نہ رکھ سکے۔ صلیب مقدس اسی صندوق میں جس میں وہ ایران لائی گئی تھی اور خدا کی مہربانی سے اس صندوق کو نہیں کھولا گیا تھا۔ واپس بھیج دی گئی۔ یہ 14 ستمبر 629ء کو یروشلم میں دوبارہ نصب کردی گئی۔ اسی اثناء میں Modestius نامی راہب کی کوششوں سے ایرانیوں کے ہاتھوں منہدم ہونے والا قسطنطین کا تعمیر کردہ گرجا مع ''قبر مقدس'' کے دوبارہ تعمیر کر دیا گیا۔ بایں ہمہ ''مقدس صلیب'' کی باقیات یروشلم میں نہ رہیں بلکہ 633ء میں جب ہرقل کے ذہن میں یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ وہ شام مدافعت نہ کرسکے گا تو اس نے تبرکات عیسوی یروشلم سے قسطنطنیہ منتقل کردیئے۔

یروشلم اسلام کی پناہ میں:

اسی زمانے میں عالم عرب پر آفتاب اسلام طلوع ہوا اور عربوں کی فتوحات نے عالمی سیاست کا رخ موڑ دیا۔ ایوان ہائے قیصر و کسریٰ پر اسلام کے عروج سے زلزلہ طاری ہوگیا۔ عہد رسالت میں ہجرت کے عظیم واقعہ کے بعد 16 ماہ تک پیغمبر اسلامؐ بیت المقدس کی سمت میں نماز ادا کرتے رہے اور بعد میں بھی بیت المقدس کو حرم مکہ کی طرح تقدیس و عظمت حاصل رہی۔ اسلام کے ضمن میں بیت القدس کا پہلا ذکر معراج نبوی کے تحت آتا ہے۔ آنحضرتؐ اپنے سفر آسمانی یعنی معراج شریف کے دوران پہلی منزل کے طور پر بیت المقدس میں واقع مسجد اقصیٰ پہنچے۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیت القدس مسلمانوں کی نظر میں حرم مکہ، وحرم مدینۃ النبیؐ کے بعد دنیا میں تیسرا متبرک اور معظم شہر ہے۔

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں اجنادین کے مقام پر 13ھ/ جولائی 634ء میں ہرقل کی افواج کو مسلمانوں کے ہاتھوں شکست ہوئی، جس کے بعد بازنطینی سپہ سالار کو یروشلم میں پناہ لینی پڑی۔ فلسطین میں رومی حکومت کے قدم ڈگمگانے لگے اور اگست 636ء میں یرموک کے مقام پر اس کی قسمت کا فیصلہ ہوگیا۔ پھر قلعہ بند شہر ایک ایک کرکے عرب فاتحین کے مطیع ہو گئے۔ اسی دوران حضرت عمرو بن العاصؓ نے یروشلم کا محاصرہ کرلیا۔ پھر حضرت ابو عبیدہؓ بھی پہنچ گئے۔ عیسائیوں نے چند روز مدافعت کی، لیکن آخر میں وہ صلح کے لیے تیار ہوگئے۔ وہ ایرانیوں

Marfat.com

کے ہاتھوں اپنی ذلت کو ابھی نہیں بھولے تھے۔ اس لیے انہوں نے صلح کے لیے یہ شرط پیش کی کہ مسلمانوں کے سربراہ اعظم یعنی امیر المومنین سیدنا عمر فاروقؓ، نائب الرسول خود آکر معاہدہ صلح تحریر فرمائیں اور یروشلم اور اہالیان یروشلم کو اپنی میزبانی کی عزت بخشیں۔ حضرت عمرؓ نے اہالیان بیت المقدس کی اس درخواست کو قبول فرمایا اور حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا کر رجب 16ھ میں بیت المقدس روانہ ہوئے۔ جابیہ میں مسلمان فوج کے اعلیٰ افسروں نے آپؓ کا استقبال کیا۔ بیت المقدس کے بطریق اور دیگر عیسائی بھی آپ کے استقبال کے لیے جابیہ میں حاضر ہو گئے۔ چنانچہ معاہدہ صلح یہیں ضابطہ تحریر لایا گیا۔ صلح نامہ کی شرائط بالکل نرم تھیں۔ عیسائی باشندوں کے جان و مال کے ساتھ حضرت مسیحؑ کی مورتوں کی حفاظت کی ضمانت دی گئی اور یہودیوں کو عیسائیوں کے درمیان رہنے سے منع کر دیا گیا۔ گرجاؤں کے متعلق طے ہوا کہ ان سے اقامت گاہوں کا کام نہیں لیا جائے اور نہ ہی انہیں مسمار کیا جائے گا نہ ان کی عمارتوں کے حجم میں کوئی کمی کی جائے گی۔ عیسائیوں کو مکمل مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ اس کے عوض وہ جزیہ بطور ٹیکس اسلامی حکومت کو ادا کریں گے۔ حضرت عمرؓ نے بیت المقدس میں معراج النبیؐ میں صخرہ اور براق کے باندھنے کی جگہ کے قریب نماز ادا کی تھی اور اسی مقام پر ایک مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہی مسجد بعد ازاں مسجد الاقصیٰ کہلائی۔

اموی خلافت میں جہاں خلیفہ عبدالملک کے عہد میں صخرہ پر ایک قبہ تعمیر کیا جو قبۃ الصخرہ کہلایا، وہیں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے تمام والیوں کو حکم دیا تھا کہ وہ امانت و دیانت کا حلف قبۃ الصخرہ کے پاس اٹھایا کریں۔

اموی خلافت کے بعد جب خاندان عباسیہ کو عروج نصیب ہوا تو ان کے عہد میں بھی بیت القدس کی تقدیس و تعظیم برقرار رہی۔ خلیفہ منصور عباسی دو مرتبہ یہاں آیا اور اس نے مسجد اقصیٰ دوبارہ تعمیر کروائی۔ مامون الرشید اور المعتصم کے عہد میں قبۃ الصخرا کی تجدید کا کام ہوا۔

خلافت عباسیہ کے بتدریج زوال کے ساتھ ہی فلسطین بھی سیاسی مصائب کا شکار ہو گیا۔ یہ علاقہ ایک بار پھر مصر اور مغربی ایشیا کی حکومتوں کے درمیان وجہ مخاصمت بن گیا۔ 878ء میں یہ مصر کے احمد بن طولون کی حکومت کے قبضے میں چلا گیا۔ 905ء میں اس پر فاطمین مصر کا قبضہ ہو گیا۔

Marfat.com

سلجوقیوں نے کچھ عرصہ کے لیے فلسطین سے فاطمین مصر کی حکومت کا خاتمہ کر دیا اور یروشلم میں ایک طویل عرصہ کے بعد عباسی خلفاء کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ اس کے بعد جلد ہی جب یروشلم کے لوگوں نے بغاوت کی تو عباسی سپہ سالار اتسز نے 1077ء میں شہر کا محاصرہ کر لیا اور اس کو فتح کرنے کے بعد یہاں قتل عام کیا۔ اس قتل عام سے صرف وہی لوگ بچ سکے جنہوں نے مسجد اقصیٰ میں پناہ لے لی۔ خود سپہ سالار اتسز کو دمشق میں سلجوقی سلطان تتش نے مروا دیا۔ 1096ء میں فاطمی سلطان المستعلی دوبارہ یروشلم پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا لیکن فاطمیوں کا یہ دوبارہ قبضہ محض چند روزہ ہوا اور اس کے دو ہی سال بعد پاپائے روم کی انگیخت پر یورپ سے فصلیبی جنگجو یروشلم آ پہنچے اور انہوں نے 15 جولائی 1099ء کو اس شہر مقدس پر قبضہ کر کے (فصلیبی جنگجوؤں نے) یروشلم کے مسلمانوں کے ساتھ جو بے رحمانہ سلوک کیا اور جس طرح ان کا قتل عام کیا وہ تاریخ عالم کا اہم واقعہ ہے۔ اس نامبارک موقع پر مسجد اقصیٰ کا صحن تک مسلمانوں کے خون سے بھر گیا تھا۔ یروشلم کا پہلا صلیبی حکمران گاڈفرے ڈی بولون، محافظ قبر مقدس بنا۔

دسویں صدی کے آخر اور گیارہویں صدی میں جب یروشلم صلیبیوں کے ہاتھوں میں چلا گیا تھا۔ یروشلم اور اسکے مقدس مقامات کے متعلق مسلمان جغرافیہ نگاروں اور سیاحوں نے بڑی اہم معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ نویں صدی کے اواخر کا مختصر حال ہمیں جغرافیہ نگار اور مؤرخ الیعقوبی کے ہاں ملتا ہے۔ اس کے بعد یہاں ابن الفقیہ آتا ہے جس نے 903ء میں اپنی کتاب لکھی تھی۔ اس نے حرم شریف کے دروازوں، عبادت گاہوں بالخصوص قبۃ الصخرہ اور مسجد الاقصیٰ کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا ہے۔ الاصطخری اور ابن حوقل جیسے جغرافیہ نگاروں میں سب سے عظیم المقدسی ہے جو یروشلم ہی میں پیدا ہوا تھا۔ (985ء) اس نے یروشلم اور اس کی عبادت گاہوں کے متعلق بڑی تفصیل فراہم کی ہیں۔ یروشلم کے متعلق الادریسی نے بھی اہم معلومات فراہم کی ہیں۔

صلاح الدین ایوبی:

صلیبی جنگوں کا زمانہ نصرانیت کی تاریخ میں سب سے کم خیال آفریں زمانہ ہے۔ اس کا آغاز اس انسانیت سوز تاریک قتل عام و خونریزی سے ہوا جو القدس کی مسیحی بازیافت یا فتح کے وقت عمل میں آئی اور بہت جلد القدس کی اس نئی سلطنت میں ابتری پھیل گئی۔ فریق مخالف یعنی

Marfat.com

مسلمانوں میں عماد الدین زنگی اور اس کے بیٹے نور الدین زنگی جیسی طاقتور ہستیاں ظہور میں آئی اور سب سے بڑھ کر صلاح الدین ایوبی جو مجاہدین اسلام میں اعلیٰ پائے کی صفات سے متصف تھا۔ عالم نصرانیت کے مقابلے پر منجاب اللہ مامور کیا گیا۔ جنگ حطین کے بعد صلاح الدین نے القدس کی طرف پیش گوئی کی اور جب وہ شہر کی فصیلوں کے سمنے آیا تو اہالیان شہر نے نابلس کے بلین Balian کو اپنا سپہ سالار بنا کر صلاح الدین ایوبی کی صلاح کی شرائط مسترد کر دیں اور آخری دم تک لڑنے کی ٹھان لی۔ جب صلاح الدین کے قلعہ شکن آلات نے شہر کی فصیل کو منہدم کرنا شروع کیا تو صلاح الدین سے ایک بار پھر صلح کے لیے گفت وشنید کرنے کی کوشش کی گئی۔ صلاح الدین نے ان کے سفارتکاروں سے ملنے سے انکار کیا تو بلین نے کہلوا بھیجا کہ اگر شہریوں کی اطاعت قبول نہ کی گئی تو وہ مسلمان قیدیوں سمیت تمام غیر فوجی باشندوں کو قتل کر دیں گے، حرم شریف کی عبادت گاہیں منہدم کر دیں گے اور شہر کی تمام لوٹنے کے قابل اشیاء جلا کر خاکستر کر دی جائیں گی۔ صلاح الدین پر اس سفارت کا اتنا اثر ہوا کہ اس نے محصور عیسائیوں کی شرائط بھی قبول کر لیں اور شہریوں کو ادائیگی جزیہ پر شہر سے بمعہ مال متاع جانے کی اجازت دے دی۔ صلاح الدین کا رویہ اس قدر رحمدلانہ تھا کہ نہ صرف جزیئے کی رقم میں کمی کر دی گئی بلکہ ایسے لوگوں کو جو ادائیگی نہیں کر سکتے تھے بغیر ادائیگی جانے دیا۔ صلاح الدین نے ان شہر چھوڑنے والوں کی حفاظت پر اپنے سپاہی مامور کیے جبکہ اسی دوران دیگر عیسائی مقبوضات میں ان ہم مذہبوں کو گزرنے کی اجازت نہ دی گئی۔ مسلمانوں کے القدس پر دوبارہ قبضے کے بعد یونانی عیسائیوں کو جنہیں شامی کہا جاتا تھا بغیر غلام بنائے شہر میں قیام کی اجازت دی گئی، لیکن صلاح الدین نے شہر مقدس سے عیسائیوں کے زمانے کے نشانات ختم کر دیئے۔ مثلاً قبۃ الصخرہ کے گرد عیسائیوں کی تعمیر کردہ دیوار معہ قربان گاہ کے ہٹا دی گئی۔ مسجد اقصیٰ کی دوبارہ تعمیر پر بہت محنت کرنا پڑی۔ کیونکہ اسے نہ صرف عیسائیوں کی عبادت کے تمام نقصانات سے پاک کرنا پڑا بلکہ انہوں نے جو عمارتی تبدیلیاں کی تھیں ان سب کو بھی دور کر دیا گیا۔ ایک کتبے میں بتایا گیا کہ مسجد کی محراب اور بہت سے حصوں کو صلاح الدین کے حکم پر دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ نور الدین زنگی نے ایک بہت خوبصورت منبر مسجد اقصیٰ کے لیے بنوایا تھا اور وہ حلب میں تھا۔ اسے منگوا کر مسجد اقصیٰ میں اس جگہ رکھوا دیا گیا جہاں اسے رکھنا مقصود تھا۔

Marfat.com

القدس تل ابیب کے جنوب مشرق میں یہودیہ کی پتھریلی ڈھلان پر واقع ہے۔ 1950ء میں جدید شہر کو اسرائیل کا دارالحکومت قرار دیا گیا تھا۔ 1967ء تک قدیم شہر القدس اردن کے علاقے میں شامل تھا۔ 1187ء میں صلاح الدین کے ہاتھوں دوبارہ فتح ہونے کے تقریباً سات سو، ساڑھے سات سال تک یہ شہر مسلمانوں کے ہاتھوں میں رہا۔ پہلی عالمی جنگ میں انگریزوں نے اسے فتح کر لیا۔ بعدازاں فلسطین انگریزوں کے زیر انتداب علاقہ قرار دے دیا گیا۔ برطانوی انتداب کے خاتمے پر عرب اور یہودی دونوں اس شہر پر قبضے کے لیے مصر تھے۔ خاصی جنگ کے بعد یہودی پرانے شہر سے دستبردار ہو گئے مگر جون 1967ء میں انہوں نے اس پر مکمل قبضہ کر لیا۔

محل وقوع القدس:

بحیرہ روم کے مشرق میں 33 میل کے فاصلے پر اور بحیرہ مردار کے مغرب میں 14 میل کے فاصلے پر 31 درجے، 47 دقیقے عرض بلد شمالی اور 15-35 درجے طول البلد مشرقی کے مابین واقع ہے۔ اس کی بلندی 2550 فٹ ہے۔ اس کی آب وہوا بڑی عمدہ ہے۔ یہاں موسم گرما کے دن بھی چنداں گرم نہیں ہوتے۔ گرمیوں میں درجہ حرارت 75 درجے فارن ہائیٹ ہوتا ہے۔ اگر اچانک کسی دن دن کے وقت گرمی کی شدت بڑھ جائے تو رات یقیناً سرد ہوتی ہے۔ سردیوں میں اوسط درجہ حرارت 50 رجے فارن ہائیٹ تک پہنچتا ہے۔

القدس کے چند تاریخی آثار

دیوار گریہ:

ہیرود اعظم کے تعمیر کردہ ہیکل سلیمان کے کچھ باقی حصے اس دیوار میں شامل ہیں۔ اس کی بیرونی کھڑکیوں میں ٹائلیں لگائی گئی ہیں۔ انہیں سولہویں صدی عیسوی میں لگایا تھا۔

مسجد عمر:

یہ بیت المقدس کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اسے 1216ء میں شہاب الدین نے حضرت عمرؓ بن خطاب کی بیت المقدس میں نماز کی ادائیگی کی یاد میں تعمیر کروایا تھا۔

Marfat.com

گیتھسامین کا غار:

یہ وہ غار ہے جہاں حضرت عیسیٰ اوران کے حواریوں نے یروشلم میں آمد کے وقت رات بھر قیام کیا تھا۔اس کے قریب ہی ایک باغ ہے جس میں زیتون کے درخت لگائے گئے ہیں۔

حضرت مریمؑ کا مقبرہ:

یہ وادی کیدرون میں واقع ہے اور ایک تنگ وتاریخ راستے کے ذریعے گیتھسامین غار سے منسلک ہے۔

کوہ زیتون:

یہ یروشلم کے شہر کے باہر مشرق میں واقع ہے۔سطح سمندر سے 2700 فٹ بلند ہے اس کی چوٹی سے یروشلم کا نظارہ کیا جاسکتا ہے۔

قبۃ الصخرہ اور مسجد اقصیٰ:

وہ چٹان جہاں سے آنحضرتؐ کا سفر معراج شروع ہوا تھا۔صخرہ کہلاتی ہے۔اسی چٹان کو اس کی اصلی حالت میں چھوڑتے ہوئے اس پر ایک قبہ خلیفہ عبدالملک نے تعمیر کروایا تھا جو اسلامی فن تعمیر کی سب سے قدیم عمارت ہے۔

حرم شریف میں اس کے علاوہ مسجد اقصیٰ ہے جو مسلمانوں کا قبلہ اول رہی ہے۔اس کی موجودہ تعمیر 12 صدی میں صلاح الدین کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ 21 اگست 1969ء کو ایک آسٹریلوی یہودی نے مسجد اقصیٰ کے ایک حصے کو آگ لگا دی تھی جس سے سلطان صلاح الدین ایوبی کا منبر شہید ہو گیا تھا۔

Marfat.com

الخلیل

قدیم ہیبرون Hebron جو حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کے نام پر عربی زبان میں الحرم الخلیل الرحمان'' (یعنی خدا کا دوست کا حرم) کہلاتا ہے۔ جنوبی فلسطین کے اس شہر کو حبرون، حبری اور مسجد ابراہیم بھی کہتے ہیں۔ یہ شہر جبل نصرۃ کی سطح مرتفع کے درمیان ایک نہایت زرخیز وادی میں جو خاص طور پر عمدہ قسم کے پھلوں کے لیے مشہور ہے آباد ہے۔ یہ بحیرہ روم سے 3040 فٹ یا 920 میٹر بلند ہے اور یروشلم کے جنوب مشرق میں 19 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ عہد نامہ عتیق کی کتاب ''گنتی'' میں لکھا ہے کہ یہ مصر کے قدیم شہر ضیعن Zoan سے سات سال پہلے آباد ہوا تھا (گنتی 22-13) یعنی محققین کے مطابق یہ مصری شہر تانس کے زمانہ میں 1720 ق م میں آباد ہوا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ بہت عرصہ اس شہر میں مقیم رہے۔ (توریت۔ کتاب پیدائش 18-13) اس وقت یہاں بنی حت کے قبائل آباد تھے جن سے حضرت ابراہیم نے خاندانی قبرستان کے لیے ایک کھیت خریدا تھا۔ یاد رہے کہ حبرون میں حضرت ابراہیمؑ، ان کی بیوی حضرت سارہ، صاحبزادے اسحاقؑ ان کی بیوی ربقہ، حضرت یعقوب ان کی بیوی لیاء مدفون ہیں۔

یہودی مؤرخ یوسیفس کے مطابق حضرت یعقوب علیہ السلام کے تمام بیٹے ماسوا حضرت یوسفؑ اس جگہ دفنائے گئے تھے۔

بنی اسرائیل کے مصر سے خروج کے بعد بیابان کے سفر کے دوران جو بارہ آدمی کنعان کا حال دریافت کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے، انہوں نے حبرون کا جائزہ لیا تھا۔ اس وقت یہاں بنی عناق مقیم تھے۔ جب بنی اسرائیل کنعان میں داخل ہو گئے تو حبرون کے بادشاہ ہوہام نے یروشلم کے بادشاہ، ادونی صدق سے مل کر جبعون کے باشندوں کے خلاف محاذ قائم کیا تھا کیونکہ اہل جبعون نے بنی اسرائیل سے صلح کر لی تھی۔ لیکن یشوع نے انہیں شکست دے کر ان کے پانچ بادشاہوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

شہر حبرون ہی میں حضرت داؤدؑ کو یہوداہ کے قبیلے کی طرف سے بادشاہ مسح کیا گیا تھا۔ پھر دو سال بعد انہیں اسی جگہ اسرائیل کا بادشاہ بنایا گیا تھا۔ الخلیل یا حبرون تقریباً ساڑھے سات سال حضرت داؤدؑ کی سلطنت کا یروشلم سے پہلے دارالحکومت بھی رہا تھا، لیکن جب ابی سلوم

Marfat.com

نے اپنے باپ کے خلاف بغاوت کی تو حضرت داؤد نے ایک پھر حبرون کو دارالخلافہ بنالیا تھا۔

حضرت سلیمانؑ کے بعد رجعام نے اس شہر کی قلعہ بندی کی تھی۔ چھٹی صدی عیسوی میں اسیری بابل سے واپس آنے والے یہودیوں نے اس شہر کو دوبارہ آباد کیا تھا۔ بعدازاں یہ شہر رومیوں کے ہاتھ لگا جن سے یہوداہ مکابی نے جنگ کر کے اسے واپس لے لیا تھا۔ 66-70 عیسوی کی جنگ میں اس پر شمعون پر گلورا نے قبضہ کرلیا۔ لیکن رومی افواج نے حملہ کر کے اسے بھی یروشلم کی طرح نذر آتش کر دیا تھا۔

بیسوی صدی کے آغاز تک الخلیل فلسطین کا ایک چھوٹا سا عرب مسلم شہر تھا جس میں ایک چھوٹی سی یہودی آبادی بھی موجود تھی۔ مسلمانوں نے اس شہر میں 635ء سے جنگ عظیم اول کے خاتمے تک حکومت کی تھی اور صرف 1100ء سے 1260ء تک اس پر صلیبی جنگجو قابض رہے تھے۔ جنگ عظیم اول کے بعد باقی فلسطینی شہروں کی طرح یہ شہر بھی برطانیہ کے زیر انتداب آگیا تھا۔ 1929ء میں اس شہر میں بڑے پیمانے پر عرب یہود فسادات ہوئے جن میں بہت سے یہودی مارے گئے جس کے بعد 1936ء سے 1939ء تک یہودی اس شہر سے چلے گئے۔ 1948ء کی عرب اسرائیل جنگ میں یہ شہر الاردن کے قبضے میں چلا گیا مگر صرف 19 سال بعد 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ میں یہ اسرائیل میں شامل کرلیا گیا۔

عصر حاضر میں الخلیل یا حبرون اسرائیل میں ایک زرعی منڈی کی حیثیت رکھتا ہے جہاں قریب کے علاقوں سے پھل اور سبزیاں لائی جاتی ہیں۔ اسی شہر میں وہ غار واقع ہے جہاں حضرت ابراہیمؑ اور دیگر انبیاء کرام کی قبور واقع ہیں۔ اسی غار کے اوپر "الحرم الخلیل" یا مسجد ابراہیم واقع ہے۔ عہد راشدہ میں اس شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جانے کے بعد یہ مزارات انبیاء یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے لیے یکساں کھلے تھے مگر 1267ء میں مملوک سلطان بیبرس نے اس وقت کے حالات اور تاتاری اور صلیبی سازشوں کی بناء پر ان مزارات کو غیر مسلموں کے لیے بند کر دیا تھا۔ اگلے سات سو سال تک یہ مزارات یہودیوں اور عیسائیوں پر بند رہے۔ 1967ء میں اسرائیل کے قبضے میں چلے جانے کے بعد انہیں پوری دنیا کے لیے کھول دیا گیا اب یہودی اور مسلمان زائرین اس غار میں عبادت کے لیے اکٹھے آتے ہیں جبکہ مسجد ابراہیم پر مسلمانوں کا حق مقدم ہے۔

Marfat.com

عین الجالوت

جالوت Goliath کا چشمہ جس کا ذکر قرون وسطیٰ کے جغرافیہ دانوں نے ایک گاؤں کے طور پر کیا ہے۔ جو بیسان اور نابلس کے درمیان فلسطین کے جند میں واقع تھا۔ یہ گاؤں وادی جالوت کے سرے پر آباد تھا۔ اور اس کی وجہ ازروئے روایت یہ ہے کہ حضرت داؤدؑ نے جالوت نامی فلستی کو اس کے قریب قتل کیا تھا۔ بعد کے زمانے میں صلیبیوں کے وقائع میں اس علاقے کو تنبیا Tubanie لکھا گیا ہے۔ اس کا ذکر صلیبی جنگوں کے ذیل میں جمادی الاخریٰ 578ھ/ ستمبر 1183ء میں آتا ہے جب صلاح الدین اور فرنگیوں کی فوجیں یہاں ایک دوسرے کے بالمقابل خیمہ زن ہوئیں اور پھر بغیر جنگ لڑے منتشر ہو گئیں۔

عین جالوت تاریخ اسلام میں اس جنگ کی وجہ سے معروف ہے جو جمعہ 25 رمضان المبارک 658ھ/ 3 ستمبر 1260ء کو مسلمانوں اور تاتاریوں میں لڑی گئی تھی۔ اس جنگ میں کتبغا نوئیں کی قیادت میں تاتاریوں کے لشکر مملوک سلطان المظفر قطز کی فوج سے جس کا سالار عسکر بیبرس تھا، شکست فاش کھائی۔ اس جنگ میں مملوک فوج کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار اور تاتاری فوج کی تعداد دس ہزار سواروں پر مشتمل تھی۔ تاتاریوں کے ساتھ ان کے عیسائی حلیف بھی شامل تھے۔ اس جنگ کی تاریخ عالم میں اہمیت یہ ہے کہ عالم اسلام پر اُمڈ آنے والے وحشی تاتاری طوفان کو دجلہ اور فرات کے کنارے تک نہیں روکا جا سکتا تھا۔ اسے بالآخر عین الجالوت کے چشمہ پر مصری اور شامی مسلمانوں نے روک دیا تھا۔ تاتاریوں کا ناقابل شکست لشکر اس جنگ میں بالکل فنا کر دیا گیا اور تاتاری سپہ سالار کتبغا نوئین کو گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔ ہلاکو خان نے اس واقعہ سے غضبناک ہو کر ملک شام کے خلاف ایک تعزیزی مہم بھیجنے کا فیصلہ کیا مگر وہ منگو قان کی موت کی وجہ سے یہ انتقامی مہم نہ بھیجی جا سکی۔ اگرچہ اس فتح سے منگولوں کا خطرہ ہرگز دفع نہیں ہوا کیونکہ وہ عراق عرب اور عراق اور ایران پر برابر قابض رہے۔

Marfat.com

الاردن

عربوں کا صوبہ اردن یا جندلاردن (اردن کا فوجی ضلع) وہی تھا جو قدیم تر ملکی تقسیم میں Palaestina- Secund کہلاتا تھا اور اس میں جلیلین Galilees وادی اردن اور شرق اردن کا مغربی حصہ شامل تھا۔ اس کے بہت سے شہروں کو عہد راشدہ دور حضرت عمرؓ میں حضرت ابوعبیدہؓ نے 14ھ/ 635ء میں فتح کیا تھا۔ باقی علاقے حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے فتح کئے تھے۔ بعض ان علاقوں کا فاتح حضرت شرجیلؓ بن حسنہؓ کو بتاتے ہیں یہ سب علاقے بزور شمشیر فتح کیے گئے تھے۔ سوائے طبریہ کے، جہاں کے لوگوں نے بلامقابلہ ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ غالباً اسی وجہ سے شہر سکائی دوپولیس Skythoplis کی بجائے طبریہ ہی کو دارالحکومت بنایا گیا تھا۔ اس ضلع کی وسعت کا اندازہ یہاں کے شہروں کی اس فہرست سے لگایا جاسکتا ہے جو مسلم مؤرخین اور جغرافیہ نگاروں نے دی ہیں۔

البلاذری کے نزدیک یہ شہر مندرجہ ذیل تھے۔

طبریہ، بیسان، قدس، عکہ، صور اور صفوریۃ اور شرق اور بقول یعقوبی طبریہ، صور عکہ، قدس، بیسان اور شرق اردن میں فحل جرش وغیرہ۔ المقدسی اور الادریسی نے بھی ایسی ہی فہرستیں مرتب کی ہیں۔ ان فہرستوں سے پتہ چلتا ہے حدود یا سرحدیں ہمیشہ یکساں نہیں رہیں۔

واقعہ یوم فحل:

فحل کو یہودی پحل Phl اور یونانی اسے مقدونیہ کے ایک شہر کی رعایت سے پیلا Pela کہتے تھے۔ آج کل فحل کے کھنڈرات شرق اردن کی مغربی ڈھلوانوں پر واقع ہیں۔ وہ کبھی ڈیکاپولس Decapolis میں شامل تھا اور اس بنا پر خاص طور پر یہ مشہور ہوا کہ بیت المقدس کی تباہی سے پہلے عیسائی یہاں چلے آئے تھے۔ آگے چل کر اسے فلسطین ادنیٰ میں شامل کرلیا گیا تھا اور ایک اسقف کا صدر مقام رہا۔

Marfat.com

13ھ/ 635ء میں ذوالعقدہ کی دو راتیں ابھی باقی تھیں حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت کو ابھی پانچ ماہ گزرے تھے حضرت ابوعبیدہ بن جراح فوج کے سالار تھے حضرت عمرؓ نے انہیں ولایت شام کا گورنر بن نے کا حکم انامہ سعد بن ابی وقاصؓ اور عامر بن ابی وقاص کے ہاتھ بھیجا تھا۔ البلاذری کے مطابق اس جنگ کا سبب یہ ہوا تھا کہ ہرقل نے الشام کے دفاع کے لیے انطاکیہ پہنچ کر اپنے خاص آدمیوں کو فوج کے سالار بنا کر مسلمانوں کے مقابلے پر بھیجا۔ الاردن میں فحل کے مقام پر مسلمانوں سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی۔ وہ بڑی بے جگری سے لڑے مگر اللہ نے مسلمانوں کو ان پر غالب کیا۔ ان کا ایک اسقف اپنے دس ہزار آدمیوں کے ساتھ مارا گیا، بقیتہالسیف رومی شام کے شہروں میں منتشر ہو گئے اور بعض ہرقل کے پاس انطاکیہ چلے گئے۔ اہل فحل قلعہ بند ہو گئے اور مسلمانوں نے فحل کا محاصرہ کرلیا۔ اس دوران جب مسلمان الفحل کے مقام پر جمع تھے بازنطینیوں نے بیسان کے مقام پر دریائے اردن کے بند توڑ دیئے جس سے میدانوں میں پانی بھر گیا اور سارے میدان دلدل بن گئے لیکن عرب محاصرین کو کوئی نقصان نہیں پہنچا اور وہ دریائے اردن کو پار کر گئے اور دشمن کو شکست فاش دی، جس پر اہل فحل نے بھی ہتھیار ڈال دیئے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دن کی لڑائی یعنی یوم فحل کی لڑائی کو ''دلدلوں کا دن'' بھی کہتے ہیں۔ یعقوبی کے بیان کے مطابق فحل کی آبادی اس علاقے کے دوسرے شہروں کی طرح نصف عرب اور نصف یونانی تھی۔

طبریہ: Tiberias

ایک شہر جو بحیرہ طبریہ Sea of Galilee کی مغربی جانب واقع ہے۔ جس میں سے دریائے اردن نکل کر جنوب کی طرف بہتا ہے۔ دراصل یہ ایک بڑی جھیل ہے جس میں مچھلیاں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ یہ تیرہ میل لمبی اور نو میل چوڑی ہے اور اس کی سطح بحیرہ روم کی سطح سے 7110 فٹ پست ہے۔ یہ شہر لمبائی میں کافی طویل ہے مگر کم چوڑا ہے کیونکہ وہ مغرب کی جانب واقع سیدھی اور بلند پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے، جو شہر کے شمال اور جنوب میں سمندر تک چلی گئی ہیں۔ شہر کے جنوب، جنوب مغرب میں کوہ ہیرود M- Herod واقع ہے۔ غالباً طبریہ

Marfat.com

سے پہلے بھی یہاں کوئی چھوٹا سا شہر موجود تھا۔

فتوحات شام کے دوران حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو سواحل الاردن کی طرف بھیجا تھا جہاں رومی بڑی تعداد میں جمع ہو گئے تھے۔ انہوں نے حضرت ابو عبیدہؓ سے مزید کمک طلب کی جس پر حضرت ابو عبیدہؓ نے یزیدؓ بن ابی سفیان کو کمک دے کر بھیجا۔ ان کے ساتھ ان کے بھائی حضرت معاویہ بھی تھے۔ پھر حضرت عمرو اور یزید نے ملکر سواحل اردن کے علاقے فتح کیے جن میں طبریہ بھی شامل تھا۔

صور , Tyre:

اہل فینیقیہ کا آباد کردہ یہ شہر جو ایک جزیرے پر آباد ہے۔ آج کل لبنان میں شامل ہے۔ عہد عمارنہ Amarna سے اس شہر کا شمار شامی ساحل کے مالدار تجارتی مرکزوں میں ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ شہر مغرب میں واقع فینیقی نو آبادیوں پر اقتدار قائم کرنے کے لیے اپنے ہمسایہ شہر صیدا کی ہمسری کرنے لگا۔ سکندر اعظم کے ہاتھوں اس شہر کی فتح اور تباہی نے اس خوشحال شہر کو اس کی اہمیت سے تھوڑے دنوں کے لیے محروم کر دیا تھا۔ مگر اس سے ایک اور اہم اور مستقل نتیجہ برآمد ہوا کہ جزیرے پر آباد یہ شہر براعظم کی اصل سرزمین سے سد سکندری کے ذریعے ملا دیا گیا۔ یہ سد سکندری رفتہ رفتہ اس خس و خاشاک کی وجہ سے پھیل کر، جسے جنوب مغربی ساحل کی لہریں بہا کر لاتی ہیں۔ ایک خاکنائے کی شکل اختیار کر گیا۔

نہایت قدیم زمانے میں شہر پالا تیروس Palaityros براعظم پر اس جزیرے کے بالمقابل آباد تھا۔ یہ رومی سلطنت کے ماتحت صور کے علاقے کا مذہبی صدر مقام تھا۔ حضرت شرجیل بن حسنہ نے دمشق پر قبضہ کرنے کے بعد صور اور صفوریہ کو بھی اس ملک کے دوسرے مقامات کے ساتھ ساتھ فتح کر لیا تھا۔

صیدا، Sidon:

قدیم فنیقیہ کا مشہور شہر جس کی قدامت پر تاریخ گواہ ہے۔ تاریخ اسلام میں صیدا کا عمل دخل چنداں شاندار نہیں رہا۔ البلاذری کے بیان کے مطابق یزیدؓ بن ابی سفیان نے صیدا کو

Marfat.com

آسانی سے فتح کر لیا تھا۔ اس مہم کا ہراول دستہ حضرت امیر معاویہؓ کی زیر کمان تھا جو آئندہ چل کر خلیفۃ المسلمین ہوئے۔ یہ 637ء کا واقعہ ہے۔ عرب جغرافیہ نویس صیدا کا ذکر مختصراً کرتے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ یہ شہر انتظامی اعتبار سے ضلع دمشق کا حصہ تھا۔ قدامہ کا بیان ہے کہ یہاں اس علاقے کی فوجی چھاؤنی تھی اور المقدسی لکھتا ہے کہ یہ ایک قلعہ بند شہر تھا۔ ابن خرادادبہ کے مطابق انطاکیہ سے غزہ جانے والی شاہراہ اس شہر کے پاس سے بھی گزرتی تھی۔ المقدسی صیدا کے باشندوں کی زبان پر بھی معترض ہے اور اسے "بربریوں کی زبان" کہتا ہے۔

عکہ:

فلسطین یا الاردن میں سمندر کے کنارے ایک قدیم شہر عکہ جسے عہد نامہ عتیق میں عکو کہا گیا ہے اور جسے یونانی میں Ptolemias کہتے تھے۔ فرانسیسی یا صلیبیوں کی زبانوں میں اسے Acre کہا جاتا تھا۔ عرب مسلمانوں نے عہد راشدہ میں حضرت شرجیلؓ بن حسنہؓ کی قیادت میں عکہ فتح کیا تھا۔ بازنطینوں سے لڑائی میں اس شہر کو نقصان پہنچا تھا۔ اس لیے حضرت امیر معاویہؓ نے اسے دوبارہ تعمیر کرایا اور اس کی بندرگاہ میں گودیاں بنوائیں۔ جنہیں بعد ازاں ہشام بن الملک نے صور منتقل کر دیا۔ ابن طولون نے اس بندرگاہ کے گرد بڑے بڑے سنگین پشتے تعمیر کروائے تھے۔ المقدسی نے جس کے دادا کی نگرانی میں یہ پشتے تعمیر ہوئے تھے، ان کی بابت لکھا ہے اور ان کے متعلق بعض دلچسپ واقعات بیان کیے ہیں۔ یہ بندرگاہ آگے چل کر ملک شام و فلسطین میں فاطمی بحری طاقت کا ایک بڑا مرکز بن گئی تھی۔ صلیبی جنگوں سے اس شہر کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ ایک ناکام حملے کے بعد بالڈون اول Baldwin-1 نے بالآخر 1104ء میں اس بندرگاہ پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد یہ شہر ارض فلسطین میں مسیح مقبوضات کا مرکز بن گیا۔ 1187ء میں جنگ حطین کے بعد اس پر سلطان صلاح الدین ایوبی نے قبضہ کر لیا۔ عیسائیوں کے نزدیک عکہ پر قبضے سے ہی اس علاقے میں ان کا وجود قائم رہ سکتا تھا۔ اس لیے انہوں نے عکہ کا محاصرہ کر لیا جو دو سال تک قائم رہا۔ بالآخر فلپ آگسٹس اور رچرڈ شیر دل کے 1191ء میں ارض مقدس پہنچنے پر عکہ پر دوبارہ عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا۔ 1229ء کے بعد عکہ

Marfat.com

فلسطین میں عیسائیوں کا مرکز بن گیا اور کہیں جا کر 1291ء میں سلطان الملک الاشرف نے عکہ پر قبضہ کر کے فلسطین سے عیسائیوں کا غلبہ ختم کیا۔ اس وقت اس شہر کو زمین بوس کر دیا گیا اور شہر میں چند نفوس اور ملبے کے ڈھیروں کے سوا کچھ نہ بچا تھا۔

اٹھارہویں صدی کے وسط کے قریب پھر ایک انقلاب رونما ہوا اور شیخ ظاہر نے الخلیل میں قائم ہونے والی سلطنت کا اس شہر کو دارالحکومت بنا لیا اور شہر کو از سر نو تعمیر کرایا۔ پھر احمد الجزار کے خوفناک دور (1775ء...... 1804ء) میں نپولین بونا پارٹ نے اس شہر کا ناکام محاصرہ کیا مگر یہ برطانوی بحری بیڑے کے زیر حفاظت ہونے کی وجہ سے محفوظ رہا۔ 1840ء میں یہ شہر ابراہیم پاشا نے فتح کر کے ایک بار پھر تباہ کر چھوڑا۔ تاہم بعد میں اس نے پھر ترقی حاصل کی لیکن اسی دور میں ترک بحری بیڑے نے 1840ء میں برطانیہ اور آسٹریا کی امداد سے اس پر شدید بمباری کی۔ اس کے بعد یہ شہر ایک بار پھر ترقی کی راہ پر گامزن ہو گیا۔

بیسان:

دریائے اردن کی وادی میں ایک چھوٹا سا فلسطینی قصبہ جو جھیل طبریہ کے جنوب میں اٹھارہ میل یا 30 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ سطح سمندر سے تقریباً 300 فٹ بلند ایک مسطح مقام پر واقع ہے اور اس نشیبی علاقے سے تقریباً 170 فٹ بلند ہے جس میں سے ہو کر اس کے چھ فاصلے سے دریائے اردن گزرتا ہے۔ اس طرح یہ منطقہ حارہ کی شدید گرمی سے محفوظ ہو گیا ہے۔ اس کی آب و ہوا گرم اور مرطوب ہے جس کا ذکر عرب جغرافیہ دان ہمیشہ برائی کے ساتھ کرتے رہے ہیں۔ اس علاقے کا پانی بھی خراب ہے تاہم عین الفلوس نامی کنوئیں کے پانی کے متعلق مشہور ہے کہ یہ بہشت کے چار چشموں میں سے ایک ہے۔ آب پاشی سے اس علاقے میں دھان کی کاشت ہوتی ہے جو المقدسی کے زمانے میں ایک دولت سمجھی جاتی تھی۔ بیسان کی خوش قسمتی یہ ہے کہ وہ آمد و رفت کی اس آبی شاہراہ پر واقع ہے جو دمشق کو گلیلی سے اور پھر مصر اور ساحل بحر روم سے ملاتی ہے۔

تل الحصن کی کھدائیوں سے جو دھات کی سطح تک پہنچ گئی ہیں یہ بات ثابت ہو چکی

Marfat.com

ہے کہ یہ شہر 300 سال پہلے بھی موجود تھا۔ یہ بات بھی معلوم ہے کہ بت شان یا بت شعان کے مقام پر مصریوں کے مفادات موجود تھے تو تھمس سوم کی فتح کے بعد یہ شہر تین صدیوں تک مصریوں کے قبضے میں رہا۔ بنی اسرائیل کے عروج کے زمانے میں یہ حضرت سلیمانؑ کی سلطنت کا ایک حصہ تھا۔ پھر بازنطینیوں اور رومیوں کے زمانے میں Skytho Polis سکائی تھوپولیس کے نام سے ڈیکاپولیس Deca Polis کے اہم شہروں میں شمار ہونے لگا۔

پھر ساتویں صدی کے تیسرے عشرے میں اولین عرب حملوں کا رخ اسی شہر کی طرف تھا۔ 13ھ/634ء میں حضرت خالد ولیدؓ نے اس شہر میں ایک بازنطینی فوج کا صفایا کر دیا تو اس شہر کو اس کا مشرقی نام واپس مل گیا اور یہ بیسان کہلانے لگا۔ 636ء میں حضرت شرجیل بن حسنہ نے جب الاردن کے علاقے کو فتح کیا تو اس شہر پر یقیناً مسلمانوں کا قبضہ تھا۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کا مزار بعض مورخین کے نزدیک اسی شہر میں موجود ہے۔ اسی شہر کے نزدیک عین الجالوت کے مقام پر 1260ء میں تاتاریوں کو شکست ہوئی تھی۔

Marfat.com

دریائے اردن

عبرانی لفظ ''یردن'' Jorden سے عربی مترادف الاردن نکلا ہے۔ دریائے اردن تین دریاؤں کے ملنے سے بنتا ہے یعنی الحسبانی، نہر لدان اور نہر البانیاس۔ مقام اتصال سے ذرا آگے نکل کر یہ دریا ضلع حول میں داخل ہوتا ہے اور بحرہ الخیط میں سے بہتا ہے۔ ڈالمن Dalman کے نزدیک بحیرۃ الحول محض شمال کی طرف نرکل سے ڈھکی ہوئی ایک دلدل کا نام ہے۔) جنوب کی طرف وادی اردن تیزی سے نیچی ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ بحیرہ طبریہ Galilee Lake جس میں سے گزر کر دریائے اردن بہتا ہے، بحیرہ روم کی سطح سے 682 فٹ نیچی ہے۔ اس وادی کے اس حصے کو جو جھیل کے جنوب سے شروع ہو کر بحر مردار Dead Sea سے تین گھنٹے کی مسافت پر واقع ایک سطح مرتفع تک جاتا ہے الغور کہتے ہیں۔ یہاں اس وادی کی کفیت اس کے شمالی نصف حصے سے مختلف ہو جاتی ہے۔ یعنی وہ اب سفید براق زرخیز مٹی کے میدان کی شکل اختیار کر لیتی ہے جس کے درمیان سے دریائے اردن کئی بل کھاتا ہوا گزرتا ہے۔ چنانچہ اگر اس دریا کو اگر فضا سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سبز رنگ کا ایک مڑا تڑا ہوا فیتا زمین پر پڑا ہے، کیونکہ دریا کے کناروں پر گھنا سبزہ زار ہے۔ جس نے دریا کو ڈھک رکھا ہے۔ اس کے علاوہ اس میدان میں کہیں ہریالی کا نام تک نہیں ہے۔ البتہ اس کے مغربی سرے پر پہاڑیوں کے دامن میں چند سرسبز نخلستان، حدائق الاردن موجود ہیں۔

دریائے اردن بحر لوط یا بحر مردار میں جا کر ختم ہو جاتا ہے، جس کی سطح سمندر سے 1292 فٹ نیچی ہے۔ دریائے اردن کے ذریعے اس بحیرہ میں روزانہ ایک ارب تیس کروڑ گیلن پانی گرتا ہے۔ لیکن گرمی اس شدت کی ہوتی ہے کہ وہ سب کا سب بخارات بن کر اڑ جاتا ہے اور اس طرح پانی کی سطح چھوٹے موٹے موسمی تغیرات کے علاوہ ذرا بلند نہیں ہوتی۔ نتیجتاً اس جھیل میں کوئی جاندار شے زندہ نہیں رہ سکتی، کیونکہ نمک اور معدنی اجزاء جوں کے توں رہتے ہیں اور فالتو پانی اڑ جاتا ہے۔

دریائے اردن کے معاون دریاؤں کے نام یہ ہیں۔ جونہی یہ دریا بحیرہ طبریہ سے نکلتا ہے تو بائیں کنارے پر اس میں الشریعتہ الصغیرہ نامی دریا آ گرتا ہے۔ مزید جنوب میں نہر الزرقا الدامیہ کے مقام پر آ ملتا ہے۔ دائیں کنارے کی طرف سے دریائے جالوت آتا ہے، جو عین

Marfat.com

الجالوت سے نکلتا ہے یہ بیسان کے قریب اس دریا میں آ گرتا ہے دریائے اردن اپنے بہاؤ کی تیزی اور متعدد پیچ وخم اور گہرائی کی کمی کی وجہ سے جہاز رانی کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔

عرب جغرافیہ نگاروں نے اردن کے جو مختصر حالات لکھے ہیں۔ ان میں بعض حصے دلچسپ ہیں۔ المقدسی کہتا ہے کہ یہ دریا جہاز رانی کے قابل نہیں ہے۔ یاقوت نے ایک قدیم تر ماخذ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اردن کو بحیرہ طبریہ کے اوپر (شمال میں) تو اردن کبیر کہا جاتا تھا اور اس جھیل اور بحر مردار کے درمیان اردن صغیر۔ لیکن اس بیان کی بیناد غالباً دریائے یرموک سے لی گئی ہے۔ الدمشقی نے بحر طبریہ اور جسر مجامع کے قریب، جہاں دریائے یرموک دریائے اردن سے ملتا ہے، پانی کے گرم چشموں کا ذکر کیا ہے۔ اس نے دریا کے اختتام کی جگہ پر بعض عجیب وغریب مظاہر کا ذکر بھی کیا ہے۔ دریائے اردن رات دن بحر مردار میں متواتر گرتا ہے اور وہاں سے کوئی اور دریا یا نہر نکاسی کے لیے نہیں نکلتی۔ اس کے باوجود بحر مردار کا پانی نہ سردیوں میں زیادہ ہوتا اور نہ جیسا کہ پہلے ذکر آیا گرمیوں میں ہوتا ہے۔ گو کہ یہ بات صحیح ہے کہ موسم گرما کی شدت سے پانی بڑی مقدار میں بخارات میں تبدیل ہو کر اڑ جاتا ہے مگر موسم سرما میں اس کی مقدار جھیل میں کیوں نہیں بڑھتی؟

عمان Amman:

اردن کا دارالسلطنت اور ملک اہم تجارتی مرکز بحیرہ مردار کے شمال مشرق میں وادی زرقہ میں آباد ہے۔ زمانہ قبل از تاریخ میں مشہور ربہ یا ربو یا ربات امون جس کا ذکر بائبل میں آیا ہے۔ اسی جگہ پر آباد تھا۔ اسے گیارہویں صدی میں حضرت داؤدؑ نے فتح کیا تھا۔ حضرت سلیمانؑ کے عہد میں اس شہر کو دوبارہ آزادی ملی تھی۔ آٹھویں ق م صدی میں یہ آشوریوں کے زیر نگیں آ گیا۔ بطلیموس دوم شاہ مصر نے اسکا نام فلاڈیلفیا رکھا تھا۔ 30 ق م میں اسے رومیوں نے از سر نو تعمیر کیا تھا۔ مگر وہ بھی برباد ہو گیا تھا۔ آج کے عمان میں اسی وجہ سے آثار قدیمہ کی کثرت ہے۔ یہاں نبطی، رومی اور عرب حکمران رہے۔ 635ء میں یہاں اسلامی پرچم لہرایا تھا۔ 1946ء میں اسے اردن کا دارالحکومت قرار دیا گیا۔ آج کل ملک کا سب سے بڑا ثقافتی مرکز بھی ہے۔ شہر اور اس کے نواح میں بہت سی تاریخی عمارات ہیں۔ شاہراہ ہاشمی کے شمال میں شاہراہ فیصل کے بالکل متصل ایک بارونق بازار ہے۔ اس بازار میں قہوہ خانے، قلعہ اور عجائب گھر کی دیدہ زیب

Marfat.com

عمارات ہیں۔ مشرق میں بسمان محل اور شاہ عبداللہ اول کا مقبرہ ہے۔ دارالخیر اردن کے بادشاہ کا رہائشی محل ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد فلسطینی مہاجرین کی آمد سے شہر کی آبادی میں تیزی سے اضافہ ہوا۔ 1994ء میں یہاں کی آبادی 965000 تھی۔

جرش:

قدیم زمانے کا گرسہ Gersa ایک مقام جو ماورائے اردن کے علاقے میں جبل العجلون کے جنوب مشرق کے ایک کثیر الاشجار پہاڑی قطعے کے اندر وادی الزرقاء کے ایک چھوٹے سے معاون دریا "الدیر" Chrysoroas کے کنارے واقع ہے۔ اس کی بنیاد عصر یونانی میں ایک ایسے مقام پر رکھی گئی تھی جو آمد ورفت کے قدرتی راستوں کا مرکز تھا۔ انہیں راستوں پر بعدازاں رومی سلطنت کی شاہراہیں تعمیر کی گئیں۔ تقریباً 80 ق م میں اس پر ایک یہودی رئیس اسکندر ینا ؤس Alexander Jannaeus نے قبضہ کرلیا رومی سالار پومپی Pompey نے اس کے قبضے سے اسے چھڑا لیا۔ اس وقت یہ ڈکاپولس کے شہر میں شامل تھا۔ بعدازاں روما کے صوبہ شام اور پھر صوبہ عرب میں بالترتیب شامل کیا گیا۔ انتونین نامی قیصروں کے زمانے میں یہ انطاکیہ خرسیدوس Chrysoroas کہلایا اور اپنی انتہائی ترقی تک پہنچا۔ اسی عہد سے اس کی وہ یادگار عمارتیں تعلق رکھتی ہیں جن کے پرشوکت آثار آج بھی ہمیں حیرت میں ڈالتے ہیں۔ بعدازاں یہ ایک قلعہ بند شہر اور ایک اسقفیت کا صدر مقام بن گیا۔ 13ھ/634ء میں حضرت شرجیل بن حسنہؓ نے بعہد فاروقی اسے فتح کیا اور یہ ضلع لاردن کا ایک حصہ بنا۔ مؤرخ الیعقوبی کے مطابق تیسری صدی ہجری تک اس شہر کی آبادی آدھی یونانی اور آدھی عرب تھی، لیکن جلد ہی اس کے بعد یہ شہر اپنی اہمیت کھو بیٹھا۔ مسلمانوں کے عہد کی کوئی عمارت باقی نہیں بچی۔ یہاں تک کہ دمشق کے اتابک تغتگین کے تعمیر کردہ قلعہ کا نام ونشان تک باقی نہیں۔ اس قلعے کو عیسائی فاتح بالڈون اول نے فتح کر کے مسمار کر دیا تھا۔ یاقوت کے بیان کے مطابق ساتویں صدی ہجری/ تیرہویں صدی عیسوی کی ابتداء میں یہ شہر ایک کھنڈر بن چکا تھا۔ پھر کہیں 1878ء میں جا کر یہاں چرکسی Cerkes آئے اور جرش کے ویران مقام پر آباد ہو کر ندی کے مشرقی کنارے پر موجودہ گاؤں بسایا۔

Marfat.com

موتہ:

ایک شہر جواردن کے مشرق میں بحیرہ مردار کے جنوبی کونے میں کرک سے دو گھنٹے کی مسافت پر واقع ہے۔ جمادی الاولیٰ 8ھ میں مسلمانوں کو پسپائی کا سامنا کرنا پڑا تھااوراس کی شہرت اسی بناء پر ہے۔ آنحضرتؐ نے ان اطراف میں ایک مہم شرجیل بن عمر غسانی کے خلاف روانہ کی تھی۔ شرجیل بن عمرو غسانی نے آپؐ کے ایک سفیر، حارث بن عمیر الازدوی کو سفارتی آداب کے خلاف گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا۔ سفارتی آداب کی یہ خلاف ورزی مسلمانوں کے خلاف کھلا اعلان جنگ تصور کی گئی۔ چونکہ شرجیل بن عمرو غسانی رومی سلطنت کا باج گذار تھااور ایک عرب نژاد عیسائی بھی۔ اس لیے وہ جانتا تھا کہ مسلمان عرب اب قصاص لیے بغیر وچین سے نہیں بیٹھیں گے۔ لہٰذا اس نے قیصر روم کو بھی مسلمانوں کے خلاف اکسایااور خود بھی ریاست مدینہ پر حملے کی تیاری کرنے لگا۔ جب شرجیل بن عمرو کی ان معاندانہ سرگرمیوں کی اطلاعات آنحضرتؐ کو ملی تو آپؐ نے ایک عظیم مدبر و ماہر فنون حرب کی حیثیت سے یہ فیصلہ کیا کہ شرجیل اور قیصر روم کو کسی قیمت پر سرزمین عرب کو پامال کرنے کی اجازت نہیں دی جائے اور نہ ہی انہیں مدینہ پر چڑھائی کرنے کا موقع فراہم کیا جائے۔ شرجیل کی گستاخی کی سزا اسے اس کے علاقے میں دی جائے۔ اس مقصد کے لیے تین ہزار مجاہدین پر مشتمل الک لشکر تیار کیا گیااور اس لشکر کو شرجیل کو سرحد شام پر روکنے کے لیے روانہ کیا گیا۔ یہ اولین عسکری مہم تھی جس کے لیے آپؐ نے تین قائد یکے بعد دیگرے تجویز فرمائے تھے۔ اول زید بن حارثہ اگر وہ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب ان کے بعد شاعر عبداللہ بن ارواحہ۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی دوراندیشی نے اس پرخطر مہم کی مشکلات کو پوری طرح بھانپ لیا تھا۔

جنگ کے دوران مسلمانوں کے تین سالار جو آنحضرتؐ نے نامزد کیے تھے۔ یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے اور عبداللہ بن رواحہؓ کے بعد خالد بن ولید سپہ سالار بنے۔ انہوں نے ایسی جرات اور جنگی مہارت کا مظاہرہ کیا کہ دشمن بھی ششدر رہ گیا اور حضرت خالد بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے اپنا لشکر دشمن کے نرغے سے نکال کر لے آئے۔ دشمن اپنی برتری کے باوجود آپؓ کی بہادری سے اتنا مرعوب ہو چکا تھا کہ اس نے پسپا ہوتے ہوئے مجاہدین کا تعاقب کرنے کی جرات نہیں کی۔ یہ پہلا موقع تھا جب حضرت خالد بن ولیدؓ کی فوج ہنرمندی سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچا۔

Marfat.com

قبرص

قبرص Cyprus:

بحیرہ روم کے مشرق میں ایک جزیرہ جو جغرافیائی اعتبار سے ایک سطح مرتفع ہے۔ یہ سطح مرتفع اب تک قائم چلی آ رہی ہے جبکہ اس کے گردونواح کا علاقہ سمندر میں ڈوب چکا ہے۔ یہ جزیرہ دو بڑے سلسلہ ہائے کوہ پر مشتمل ہے جو مشرق سے مغرب تک چلے گئے ہیں۔ ان کی بلندی علی الترتیب 3142 فٹ اور 6020ء فٹ ہے۔ ان دونوں پہاڑوں کے درمیان میدانی علاقہ ہے جس کا رقبہ 4124 مربع میل ہے۔

جزیرے کی آبادی تقریباً ساڑھے آٹھ لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔

محل وقوع:

اس جزیرے کے شمال میں ترکی، مشرق میں شام اور لبنان واقع ہیں۔ قبرص بحیرہ روم میں ترکی کے ساحل سے صرف 40 میل یا 64 کلومیٹر جنوب میں واقع ہے جبکہ ڈیلٹا مصر سے اس کی دوری 250 میل یا 402 کلومیٹر اور یونان سے 480 میل ہے۔ قدیم ایام میں یہ جزیرہ مصر اور بحیرہ ایجہ Agean Sea کے درمیان ہونے والی بحری تجارت کے راستے میں پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ قدیم زمانے سے یہ اپنی تانبے کی برآمدات کی وجہ سے بھی مشہور رہا ہے جس وجہ سے یہ یونانی لفظ کاپرس سے سائپرس کہلایا اور عربی میں قبرص بن گیا۔

آب وہوا:

اس کی آب ہوا بحیرہ روم کی مثالی آب وہوا ہے۔ مئی تا ستمبر خوشگوار موسم گرما ہوتا ہے اور ستمبر تا مارچ موسم سرما جو مرطوب وخشک رہتا ہے۔

تاریخ:

1450 ق م میں اس جزیرے پر مشہور مصری فاتح عالم تھوٹموس سوم نے قبضہ کیا تھا۔

Marfat.com

1400 ق م کے لگ بھگ یہاں پہلی یونانی نوآبادی قائم ہوئی۔ یہ نوآبادی آرکاڈیا کے یونانی تاجروں نے قائم کی تھی۔ بعدازاں یہاں آئیونین اور مائی سینین نسل کے یونانی لوگ آباد ہوئے جنہوں نے یونانی تہذیب وتمدن کو فروغ دیا۔ 800 ق م میں فونیقی یہاں پہنچے۔ 7 ویں صدی قبل از مسیح میں قبرص میں تقریباً گیارہ سلطنتیں قائم تھیں۔

550 ق م میں ایک بار پھر مصری اس پر قابض ہو گئے اور 500 ق م میں اہل فارس یہاں کے سیاہ وسفید کے مالک بن بیٹھے۔ مقامی یونانیوں نے اہل فارس کے خلاف کئی بغاوتیں کیں۔

333 ق م میں سکندر اعظم نے یہ جزیرہ اہل فارس سے چھین لیا۔ سکندر کی موت کے بعد یہ اس کے مصری جانشینوں کے قبضے میں آیا۔ 58 ق م میں رومی سالار پومپی نے اس سے رومی سلطنت میں شامل کر لیا اسے رومی صوبے سلیشیا سے ملحق کر دیا گیا۔ پہلی صدی عیسوی میں رومی انقلاب کے دوران ہی یہودی یہاں پہنچے مگر 116 عیسوی میں شہنشاہ ہیڈرین کے حکم پر یہاں سے نکالے گئے جبکہ جزیرے پر عیسائیت کو فروغ ملا۔

330ء میں مشرقی رومی سلاطین یعنی بازنطینی اس کے حکمران بن گئے اور 300 سال تک یہ جزیرہ بازنطینیوں کے قبضہ میں رہا۔

تاریخی شواہد کے مطابق اس جزیرہ پر پہلا عرب حملہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں ہوا تھا جس کے بعد اہل قبرص کے مسلمانوں سے تجارتی روابط قائم ہو گئے تھے، لیکن الواقدی کے حوالے سے بلاذری نے لکھا ہے کہ قبرص پر پہلا حملہ حضرت معاویہؓ نے کیا تھا۔ حضرت معاویہؓ نے عہد راشدہ میں حضرت عمرؓ سے بحری جنگ کی اجازت مانگی تھی تاکہ قبرص پر حملہ کیا جا سکے مگر آپ نے مسلمانوں کی جان کی حفاظت کے لیے سمندر میں جنگ لڑنے کی اجازت نہ دی۔ پھر جب حضرت عثمان غنی سندنشین خلافت ہوئے تو حضرت معاویہؓ نے شام کے گورنر کی حیثیت سے ایک بار پھر دربار خلافت سے بحری جنگ کی اجازت طلب کی اور بتایا کہ قبرص شام کے کتنے قریب ہے۔ حضرت عثمانؓ نے جواب میں لکھا کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے اس بارے میں جو جواب دیا تھا وہ ہمیں یاد ہے مگر حضرت معاویہؓ کے بار بار اصرار پر معاویہؓ کو اس شرط پر سمندری سفر کی اجازت دی کہ ان کی بیوی بھی ان کے ساتھ ہو۔ حضرت معاویہؓ نے اس

Marfat.com

مہم میں جو مؤرخین کے نزدیک 27 یا 28ھ میں پیش آئی اپنی بیوی فاختہؓ بنت قرظہ کو ساتھ لیا تھا۔ام حرام، زوجہ حضرت عبادہؓ بن الصامت بھی اس مہم میں شریک تھیں۔وہ اسی مہم کے دوران گھوڑے سے گر کر شہید ہوئیں۔آج کل الارنقہ Larnaca کے قریب ان کا مزار مرجع الخلائق ہے اور آج بھی تقدیس اور تعظیم کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

البلاذری کے مطابق دوسری مہم 33ھ/ 654ء میں بھیجی گئی۔اس مہم کے نتیجے میں حضرت معاویہؓ نے یہ جزیرہ فتح کرلیا اور مسلمان اس جزیرہ پر آباد ہونے لگے اور اشاعت اسلام کا آغاز ہوگیا۔عرب مؤرخین کے مطابق یزید بن معاویہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس جزیرہ کو خالی کردیا تھا مگر محققین اس بات کو قرین قیاس نہیں قرار دیتے۔

688ء میں خلیفہ عبدالملک بن مروان اور بازنطینی شہنشاہ جسٹنین دوم کے درمیان شرائط صلح طے پائیں تو ان میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ فریقین اس جزیرے کے خراج کو آپس میں بانٹ لیں گے۔خلیفہ ولید ثانی نے بعض قبرصی باشندوں کو جلاوطن کر کے شام بلا لیا تھا لیکن فقہا نے اس کے اس فعل کو غیر منصفانہ قرار دیا۔جس پر قبرصیوں کو واپس بھیج دیا گیا۔

عہد بنو امیہ میں ان تاریخی شواہد کی بناء پر محققین نے یہ اندیشہ ظاہر کیا ہے کہ شاید قبرص پر مسلمانوں کا قبضہ مستحکم اور دیرپا نہیں تھا۔اور اہل قبرص مسلمانوں اور بازنطینیوں دونوں کو خراج ادا کر کے اپنی آزادی کو قائم رکھے ہوئے تھے۔عباسی عہد میں صورتِ حال مزید بازنطینیوں کے حق میں ہوگئی۔یہ درست ہے کہ ہارون الرشید نے اور بعد کے عباسی خلفاء نے کئی بار کامیاب فوج کشی کی گئی جزیرے پر مستقل قبضے کا خیال کسی کو نہیں آیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں بوزنطی اثر ورسوخ پھر بڑھ گیا۔874ء اور 876ء میں بوزنطینیوں کو یہاں مستقل فتح حاصل ہوئی جس سے جزیرے کی آبادی پہلے کی طرح حلقہ بگوش عیسائیت رہی۔969ء کے بعد بوزنطینیوں نے جزیرے پر مستقل قبضہ کرلیا۔

1191ء میں جب شاہ انگلستان رچرڈ شیر دل کا بحری بیڑا اس جزیرہ پر لنگر انداز ہوا تو یہاں ایک عیسائی خاندان کی خودمختار حکومت قائم تھی۔شاہ رچرڈ کا بحری بیڑا قبرص کے قریب طوفان میں گر کر تباہ ہوگیا اور قبرصیوں نے اس کا سامان لوٹ لیا۔قبرصیوں کے اس اقدام پر رچرڈ

Marfat.com

نے اس جزیرے پر قبضہ کرلیا اور بعدازاں اس جزیرے کو انگریزوں کی فطرت کے مطابق کشمیر کی طرح فروخت کردیا۔ اگلے چار سو سال تک اسی جزیرے پر فرانکوں کی حکومت رہی۔ بڑے بڑے گرجے اور قلعے اس عہد کی یادگار ہیں۔

مملوک۔ سلطنت کے حقیقی بانی بیبرس اول نے 1270ء میں قبرص کے خلاف ایک بحری مہم بھیجی تھی لیکن یہ لیمسون کے قریب ایک سمندر طوفان کی نذر ہو گئی تھی۔ قبرص کی فرنگی سلطنت پر ایک ضرب کاری سب سے پہلے اہل جینورا نے لگائی تھی جب انہوں نے 1373ء میں الماغوسا پر قبضہ کرلیا تھا۔

پندرہویں صدی میں مملوک سلطان مصر برسبائی نے قبرصیوں کے مسلسل حملوں کا بدلہ چکانے کے لیے 1424ء میں ایک مہم لیماسول روانہ کی اور اس کے ایک حصہ پر قبضہ کرلیا پھر 1426ء میں ایک فیصلہ کن جنگ کے دوران قبرص کے عیسائی بادشاہ جانسن Janus کو گرفتار کرلیا گیا اور مسلمانوں نے بڑھ کر نکوشیا پر قبضہ کرلیا لیکن جزیرے پر مستقل قبضے کا خیال اب بھی کسی کو نہ آیا اور مملوک سلاطین بھی خراج کی وصولی پر اکتفا کر گئے۔ اس طرح قبرص کی خودمختاری عیسائی سلطنت کا وجود برقرار رہا۔ 1489ء میں البتہ اہل وینس یہاں قابض ہو گئے۔ 1575ء میں سلطان سلیم دوم عثمانی نے نکوسیا پر قبضہ کرلیا اور عثمانی ترک اگلی تین صدیوں تک یہاں حکومت کرتے رہے۔ 1878ء میں قبرص پر انگریزوں نے قبضہ کرلیا لیکن برائے نام ترک حکمرانی 1923ء تک قائم رہی۔ 1959ء میں برطانیہ نے قبرص کی آزادی کا اعلان کیا اور یونانی آرچ بشپ میکاریوس جزیرے کے صدر اور ترک قبرصی ڈاکٹر فاضل کوچک نائب صدر منتخب ہوئے۔ صدیوں سے ہمسایہ اقوام ہونے کے باوجود ترک قبرصیوں اور قبرصی یونانیوں کی کبھی نہ بن سکی اور آزادی کے بعد 1967ء میں نئے سرے سے نسلی فسادات کی آگ بھڑک اٹھی جس نے کچھ مدت بعد ترک قبرصیون کو بالآخر ایک علیحدہ ریاست قائم کرنے پر مجبور کردیا۔ 18 نومبر 1983ء کو یکطرفہ اعلان آزادی کے بعد ''ترک جمہوریہ شمالی قبرص'' وجود میں آئی مگر اقوام متحدہ میں زیر بحث رہنے کے باوجود اسے تسلیم نہ کیا گیا۔

Marfat.com

لیماسول،Limassol:

جنوبی قبرص کا ایک شہر اور بندرگاہ ہے جو دارالحکومت نکوسیا سے 38 میل کی دوری پر جنوب اور جنوب مغرب میں واقع ہے۔ شراب کی تجارت کا مرکز ہے۔ 1191ء میں انگلستان کے رچرڈ شیر دل کی شادی بیرینگاریا □Berengaria سے اسی شہر میں انجام پائی تھی۔

فاما گوسٹاFama Gusta:

مشرقی قبرص کا ایک شہر، یہ اس جزیرے کی تنہا بندرگاہ ہے۔ پندرہویں اور سہولویں صدی میں جب اس جزیرے پر اہل وینس نے قبضہ کر رکھا تو یہ شہر ان کا مستقر تھا۔ قبرص کا یہ شہر مشہور انگریز ڈرامہ نگار شیکسپیئر کے ڈرامے ''اوتھیلو......Othello'' کا مرکزی خیالی منظر خیال کیا جاتا ہے۔ قدیم کھنڈروں میں اوتھیلو کا مبینہ مینار بھی نظر آتا ہے۔ اس شہر کے قابل دید مقامات میں اہل وینس کا محل اور گاتھک طرز تعمیر کا ایک گرجا شامل ہے جو تیرہویں صدی عیسوی میں تعمیر کیا گیا تھا۔

نکوسیا:

قبرص کا دارالحکومت اس کی ترکی زبان میں لیفکوشا کہتے ہیں۔ یہ شہر ایک بڑا تجارتی اور زرعی مرکز ہے۔ ماضی میں یہ قبرص کے لوسگنن (1192ء کے بعد) بادشاہوں کی امامت گاہ رہا ہے۔ یہاں شراب، سگریٹ اور چمڑے کی مصنوعات تیار کی جاتی ہیں۔

لارنقہLarnca:

قبرص کی جنوب مشرقی سمت میں خلیج لارنقہ میں واقعہ بندرگاہ۔ یہ پہلے قدیم فونیقی قصبہ کیتم □Citium کہلاتا تھا جس کی بنیاد 1100 ق م سے پہلے رکھی گئی تھی۔ اس فونیقی قصبے کا ذکر بائبل میں بھی کیتم Chitim کے نام سے آیا ہے۔ کیتم خود قبرص کا بھی پرانا نام تھا۔ حضرت معاویہؓ اسی شہر کے قریب اپنی پہلی مہم میں 28ھ میں قبرص پر اترے تھے۔

Marfat.com

مصر

محلِ وقوع:

براعظم افریقہ کے شمال مشرق میں ایک مستطیل شکل کا ملک ہے۔اس کے مغرب میں لیبیا، جنوب میں سوڈان، شمال مشرق میں اسرائیل اور شمال میں بحیرہ روم ہے۔

مصر تاریخ عالم میں تقریباً 3 ہزار قبل از مسیح سے قدیم ترین انسانی تہذیب وتمدن کا گہوارہ رہا ہے۔اس کی قدیم تہذیب وثقافت نے قدیم اسرائیل اور قدیم یونان تک کو متاثر کیا۔

مصر کا ذکر توریت، قرآن مجید جیسی الہامی کتابوں میں آیا ہے اور یونانی مؤرخ ہیرو دوتوس نے بھی اپنی ''تواریخ'' میں اس کا ذکر کیا ہے مگر مصر کے آثار قدیمہ اور اس کی قدیم تاریخ وثقافت کی تحقیق اور اس کا سراغ انیسویں صدی میں یورپی ماہرین آثار کی تاریخی علمی کاوشوں اور کوششوں کا مرہون منت ہے۔

مصر دنیا کا وہ ملک ہے جہاں اولین انسانی تہذیبوں میں سے ایک نے آنکھ کھولی۔ مصر کی قدیم تاریخ کو جو تقریباً 5000 سال پر محیط ہے دو ادوار پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔زمانہ قبل از تاریخ اور زمانہ بعد از تاریخ۔تاریخی عہد کو مؤرخین خاندانی بادشاہت Dynast Period کا دور کہتے ہیں۔مصر کی بادشاہت کے اسی خاندانی دور میں تقریباً 30 خانوادے حکمران رہے۔ طیبی نامی ایک خاندان کے حکمران منفتاح اول کے عہد میں مصر میں حضرت موسیٰ نبی مبعوث ہوئے۔حضرت موسیٰ اقوام عالم کی تاریخ میں بنی اسرائیل کے اولین نجات دہندہ تقسیم کئے جاتے ہیں۔جو بنی اسرائیل کو فراعنہ مصر کی غلامی سے نکال کر سرزمین موعودہ یعنی فلسطین میں لے آئے تھے۔یاد رہے مصر کے حکمران فرعون کہلاتے تھے۔خاندانی دور کے چوتھے اور پانچویں فرعون کے عہد میں بڑے اہرام مصر، بڑے بڑے معبد و مندر اور ہیکل تعمیر کئے گئے۔خاندان فراعنہ کے تیسویں خاندان کا اختتام 343 ق م میں ہوا تھا۔ایران کے ہنخامنشی حکمرانوں نے مصر کو فتح کر لیا تھا اور اس کے معبدوں اور مندروں کو مسمار کر دیا تھا۔ایرانیوں کے ظلموں سے تنگ

Marfat.com

آکر 332 ق م میں مصریوں نے مشہور یونانی فاتح عالم سکندر اعظم کا استقبال بطور نجات دہندہ کیا اور سکندر نے بغیر کسی مزاحمت کے پورے مصر پر قبضہ کر لیا۔ سکندر اعظم کے مصر پر قبضے کی یادگار سکندریہ شہر ہے جو اس فاتح عالم نے اپنے نام سے معنون کر کے تعمیر کیا تھا۔

سکندر کی وفات کے بعد مصر پر اس کے ایک جرنیل بطلیموس اول Ptolemy-1 نے بطلیموس خاندان کی حکمرانی کا آغاز کیا اگلے تقریباً 300 سال یہ یونانی خاندان مصر پر حکمران رہا۔ اسی خاندان کی آخری ملکہ تاریخ و افسانہ کی مشہور شخصیت قلوپطرہ تھی جو 52 قبل از مسیح میں تخت نشین ہوئی تھی۔ قلوپطرہ کے عہد میں 48 ق م میں مشہور رومی قیصر جولیس سیزر اپنے دشمنوں کے تعاقب میں مصر پہنچا تو اس نے قلوپطرہ سے شادی کر لی۔ جولیس سیزر کے جانشین قیصر آگسٹس نے قلوپطرہ کو شکست دیکر مصر کو روم کا صوبہ بنا لیا اور ملکہ قلوپطرہ حالات سے دلبرداشتہ ہو کر خودکشی کرنے پر مجبور (30 ق م) ہو گئی تھی۔ خاندان بطلیموس اگرچہ غیر ملکی حکمرانوں کا خاندان تھا مگر اس کے عہد میں مصر نے تمام شعبہ ہائے زندگی میں ترقی کی تھی اور اسکندریہ میں اس زمانے میں بڑے بڑے علماء اور حکماء ہو گزرے ہیں جن کی علمی سرگرمیوں کی وجہ سے وہ رشک ایتھنز بن گیا تھا۔ بطلیموسی عہد ہی میں اسکندریہ میں دنیائے قدیم کا سب سے مشہور کتاب خانہ تعمیر کیا گیا تھا جو 48 ق م میں جولیس سیزر کے ہاتھوں تباہ ہوا مگر اکثر مغربی مؤرخ اس کی تباہی کا الزام مسلمانوں پر لگاتے ہیں جو کہ بے سروپا ثابت ہو چکا ہے۔

مصر پر تقریباً ساڑھے چھ سو سال رومیوں نے حکومت کی۔ رومی عہد میں مصر کے نظام معیشت میں بڑی دوررس تبدیلیاں ہوئیں۔ مصر مکمل طور پر رومہ کا ایک غلام ملک بن کر رہ گیا۔ 616ء میں ایرانیوں نے اس مصری صوبے پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا اور 628ء تک اس پر قابض رہے۔ ایرانی شہنشاہ خسرو پرویز کے مرنے پر مصر دوبارہ رومیوں کی بورنطینی سلطنت کا ایک صوبہ بن گیا۔

مسلمانوں کی آمد:

628ء کے بعد زیادہ دیر تک بازنطینی سلطنت مصر پر قائم نہ رہ سکی اور صحرائے عرب

Marfat.com

سے اٹھنے والی عرب مسلم افواج نے 639ء میں عمرو بن العاص کی سرکردگی میں اس رومی صوبے پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا اور مصر کی تقدیر ہمیشہ کے لیے اسلام سے وابستہ ہوگئی۔

اسلامی عہد:

مصر کے اسلامی عہد کو تیرہ ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔(1) حضرت عمرو بن العاص کی فتح (639ء تا 641ء)۔(2) خلفائے راشدین کے نامزد کردہ والیان مصر کا عہد (641ء تا 658ء)۔(3) خلافت بنوامیہ (661ء تا 749ء)۔(4) خلافت عباسیہ (750ء تا 868ء)۔(5) آل طولون (868ء تا 905ء)۔(6) خلافت بنی عباس عہد دوم (905ء تا 935ء)۔(7) اخشید یہ عہد (935ء تا 969ء)۔(8) خلفائے بنی فاطمہ (969ء تا 1171ء)۔(9) خاندان ایوبی (1171ء تا 1250ء)۔(10) مملوک بحری (1250ء تا 1390ء)۔(11) مملوک بری (1390ء تا 1516ء)۔(12) خلفائے آل عثمانیہ (1517ء تا 1798ء)۔ □(13) نپولین کی مہم مصر اور عصر جدید کا آغاز (1798ء) محمد علی پاشا والی مصر کے عہد سے آج تک کی تاریخ پر مشتمل ہے۔

اسلامی فتح مصر:

عہد راشدہ میں شام اور عراق کی فتوحات کے بعد عرب مسلمانوں نے یہ خطرہ محسوس کیا تھا کہ بازنطینی سلطنت، اسلامی ریاست کے دارالخلافہ مدینہ پر حملہ کر کے اس نوزائیدہ ریاست کو ختم کر دے گی۔ اس کے علاوہ مدینۃ الرسول اسوقت بازنطینی سلطنت کے ایک بڑے فوجی مرکز قلزم (سویز) کے بالکل قریب تھا۔ اس لیے بھی اس امر کی ضرورت تھی کہ اس خطرے کو ختم کر دیا جائے۔

مصر ایک زرخیز ملک تھا جس کے غلے کی پیداوار پر قسطنطنیہ کی زرعی ضروریات کا انحصار تھا۔ اس کے علاوہ مصر کے سیاسی اور مذہبی حالات بھی کسی بیرونی حملے کے لیے سازگار تھے۔ قیصر ہرقل کے زمانے تک مصریوں پر رومیوں کا مذہبی تشدد اور جبر جاری تھا جو مصریوں کو رومیوں سے متنفر کیے ہوئے تھا اور وہ کسی نجات دہندہ کی تلاش میں تھے۔

Marfat.com

ذوالحجہ 18ھ/ دسمبر 639ء میں اچانک صحرائی عرب افواج مصر کی مشرقی سرحد پر نمودار ہوئیں اور اس کے صرف ایک ماہ بعد حضرت عمرو بن العاص نے مصری شہر فرما Pelusium کو فتح کر لیا تھا۔

کہتے ہیں کہ حضرت عمرو بن العاص نے جنگ یرموک سے واپسی کے بعد فلسطین میں قسیاریہ کا محاصرہ کیا تھا پھر یہاں اپنے بیٹے کو اپنا قائم مقام بنا کر ساڑھے تین ہزار مجاہدین کے ساتھ اپنی مرضی کے تحت مصر کی جانب روانہ ہوئے تھے کیونکہ وہ مصر سے بخوبی واقف تھے۔ ان کی اس طرح روانگی پر حضرت عمرؓ نے ناراضگی کا اظہار کیا تھا اور انہیں ایک خط لکھا اور حکم دیا تھا کہ اگر یہ خط تمہیں مصر میں داخل ہونے سے پیشتر مل جائے تو تم فوراً واپس آ جاؤ۔ مؤرخین کے مطابق عمروؓ بن العاص کو یہ خط اس وقت ملا تھا جب وہ مصر میں العریش کے مقام پر پہنچ چکے تھے۔ لیکن بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ خط انہیں العریش پہنچنے سے پہلے مل گیا تھا اور انہوں نے خط کو لانے والے ایلچی شریک بن عبدہ سے درخواست کی تھی کہ وہ یہ بات حضرت عمرؓ سے پوشیدہ رکھے۔

فرما کی فتح کے بعد دربار خلافت سے حضرت زبیرؓ بن العوام کو پانچ ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے مصر روانہ کیا گیا تا کہ حضرت عمرو بن العاص اور دیگر مجاہدین کی اعانت کرے۔ عربوں کی متحدہ افواج نے مزید پیش قدمی کر کے رجب 19ھ/ جولائی 640ء میں بازنطینی افواج کو عین الشمس کے سامنے شکست دی۔ حضرت زبیرؓ نے اس شہر کی فتح میں بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا اور وہ اس شہر کے محاصرے کے دوران سیڑھی کے ذریعے قلعہ میں داخل ہوئے اور انہوں نے مجاہدین اسلام کے لیے قلعہ کے دروازے کھول دیئے تھے۔ مصر کے شہر اسکندریہ کے حاکم مقوقس نے مسلمانوں سے صلح کے لیے خط و کتابت کی اور اس صلح کے لیے قیصر روم ہرقل سے اجازت طلب کرنے کے لیے وہ خود قسطنطنیہ گیا مگر قیصر ہرقل مسلمانوں کے ساتھ اس کی صلح کی بات چیت کرنے پر شدید ناراض ہوا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ہرقل کا انتقال ہو گیا۔ اب اسلامی فوج نے اسکندریہ کی طرف بڑھنا شروع کر دیا جس پر مقوقس کو دوبارہ اسکندریہ بھیجا گیا جس نے مسلمانوں سے خراج کی ادائیگی پر معاہدہ صلح کر لیا جس کی رو سے طے پایا کہ شہر اسکندریہ 16

Marfat.com

شوال 21ھ بمطابق 17 ستمبر 642ء تک خالی کر دیا جائے گا اور مسلمان اہالیان شہر کے جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے۔ اس طرح رومیوں نے اسکندریہ کو خالی کر دیا اور یہ شہر بھی مسلمانوں کے تصرف میں ایا۔ لیکن حضرت عمروؓ بن العاص نے اس قدیم دارالحکومت کو چھوڑ کر فسطاط کو ملک کا صدر مقام قرار دیا۔ 645ء میں رومیوں نے دوبارہ اسکندریہ پر قبضہ کیا مگر حضرت عمروؓ نے بہت جلد یہ شہر ان سے خالی کروالیا۔

مصر کا عہد جدید:

مصر میں عصر جدید کا آغاز 1798ء میں حملہ نپولین سے ہوتا ہے۔ نپولین کے حملے کی غرض وغائیت مؤرخین نے بڑھتے ہوئے برطانوی تجارتی وسامراجی خطرے کو ختم کرنا تھا۔ یکم جولائی 1798ء کو فرانسیسی افواج مصر میں خلیج ابوقیر میں لنگر انداز ہوئیں اور دوسرے دن انہوں نے اسکندریہ پر قبضہ کرلیا۔ اس حملے میں نپولین کے ساتھ علما اور سائنسدانوں کی ایک بڑی جماعت بھی تھی۔ نپولین نے عبرانی زبان میں ایک اعلان جاری کیا تھا جس میں مصریوں کو یقین دلایا تھا کہ وہ اسلام اور عثمانی خلیفہ کا ہمدرد بن کر مصر وارد ہوا ہے اور اس کا مقصد مصریوں کو ظالم مغربی ممالک کے پنجہ استبداد سے نکالنا ہے۔ 25 جولائی 1798ء میں قاہرہ میں داخلے کے بعد نپولین نے علمائے اسلام سے ہمدردی ظاہر کی اور انہیں اپنا ہمنوا بنانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن جلد ہی اس فاتح یورپ کو واپس فرانس جانا پڑا۔

نپولین کے مصر سے جانے کے بعد انگریزوں نے ترکی کے ساتھ ملکر فرانسیسی افواج پر حملہ کیا اور انہیں ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ 1801ء میں البانوی نژاد محمد علی پاشا کو فرانسیسیوں کو مصر سے نکالنے کے لیے عثمانی خلیفہ کی طرف سے مصر بھیجا گیا تھا۔ 1805ء میں محمد علی پاشا مصر کے سیاہ وسفید کا مالک بنا دیا۔ 1848ء میں وہ خرابی صحت کی بناء پر اپنے بیٹے کے حق میں حکومت سے دستبردار ہوا، لیکن اس کا خاندان جنگ عظیم اول تک مصر کا وائسرائے یا خدیو بنا رہا۔ اسی کے جانشین سعید پاشا نے 1856ء میں ایک فرانسیسی ڈی لیسپ کو نہر سویز کھودنے کے حقوق عطا کیے گئے۔ پھر 19 جنوری 1869ء کو نہر سویز کا باقاعدہ افتتاح ہوا۔

Marfat.com

1881ء میں مصر کے ایک فوجی افسر کرنل احمد اعرابی کی قیادت میں مصری فوج نے بغاوت کر کے بڑھتے ہوئے برطانوی اور مغربی اثرات کو ختم کرنا چاہا مگر مصری حکومت کی مدد کے بہانے برطانیہ کو مصر میں مداخلت کرنے کا موقع مل گیا۔ ستمبر 1882ء میں برطانیہ نے مصر پر حملہ کر دیا اور معرکہ طل الکبیر میں اعرابی پاشا اور اس کے ساتھیوں کو شکست دی۔ اس کے بعد مصر پر اندرونی طور پر برطانوی حکومت قائم ہو گئی اور جبکہ ظاہراً خدیو مصر برائے نام مصر کے حکمران بنے رہے۔

بیسویں صدی کے آغاز میں تعلیم یافتہ مصریوں کی اکثریت نے اس برطانوی انتداب پر شدید تنقید کی اور مصر میں قوم پرستی کی تحریک شروع ہو گئیں جو 1922ء میں مصر کی آزادی تک جاری رہی۔ 15 مارچ 1922ء کو مصر آزاد قرار دے دیا گیا مگر برطانوی افواج مصر میں قیام پذیر رہیں۔ سلطان احمد فواد پاشا ''فواد اول'' کے نام سے مصر کا عصر جدید کا پہلا بادشاہ بن گیا۔ مگر اس کے عہد میں مسلسل سیاسی بحرانوں کا سامنا رہا۔

28 اپریل 1936ء کو شاہ فواد اول کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا شہزادہ فاروق مصر کا بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ شاہ فاروق اگلے 22 برس تک مصر کا شاہ شطرنج بنا رہا اور اس کے عہد میں ''اخوان المسلمین'' سمیت بہت سی سیاسی جماعتوں اور سیاسی شخصیتوں کو دبایا گیا۔ شاہ فاروق کی ان استبدادی اور مطلق العنان حکمت عملیوں کے خلاف 23 جولائی 1952ء کو ایک خفیہ فوجی تنظیم نے انقلاب برپا کر کے شاہ فاروق کو معزول کر کے مصر سے بادشاہت کا خاتمہ کر دیا۔ 18 جون 1953ء کو مصر کو جمہوریہ قرار دیا گیا اور جنرل نجیب صدر جمہوریہ بن گئے۔ اگلے دو سال تک جنرل نجیب اور کرنل ناصر نے مصر پر مشترکہ طور پر حکومت کی مگر 25 فروری 1954ء کو کرنل ناصر نے نجیب حکومت کا تختہ الٹ دیا اور اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اسی دوران اکتوبر 1956ء میں اسرائیل نے مصر پر حملہ کر دیا اور جزیرہ نما سینائی پر قبضہ کر لیا۔ برطانیہ اور فرانس نے پورٹ سعید میں اپنی فوجیں اتار کر نہر سویز پر قبضہ کر لیا، لیکن امریکہ اور روس نے ان کے اس اقدام کی مخالفت کی۔ امریکہ نے برطانیہ، فرانس اور اسرائیل پر قبضہ ختم کرنے کے لیے زور ڈالا اور اقوام متحدہ کی مداخلت پر 7 نومبر 1956ء کو یہ جنگ بند ہو گئی۔

Marfat.com

نہر سویز کو قومی تحویل میں لینے کے بعد کرنل ناصر عرب دنیا کا ایک طاقتور قومی رہنما بن کر ابھرا اور اس نے عرب ممالک کے اتحاد پر زور دیا۔ جس پر شام نے مصر سے اتحاد کر لیا اور ''الجمہوریہ العربیۃ المتحدہ'' تشکیل دی۔ بعدازاں اس یونین میں یمن نے بھی شرکت اختیار کر لی مگر 1961ء میں شام بغاوت کر کے اس اتحاد سے نکل گیا۔ 1962ء میں مصر یمن کی خانہ جنگی میں ملوث ہو گیا۔

1965ء میں کرنل ناصر دوبارہ مصر کے صدر منتخب ہو گئے اس سے پہلے انہوں نے 1962ء میں ایک قومی چارٹر پیش کیا تھا۔ مصر اور اسرائیل کے تعلقات نے اتنی کشیدگی اختیار کی کہ 5 جون 1967ء کو اسرائیل نے بغیر کسی اعلان جنگ کے مصر پر حملہ کر دیا۔ اس جنگ کو چھ روزہ جنگ کہا جاتا ہے اس کے دوران اسرائیل نے غزہ کی مغربی پٹی اور جزیرہ نمائے سینائی پر قبضہ کر لیا۔ اس جنگ میں مصر نے اسرائیل سے شکست کھائی۔ اقوام متحدہ نے جنگ بندی کرائی تو اسرائیل نے مصر کے مقبوضہ علاقے خالی نہ کیے۔

چھ روز عرب اسرائیل جنگ کے بعد 18 جون کو خود ناصر نے عہدہ صدارت سے استعفیٰ دے دیا، لیکن مصری عوام نے ان کا استعفیٰ قبول نہ کیا اور انہیں اپنا استعفیٰ واپس لینا پڑا۔
1968ء میں ناصر حکومت کے خلاف ہنگامے ہوئے اور تعلیمی ادارے بند کر دیئے گئے۔ 1969ء میں انتخابات ہوئے جن میں ناصر کے قریبی ساتھی انوار السادات نائب صدر بنے۔ 29 ستمبر کو صدر ناصر دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کر گئے اور انوار السادات صدر بن گئے۔ جن کے دور میں اسرائیل سے تعلقات بہتر ہوئے اور نہر سویز 8 سال بعد 1975ء میں مکمل طور پر کھول دی گئی۔ امن کے عہد میں 1973ء میں مصر اور اسرائیل میں تیسری جنگ لڑی گئی۔

Marfat.com

دریائے نیل

مصر بلکہ اسلامی دنیا کا ایک بڑا دریا، دریائے نیل ہے جس کی وادیاں اور ڈیلٹا کے علاقے اسلامی تہذیب وتمدن کی نشوونما کے لیے ایک مستقل ثقافتی مرکز کے ارتقاء میں بہت سازگار رہے ہیں دریائے نیل جو اکثر اوقات نیل مصر کہلاتا ہے، قدیم عربی ادبیات کے مآخذ میں ملتا ہے۔ اگرچہ قرآن مجید میں نیل کا لفظ نہیں آیا مگر مفسرین کا خیال ہے کہ ''الیم'' (20 طٰہٰ: 39) سے مراد دریائے نیل ہی ہوسکتا ہے۔ عیسائی اسے بہشت کے ایک بڑے دریا کے نام پر جیحوں Gehon کہتے ہیں۔ لیکن مسلمان مصنفین جیحوں کا اطلاق ہمیشہ آمو دریا پر ہی کرتے ہیں۔ ریائے نیل افریقہ کا ایک بڑا دریا اور دنیا کے طویل دریاؤں میں سے ایک ہے۔

دریائے نیل کے جغرافیے پر ہم صرف اتنی معلومات پیش کریں گے جتنی خود اسلامی تحقیقات سے حاصل ہوئی ہیں۔ مسلمانوں نے کسی حد تک دریائے نیل کے بارے براہ راست مشاہدات پیش کئے ہیں۔ قرون وسطیٰ میں وادی نیل کے اسلامی علاقے کی حدود خوب معین تھیں جو جزیرہ بلاق □Philae کے قریب اور اسوان کے جنوب میں واقع پہلی آبشار، الشلال الاول پر ختم ہوجاتا ہے۔ یہاں سے نوبہ کی حدود شروع ہوجاتی ہیں جو حضرت عبداللہ بن ابی سرح اور نوبیوں کے مابین طے پانے والے معاہدے کے زمانے سے چلی آتی تھیں۔ القصر نوبہ کے علاقے کا پہلا مقام تھا جہاں خراج ادا کیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓو بن العاص اور امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے درمیان عہد راشدہ میں جو خط وکتابت ہوئی، اس میں دریائے نیل کو ایک ایسا دریا بیان کیا گیا ہے جس کی ''گزرگاہ'' بہت بابرکت ہے اور اسکی طغیانیوں کی مدح سرائی شاعرانہ انداز میں کی گئی ہے۔ اس خط وکتابت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ اسکندریہ میں فوجی مستقر قائم کرنا نہیں چاہتے تھے، کیونکہ اس صورت میں عسکر اور خلیفہ کے رمیان ایک بہت بڑا دریا حائل ہوجاتا تھا۔ قرون وسطیٰ ن میں اسوان اور الفسطاط کے درمیان ابالائی مصر کے مندرجہ ذیل

Marfat.com

شہروں کے نیچے سے دریائے نیل گزرتا تھا، بائیں کنارے پر ادفو Edfu، اسنہ Esne، اسیوط Usyut، الاشمونین، طحا، القیس، ولاس اور اہناس، دائیں کنارے پر قوص، الاقصر Luxor فقط، اخمیم، انعنسہ اور اطفیح، شہروں کی یہ فہرست پہلی بار مؤرخ الیعقوبی نے دی تھی اور ابن حوقل پہلا شخص ہے جس نے ان شہروں کے درمیانی فاصلے بریدوں میں دیئے۔ یہ کل فاصلہ 21 دن کی مسافت کا ہے۔ الادریسی اسے 25 روز کی مسافت بتاتا ہے۔ الخوارزمی کی کتاب صورۃ الارض میں دریائے کا قدیم ترین عرب نقشہ محفوظ ہے۔ الخوارزمی اور اس کے بعد ابن سرابیون اور ابن یونس نے نیل سے شہروں کے عرض بلد اور طول بلد بھی دیئے ہیں، لیکن ان اندراجات میں جا بجا تصیحات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ان مآخذ میں اس ادعا کا بار بار اعادہ کیا گیا ہے کہ ساری دنیا میں صرف نیل ہی ایسا دریا ہے جس کا بہاؤ جنوب سے شمال کو ہے۔ البتہ ابن حوقل بتاتا ہے کہ یہ الفسطاط کی جانب جنوب مشرق سے آتا ہے۔ الفسطاط کے نیچے وہ نہر شروع ہوتی ہے جسے حضرت عمروؓ ابن العاص نے دریائے نیل کو بحیرہ قلزم سے ملانے کے لئے 23ھ/644ء میں کھدوایا تھا۔ یہ نہر حجاز کو رسد پہنچانے کے کام آتی تھی اور حضرت عمرو بن عبدالعزیز کے عہد تک اس سے یہی کام لیا جاتا رہا۔ اس کے بعد اس کی دیکھ بھال سے غفلت برتی گئی اور خلیفہ المنصور کے حکم پر اسے بند کر دیا گیا۔

دریائے نیل کی دو بڑی شاخیں ڈیلٹا میں الفسطاط سے بارہ میل شمال میں شروع ہوتی تھیں اور متعدد چھوٹی چھوٹی شاخوں میں تقسیم ہو کر ساحل سے متصل شرقاً غرباً پھیلی ہوئی جھیلوں میں جا گرتی تھیں۔ قرون وسطیٰ میں ان جھیلوں کے نام یہ تھے بحرۃ المریوط، بحیرہ ادکو، بحیرہ البراس اور بحیرہ تیس۔ موخر الذکر میں بہت سے جزیرے تھے۔

دریائے نیل کا منبع عہد قدیم سے انسانوں کے لیے ایک سربستہ راز رہا ہے۔ اس بارے میں جو معلومات اسلامی مآخذوں میں اکثر ملتی ہیں وہ سب الخوارزمی کے رسالے پر مبنی ہیں۔ ایک قدیم تصور کی رو سے دریائے نیل جبل القمر سے نکلتا ہے جو خط استوا کے جنوب میں ہے۔ اس پہاڑ سے کہا جاتا تھا کہ دس دریا نکلتے تھے۔ اسی عرض بلد پر دو جھیلیں ہیں اور ہر جھیل میں پانچ پانچ دریا گرتے ہیں۔ پھر ہر جھیل سے ایک سے زیادہ دریا نکل کر شمال کی جانب بہتے

Marfat.com

ہیں اور یہ سب ایک تیسری جھیل میں جا گرتے ہیں۔ اس تیسری جھیل سے نیل شروع ہوتا ہے۔ یاد رہے مشہور یونانی جغرافیہ نگار بطلیموس صرف پہلی دو جھیلوں سے واقف تھا۔ یہود و نصاریٰ کے روایات میں بتایا گیا ہے کہ نیل بہشت سے نکلتا ہے۔ الجاحظ نے اپنی نایاب تصنیف ''بلدان'' میں دریائے نیل اور دریائے سندھ کا منبع ایک ہی بتایا ہے۔ عہد راشدہ تک دریائے نیل کی طغیانی کے وقت رسم عروسہ نیل ادا کی جاتی تھی جس میں ایک کنواری لڑکی کو سجا کر دریا میں ڈال دیا جاتا تھا۔ یہ رسم بد حضرت عمرؓ کے ایک خط کو دریا میں ڈالنے سے بند ہوئی۔

حاشیہ:

نیل اپنے منبع (ٹانگانیکا) اور روانڈا اروونڈی کے درمیان بحیرہ روم تک 4150 میل کا فاصلہ طے کرتا ہے۔ معروف نیل جو نیل ارزق اور نیل ابیض کے ملنے سے بنتا ہے 1875ء میل لمبا ہے۔

Marfat.com

بابلیون Babylon

مصر کا ایک قدیم شہر، یہ قاہرہ کے قرب و جوار میں تھا۔ اس شہر سے یونانی بڑے مانوس تھے۔ بابلیون کا محل وقوع قدیم ایام میں مناسب اور موزوں تھا اواس کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ کیونکہ دریائے نیل ان دنوں مشرق میں زیادہ ہٹ کر بہتا تھا۔ اسلامی عہد میں حضرت عمروؓ بن العاص کی تسخیر مصر کے وقت جو فیصلہ کن جنگیں لڑی گئیں وہ اسی کے نزدیک لڑی گئیں تھیں''۔ بابلیوں کی تسخیر، 21 ربیع الآخر 20ھ/ 9 اپریل 641ء کا اہم واقعہ ہے۔ اس شہر کی تسخیر کے ساتھ ہی مصر کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا تھا۔ مسلمانوں کا عسکری کیمپ جو بعدازاں ترقی کر کے ''الفسطاط مصر'' کے نام سے ایک پورا شہر بن گیا۔ ابتداء میں اسی قدیم مصری شہر کے قرب و جوار میں قائم کیا گیا تھا۔ بابلیون کے پرانے قلعے کے کھنڈرات اسی شہر کی تعمیر میں صرف کیے گئے تھے۔ جہاں تک بردی مخطوطات سے پتہ چلا ہے، پہلی صدی ہجری/ ساتویں صدی عیسوی کے آخر تک فسطاط اور بابلیون میں فرق و امتیاز نمایاں تھا۔ فسطاط میں مہاجرین اقامت گزین تھے، جہاں ان کی حدود کو نشان لگا کر جدا کر دیا گیا تھا۔ بابلیون میں غلے کے تاجر اور ارباب حکومت رہتے تھے۔

جزیرہ روضہ پر اسلحہ کے ڈپو، جن کا ذکر بردی مخطوطات میں ملتا ہے، ان کے قلعے سے گہرا تعلق تھا۔ مگر فسطاط اور بابلیون کا ابتدائی امتیاز اسی طرح بہت جلد فراموش کر دیا گیا جس طرح بعد میں الفسطاط اور قاہرہ کے فرق کو بھلا دیا گیا۔ بابلیون کا لفظ عربوں میں متروک ہو گیا اور صرف قبطیوں میں باقی رہ گیا۔ قبطیوں نے اس کے استعمال کو بہت زیادہ وسعت دے دی کیونکہ وہ بسا اوقات بابلیون کا اطلاق بستیوں کے اس سارے سلسلے پر کرتے تھے جو قصر الشمع سے شروع ہو کر اور الفسطاط اور قاہرہ سے گزرتا ہوا Matariyye Helopolis□ تک

Marfat.com

چلا گیا تھا۔ یہی استعمال بعدازاں اہل مغرب کے ہاں رواج پا گیا۔ یہ نام بابلیون، مصر اور دول مغربی کے مابین متعدد معاہدوں میں جو لاطینی زبان میں لکھے گئے تھے اور جنہیں Amari نے شائع کر دیا ہے، مختلف صورتوں میں قاہرہ کے نام کے ساتھ ملتا ہے۔ یہ نام اس وقت کے یورپی لٹریچر اور منشوروں میں بھی نظر آتا ہے۔ مثلاً Mandeville اور Boccaccio کے سیاحت ناموں میں جو صلاح الدین ایوبی کو Soldano- Di- Babilonia لکھتے ہیں۔

Marfat.com

عین الشمّس

عہدِ راشدہ میں فتح مصر کے وقت موجود مصر کا ایک قدیم شہر عین الشمّس قدیم مصری شہر اون (On) کا عربی نام ہے جسے یونانی اور رومی وہاں کے مشہور سورج کے معبد (ہیکل الشمّس) کی وجہ سے ہیلیو پولس Hilio Polis کہتے تھے۔ اسی عقیدے کی یاد عربی نام میں بھی موجود ہے۔ (سورج کا چشمہ یا سورج کی آنکھ جو ضرور کسی قدیم نام کی مقبول عام عربی شکل ہو گی۔ ابتدائی اسلامی صدیوں تک ''عین الشمّس'' بعض مآخذوں کے مطابق ایک بڑا شہر اور ایک بڑا ضلعی صدر مقام بھی تھا لیکن بعد کی روایتوں میں اس کا ذکر صرف کھنڈرات کے ایک مجموعے کے طور پر کیا گیا ہے جس کے پتھر نکال نکال کر عوام اپنے کام میں لاتے تھے۔ فاطمی حکمران العزیز نے یہاں کئی قصر تعمیر کرائے، لیکن بعد ازاں یہ سب عمارات بھی کھنڈر بن گئے۔ یہ وسیع آثار قدیمہ، خصوصاً معبد کی دو چوکور لاٹھیں (مسالتان) عربوں کے لیے قیاس آرائی کا سامان بہم پہنچاتی رہیں۔ ان میں سے ایک مخروطی لاٹھ اب تک محفوظ ہے جبکہ دوسری 656ھ/256ء میں گر گئی تھی۔ کہتے ہیں اس معبد کے اندر تقریباً دو قنطار (تقریباً سوا من) پیتل لگا ہوا تھا۔ عربوں کے عہدِ حکومت کے دوران بھی ایک عرصہ تک بھی ایک لدو جانور اور اس پر سوار ایک آدمی کا بت ان دونوں لاٹھوں کے درمیان میں کھڑا تھا۔

عین شمس کا ایک اور عجوبہ اس کا بلسان کا باغ تھا، جس کی کاشت حکومت وقت کی نگرانی میں ہوا کرتی تھی۔ کہتے ہیں کہ قرون وسطیٰ میں بلسان کے درختوں سے ان کا قیمتی رس یا گوند حاصل کیا جاتا تھا اور بلسان کا درخت صرف اسی مقام پر پیدا ہوتا تھا۔ اگرچہ اس سے پہلے ملک شام میں بھی مقامی طور پر پایا جاتا تھا۔

جدید زمانے میں حکومت مصر نے 1950ء میں عین شمس کے نام سے ایک جامعہ (یونیورسٹی) قائم کی جہاں اب ہزارہا طلباء و طالبات تعلیم و تربیت حاصل کر رہے ہیں۔

Marfat.com

الفسطاط

مصر کا پہلا شہر جس کی بنیاد عہد راشدہ میں مسلم فاتحین مصر نے رکھی نیز یہ مصر میں عرب گورنروں (عمال) کا اولین صدر مقام تھا۔ یہ دریائے نیل کے مشرقی کنارے پر یونانی قبطی شہر بابلیون کی ایک نواحی بستی کے قریب تعمیر ہوا تھا۔ بابلیون کے آثار ابی تک قصر الشمع کی فصیلوں میں محفوظ ہیں کشتیوں کا ایک پل اس قصر کو دریائے نیل کے دوسرے کنارے پر واقع الجیزہ شہر سے ملاتا ہے۔ الفسطاط کے ایک معنی محققین نے خیمہ کے دیئے ہیں۔ اس کی توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ اس قصبے کی بنیاد اس جگہ رکھی گئی تھی جہاں حضرت عمرؓ بن العاص نے بابلیون کے محاصرے کے دوران میں اپنا خیمہ نصب کیا تھا۔ موجودہ قاہرہ کے اس محلے کو جس میں الفسطاط اور بابلیون کے آثار ہیں مصر العتیقہ: قدیم قاہرہ کا جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ بن العاص الاسکندریہ کے پہلے محاصرے سے لوٹے (غالباً 22ھ/643ء) تو انہوں نے الفسطاط میں ایک مستقل چھاؤنی کی بنیاد رکھی، جو رفتہ رفتہ ایک قصبہ میں تبدیل ہوگئی۔ بابلیون کے قرب کی وجہ سے قبطیوں کو ملازم رکھا اور ان کی نگرانی کرنا اس قصبے میں عربوں کے لیے آسان ہوگیا تھا۔ مصر میں تعمیر کی جانے والی سب سے پہلے مسجد جامع عمرو بھی اسی شہر میں تعمیر کی گئی تھی۔ یہ مسجد بیک وقت عبادت گاہ، ایوان مجلس، دار القضاء، ڈاک گھر اور مسافر گاہ تھی۔ حضرت عمرو بن العاص کا گھر اور اسلامی فوج کے فوجی ذخائر بھی اس مسجد سے دور نہ تھے۔ یہاں ایک مصلیٰ اور کھلی فضاء میں نماز ادا کرنے کے لیے ایک وسیع وعریض جگہ بھی تھی۔ لس جگہ عید الفطر 43ھ/جنوری 664ء کو حضرت عمرو بن العاص کی نماز جنازہ ادا کی گئی جو ایک شب پہلے یعنی عید کی شب کو فوت ہوئے تھے۔ اس قصبے میں ہر قبیلے کے لیے ایک خطہ مخصوص کر دیا گیا تھا۔ الفسطاط کا خطہ آج کے قاہرہ کے حارہ کے مساوی تھا۔ جس کے معنی محلہ کے ہیں۔ ہر خطے کی الگ الگ مسجد 673ء میں پہلی مرتبہ جامع عمرو کے اور دو کے علاوہ تمام

Marfat.com

مساجد کے مینار تعمیر کیے گئے تھے۔

یہ شہر کم وبیش تین سو سال تک اسلامی مصر کا مرکز رہا۔ فاطمی دور میں یہ عالم اسلام کے امیر ترین شہروں میں سے تھا۔ اس کے اونچے اونچے مکانات کی سات سات منزلیں تھیں۔ جامع عمرو کے اردگرم انتہائی بارونق بازار۔ تنگ گلیوں کا ایک جال بچھا ہوا تھا جن کی حال ہی میں صحرائی سطح مرتفع میں کھدائی کی گئی۔

969ء میں فاطمی خلیفہ مصر کے سالار جوہر صقلی نے اس کے شمالی جانب ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی جو آج قاہرہ کے نام سے مشہور ہے۔ پھر افسطاط پردہ گمنامی میں چلا گیا۔ یہ بالائی مصر کا صرف ایک انتظامی مرکز رہ گیا۔

۞......۞......۞

Marfat.com

اسکندریہ

شمالی مصر کا مشہور قدیم ساحلی شہر اور بحیرہ روم کی ایک بڑی بندرگاہ 332 ق م میں مشہور یونانی فاتح عالم اسکندر اعظم نے اس کی بنیاد رکھی تھی۔ اسکندر اعظم کی وفات کے بعد شاہان بطلیموس کا دارالحکومت رہا۔ (304 ق م...... 30 ق م) یہ شہر اپنی تعمیر کے فوراً بعد ہی قرطاجنہ سے بھی بڑھ کر تہذیب مغرب کا وسیع ترین شہر بن گیا۔ یونانی اور یہودی ثقافت کا بڑا مرکز رہا۔ 30 ق م میں ملکہ قلوپطرہ کے زوال کے بعد یہ سلطنت روماء کا حصہ بن گیا اور اگلے تقریباً ساڑھے چھ سو سال تک روم کا صوبائی صدر مقام بنا رہا۔ 642ء میں عرب مسلمانوں نے اسے حضرت عمرو بن العاص کی سرکردگی میں فتح کیا۔

البلاذری کے مطابق حضرت عمروؓ بن العاص نے مصر کا کچھ حصہ فتح کرنے کے بعد کچھ دن قیام کیا اور خلیفہ المسلمین حضرت عمرؓ بن خطاب سے الاسکندریہ کی طرف پیش قدمی کرنے کی اجازت چاہی۔ انہوں نے اس کی اجازت دے دی۔ حضرت عمروؓ بن العاص 21ھ میں الاسکندریہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ادھر اسکندریہ میں رومیوں اور قبطیوں کی ایک جماعت نے فیصلہ کیا کہ وہ الفسطاط ہی میں مسلمانوں سے لڑیں گے اور قبل اس کے کہ وہ اسکندریہ پر حملہ کریں۔ ہم ان پر حملہ کر دیں گے۔ الکریون کے مقام پر مسلمانوں اور رومیوں کی مڈبھیڑ ہوگئی اور حضرت عمروؓ نے انہیں شکست دی۔ پھر حضرت عمروؓ آگے بڑھ کر اسکندریہ پہنچے۔ یہاں دیکھا کہ اہالیان شہر جنگ کے لیے مستعد ہیں، لیکن قبطی اطاعت اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ المقوقس، حاکم اسکندریہ نے صلح اور التوائے جنگ کی درخواست کی تو حضر عمرو نے صلح سے انکار کر دیا۔ یہاں مؤرخین کی رائے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کے مطابق حضرت عمرو نے اسکندریہ بزور شمشیر فتح کیا اور بعض کے مطابق المقوقس نے تیرہ ہزار دینار سالانہ کی ادائیگی پر صلح کی۔

جب حضرت عثمان غنی مسند نشین خلافت ہوئے تو انہوں نے حضرت عمرو بن العاص کو مصر

Marfat.com

کیا ممارات سے معزول کر دیا اور ان کی جگہ عبداللہ بن سعد کو اپنا عامل مقرر کر دیا۔ اسی دوران 645ء میں رومیوں نے دوبارہ اسکندرہ پر قبضہ کر لیا جس پر اہل مصر نے حضرت عثمانؓ کو درخواست کی کہ حضرت عمروؓ کو بحال کریں کیونکہ انہیں رومیوں سے جنگ کرنے کی حکمت عملی پر عبور حاصل ہے اور دشمن کے دلوں پر ان کی ہیبت بیٹھی ہوئی ہے۔ حضرت عثمان نے یہی کیا اور حضرت عمروؓ نے ایک بار پھر اسکندریہ کو رومیوں سے لے لیا۔ اس پر حضرت عثمان نے چاہا کہ حضرت عمروؓ کو دفاعی امور پر مقرر کر دیں، جبکہ عبداللہ کو خراج پر مگر حضرت عمرو نے اس سے انکار کر دیا۔ جس پر حضرت عثمانؓ نے ابن سعد کو حاکم مقرر کر دیا۔

Marfat.com

حلوان

حلوان: قاہرہ سے 25 کلومیٹر جنوب میں واقع مصر کا ایک شہر یہ دریائے نیل کے دائیں کنارے سے چار کلومیٹر دور اس سے تقریباً 35 میٹر بلندی پر آباد ہے۔ حلوان سڑک اور ریل کے ذریعے قاہرہ سے ملا ہوا ہے۔ صنعتی طور پر یہ ایک ترقی پذیر شہر ہے۔

تاریخی اعتبار سے حلوان اپنے معدنی چشموں کی وجہ سے مشہور ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر فراعنہ کے عہد میں بھی آباد تھا۔ اس لیے کہ 1946ء میں ایک آثاریاتی کھدائی کے دوران یہاں مصر کے پہلے حکمران فرعونی خاندان کے زمانے کی قبور اور مٹی کے برتن برآمد ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ یہاں رومی عہد کے حماموں کا بھی انکشاف ہوا تھا۔

جب عربوں نے مصر فتح کیا اور اس کے کچھ ہی عرصہ بعد عبدالعزیز بن مروان مصر کے عامل ہو کر یہاں آئے تو آبادی میں معتدبہ اضافہ ہوا۔ المقریزی کے بیان کے مطابق 70ھ/690ء میں یہاں ایک بڑا مصیبت خیز سیلاب آیا جسکی وجہ سے مجبور ہو کر عبدالعزیز بن مروان نے فسطاط خالی کر دیا اور جنوبی علاقے کی طرف چلے گئے جو آج کل حلوان کہلاتا ہے۔ یہ مقام انہیں ہر لحاظ سے پسند آیا کیونکہ نہ صرف یہ فسطاط سے نزدیک تھا اور نیل میں آنے والے سیلابوں سے اپنی سطحی بلندی کی وجہ سے محفوظ بھی۔ انہوں نے اپنا مسکن یہیں بنوایا، محلات اور مساجد تعمیر کرائیں اور کھجور اور انگور کے باغات لگوائے۔ انہوں نے مقیاس النیل کی تعمیر کا حکم بھی دیا جس کی جگہ 97ھ/710ء میں جزیرہ الروضہ کے مقیاس النیل نے لے لی۔

عبدالعزیز بن مروان کے زمانے میں حلوان نے بے حد ترقی کی۔ ابن قیس الرقیات نے ایک قصیدے میں اسکی توصیف کی ہے۔ عہد بنوامیہ کے بعد اس شہر کی رونق کم ہوگئی۔ یہاں تک کہ مملوکوں کے زمانے تک اس شہر کے محلات اور مساجد ناپید ہوگئیں اور معدنی چشمے ریت سے اٹ گئے۔ خدیو عباس کے عہد میں یہ چشمے صاف کیے گئے اور وہاں جلدی امراض اور گھنٹیا کے مریض سپاہیوں کے علاج کے لیے ایک مرکز قائم کیا گیا۔ خدیو اسمٰعیل اور خدیو توفیق کے

Marfat.com

زمانے میں حلوان نے دوبارہ ترقی کی۔ خدیو اسمٰعیل نے یہاں اپنی والدہ کے لیے ایک قصر، قصر الوالدہ کے نام سے بھی تعمیر کروایا۔ 1869ء میں چشموں کے آس پاس حمام بنوائے گئے۔ حلوان سے متصل اور دریائے نیل کے کنارے مصر کے آخری بادشاہ شاہ فاروق نے اپنے لیے ایک گرمائی محل تعمیر کرایا جو بعد میں رکن حلوان کے نام سے مشہور ہوا۔ اسے آج کل ایک عجائب گھر اور عوامی تفریح گاہ میں بدل دیا گیا ہے۔

اسیوط:

بالائی مصر کا آبادی اور گہما گہمی کی وجہ کا سب سے بڑا شہر اسیوط ہے۔ یہ دریائے نیل کے مغربی کنارے پر 27 درجہ 11 دقیقہ عرض بلد شمالی پر واقع ہے۔ چونکہ یہ شہر وادی نیل کے انتہائی زرخیز اور محفوظ علاقے میں آباد ہے اور صحرائے اعظم سے آنے والی شاہراہوں کا قدرتی مقام اتصال و اختتام ہے۔ اس لیے قدیم زمانے سے اسے (Syowt، یونانی Lyko Polos) بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ماضی میں یہ ایک صوبے کا صدر مقام رہا ہے اور جب صوبوں کی تقسیم باضابطہ طور پر عمل میں آئی تو وہ ایک صوبے کا صدر مقام قرار پایا ہے۔ اسیوط عربی میں عام بول چال کا لفظ ہے۔ یہ قبطی زبان کے لفظ سیوط □Syowt کا معرب ہے۔ اسی وجہ سے اسے سیوط بھی کہا جاتا تھا۔ شہر اسیوط کی تاریخ پر روشنی ڈالنا تقریباً ناممکن ہے کیونکہ مؤرخین کے ہاں اس کا ذکر نہیں ملتا۔

صرف مملوکوں کے عہد آخر میں علی بے کے زیر حکومت اس شہر نے تاریخی اعتبار سے کچھ نام پایا، یعنی جب 1183ھ/1770ء میں یہ ایک بغاوت کا مرکز بنا۔ جغرافیہ نویسوں اور سیاحوں کے بیانات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ پورے عہد اسلامی میں یہ شہر خوش حال اور فارغ البلال رہا ہے۔ انیسویں صدی میں قاہرہ کے ساتھ بذریعہ ریلوے مل جانے کے بعد 1870ء میں اس شہر نے بے حد اہمیت اختیار کر لی۔

کاروان سرائیں، بازار، حمام، (ان میں سے ایک حمام بہت قدیم اور مشہور ہے) مسجد اور دیگر عوامی عمارات آج بھی اس شہر کی زینت ہیں۔ یہاں کی ایک مسجد میں ایک منبر تھا، جسے بعض موسموں میں لوگ غلے سے بھر کر محمل کی طرح بازار میں پھراتے تھے۔

Marfat.com

اسیوط افلوطین Plotinus القدیس یوحنا قبطی اور ایسوطی کے نام کے متعدد عرب اہل علم اسیوط سے تعلق رکھتے تھے، ان میں سب سے مشہور ترین جلال الدین السیوطی (م 911ھ/ 1505ء) ہیں جو ایک زبردت مؤرخ اور محدث ہوگزرے ہیں۔ ان کی تصنیف ''تاریخ الخلفاء'' ایک اہم تاریخی تصنیف ہے۔

اسوان:

مصر کے اسی نام کے صوبے کا دارالحکومت، جو بالائی قاہرہ سے 552 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ عرض البلد 23، 24 شمال اور طول البلد 50 درجے 8 دقیقے مشرقی پر واقع ہے۔ اس کا یہ جدید نام قدیم قبطی نام سوان سے ماخوذ ہے۔ بقول یاقوت بعض عربی کتابوں میں یہ نام بغیر الف کے سوان لکھا ہوا ہے۔ موجودہ نوآباد شہر دریائے نیل کے مشرقی کنارے پر آباد ہے۔ جہاں ایک وسیع پشتہ تعمیر کر دیا گیا ہے۔ یہ شہر جنوب کا وہ آخری مقام ہے جہاں دریائے نیل میں جہاز رانی ہوتی ہے۔ اس سے صرف چند میل آگے قصبہ السلال مصری ریلوے کا آخری اسٹیشن ہے۔ صحراء کے خانہ بدوش اور وادی نیل کے فلاحین اسوان پہنچ کر اپنا مال تجارت فروخت کرتے ہیں۔ اسوان کا موسم معتدل ہے۔ جس نے اسے ایک اہم تفریح گاہ اور صحت بخش مقام بنا دیا ہے۔ اسوان کے مقام پر قدیم معبدوں کے علاوہ دو چھوٹے لیکن نہایت خوبصورت معبد جو مصر کے اٹھارہویں شاہی خاندان نے تعمیر کیے تھے اور 1820ء تک موجود تھے۔ دریائے نیل کے مغربی کنارے کی ڈھلوان چٹانوں کے سلسلے پر فراعنہ کے چھٹے اور بارہویں شاہی خاندانوں کے بادشاہوں کے مقبرے ہیں جو 1885ء 1886ء میں لارڈ گرنفل Lord Grenfell نے برآمد کیے تھے۔ رومنوں کے عہد میں یہ شہر صحرائی قبائل کے حملوں کے خلاف ایک حفاظتی چوکی کا کام دیتا تھا۔ عیسائیت کے ابتدائی زمانے ہی میں اسوان قبطی عیسائیوں کا مرکز بن گیا تھا اس علاقے میں قبطی خانقاہوں کے کھنڈروں کے آثار پائے جاتے ہیں۔

اسوان کے مقام پر بند کی تعمیر 1902ء میں مکمل ہوئی تھی مگر یہ بند بھی مصر کی بڑھتی

Marfat.com

ہوئی ضروریات کو پورا نہ کرسکا جس کی وجہ سے اسوان کے جنوب میں ایک اور عظیم الشان بند تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا گیا جس سے ملحق مصنوعی جھیل دنیا کی سب سے بڑی مصنوعی جھیل ثابت ہوئی۔ اسے سد عالی یا ''ہرم جدید'' کا نام دیا جاتا ہے۔

پورٹ سعید:

بحیرہ روم کے کنارے نہر سویز کے شمال مدخل پر مصر کا مشہور شہر اور بندرگاہ پورٹ سعید واقع ہے۔ یہ شہر مصر کا ایک جدید شہر ہے اور نہر سویز کے تعمیر کے وقت آباد ہوا تھا۔ (1859ء) اس کا نام سعید پاشا کے نام پر ہے جو اس وقت مصر کا خدیو تھا۔

دمیاط، Damietaa:

زیریں مصر کا ایک شہر جو دریائے نیل کی مشرقی شاخ پر اس کے دہانے کے قریب واقع ہے۔ دمیاط کو جو فتح اسلام سے پہلے ایک اہم شہر تھا، مقدادؓ بن الاسود کی قیادت میں ایک اسلامی فوج نے تسخیر کیا تھا، جسے عمرو بن العاص نے بھیجا تھا۔ مسلمانوں میں قبضے میں آنے کے بعد اس شہر کو بار بار بحری حملوں کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ حملے پہلے بازنطینیوں کی طرف سے ہوئے اور پھر صلیبیوں کی طرف سے۔

جون 853ء میں ایک بازنطینی حملے کے بعد عباسی خلیفہ المتوکل نے دمیاط کے مقام پر ایک قلعہ تعمیر کرنے کا حکم دیا تھا۔ عہد ایوبی میں اس شہر کو صلیبیوں اور مسلمانوں کے باہمی جنگوں میں دمیاط کو کلید مصر کی حیثیت سے خصوصی اہمیت حاصل رہی۔ جن دنوں صلاح الدین ایوبی وزیر مصر تھا صلیبیوں نے امالرک اول Amalric-1 شاہ بیت المقدس کی کمان میں دمیاط کا محاصرہ کرلیا تھا۔ لیکن دسمبر 1169ء میں اسے پسپاہ کر دیا گیا تھا۔ 1221ء میں صلیبی اس شہر پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ بالآخر ملک الکامل نے انہیں ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا تھا۔ جون 1249 میں ملک الصالح کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے لوئی Louis نہم نے دمیاط فتح کر لیا تھا لیکن بعد ازاں لوئی کے سپر انداز ہونے کے بعد یہاں مسلمانوں کا قبضہ بحال ہو گیا۔ بحری مملوکوں کے عہد میں دمیاط کی عسکری اہمیت کو ختم کر دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ 1251ء میں

Marfat.com

مسجد کے سوا فصیل اور سارے کا سارا شہر منہدم کر دیا گیا۔ 1260ء میں دریا کا دہانہ سمندر کی جانب جانے والے جہازوں پر بند کر دیا گیا۔ مگر بہت جلد پرانے قصبے کے جنوب میں ایک نیا شہر وجود میں آ گیا۔ جو دمیاط ہی کے نام سے مشہور ہوا۔ دور ممالیک اور عثمانی سلاطین کے عہد میں دمیاط کو مقام جلاوطنی کی حیثیت بھی حاصل رہی۔

القاہرہ:

مصر کا عظیم شہر اور دارالحکومت یہ 30 درجے 6 ثانیے عرض البلد شمالی اور 31 درجے 26 ثانیے طول البلد مشرقی پر دریائے نیل کا دہانہ شروع ہونے سے پہلے 13 میل میل اوپر کی جانب اس مقام پر واقع ہے جہاں المقطم کی پہاڑیاں دریائے نیل کے قریب ہیں۔ یہ مقام جنگی لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ بالائی مصر کو جانے والے راستے اس کی زد میں آتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ قدیم زمانے ہی سے آباد اور مستحکم ہے۔ خصوصی اہمیت اسے عربوں کی فتح مصر کے بعد حاصل ہوئی جبکہ عربوں نے الفسطاط کی بڑی عسکری چھاؤنی یہاں قائم کی پھر آئندہ صدیوں میں اس کے ساتھ دوسری بستیاں اور محلے ملحق ہوتے چلے گئے۔ خاص القاہرہ کی بنیاد 969ء میں فاطمیوں کے عہد میں رکھی گئی۔ یہ فاطمیوں کا دارالحکومت تھا۔ امتداد زمانہ سے اب شہر کے کچھ بیرونی حصے ناپید ہو گئے ہیں اور ان کی جگہ دوسرے نئے حصے وجود میں آ گئے ہیں۔ قدیم قاہرہ (مصر العتیقہ) میں ابھی تک قدیم شہر الفسطاط کے آثار پائے جاتے ہیں۔

عربوں کی فتح کیوقت تاریخیں بتاتی ہیں کہ قاہرہ کے میدان کے شمال میں Helio Polis□ کا شہر تھا، جسے عرب عین الشمس کہتے ہیں۔ اس کے آثار آج بھی اس کے وجود کی شہادت دیتے ہیں۔ اس میدان کے جنوب میں بابلیوں کا حصار تھا۔ پھر فتح اسلام کے بعد جب الفسطاط کی عسکری چھاؤنی بنائی گئی تو بابلیوں کی بستیاں اس میں شامل کر دی گئیں۔

فاطمی شہر، مصر القاہرہ:

جدید قاہرہ اصل میں مصر الفسطاط کے عظیم دارالحکومت کے شمال میں صرف ایک عسکری مرکز تھا۔ جب فاطمیوں نے دیکھا کہ مصر میں اخشیدیوں کی حالت روبہ زوال ہو گئی ہے تو انہوں نے مصر پر قبضہ کرنے کی اپنی پرانی خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے 11 شعبان

Marfat.com

358ھ/ یکم جولائی 969ء کو الفسطاط پر قبضہ کر لیا۔ 9 جولائی تک تمام فاطمی افواج اسکے گرد ہو گئیں تو فاطمی خلیفہ نے ایک نیا شہر آباد کرنے کا حکم بھیجا۔ پھر شہر کی تعمیر کے انتظامات مکمل ہونے کے بعد فاطمی خلیفہ المصر بذات خود مصر آیا اور نجومیوں کی بتائی ہوئی ساعت پر اس نے ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی۔ اسی بناء پر اس شہر کا نام القاہرہ المعزیہ ہو گیا۔

جامع الازہر:

قاہرہ کی تاسیس کے بعد ایک اہم عمارت کی تاسیس ہوئی یہ قاہرہ کی علمی اور مذہبی زندگی کا مرکز جامع الازہر تھی، جس میں پہلی باجماعت نماز 7 رمضان 361ھ/ 30 اکتوبر 971ء کو ادا کی گئی۔ جامع الازہر کی تعمیر کا کام فاطمی خلیفہ العزیز کے عہد حکومت میں شروع ہوا تھا اسکی تکمیل اس کے جانشین الحاکم کے عہد میں ہوئی اسی وجہ سے یہ مسجد الحاکم بھی کہلائی۔ اس کی تعمیر 1002ء سے 10112ء عیسوی تک جاری رہی۔ اس کی تاسیس فاطمی سپہ سالار جوہر صقلی کے ہاتھوں 970ء میں ہوئی تھی۔ ایک زلزلے کا شکار ہو جانے کے بعد اسے بیبرس ثانی نے 703ھ/ 303ء میں مکمل طور پر از سر نو تعمیر کیا اور اس میں میناروں کا اضافہ کیا۔ دنیا کی یہ عظیم ترین اور قدیم ترین اسلامی درس گاہ آج بھی قاہرہ کے مغرب میں دریائے نیل کے ایک جانب واقع ہے۔ یہاں دنیا بھر سے مسلمان طلباء عربی اور اسلامیات کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے آتے ہیں۔ جامعہ الازہر میں زیر تعلیم طلباء کی تعداد چالیس ہزار سے زائد ہوتی ہے۔ جامعہ کے طلباء اور پروفیسروں کا لباس مخصوص ہے اور درس و تدریس کے وقت لازمی پہننا پڑتا ہے۔ یہاں ابتداء میں اسمٰعیلی مکتب فکر کے مطابق دینی تعلیم کا انتظام کیا گیا تھا، لیکن بعد ازاں یہ اہل سنت و جماعت کے تعلیمی مرکز میں بدل گئی۔ یہ مسجد 88000 مربع فٹ پر محیط ہے۔ اس کے پانچ مینار ہیں، چھ دروازے اور تین سو سنگ مرمر کے ستون ہیں، جامعہ کا سربراہ شیخ کہلاتا ہے۔

قاہرہ کی وجہ تسمیہ:

کہتے ہیں کہ قاہرہ کی وجہ تسمیہ بھی بڑی دلچسپ ہے۔ جس روز قاہرہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا تھا اس دن فاطمی خلیفہ المعز کے مشہور سپہ سالار جوہر صقلی نے مصر کے ایک معروف ماہر نجوم کو

Marfat.com

ایک بلند و بالا مچان پر کھڑا کر دیا تھا اور جہاں سنگ بنیاد رکھنا تھا وہاں ایک رسی میں گھنٹیاں لٹکا دی گئیں تا کہ جب اس نجومی کی بتائی ہوئی نیک ساعت آئے تو وہ رسی ہلا کر گھنٹیاں بجا دے اور گھنٹیاں بجنے کے ساتھ ہی شہر کا سنگ بنیاد رکھ دیا جائے۔ اتفاق سے وقت مقررہ پر ایک کوا ادھر آ نکلا اور وہ گھنٹیوں والی رسی میں الجھ گیا اس کوے کے پھڑ پھڑانے کی وجہ سے گھنٹیاں خود بخود بجنے لگیں۔ اسی وقت سیارہ مریخ جسے عربی زبان میں "قاہر" کہتے ہیں عین سامنے آ گیا۔ چونکہ مریخ کو قدیم زمانے سے جنگ اور جدال کی علامت سمجھا جاتا تھا اس لیے نجومی اسے دیکھ کر چلا اٹھا، القاہر، القاہرہ یعنی مریخ سامنے ہے ابھی بنیادیں نہ رکھو مگر اب دیر ہو چکی تھی۔ بلکہ ستم ظریفی کی انتہا یہ ہوئی کہ شہر القاہرہ القاہر چلانے کی وجہ سے بھی القاہرہ کہلایا۔

القاہرہ کے تاریخی آثار:

آج کے قاہرہ میں جدید اور قدیم عمارات پہلو بہ پہلو کھڑی نظر آتی ہیں۔ قاہرہ کی یادگار عمارتوں میں جامع ابن طولون، مسجد سلطان حسن، مسجد المعید، مسجد الاسحاق، قلعہ سلطان صلاح الدین ایوبی، قاہرہ کا مینار، عبدین محل، مصری عجائب گھر، قبطی عجائب گھر اور اسلامی فنون لطیفہ کا عجائب گھر، برقوق اور کلاڈن کا قلعہ خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔

جامع ابن طولون:

احمد بن طولون ترکی الاصل مصر کا حکم تھا۔ (835ء...... 844ء) سامراء میں پیدا ہوا۔ عباسی خلفاء نے اسے مصر کا حاکم مقرر کیا تھا۔ اس نے آزاد دولت طولونیہ کی بنیاد رکھی اور شام بھی فتح کر لیا تھا۔ مصر میں ابن طولون کی واحد یادگار جامع ابن طولون ہے۔ یہ جامع فسطاط کے بعد قاہرہ کی سب سے قدیم مسجد ہے۔ احمد بن طولون نے یہ مسجد 870ء میں تعمیر کروائی تھی۔ مسجد کا رقبہ تقریباً چار ایکڑ پر محیط ہے۔ اس کی عمارت بہت مستحکم ہے۔ مسقف 100x100 فٹ، دائیں بائیں بھی رواق ہیں۔ اذان کے لیے ایک بلند منارہ بھی موجود ہے۔

جامع الحاکم:

قاہرہ کی تاسیس کے چند سال بعد خلیفہ الحاکم نے ایک بڑی مسجد تعمیر کرائی تھی جو جامع

Marfat.com

الحاکم کہلائی۔ اس کی پیمائش 133x120 میٹر تھی۔ اس کی بیرونی دیواروں میں معمولی سا مسالا لگایا گیا تھا۔ یہ دیواریں 11.74 میٹر بلند تھیں۔ ان کے اوپر سوراخ دار کنگرے رکھے گئے تھے۔ سب سے بڑی روکار کے وسط میں ایک عظیم اور مضبوط دروازہ ہے جو براہ راست مہدیہ کے دروازے سے ملفوظ ہے۔ اس مسجد کے دو مینار 393ھ میں تعمیر کیے گئے تھے۔ یہ روکاروں کے سرے سے آگے کو نکلے ہوئے ہیں۔

جامع الاقمر:

قاہرہ کی یہ مسجد سب سے پہلی مسجد ہے جس کی روکار بڑی محنت سے آراستہ کی گئی ہے۔ یہ مسجد 519ھ میں تعمیر کی گئی تھی۔ یہ مسجد اس لحاظ سے اہم ہے کہ یہ قاہرہ کی پہلی مسجد ہے جس کی روکار بازار کے رخ پر بنی ہوئی ہے۔ حالانکہ اندرونی محور مکہ مکرمہ کی سمت میں قائم ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بیرونی روکار اندرونی حصے سے کوئی 21 درجے منحرف ہوگئی ہے۔

قلعہ صلاح الدین ایوبی:

(بالا حصار) یہ قلعہ دو احاطوں پر مشتمل تھا۔ ایک شمالی احاطہ اور دوسرا جنوبی احاطہ یا قصر شاہی۔ صلاح الدین کے بعد اس احاطے میں مسلسل اضافے ہوتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس میں صلاح الدین کے تعمیری کام کا کوئی نشان باقی نہ رہا۔ شمالی احاطہ عسکری مقاصد کے لیے تعمیر کیا گیا تھا اور چونے کے پتھر کا بنا ہوا تھا۔ اس کی پیمائش 317x560 ہے۔ اس میں کوئی سات فٹ موٹی حجابی دیوار ہے، جس کی اندرونی غلام گردش کو 50 انچ چوڑی اور 650 فٹ لمبی ہے۔ اس قلعے کا ایک دروازہ باب المدرج کہلاتا ہے، جس میں قاہرہ کی طرف سے قلعے میں داخل ہوا جاتا ہے۔ اس پر کتبہ تاریخ لگا ہوا ہے۔ جس پر 579ھ/1183ء کندہ ہے۔ قلعے کے باقی دو دروازے بھی خمیدہ ہیں جن میں سے گزرتے وقت زاویہ قائمہ بنانا پڑتا ہے۔ صلاح الدین کے بھائی اور جانشین ملک العادل نے اس قلعہ کو مزید مضبوط اور مستحکم بنایا تھا۔ اور چار عظیم برج تعمیر کیے، جن میں سے ہر ایک کا رقبہ 60 مربع گز کے لگ بھگ ہے۔ ان میں سے صلاح الدین کی تعمیر کردہ فصیل پر گھوڑے کی زین کی طرح ایستادہ ہیں۔ المقریزی کے مطابق ملک

Marfat.com

العادل کا یہ کام 1208ء میں پایہ تکمیل کو پہنچا تھا۔ اس قلعے میں سنگ مرمر سے تعمیر کردہ ایک خوبصورت مسجد بھی ہے۔

مقبرہ امام شافعی:

صلاح الدین کے ایک اور جانشین ملک الکامل نے امام شافعیؒ (820ء) کا مقبرہ تعمیر کیا تھا جو مصر کے حسین ترین مقبروں میں شمار ہوتا ہے۔ اس مقبرے کی دیواریں کوئی سات فٹ کے قریب موٹی ہیں جو کسی سنگی یا خشتی گنبد کو سنبھالنے کے لیے کافی تھیں مگر اس پر لکڑی کا گنبد تعمیر کیا گیا ہے۔ باہر سے یہ عمارت دو منزلہ ہے۔ اس مقبرے کی اندرونی وسعت اور کثرت آرائش دیکھ کر سیاح ششدر رہ جاتا ہے۔

قاہرہ کے محلات:

خوش قسمتی سے قاہرہ کے قدیم محلات میں سے کئی ایک ابھی موجود ہیں۔ قاہرہ میں اب تک کسی مکان کا جو قدیم ترین حصہ موجود ہے وہ ایک قاعۃ ہے، جسے قاعۃ الاردیر کہتے ہیں۔ یہ قاعۃ پانچویں صدی ہجری کے آخر یا چھٹی صدی ہجری کے اوائل سے تعلق رکھتا ہے۔

قاہرہ کے انہیں قدیم محلوں میں ایک محل امیر بشتاک کا ہے جس میں 739ھ کی تعمیری تختی لگی ہوئی ہے۔

لوگوں کے رہنے سہنے کے محلات اور مکانات شاذ و نادر ہی دو منزلہ سے زیادہ ہوتے تھے۔ زیریں حصے میں "سلام علیک" یعنی مردانہ اور بالائی منزل میں "حریم" یعنی زنان خانہ ہوتا تھا۔

عبدین محل:

یہ محل 1874ء میں مکمل ہوا اور یہ خدیو مصر نے تعمیر کرایا تھا۔ اس محل میں بازنطینی ہال، تخت کا کمرہ اور نہر سویز نامی کمرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اہرام مصر:

یہ مصر میں فن تعمیر کے قدیم ترین نمونے ہیں۔ ان میں فراعنہ کی نعشیں محفوظ کی گئیں ہیں یہ دنیا کے قدیم ترین انسانی فن تعمیر سے تعلق رکھتے ہیں۔

Marfat.com

عراق

العراق یا میسو پتامیہ Mesopotamia:

میسو پتامیہ جو عراق کا قدیم نام ہے۔ اس کے معنی ''دو دریاؤں کے درمیان کی سرزمین'' ہیں۔ چونکہ عراق مشرق وسطیٰ کے دو مشہور دریاؤں دریائے دجلہ اور دریائے فرات کے درمیان واقع ہے۔ اس لیے میسو پتامیہ کہلاتا تھا۔

محل وقوع:

جنوب مغربی ایشیا کے اس ملک کے شمال میں ترکی، مشرق میں ایران، جنوب مشرق میں خلیج فارس، جنوب میں کویت اور سعودی عرب جبکہ مغرب میں اردن اور شام واقع ہیں۔

جغرافیائی نقطہ نظر سے عراق اپنی موجودہ حیثیت میں ایک پل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو دنیا کے تین براعظموں افریقہ، ایشیا اور یورپ سے آنے والے راستوں کو باہم ملاتا ہے۔ عراق شمالاً 530 میل لمبا اور شرقاً غرباً 495 میل چوڑا ملک ہے۔ عراق جغرافیائی اعتبار سے ایک ہموار میدانی ملک ہے جو مغرب میں دشت شام سے، جنوب میں عرب کے لق و دق صحرائی علاقوں نیز خلیج ایران کے شمالی ساحل، مشرق میں جبل حمرین Zagros سے اور شمال میں الانبار سے تکریت تک کھنچے ہوئے خط سے گھرا ہوا ہے۔ یہ شمالی سرحد اس بلند سطح زمین کے علاقے کو ظاہر کرتی ہے جہاں قدیم ترین زمانے میں خشک زمین ختم ہو جاتی تھی۔ اس کے جنوب میں دریاؤں کا ایک جال بچھا ہوا ہے۔ جن میں دجلہ اور فرات مشہور ترین ہیں۔ یہ وہی علاقہ ہے جو زمانہ قدیم میں ''بین النہرین'' (دوآبہ) کہلاتا تھا۔ اس کی زیادہ تر آبادی دجلہ اور فرات کے کناروں پر مرتکز ہے۔ اس کے دونوں عظیم دریا دجلہ اور فرات تاریخ انسانیت کے مشہور ترین دریا ہیں۔ یہ دونوں شمالی چوٹیوں سے بہتے ہوئے نیچے میدانی علاقوں میں اترتے ہیں۔

Marfat.com

تاریخ قدیم:

میسوپٹامیہ دنیا کا وہ خطہ زمین ہے جہاں انسانی تہذیب وتمدن نے آنکھ کھولی تھی۔ یہ زمانہ قدیم سے انسانی فہم وفراست کا سرچشمہ چلا آتا ہے۔ دنیا کے اولین مہذب انسانوں نے اسی خطہ زمین میں بود وباش اختیار کی تھی۔ بغداد کے قومی عجائب گھر میں بنی نوع انسان کے ابتائی دور کے اثار محفوظ تھے۔ یہاں سمیری اور عکادی تمدنوں کا زمانہ محققین نے 2350 ق م سے 2159 ق م کے درمیان کا بتایا ہے۔ عراق کی تاریخ وتمدنی کڑیوں میں ایک کڑی بابل ہے جس کے عروج کا زمانہ 1894ء ق م سے 1594 ق م کے درمیان کا بتایا گیا ہے۔ بابلیوں نے تین صدیوں تک ملک پر حکومت کی۔ پھر آشوریوں (1000 ق م) ان کی جگہ لے لی۔ انہوں نے بنی نوع انسان کے علم تعمیرات وآبپاشی میں گراں قدر اضافہ کیا جبکہ بابلیوں نے علوم نجوم، سائنس وریاضی میں ابتداء کی تھی۔ آشوریوں کے ممتاز بادشاہ سنحریب اور آشور بنی پال تھے۔ ان کے دارالحکومت نینوا پر کالدانی شہزادہ بنوپولاسر اور اس کے بیٹے بخت نصر نے 612 ق م سے حکومت کی ابتداء کی یہ عراق میں کلدانی سلطنت کے طلوع کا زمانہ تھا۔ اس قدیم سلطنت کا سورج 539 ق م تک چمکتا رہا۔ یاد رہے کلدانی حکمران بخت نصر نے یروشلم اور ہیکل سلیمانی کو تاراج کیا تھا۔ کلدانیوں کو ایران کے بادشاہ سائرس دی گریٹ نے شکست دی جس کے بعد وہ صفحہ ہستی سے مٹ گئے۔ ایران کے ہنی منشی سلطنت کو سکندر اعظم نے برباد کیا جس کے بعد عراق پر غیر ملکی یونانی حکومت قائم ہوگئی۔ سکندر اعظم کے جانشینوں کی قائم کردہ یہ سلطنت اشکانی Parthay کہلاتی ہے۔ یاد رہے یونانیوں نے عراق کو مسیو پوٹامیہ کا نام دیا تھا۔

غیر ملکی پارتھی حکمرانوں کو ایران کے ساسانیوں نے شکست دیکر ایک نئی قومی ساسانی سلطنت قائم کی (226ء)۔ عراق کا کچھ حصہ مشہور زمانہ رومی سلطنت کا بھی حصہ رہا۔ 632ء تک عراق پر ساسانی بادشاہوں کی حکمرانی رہی۔ تیسری صدی عیسوی سے جنوبی عرب کے لخمی دریائے فرات کی وادی میں واقع ریاست حیرہ کے حکمران تھے۔

مسلمان عراق میں:

مسلمانوں نے عراق پر پہلا حملہ حضرت ابوبکرؓ صدیق کے عہد میں حضرت خالدؓ بن

Marfat.com

ولید کی قیادت میں ساسانی حکومت پر 632ء میں کیا۔ جس کے صرف پانچ سال بعد مسلمان پورے عراق پر چھا گئے۔ 637ء میں حضرت سعد بن ابی وقاص نے عراق پر حملہ کیا اور ساسانی شہنشاہ یزدگرد کو قادسیہ کے میدان میں فیصلہ کن شکست دی۔ 641ء میں مسلمانوں نے نینوا اور موصل فتح کر لی۔ 642ء میں جنگ نہاوند میں مسلمانوں نے ساسانیوں پر آخری ضرب لگائی جس نے ساسانی سلطنت کو پاش پاش کر دیا۔ مسلمانوں کی اس عظیم فتح کے بعد عراق میں ایسی اسلامی حکومت قائم ہوئی جس نے عراق کی پوری تاریخ بدل کر رکھ دی۔ جلد ہی دنیائے عرب کے بعد عراق اسلام کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔ عربوں نے بڑی دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے عراق میں ایک 400 میل لمبا عسکری مرکز قائم کیا جس کی مشرقی اور مغربی سرحدوں پر بصرے اور کوفہ کی عسکری چھاؤنیاں قائم کی گئیں۔ اسلام کی نوزائیدہ سلطنت کے اس حصے کے انتظام کے بارے میں خلیفہ راشد حضرت عمرؓ نے بے حد توجہ صرف کی اور کوفہ اور بصرہ میں علیحدہ علیحدہ عامل مقرر فرمائے۔ ابتداء میں حضرت سعدؓ بن وقاص کو کوفے کا عامل مقرر کیا گیا۔ لیکن ہمیشہ شاکی رہنے والے کوفیوں کی درخواست پر ان کی جگہ حضرت عمارؓ بن یاسر کو یہاں کا عامل بنا کر بھیجا گیا، مگر وہ بھی اس عہدے کی ذمہ داریوں سے نبرد آزما نہ ہو سکے اور ان کی جگہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کو عامل بنایا گیا۔ آخر میں حضرت سعدؓ کو دوبارہ یہ عہدہ تفویض کیا گیا۔ عہد راشدہ میں حضرت علیؓ نے کوفہ کا گورنر عمر رسیدہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو بنایا تھا جو حضرت معاویہؓ سے جنگ صفین کا جھگڑا نمٹانے کے لیے حکم مقرر کئے گئے تھے۔

عہد بنو امیہ میں عراق کی بجائے شام کو حکومت کا مستقر بنایا گیا تھا جبکہ خلفائے بنو عباس مسند آرائے خلافت ہوئے تو انہوں نے عراق کو اپنی سلطنت کا مستقر قرار دیا۔ 762ء میں دوسرے عباسی خلیفہ جعفر المنصور نے بغداد شہر آباد کیا جو اگلے پانچ سو سال تک خلافت اسلامیہ کا مستقر بنا رہا۔ بغداد کے قریب عراق میں خلیفہ المعتصم باللہ نے 836ء میں ایک نئے دارالخلافہ سامرہ کی بنیاد رکھی اور کچھ عرصے کے لیے دارالخلافہ بغداد سے وہاں منتقل کر دیا۔ بغداد مسلمانوں کا ایک بڑا علمی مرکز بھی تھا جہاں پوری اسلامی دنیا سے اہل علم، مفکر اور دانش مند کھنچ کر یہاں چلے آئے تھے۔ خلیفہ ہارون الرشید عباسی اور مامون الرشید کے عہد میں بغداد اور پورے

Marfat.com

عراق میں بڑی علمی ترقی ہوئی۔ اسی عہد میں قدیم یونانی افکار و فلسفہ اور سائنس کو یونانی سے عربی میں منتقل کیا گیا۔ بنی نوع انسان کو خلیفہ مامون الرشید کا ممنون ہوا چاہیے کہ اس نے تاریخ انسانی کے سب سے قیمتی افکار کو عربی زبان میں محفوظ کیا۔ جس سے وہ دوبارہ مغرب تک پہنچے۔ فروری 1258ء میں تاتاری حملہ آور ہلاکو خان نے بغداد جیسے اسلامی علمی مرکز کو نیست و نابود کر دیا جو تاریخ انسانی کا سب سے بدترین واقعہ ہے لیکن اسی واقعہ کو اکیسویں صدی میں امریکہ بہادر نے دُہرایا۔

سولہویں صدی عیسوی میں عراق عثمانی ترکوں کے زیر انتداب آیا اور بیسویں صدی کے آغاز میں رونما ہونے والی پہلی جنگ عظیم تک انہیں کے زیر اقتدار رہا۔ جنگ عظیم اول میں ترکوں کی شکست کے بعد عراق پر برطانیہ کا قبضہ ہو گیا جنہوں نے 1921ء میں فیصل اول کو عراق کا بادشاہ بنا دیا جس نے برطانوی انتداب کو قبول کر لیا جس یہ سے برطانوی انتداب 1932ء تک قائم رہا۔ دوسری عالمی جنگ کے آغاز میں عراق پر برطانیہ کے حامیوں کی حکومت تھی۔ 1943ء میں عراق نے جرمنی اور جاپان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا، لیکن اندرونی طور پر برطانیہ کی مخالفت بھی قائم رہی۔ عراق کی تیل کی صنعت پر برطانیہ کے قبضے نے ملک میں برطانیہ کی مخالفت کو تیز تر کر دیا، حتیٰ کہ جولائی 1958ء میں جنرل عبدالکریم قاسم ایک فوجی انقلاب کے ذریعے حکومت کا تختہ الٹنے میں کامیاب ہو گئے اس کے بعد عراق میں کئی اور انقلاب بپا ہوئے جن کے آخر میں صدام حسین عراق کے صدر بن گئے۔ جون 1979ء سے 2001ء تک صدام حسین صاحب صدر کی حیثیت حکومت کرتے رہے۔ آخر میں اپنی غیر دانشمندانہ حکمت عملیوں کی وجہ سے ملک پر امریکہ بہادر اور ان کے اتحادیوں کا قبضہ کرا بیٹھے۔ مندرجہ ذیل سطور تحریر کرنے تک امریکہ بہادر عراق پر مسلط ہے اور ابھی اس غیر ملکی انتداب سے عراق کے آزاد ہونے کی کوئی راہ دکھائی نہیں دیتی۔

Marfat.com

دریائے فرات

عراق کا مشہور دریا، اسے انگریزی زبان میں Euphrates اور جسے قدیم سمیری زبان میں بورانونو، آشوری میں پوراتو اور عبرانی میں فراتکہتے ہیں۔ جنوب مغربی ایشیا کا یہ دریا مشرقی ترکی سے نکل کر شام سے گزرتا ہوا عراق تک تقریباً 1675 میل لمبا ہے۔ وہاں ریائے دجلہ سے مل کر دریائے شط العرب (طول 130 میل) بناتا ہے۔ زیریں حصہ عراق میں کھجور کے باغات کو سیراب کرتا ہے۔ دجلہ فرات دنیا کی قدیم تہذیب کے اس گھوارے کو سیراب کرتے ہیں۔ جو "بین النہرین" کے نام سے مشہور ہے۔

عرب جغرافیہ دان فرات کے ایک شمالی معاون دریا ہی کو اس کا حقیقی بالائی حصہ تصور کرتے ہیں۔ یہ قالیقلا (صارزم روم، ترکی) کے علاقے میں فردخس نامی ایک پہاڑ سے نکلتا ہے۔ دریا کے بالائی حصے کی کیفیت ابن سراپیون نے نہایت خوبی سے بیان کی ہے۔

کمخ سے نیچے مغرب کی سمت سے فرات میں نہر لوقیہ اور نہر ابریق اور نہر انجا آ گرتی ہیں۔ موخر الذکر معاون کے دہانے سے نیچے مغربی فرات مشرقی فرات یعنی نہر ارسناس سے مل گیا ہے جو طرون Taraunitis سے نکلا ہے۔ اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر نہر الذئب اور نہر سلقط Tomaschek کے نزدیک پیری صو اور سنگت آملتی ہیں۔ ان دونوں معاونوں کے اتحاد سے جو دریا بنتا ہے وہ جب موشیر طاغ، خلیل الظاہری کے پاس سے گزرتا ہے تو مغرب کی طرف سے اس میں نہر جر جاریہ جو خرشنہ کے نواح سے آتی ہے مل جاتی ہے اور آگے چل کر نہر قباقب یعنی توخمہ سواسی دوسرے معاون میں شامل ہو جاتی ہے۔ مشہور و معروف قنطرۃ القباقب واقع ہے یعنی موجودہ قرق گوز کوپرو (چالیس آنکھیں والا پل) بہر حال عراق پہنچ کر یہ دریا وسط کے قریب دریائے دجلہ سے جا ملتا ہے۔ دریائے فرات کی تاریخ ازمنہ وسطیٰ اور متوسطہ میں بہت مبہم ہے۔ بلکہ زمانہ حال میں بھی اس نے اپنے بہاؤ میں جو تبدیلیاں کی ہیں ان کے متعلق بھی

Marfat.com

ہمیں بہت کم معلومات حاصل ہیں۔اس کے باوجود عراق کی تاریخ اس دریا کی تاریخ ہے۔اس کے کنارے ہی دنیا کی اولین تہذیب نے جنم لیا۔اس کے کنارے کئی شوکتوں اور تہذیبوں کے آفتاب طلوع ہو کر غروب ہوئے۔اس دریا نے سمیر، بابل، ونینوا اور کلدانیہ کی تہذیبیں اور سلطنتیں دیکھیں۔اسی درا کے کنارے سکندر اعظم نے دم توڑا اور یہیں ہارون الرشید سریر آرائے سلطنت ہوا۔اسی دریا کے کنارے تاریخ اسلام کا عظیم سانحہ، سانحہ کربلا رونما ہوا۔اس دریا کو قدیم زمانے سے اہمیت حاصل رہی ہے۔

Marfat.com

دریائے دجلہ

عراق کا یہ مشہور دریا بھی مشرقی ترکی ہی سے نکلتا ہے اور دریائے فرات ہی کے لگ بھگ سفر کرتا ہوا 1150 میل کا سفر طے کر کے عراق میں سے گزرتا ہوا فرات سے مل جاتا ہے۔
نینوا اور مدائن (طیسفون) کے قدیم شہر اسی کے کنارے واقع ہیں۔ بغداد بھی اسی دریا کے کنارے آباد ہوا۔ اس دریا کا نام ہمیشہ عربی ''ال'' کے بغیر لکھا جاتا ہے۔ توریت کی کتاب پیدائش میں اس دریا کو ''حدقل'' لکھا گیا ہے۔ یہ دریا جدید ترکی میں دقل نہری کے مقام واقع سلسلہ کوہ طارس □Tourus کی جنوبی ڈھلانوں سے نکلتا ہے (کردستان) جھیل کلچوک کے جنوب اور جنوب مشرق میں اس کی بالائی شاخ ان سب معاونوں کے ساتھ جن سے اس کی ترکیب ہوئی ہے، دامن کوہ اور میدان کے ایک وسیع علاقے کے بیکار پانی کو بہا کر لے جاتی ہے۔ عہد عباسیہ کا صوبہ جزیرہ اسی علاقے کے جنوبی حصے میں مشتمل تھا۔ جس میں عمید (جدید دیار بکر) میافارقین اور بہت سے دوسرے شہر آباد تھے۔ خان بور کے جنوب میں دریائے الزاب اعظم تک کوئی بڑا معاون اس میں نہیں ملتا، یعنی موصل اسے بڑے شہر سے تیس میل اور آگے جو بجائے خود ایک ساسانی شہر تھا اور جسے بنوامیہ کی خلافت میں خوب خوب ترقی ملی تھی۔

دریائے الزاب الاعظم سے جو کچھ تو کوہ پائے حکاری اور کچھ ان پہاڑوں سے نکلتا ہے جن سے ایران اور عراق کے درمیان سرحد کی تشکیل ہوتی ہے، دریائے دجلہ کے پانی میں بہت اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہی کچھ دریائے الزاب الاصغر کے بارے میں کہہ سکتے ہیں۔ عہد عباسیہ میں اس دریا کا راستہ اس کی موجود گزرگاہ سے کوئی پانچ سے بارہ میل مغرب کی طرف واقع تھا۔ سامرا سے جنوب میں ایک مقام سے لے کر بغداد سے کچھ دور شمال تک (یعنی ستر میل تک) جب قادسیہ، العلث، عکبرا اور رشیدیہ کے شہر اس کے ساتھ ساتھ آباد تھے۔ آب پاشی کے لیے کئی ایک سیلابی ندیاں بھی دریا کے اسی حصے سے نکالی گئی تھیں۔ ساتویں صدی ہجری/

Marfat.com

تیرہویں صدی عیسوی میں اس دریا کا نام "شطیط" ہوگیا، یعنی ننھا دریا۔ بغداد سے گزرتے ہوئے دریائے دجلہ پر کئی ایک جدید پل تعمیر کئے گئے ہیں، تا کہ شہر کی آبادی با آسانی ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکے۔ اعظمیہ اور کاظمیہ دریا کے آر پار آباد بغداد کے دو محلے ہیں۔ اعظمیہ میں حضرت امام ابوحنیفہ کا مزار ہے اور اس سے ملحقہ مسجد بغداد کی سب سے بڑی مسجد ہے۔ اس کے قریب ہی حنفیہ یونیورسٹی واقع ہے۔ دجلہ کے دوسرے کنارے پر بغداد میں حضرت امام موسیٰ کاظم اور امام ابو یوسف کے مزارات ہیں۔

Marfat.com

القادسیہ

عراق اور الجزیرہ کے متعدد مقامات کا نام قادسیہ ملتا ہے، لیکن سب سے مشہور وہ قادسیہ ہے جہاں عہد راشدہ میں حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں ایرانیوں سے فیصلہ کن جنگ لڑی گئی تھی۔

محل وقوع:

کچھ مدت پہلے تک القادسیہ کا صحیح محل وقوع معلوم نہیں تھا۔ زمانہ آغاز اسلام کے شہر اخیفر جو کوفے سے پچیس میل جنوب مغرب میں واقع تھا اور قادسیہ کو ایک ہی شہر سمجھا جاتا تھا۔ A-Musil جدید زمانے کا پہلا مغربی شخص تھا جس نے 1912ء میں تحقیق و تفتیش سلسلے میر عراق کے اس حصے کا سفر کرتے ہوئے القادسیہ کا اصل کے محل وقوع دریافت کیا تھا۔ موسل بتاتا ہے کہ العذیب کا چشمہ میسرز Mseyziz کی وادی سے نکلتا ہے۔ اس وادی کے بائیں کنارے پر ہمیں ایک دلدلی "ہور" کے کنارے الزادسجہ یا دار القاظی کے کھنڈر 31 درجے 5 دقیقے عرض بلد شمالی اور 44 درجے 8 دقیقے طول البلد مشرقی پر نجف کے عین جنوب میں کوفے سے تقریباً 19 میل دور واقع ہیں۔ یہی اصل قادسیہ کا محل وقوع ہے۔

ساسانی عہد حکومت میں سلطنت ایران کے ایک اہم سرحدی شہر کی حیثیت سے القادسیہ نے ایک اہم کردار ادا کیا تھا، لیکن اسے زیادہ شہرت اسلامی عہد میں ملی جبکہ اس کے مضافات میں فیصلہ کن جنگ قادسیہ لڑی گئی۔ اس جنگ سے عربوں نے دجلہ و فرات کی سرزمین پر اپنی دوسری عسکری مہم کا آغاز نہایت کامیاب طریقے سے کیا تھا۔ اسلامی لشکر کی قیادت حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کر رہے تھے اور افواج ایران ایرانی سپہ سالار رستم کے ماتحت لڑیں تھیں۔ متحارب افواج کی تعداد میں محققین کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ عرب فوج چھ ہزار سے اڑتیس ہزار کے درمیان اور ایرانی افواج کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تک بتائی گئی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تعداد کے اعتبار سے ایرانیوں کو مسلمانوں پر فوقیت حاصل تھی۔ اسی زمانے کے ایک ارمنی مؤرخ کے مطابق ایرانیوں کی تعداد 80 ہزار تھی جبکہ مسلمان نو یا دس ہزار تھے۔ لڑائی کے آخری مرحلے میں چھ ہزار مجاہدین کی جو کمک شام سے پہنچی تھی وہ اس کے علاوہ تھی۔ ارمنی مؤرخ کے

Marfat.com

اس اندازے کو محققین نے صحیح تسلیم کیا ہے۔

القادسیہ کے میدان میں کئی ہفتوں تک دونوں جانب کی افواج ایک دوسرے کی نقل و حرکت کا بغور معائنہ کرتی رہیں۔ اس کے بعد کہیں جا کر باقاعدہ طور پر جنگ شروع ہوئی۔ یہ جنگ مؤرخین کے مطابق تین یا چار روز جاری رہی۔ جب اس لڑائی کا فیصلہ ہونے کو تھا تو شام کی فوج نہایت تیزی سے راستہ طے کرتی ہوئیں عین وقت پر آ پہنچیں۔ پھر فتح نے عربوں کے پاؤں چومے۔ تاہم محققین کے مطابق عربوں کو یہ فتح سستے داموں حاصل نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ ان کی فوج میں مجاہدین کی بڑی تعداد نے ایرانی سپاہیوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا تھا۔ دوسری طرف ایرانیوں کو بھی بڑا بھاری جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ ایرانیوں کا سپہ سالار اعلیٰ گرفتار ہو گیا اور گھمسان کے رن میں مارا گیا۔ بہت سا مال غنیمت بھی فاتحین کے ہاتھ لگا جس میں ایرانیوں کا شاہی علم درفش، کاویانی بھی شامل تھا جو بہت قدیم زمانے سے ساسانی افواج کا علم چلا آ رہا تھا۔ نخویر گان کا خزانہ بھی عربوں کے ہاتھ لگا جو عورتوں کے بیش قیمت زیورات پر مشتمل تھا۔

القادسیہ کی فتح جس نے عرب مسلمانوں کو دریائے دجلہ کے مغرب میں سارے عراق کا مالک بنا دیا۔ اسلامی فتوحات کے عظیم الشان دور کا ایک نہایت شاندار واقعہ ہے اور تاریخ عالم میں دنیا میں ہونے والی فیصلہ کن جنگوں میں ایک اہم جنگ تسلیم کی جاتی ہے۔ اس نے مشرق قریب میں اسلامی اقتدار کی بنیاد رکھ دی تھی۔ اسے اس کی اہمیت کی وجہ سے لا مثال شہرت ملی، چنانچہ عرب شاعری میں بھی قادسیہ کی فتح کا ذکر اکثر آتا ہے۔

محققین اس بات پر متفق ہیں کہ لڑائی کی حتمی تاریخ کے متعلق وثوق کے قطعیت سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ مختلف مآخذ میں جو بیانات ملتے ہیں، ان میں یہ تاریخ 14ھ/ 635ء اور 16ھ/ 637ء کے درمیان ملتی ہے۔ البتہ یہ امر یقینی ہے کہ یہ جنگ موسم بہار میں ہوئی تھی اور بصرہ چھاؤنی کی بنیاد اس جنگ کے بعد رکھی گئی تھی۔ ایک مستشرق Wellhausen اپنی کتاب میں 15ھ/ 636ء کے حق میں فیصلہ دیا ہے جبکہ اس کے مقابلے میں ایک اور مشہور مستشرق کائتانی Caetani 16ھ/ 637ء کو ترجیح دیتا ہے۔ ارمنی مؤرخ اس جنگ کو حیرہ دردمتی میں Herthican کے نام سے پکارتے ہیں۔

Marfat.com

الحیرہ

کوفے سے تین میل کے فاصلے پر مغرب میں نجف اشرف کے جنوب مشرق کی جانب گھوڑے پر ایک گھنٹے کی مسافت پر نجف کی جھیل کے کنارے جواب خشک ہو چکی ہے، صحرا کے نزدیک الحیرہ واقع تھا جو عراق کے لخمی بادشاہوں کا دارالسلطنت تھا۔ الحیرہ ایک آرامی لفظ ہے جس کے معنی ''کیمپ'' یا ''چھاؤنی'' کے ہیں مگر ایک خاص شہر کے لیے استعمال ہو کر اس کا طلاق لخمی سرداروں کے (جو ایرانی سیادت میں تھے) اس مستقل شہر پر ہونے لگا جو بتدریج ترقی کرتا گیا۔ عربوں کی روایات کے مطابق حیرہ کی بنیاد بخت نصر بابلی کے عہد میں پڑی تھی مگر محققین اس کا صحیح طور پر تعین نہیں کر سکے۔ الحیرہ کے اسقفوں کا ذکر کلیسا کی ان مجلسوں میں ملتا ہے جو پانچویں صدی عیسوی میں منعقد ہوئی تھیں۔ اس کا محل وقوع بہت مناسب حال اور موزوں تھا کیونکہ نجف اور فرات کے درمیانی علاقے میں بہت سی نہریں ایک دوسرے کو قطع کرتی تھیں۔ یہ علاقہ بہت زرخیز تھا۔

یہاں کے لخمی بادشاہوں نے خود بھی بالآخر عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا۔ بادشاہ عمرو (550ء) کی والدہ نے شہر کے اندر ایک عیسائی خانقاہ کی بنیاد رکھی تھی۔ حیرہ کے قریب بہت سے قلعے اور محلات جن میں قصر ابیض جو ایک ایرانی بادشاہ نے بنوایا تھا مشہور تھا۔ ایک قلعہ ابن بکیلہ کا اور کلب کے عیسون کا قصر بھی اہم تھے۔ شہر کی مصنوعات میں حیرہ کے زیتون کا ذکر قدیم شعراء، امرؤالقیس اور نابغہ نے اپنی شاعری میں کیا ہے۔ یہ شہر اسلام سے پہلے تمدن کے ایک خاص معیار تک پہنچ گیا تھا اور یہاں کے بادشاہوں کے دربار میں شاعر جمع رہتے تھے۔ روایات میں آیا ہے کہ حیرہ کے لوگ فن کتابت سے بھی بخوبی آشنا تھے اور وہیں سے یہ فن پورے عرب میں پھیلا۔

ساسانی بادشاہ یزدگرد اول نے (399ء...... 420ء) نے اپنے بیٹے بہرام کو حیرہ کے عربوں کے پاس پرورش کے لیے بھیجا تھا۔ اس وقت حیرہ پر نعمان اول کی بادشاہت تھی۔

Marfat.com

420ء میں جب یزدگرداول کی موت پراس کے درباریوں اس کے چھوٹے بیٹے خسرو کو تخت پر بٹھادیا تو بہرام نے عربوں کی مدد سے تخت شاہی حاصل کرلیا۔اس کے عہد میں حیرہ کے عربوں کا دربار کسریٰ میں سرفراز ہونا قدرتی امر تھا۔

حیرہ کے بادشاہ نعمان سوم کی موت (602ء) کے بعد ایرانی بادشاہوں نے اپنی بے تدبیری سے لخمی باجگزار بادشاہوں کا نظام ختم کر کے وہاں ایرانی گورنر متعین کر دیا اور عرب سرداروں کو ان کے ماتحت کر دیا گیا تھا۔

حضرت خالدؓ کا حملہ:

633ء تک یہی نظام قائم تھا۔ جب حضرت خالدؓ بن ولید کی سرکردگی میں مسلمان فوج نے حیرہ پر حملہ کیا تو اس شہر نے بغیر جنگ کے ہتھیار ڈال دیئے اور ایک بہت بڑی رقم بطور خراج دینا منظور کرلی۔ اس کے بعد اس شہر کی اہمیت ختم ہوگئی۔ اگرچہ اس کے بعد ایک عرصہ تک یہ شہر موجود رہا۔ اس کا ذکر بھی کہیں کہیں ملتا ہے۔ عباسیوں کے عہد میں حیرہ کو سکونت کے لیے پسند نہیں کیا گیا اور کوفہ کی روزافزوں ترقی نے اس شہر کو پس پشت ڈال دیا۔ خلیفہ ہارون الرشید کچھ دنوں کے لیے حیرہ میں مقیم رہا تھا، وہاں اس نے عمارتیں بھی تعمیر کروائیں مگر اس سے کوفہ میں ناراضگی پھیل گئی اس لئے خلیفہ اس شہر کی اقامت چھوڑ گیا۔ مقتدر باللہ (908ء..... 932ء) کے زمانے میں بدویوں کے حملے سے سواد کے دوسرے مقامات کی طرح اسے بھی نقصان پہنچا، جہاں تک کہ حکومت کو وہاں ایک حفاظتی فوج بھیجنا پڑی۔ حیرہ کے بارے میں مؤرخین نے لکھا ہے کہ دسویں صدی عیسوی کے نصف آخر تک وہ بہت وسیع مگر بہت کم آباد تھا۔ پورے ضلع کے زوال وانحطاط کی وجہ سے بعد میں حیرہ پر اتنا سخت اثر پڑا کہ آخر میں وہ روئے زمین سے معدوم ہوگیا۔ اس کی جائے وقوع پر اب ایک چراگاہ ہے جہاں چند پست ٹیلے اور ٹھیکروں کے ڈھیر اس کے ماضی کی عظمتوں کی یاد دلاتے ہیں کہ معلوم دنیا کی ایک بڑی شہنشاہیت کے وارث کو تعلیم وتربیت کے لیے یہاں کی آزاد فضاؤں میں بھیجا گیا تھا۔

Marfat.com

کسکر:

عراق کا ایک شہر، جب خلیفہ عبدالملک اموی کے عامل عراق الحجاج ثقفی نے یہاں کی بغاوت فرد کردی تو 83ھ/ 702ء تا 86ھ/ 705ء میں یہاں ایک نیا شہر بسانا شروع کیا جو الواسط (مرکز) کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ شہر اس صوبے کے پرانے عرب دارالخلافوں یعنی شمال میں کوفے اور جنوب میں بصرے سے یکساں فاصلے پر تھا۔ الحجاج نے اس شہر کی تعمیر کے لیے دریائے دجلہ کے کنارے شہر کسکر کے مضافات کا انتخاب کیا، جس نے ساسانیوں کے عہد کی تاریخ میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ نیا اسلامی شہر دجلہ کے مشرقی کنارے پر آباد کیا گیا تھا۔ اس کے برعکس کسکر اس کے بالمقابل دجلہ کے مغربی کنارے پر واقع تھا۔ شہر کے دونوں نصف حصوں کو ایک کشتیوں کے پل کے ذریعے ملایا گیا تھا۔ آج کل نہ واسط باقی بچا ہے نہ کسکر بلکہ ابھی کچھ مدت پہلے تو ان کے صحیح محل وقوع کے متعلق بھی یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ عہد اسلام میں دریائے دجلہ موجودہ مقام سے کچھ مغرب میں بہتا تھا۔ اس زمانے میں اسکی گزرگاہ بہت حد تک وہی تھی جو آج کل شط الحی کی ہے۔ کسکر اور واسط یقیناً موجودہ کوت الحی کے قرب وجوار میں کہیں واقع تھے۔

ساسانیوں نے عراق کی جو تقسیم کی تھی اس کے مطابق 72 انتظامی اضلاع میں کسکر کا بھی شمار ہوتا تھا۔ یہ غالباً جیسا کہ آگے چل کر مسلمانوں کی حکومت میں بھی انداز اُاس علاقے پر مشتمل تھا جو دریائے دجلہ کے مشرق میں واقع ہے اور شمال میں موجودہ کوت العمارہ سے لے کر دجلہ کے دہانے کے علاقے تک پھیلا ہوا ہے۔

المدائن:

عراق کا ایک شہر جسے عرب فاتحین نے یہ نام دیا۔ یہ عراق میں شہروں کا ایک مجموعہ ہے جو بغداد سے بیس میل جنوب مشرق میں دریائے دجلہ کے دونوں کناروں پر تقریباً مساوی حصوں میں آباد تھا۔ المدائن دراصل عربی زبان میں جمع ہے لفظ المدینہ کی جس کے معنی شہر یا بستی کے ہیں۔ جس کا مطلب کئی شہر بنتے ہیں۔ مدائن کی لفظی تشریح محققین نے یہ دی ہے کہ دو پایۂ تخت

Marfat.com

ایک دوسرے کے بالمقابل واقع تھے، یعنی مغرب میں سلوقیہ Seleucia، یہ وہ یونانی شہر تھا جس کی بنیاد سلوکس اول نے 312 ق م اور 301 ق م کے درمیان اپنی حکومت ایران میں قائم کرنے کے بعد رکھی تھی اور مشرق میں طیسفیون Ctesiphon واقع تھا۔ جس کا پہلا تذکرہ ہمیں 221 ق م میں ملتا ہے۔ یہ شہر پارتھی یا اشکانی اور ساسانی بادشاہوں کی موسم سرما کی فرودگاہ تھا۔ نیز اسکے قریب کے کئی اور مقامات کو ملا کر اسے ایک مکمل شہر سمجھا جاتا تھا۔ اشکانی اور ساسانی بادشاہوں کے عہد میں سامی النسل کے وہ آرامی لوگ جو یہاں کی آبادی کا بیشتر حصہ تھے ان سب مقامات کو مجموعی طور پر ماحوزے Mahoze یا مدیناثا (کئی شہر) کہتے تھے۔ اآخری لفظ کو عربوں نے اپنی زبان میں بطور صیغہ جمع ''المدائن'' بنالیا۔ ساسانیوں کی تقلید میں عرب بھی المدائن میں سات شہر شمار کرتے تھے جن کے ناموں کو انہوں نے جزوی طور پر معرب کرلیا تھا۔

مغربی کنارے پر وہ اردشیر Weh-Ardshir تھا جس کا نام عربوں نے بگاڑ کر برسیر رکھ دیا تھا جسے اکثر اوقات غلطی سے برسیر اور بہر شیر یا سیر بھی پڑھا جاتا تھا، سریانی تالمودی کتابوں میں بہر سیر کو عام طور پر کوخے koche یا ماحدزا کہا جاتا ہے۔ یہ شہر سابق یونانی شہر کے زیریں جنوبی حصے کے نصف رقبے میں آباد تھا۔ اس سے ایک پرنگ (تقریباً 3 میل) کے فاصلے پر درزیندان کا گاؤں آباد تھا۔ جسے معرب کر کے درزیجان کا نام دے دیا گیا تھا۔ عرب مؤرخین اور جغرافیہ نگار عام طور پر اس کا نام طیسفون لکھتے ہیں جو یونانی نہیں بلکہ غالباً ایک مقامی نام ہے۔

ہمیں مدائن کے باقی شہروں کے متعلق اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں کہ جنہیں ملا کر سات کی تعداد بنتی تھی۔

اشکانیوں کے قدیم زمانے میں بھی شہر کے دونوں حصوں کے درمیان سلسلہ آمد و رفت کے لیے پتھر کا ایک پل تھا جسے مؤرخ حمزہ اصفہانی ایک عجوبہ روزگار بتاتا ہے۔ لیکن خود اس کے زمانے یعنی دسویں صدی عیسوی میں اس پل کے کچھ آثار باقی نہیں بچے تھے۔ ساسانیوں کے عہد میں ایک دوسرا پل تعمیر ہوا تھا۔ تاہم مسلمانوں کے عہد میں ہی یہاں ایک پل کشتیاں موجود تھا۔

طیسفون Ctesiphon میں دو بڑے محلوں میں امتیاز کیا جاتا ہے۔ شمالی یعنی پرانا شہر جسے عربی میں مدینہ عتیقہ کہتے اور جنوبی اسفانبہ کہلاتا۔ اس قدیم شہر میں ایک شاہی محل تھا جسے

Marfat.com

عرب قصر الابیض یا سفید محل کہتے تھے۔ یہ اشکانی یا ساسانی بادشاہوں میں سے کسی نے تعمیر کیا تھا جبکہ جنوبی شہر میں جو محل تھا اسے ''ایوان کسریٰ'' کہتے تھے۔

قادسیہ کی فیصلہ کن جنگ کے بعد جس کی وجہ سے عرب دجلہ کے مغربی کنارے کے مالک ومختار بن گئے تھے، حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاص کو جو اسلامی فوجوں کے سالار تھے، حکم دیا تھا کہ وہ ایرانیوں کے پایہ تخت پہ چڑھائی کریں۔ حضرت سعدؓ نے پیش قدمی کی۔ جنوری 637ء/16ھ میں وہ بہرہ سیر کے سامنے آ پہنچے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ دو ماہ بعد ایرانی محصورین خاموشی سے اسے چھوڑ گئے۔ چند روز بعد محاصرین نے ایک پایاب مقام سے دجلہ کو عبور کیا یہ اسلامی تاریخ کا ایک بہت مشہور واقعہ ہے۔ ایرانیوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس طغیانی کے موسم میں عرب دجلہ کو عبور کر لیں گے۔ ساسانی بادشاہ نے المدائن سے بھاگ کر حلوان میں پناہ لی اور طیسفون میں بے اندازہ خزانے مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ فتح مند حضرت سعدؓ نے ایشیائے قریب کے اس سب سے بڑے شہر میں جامع مسجد تعمیر کرائی۔ یہ پہلی عبادت گاہ تھی جو عراق میں تعمیر ہوئی۔ مگر المدائن کی قسمت میں نہیں لکھا تھا کہ وہ عرب فاتحین یا حاکم عراق کا مسکن قرار پائے۔ اس لیے عہد اسلام میں اس کی حیثیت ایک صوبائی شہر کی رہ گئی۔ جلد ہی طیسفون کے دروازے اکھاڑ کر کوفہ لے جائے گئے۔ پھر بغداد کی تعمیر المدائن کے لیے مہلک ثابت ہوئی یہاں سے بہت سا سامان تعمیر نئے دارالحکومت کی تعمیر کے لیے لے جایا گیا اور اس طرح یہ شہر ویران ہوتا چلا گیا۔

طاق کسریٰ یا ایوان کسریٰ:

المدائن کے شاندار ماضی کی مؤثر ترین یادگار اب طاق یا ایوان کسریٰ کے کھنڈرات ہی ہیں۔ یہ ایوان آج بھی المدائن کے کھنڈرات کے عین وسط میں ایستادہ ہے۔ اس ساسانی عمارت کا باقی ماندہ حصہ ایک عظیم الشان روکار پر مشتمل ہے جس کی لمبائی 102 گز ہے اور اسے 80 فٹ چوڑی ایک محراب جو اس کے آر پار بنائی گئی ہے مساوی حصوں میں منقسم کرتی ہے۔ یعنی سامنے کی دیوار جو اصل میں کوئی 100 فٹ بلند تھی، تین منزلوں میں تقسیم کی گئی ہے اور

Marfat.com

اسے کھلے اور نقلی (بند) دروازوں، مسقّف محراب دار راستوں، چوکور دیواری ستونوں اور نیم عمودوں کے ذریعے مؤثر طور پر مزین کیا گیا ہے۔ایک عظیم الجثہ محرابی راستے کے ذریعے انسان ایک کشادہ ایوان میں جا پہنچتا ہے جو 150 فٹ لمبا ہے، جس کے دونوں پہلوؤں میں پانچ بغلی کمرے ہیں۔ پچھلی دیوار میں ایک کشادہ دروازہ ہے جو ایک بڑے صحن میں کھلتا ہے جو بظاہر ایک مربع شکل کا تھا۔تاریخ فنون میں اس ایوان کا مقام اور اس کی اولین تعمیر کی تاریخ کیا ہے؟ ان سوالوں کا جواب مشکل ہی ملتا ہے۔ محققین کی رائے میں اس عمارت کہنہ میں یونانی اور مشرقی اسلوبوں کا امتزاج نظر آتا ہے۔ایران کا ساسانی بادشاہ شاپور اول (241ء...... 272ء) ہی اس کا بانی ہو سکتا ہے۔ مؤرخین کے مطابق خسرو اول (531ء...... 579ء) نے بظاہر اس عمارت کی بہت کچھ ترمیم و تجدید کی ہو گی۔ایوان کسریٰ کی سب سے بڑی خصوصیت جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عمارت دربار عام کے لیے تعمیر ہوئی تھی، اس کا دالان Hall جہاں ساسانیوں کے عہد میں بڑی رسمی تقریبات اور استقبالیہ دربار منعقد ہوتے تھے۔

ایوان کی تعمیری جزئیات میں سے کچھ باقی نہیں بچا اور گچ یا چونے کی استر کاری جو ان جزئیات کا مظہر تھی ٹوٹ کر گر چکی ہے۔قیصر فریڈرک میوزیم برلن میں گچ کے بنے ہوئے گلاب اس ایوان کی یادگار کے طور پر محفوظ ہیں، جنہیں محققین نے اس ایوان کی آرائش و نمائش کے نمونے بتایا ہے۔عرب مؤرخین نے اس ایوان کے جو حالات قلمبند کیے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایوان سنہرے ابھرے ہوئے کام سے بنی ہوئی تصاویر اور بتوں سے مزین تھا۔مسلمان فاتحین جامع مسجد کی تعمیر سے پہلے اس کے دالان کو نماز پڑھنے کے لیے استعمال کرتے۔اس وقت تک اس کی نقاشی اور تزئین محفوظ تھی۔مسلمان مدائن کے برباد شدہ آثار کو اپنے مذہب کی یادگار (اسی ایوان کے چودہ کنگرے آنحضرتؐ کی پیدائش کے موقع پر گر گئے تھے) سمجھتے ہیں۔

نصیبین:

عراق کا ایک قدیم شہر جس کا ذکر انجیل مقدس میں موجود ہے۔کہتے ہیں کہ اسے نمرود نے آباد کیا تھا۔یہ شہر طور عابدین کے دامن میں نہر ہرماس (موجودہ جغ جغ) کے کنارے واقع

Marfat.com

تھا۔ یہ شہر اتنا پرانا ہے کہ آشوریوں کے زمانے میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ اس کا اولین تذکرہ بعہد اددنراری دوم (900ق م) نصیبیہ کے نام سے ملتا ہے۔ 815ق م سے 715ق م تک یہ ایک صوبے کا صدر مقام رہا جس کے گورنر خاصے بااختیار ہوتے تھے۔ آشوریوں اور اہل بابل میں ہونے والی خاصے بااختیار ہوتے تھے۔ آشوریوں اور اہل بابل سلیوکس اول کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے یہاں یونانیوں کو آباد کیا تھا پھر جب سلطنت روم کے عروج کا زمانہ آیا تو یہ شہر رومنوں کے قبضے میں چلا گیا۔ شہنشاہ ہیڈرین نے اسے اشکانیوں کو واپس کر دیا اور وہ سلطنت روما کے باجگزار ہو گئے۔ ساسانی بادشاہ اردشیر اول سے یہ شہر کبھی رومنوں کے قبضے میں رہا اور کبھی ساسانیوں کے۔

طلوع اسلام کے بعد 18ھ/639ء میں عیاض بن غنم نے نصیبین پر چڑھائی کی اور معمولی مزاحمت کے بعد اہل شہر نے اطاعت قبول کر لی۔ 684ء میں بعہد خلیفہ عبدالملک اموی یہاں بریدۃ نے بغاوت کر دی۔ 717ء میں ایک زلزلے سے یہ شہر تباہ ہو گیا۔ 328ھ/940ء میں سیف الدولہ نے آرمنیا کے خلاف اپنی مہم کا آغاز اسی شہر سے کیا تھا۔ عہد اسلام میں 942 عیسوی میں بازنطینیوں نے حملہ کر کے اس شہر پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس زمانے میں نصیبین غالباً ناصر الدولہ حمدانی کے قبضے میں تھا۔ 969ء میں اس کی وفات کے بعد کچھ مدت کے لیے اس کا بیٹا ابو المظفر یہاں کا گورنر رہا۔ یکم محرم 362ھ/12 اکتوبر 972ء کو بورنطینیوں نے دوبارہ اس پر حملہ کیا اور شہر میں ہولناک قتل عام کیا گیا۔

1043ء میں طغرل بیگ سلجوقی نے نصیبین کے گرد و نواح کو تاخت و تاراج کیا مگر اسے فتح نہ کیا گیا۔ 1106ء میں سلطان غیاث الدین نے موصل کے امیر ابو منصور کو بازنطینیوں کے مقابلے پر بھیجا۔ اس کے بعد ارتقی سلطان الغازی نجم الدین نے اس پر قبضہ کر کے اسے امیر مودود کے سپرد کر دیا۔

عرب جغرافیہ دان نصیبین کو چوتھی اقلیم میں شمار کرتے ہیں۔ بقول یاقوت حمودی شہر نہر ہرماس کی بالائی گزرگاہ پر واقع تھا۔ اور اس کے گرد بیشمار باغات تھے۔ 1515ء میں یہ شہر

Marfat.com

عثمانیوں کے قبضے میں آیا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں بغداد ریلوے کی تعمیر سے اس شہر کی اہمیت میں مزید اضافہ ہوا تھا۔

دیار بکر:

یعنی ''بنوبکر کی سرزمین وطن'' الجزیرہ (عراق) کے ایک شمالی صوبے کا نام بھی ہے اور اس کے صدر مقام کا بھی۔ یہ اس خطے کو محیط ہے جو دریائے دجلہ کے منبع سے دائیں بائیں کناروں پر وہاں تک چلا گیا ہے جہاں دریا اپنی شرقاً غرباً گزرگاہ کو تبدیل کر کے مشرقی جانب مڑ گیا ہے۔ لہٰذا یہ شہر آمد اور حصن الحمہ (چرمک) کے شمال مغرب تک آمد کے مغرب اور سعرت تل فافان سے لے کر ارقنین کے خطے تک دریائے دجلہ کا بالائی طاس ہے۔

اسے دیار بکر اس لیے کہتے ہیں کہ پہلی صدی ہجری/ساتویں صدی عیسوی کے دوران یہ بکر بن وائل کے قبیلہ ربیعہ کے ایک ممتاز گروہ کا مسکن بن گیا تھا۔ قبائل بکر قبل از اسلام کی قبائلی جنگوں کے سلسلے میں پہلے ہی عراق آ گئے تھے۔ الکوفہ کے علاقے میں ٹھہرنے کے بعد ان کے گروہ شمال کی طرف پھیل گئے۔ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں ہونے والی فتوحات میں جب حضرت معاویہؓ شام اور الجزیرہ کے والی تھے۔ بعض مصری اور ربیعی قبائل حکومت کے حکم پر اس خطے کی غیر مقبوضہ اراضی میں بس گئے تھے۔ حضرت معاویہ نے مضری قبائل کو جس جگہ آباد کیا وہ دیار مضر اور جہاں ربیعی قبائل کو بسایا وہ جگہ دیار ربیعہ کہلانے لگی۔ البلاذری نے یہ معلومات فراہم کی ہیں مگر وہ بنوبکر کا ذکر واضح طور پر نہیں کرتا جو ربیعی گروہ میں شامل تھے۔ تاہم دیار بکر سے یہ مراد نہیں کہ پورا علاقہ فقط بنوبکر سے آباد تھا۔

دیار بکر کے بڑے بڑے شہر یہ ہیں: آمد، جو دارالحکومت تھا۔ میافارقین، حصن کیفا اور ارزن جو دراصل آرمینیا کا ایک حصہ ہے۔ انتظامی نقطہ نظر سے دیار بکر کے علاقے کی قسمت عام طور پر وہی رہی ہے جو الجزیرہ کی تھی۔ یہ عہد اسلام میں بڑے بڑے تاریخی واقعات کا محل و مقام رہا ہے۔

یادگاریں:

دیار بکر کے موجودہ شہر کی فصیل کو خصوصی اہمیت حاصل ہے جو اب تک موجود ہے۔

Marfat.com

اس حصار یا فصیل نے انیسویں صدی میں یورپی سیاحوں کی توجہ کو اپنی طرف منعطف کیا۔ اس فصیل میں کئی یادگار بڑے دروازے تھے اور اب کئی جگہ اس میں شگاف کر دیئے گئے ہیں۔ رومن عہد کے بعض تعمیر اجزاء بھی خرپوت، ارفہ اور ماردین نام کے بڑے دروازوں کے بیرونی گوشوں میں موجود ہیں۔ 1514ء میں عثمانی ترکوں نے اس شہر کو فتح کیا اور اگلے چار سو سال تک یہ شہر سلطنت عثمانیہ کا حصہ بنا رہا۔

دیرالاعور:

عراق کا ایک مقام جو قبیلہ ایاد کی شاخ امیہ بن حذالیفتہ کے ایک فرد کے نام پر موسوم ہے۔

دیرالاعور کا ذکر عہد راشدہ میں ساسانی سپہ سالار رستم کے پیش قدمی کے بیان میں ملتا ہے جو اس نے مدائن سے قادسیہ تک براستہ کوثا برس Bursippa، ملطاط، نجف کی تھی جہاں وہ خیمہ زن ہوا تھا۔ اس دیر کا ذکر تاریخ اسلام میں اس وقت بھی ملتا ہے جب سانحہ کربلا کے بعد سلمان بن صرد نے اقساس مالک اور کربلا کی طرف کوچ کرنے سے پہلے توابین کی معیت میں کوفہ چھوڑا تھا اور اسی مقام کو اپنے متبعین کے جمع ہونے کے لیے منتخب کیا تھا۔ تاریخ اسلام میں کئی اور جگہ بھی دیرالاعود کا نام آتا ہے۔

ان متون سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیرالاعور کی جائے وقوع برس کے مغرب اور نجف کے مشرق، نیز کربلا، سرئی اور شاہی کے جنوب اور عباسیہ اور قصبہ نیل کے شمال میں ہے۔ تاریخ اسلام کے مطابق تیسری صدی ہجری تک یہ ایک معروف قصبہ تھا۔

صفین:

عراق کے مقام صفین کی شہرت عہد راشدہ میں ہونے والی اس لڑائی کی وجہ سے ہے جو 37ھ/ 657ء میں حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان لڑی گئی تھی۔ یہ مقام دریائے فرات کے دائیں کنارے سے زیادہ دور نہیں۔ یہ رقہ کے مغرب مس اس کے اور بالس کے درمیان واقع ہے۔ اس مقام سے آج کل صرف ایک پکی سڑک فرات کو جاتی ہے۔ جب حضرت علیؓ کوفہ سے فوج لے کر چلے اور یہاں پہنچے تو شامی پہلے سے اس مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے اور ابوالاعور کی

Marfat.com

قیادت میں ان کی ایک جماعت فرات جانے والے راستے پر مسلط تھی۔

ہر چند حضرت علیؓ نے فہمائش کی اور یقین دلایا کہ ہم لڑنے کے لیے نہیں آئے، بلکہ حضرت معاویہؓ سے تصفیہ کرنے کے لیے آئے ہیں، مگر شامی نہیں مانے باوجودیکہ ان کے مشیر اعلیٰ حضرت عمروؓ بن العاص نے بھی انہیں ایسا کرنے کا مشورہ دیا۔ اس پر حضرت علیؓ نے اپنی فوج کو حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ ادھر شامیوں کو بھی کمک پہنچ گئی، پھر بھی حضرت علیؓ کی فوج نے انہیں پسپاہ ہونے پر مجبور کر دیا اور اپنے لیے دریائے فرات تک پہنچنے کا راستہ نکال لیا۔ حضرت علیؓ نے ازراہ مروت شامی لشکر کے لیے پانی لے جانے والوں کو اجازت دے دی کہ وہ دریا سے پانی لے سکتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیعان علی اور شامیوں میں دوستانہ روابط قائم ہو گئے۔ کچھ عرصہ فریقین میں نامہ و پیام ہوتے رہے لیکن نتیجہ کچھ نہیں نکلا کیونکہ حضرت معاویہؓ اپنی ضد پر قائم تھے اور مسلسل قاتلین عثمانؓ کی حوالگی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ ایک مرتبہ پھر جنگ چھڑ جانے کا خطرہ پیدا ہوا تو دونوں طرف کے صلح پسندوں نے اس کی روک تھام کر دی۔ مورخین کے مطابق یہ صورتحال جمادی الاولیٰ 36ھ تک پورے دو مہینے قائم رہی۔ پھر آغاز صفر 37ھ میں میں جنگ شروع ہو گئی۔ ابتداء میں عام جنگ نہیں ہوئی بلکہ حضرت علیؓ اور معاویہ کے حکم پر پیادوں اور سواروں میں صرف جھڑپیں ہوئیں۔ جبکہ محرم الحرام میں اس مقدس مہینے کے تقدس کی وجہ سے عارضی صلح کی تجویز بھی رہی تھی۔ معرکہ جنگ کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ جب کچھ مدت تک لڑائی کسی فیصلے کے بغیر ہوتی رہی تو ایک رات جسے لیلۃ الہریر کہتے ہیں یعنی شب جمعہ 10 صفر 28 جولائی کی صبح الاشتر نے شامیوں کو اس قدر زچ کر دیا کہ حضرت معاویہ کی ہمت پست ہو گئی اور وہ فرار کی سوچنے لگے مگر اس ابن الاطنابہ کے بعض شعر یاد کر کے رک گئے۔ اس خطرناک حالت میں ان کے مشیر خاص حضرت عمروؓ بن العاص نے انہیں مشورہ دیا کہ قرآن مجید کے اوراق کو نیزوں پر بندھوائیں اور یہ کہیں کہ لڑائی بند ہو جانا چاہیے اور فیصلہ کتاب اللہ پر چھوڑا جائے۔ بخلاف حضرت علیؓ کے جو اللہ کا فیصلہ جنگ کے نتیجے میں تلاش کر رہے تھے۔ حضرت عمرو ؓبن العاص کا یہ اندازہ کہ اوراق قرآن کو یوں بلند کرنا حضرت علیؓ کے متعبین میں تفریق پیدا کر دے گا بالکل صحیح ثابت ہوا اور شیعان علی میں سے بہت بڑی تعداد جنگ سے ہاتھ اٹھا بیٹھی اور

Marfat.com

انہوں نے صاف کہہ دیا کہ اللہ کی کتاب سے فیصلہ چاہنے والوں کی استدعا کو مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ یوں حضرت علیؓ یہ جنگ جیت کر بھی ہار گئے اور مجبوراً انہوں نے الاشتر کو واپس بلانے کا حکم دے دیا۔ پھر 27 صفر کو اس سلسلے میں دونوں فریقین نے ایک معاہدے پر دستخط کر دیئے اور دو حکم اس معاملے کو فیصل کرنے کے لیے منتخب کر لیے۔ حضرت علیؓ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرتؐ کی طرف سے ضبط نفس کے اعلیٰ ترین مظاہرے کو یاد کر کے کہ آپ ﷺ نے اپنے نام کے ساتھ پیغمبر یا رسول لکھنے سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت علیؓ اپنے نام کے ساتھ خلیفہ لکھنے سے باز رہے۔ پھر فوجیں منتشر ہو گئیں اور حضرت علی کی فوج پر گہری افسردگی چھا گئی کہ شکست خوردہ نہ ہونے کے باوجود بھی ان کو شکست ہو گئی۔ بہرحال آئندہ تحکیم سے بھی اس مسئلے کا فیصلہ نہ ہو سکا۔

کربلائے معلیٰ:

عراق کا ایک مشہور مقام اور شہر جو حضرت امام حسینؓ، حضرت عباسؓ، حر بن یزید الریاحی اور حضرت حبیبؓ بن مظاہر کے مزارات اور سانحہ کربلا کی وجہ سے زیارت گاہ و مرکز عقیدت ہے۔

تاریخ قدیم میں کربلا کو مختلف ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ مثلاً غاضریہ نینویٰ وغیرہ۔ آثار قدیمہ کے ماہرین گزشتہ ہزار برس کی تاریخ اور نام ونشان پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں
□ (1) کربلا کور بابل ہے، یعنی بابل کے قریئے، کربلا ایک آشوری نام ہے جو کرب ''و'' ایلا سے مرکب ہے اور اس کے معنیٰ آشوری زبان میں ''حرم اللہ'' کے ہیں۔

قدیم زمانے سے کربلا کا میدان دریائے فرات کی موجودگی اور قربت کے باوجود بھی قحط آب کے لیے مشہور تھا۔ اس لیے پرانے بادشاہوں نے یہاں نہریں کھدائیں تھیں۔ اس سلسلے میں سابور ذوالاکتاف ایک مشہور بادشاہ ہے۔

عہد اسلام میں:

امام حسینؓ کی شہادت کا تذکرہ اور آنحضرتؐ کا خاک کربلا ملاحظہ فرمانا اور اسے سونگھنا، نیز کربلا کی مٹی کا حضرت ام المومنین ام سلمہؓ کو بطور امانت دینا، متعدد شیعی ماخذ میں مذکور ہے۔ یہ

Marfat.com

بھی روایت ہے کہ جب حضرت علیؓ جنگ صفین کے زمانے میں اس طرف تشریف لائے تھے تو کربلا کا نام سن کر زار و قطار رونے لگے تھے۔ لوگوں کے دریافت کرنے پر آپؓ نے بتایا تھا کہ میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ امام حسینؓ کربلا نامی جگہ پر شہید ہوں گے۔

محرم 61ھ کی دوسری تاریخ کو امام حسینؓ کربلا میں خیمہ زن ہوئے پھر 10 محرم 61ھ کو انہوں نے اسی زمین پر اپنی دائمی منزل بنائی۔ ان کی قبر مبارک ایک نشیب میں تھی جس کے گرد کچھ اونچے ٹیلے تھے اسی لیے اس مقام کو "الحائر" کہا گیا۔

صفر 62ھ/682ء میں حضرت جابرؓ بن عبداللہ انصاری کربلا آئے تھے اور اہل بیت بھی شام سے رہائی پا کر یہاں پہنچے۔ اس زیارت کی یاد میں اب تک 20 صفر کو کربلا میں خاص دن کے طور پر منایا جاتا ہے۔ 65ھ میں مختار بن ابی عبید ثقفی نے بنو امیہ کے خلاف بغاوت کی تھی اور مزار امام پر ایک چھوٹی سی عمارت بنوائی تھی۔ یہ عمارت ہارون الرشید کے عہد میں ختم کر دی گئی پھر مامون کے عہد میں یہاں دوبارہ عمارت بنوائی گئی، لیکن المتوکل نے اسے گرا دیا۔ منتصر باللہ (859ء) نے نئے سرے سے یہاں روضہ تعمیر کرایا مگر 885ء میں یہ عمارت بھی منہدم ہوگئی۔ 896ء میں حاکم طبرستان محمد بن زید نے یہاں روضہ کی شاندار عمارت تعمیر کروائی اس کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ 1802ء میں امام عبدالوہاب نجدی کے متبعین نے کربلا پر حملہ کیا اور روضے کی عمارت کو لوٹ لیا تھا۔

Marfat.com

الکوفہ

الکوفہ:

ابتدائی اسلامی عہد کا بہت مشہور و معروف عراقی شہر جو دریائے فرات کی مغربی شاخ کے کنارے، جو آگے چل کر ان دلدلوں میں غائب ہو جاتی ہے جو واسط کے مغرب میں ہیں۔ جنگ قادسیہ کے بعد حضرت عمرؓ کے حکم پر عربوں نے عراق میں ایک مضبوط اور دفاعی اعتبار سے مستحکم فوجی چھاؤنی تعمیر کی تاکہ نئے نئے مفتوحہ علاقوں پر کنٹرول کیا جا سکے۔ اس چھاؤنی یا عرب نوآبادی کو "الکوفہ" کا نام دیا گیا تھا۔ ایک دوسری ایسی ہی چھاؤنی کو البصرہ کا نام دیا گیا تھا اس کا ذکر آگے آرہا ہے۔ ان دونوں کو فوجی اسباب کی بنیاد پر دریا کے مغربی کنارے پر بسایا گیا تاکہ دارالخلافہ مدینہ اور ان فوجی مرکزوں کے درمیان آسانی سے نقل و حمل ہو سکے۔ بصرہ تو ایسی جگہ آباد کیا گیا تھا جہاں پہلے ایک گاؤں الخربیہ موجود تھا مگر اس کے برعکس کوفہ ایسی جگہ آباد کیا گیا جو بالکل نئی جگہ تھی۔

الکوفہ کی بنیاد بعض مؤرخین کے مطابق حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے 17ھ/636 عیسوی میں رکھی تھی۔ بعض دیگر مؤرخین کا خیال ہے کہ الکوفہ کی بنیاد 18ھ یا 19ھ سے پہلے نہیں رکھی گئی تھی۔ عربی لفظ "کوفہ" کے معنی "ریت کا گول ٹیلا" کے ہیں۔ لہٰذا اس کے نام سے پتہ چلتا ہے کہ شہر کا قدیم ترین حصہ اسی نوع کے ٹیلے پر تعمیر کیا گیا ہوگا۔

محل وقوع:

عرب جغرافیہ نگاروں کی رو سے کوفہ دریائے فرات کے کنارے ایک وسیع میدان میں بہت بڑے رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔ اس کا محل وقوع بصرے سے زیادہ صحت افزاء سمجھا جاتا تھا۔ پھر جوں جوں عرب شرق کی سمت میں بڑھتے گئے کوفہ کی اہمیت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ کوفہ چھاؤنی کے سپہ سالار عساکر کو براہ راست امیر المومنین کے سیاسی نمائندے کی حیثیت بھی حاصل

Marfat.com

ہوئی تھی اور وہاں کا سول نظم ونسق بھی وہی سنبھالتا تھا۔ ان دونوں نئے شہروں میں یعنی الکوفہ اور البصرہ کے والئی عموماً الگ الگ مقرر کیے جاتے تھے، لیکن بعض اوقات ان کا الحاق بھی کر دیا جاتا تھا۔ اس طرح حکمران عربوں اور ان کی ایرانی رعایا دونوں کے نزدیک کوفہ رفتہ رفتہ بہت اہم ہو گیا۔ اسی اعتبار سے یہاں کی آبادی بھی بڑھتی گئی۔ 50ھ/670ء کے بعد ایک باقاعدہ شہر خشتی مکانوں کے ساتھ تعمیر کیا گیا۔

اہل کوفہ کہ جن کی ابتداء عسکری قابلیت کے لوگوں سے ہوئی تھی آگے چل کر علوم اسلامی کے میدان میں انہوں نے بہترین ذہنی صلاحیتوں کے ساتھ بہت سے کارنامے انجام دیئے، لیکن اس لیے ہی الکوفہ کے باشندے کردار کے اعتبار سے متلون المزاج اور ناقابل اعتبار تھے۔ یہی چیز آگے چل کر اسلامی سیاست بلکہ حاکمیت کے لیے انتہائی مہلک ثابت ہوئی اور بڑی حد تک خانہ جنگیوں کا باعث بنی جو خلافت کے خوش آئند ارتقاء سدِ راہ بنیں۔

عہد راشدہ میں:

خود حضرت عمرؓ کہ جن کے حکم پر الکوفہ وجود میں آیا تھا، اہل کوفہ کی سرکشی سے ناخوش تھے کیونکہ یہ لوگ کبھی مطمئن نہیں ہوتے تھے اور خلیفہ کے مقرر کردہ عامل کی ہمیشہ کوئی نہ کوئی شکایت ضرور کرتے رہتے تھے۔ جب بھی حضرت عمرؓ ان کی خواہشات کو پذیرائی بخشتے ان کے مطالبات مزید بڑھ جاتے تھے۔ اس حد تک کہ ناقابل برداشت ہو جاتے۔ حتیٰ کہ حضرت عمرؓ کو اپنے عہد خلافت کے آخری چھ سالوں میں الکوفہ کے عامل تین بار بدلنا پڑے تھے۔ حضرت عثمانؓ کی مخالفت میں جو سازش مدتوں سے خفیہ طور پر ہو رہی تھی، جب 34ھ/655ء میں آشکارا ہوئی تو سب سے پہلے اہل کوفہ نے ہی حضرت علیؓ کی بیعت کا اعلان کیا۔ 36ھ/656ء میں حضرت علیؓ اور ان کے مخالفوں میں جنگ جمل لڑی گئی۔ حضرت علیؓ اپنے مخالفوں کی متحدہ فوج پر غالب آنے کے بعد کوفہ چلے گئے تو یہ محسوس ہونے لگا کہ یہی شہر اب دارالخلافہ بن جائے گا۔ لیکن جب صفین کے میدان میں حضرت علیؓ اور معاویہؓ کا مقابلہ ہوا تو عراقی شامیوں سے مات کھا گئے اور حضرت علیؓ کے ہاتھوں فتح ہوتے ہوتے رہ گئی کیونکہ عین اس وقت جب ان کی گرفت مضبوط تھی آپ

Marfat.com

نے تحکیم پر آمادگی ظاہر کر دی جس سے خوارج وجود میں آ گئے اور آپؓ کا ساتھ چھوڑ گئے۔ 40ھ/ 661ء میں جب حضرت علیؓ کو دغا سے کوفہ میں شہید کر دیا گیا تو اہل کوفہ حضرت معاویہؓ کو خلیفہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ حضرت معاویہ کے عامل کوفہ زیاد بن ابیہ اور اس کا بیٹا عبیداللہ بن زیاد بنے۔ جنہوں نے بڑے تدبر کے ساتھ فتنہ جو کوفیوں کو قابو میں رکھا۔

سانحہ کربلا میں اہل کوفہ کا کردار:

جب حضرت امام حسینؓ بن علیؓ نے اپنے بہت سے کوفی پیرووں کی التجا قبول کرنے کا فیصلہ کیا اور مکہ سے کوفہ روانہ ہوئے تو عامل کوفہ عبیداللہ بن زیاد نے زبردست ظالمانہ اقدامات کر کے اہل کوفہ کے باغیانہ رجحانات کو دبا دیا اور الکوفہ کے لوگوں نے امامؓ کی اعانت سے مکمل طور پر ہاتھ کھینچ لیا جس پر محرم 61ھ/ 680ء میں سانحہ کربلا رونما ہوا اور اہل کوفہ کی دعوت پر عراق آنے والے امام حسینؓ کو دشت کربلا میں اہل کوفہ کی بے وفائی کی وجہ سے اموی افواج نے آسانی سے شہید کر دیا۔ یو اہل کوفہ امامؓ سے بے وفائی کے مرتکب قرار پائے۔

دوسرے اموی خلیفہ یزید بن معاویہ کی موت کے بعد ایک بار پھر خانہ جنگی ہوئی۔ چونکہ حضرت علیؓ کے ایک صاحبزادے محمد بن الحنفیہ کوفہ کے شیعان علیؓ کی قیادت قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اس لیے اہل کوفہ نے حضرت عبداللہؓ بن زبیر کی بیعت قبول کر لی۔ 685ء میں ایک بے باک طالع آزما، مختار بن ابی عبیدؓ کوفہ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا جس سے کوفہ میں ایک مستقل دہشت انگیزی کا دور شروع ہو گیا۔ جو تقریباً ڈیڑھ سال جاری رہا۔ جہاں تک کہ کوفہ کی عرب آبادی نے حضرت معصب بن زبیر کو مدد کی درخواست کی جو اس وقت بصرے کے عامل تھے۔ کوفہ کے نزدیک جنگ حرورا 67ھ/ 687ء میں المختار شکست کھا کر مارا گیا اور باغیوں سے معصب نے سخت انتقام لیا۔ پھر 691ء میں یہی معصب امویوں کے خلاف لڑتے ہوئے مارے گئے تو اہل کوفہ کو ایک بار پھر امویوں کے سامنے سر اطاعت خم کرنا پڑا اموی خلیفہ عبدالملک بلا مخالفت شہر میں داخل ہو گیا۔

عباسیوں کے کوفہ پر قبضہ کرنے سے پہلے خوارج نے بھی 745ء میں کوفہ پر قبضہ کر لیا

Marfat.com

تھا۔ عباسی خلافت کے آغاز میں کوفہ ہی کو دارالخلافہ بنایا گیا تھا اور اسے تقریباً 20 برس تک یہ حیثیت حاصل رہی۔ اگرچہ اس دوران میں عباسی فرمانرواؤں نے کوفہ کی بجائے زیادہ اپنی سکونت ہاشمیہ میں رکھی جو کوفہ سے کچھ دور شمال میں تھا۔ بعدازاں جب خلیفہ المنصور عباسی نے دارالخلافت بغداد منتقل کر دیا تو کوفہ کی اہمیت رفتہ رفتہ کم ہو گئی۔ علمی شہرت جو کوفہ کے باشندے دوسری صدی ہجری کے نصف اول میں حاصل کر چکے تھے۔ یہ شہرت البتہ پانچویں صدی تک قائم رہی۔ سیاسی حالات تبدیل ہو جانے کے باوجود اہل کوفہ کے دل سے آل علی کی ہمدردی اور ان کے باغیانہ رجحانات میں کوئی کمی نہ آئی، چنانچہ 199ھ/815ء میں حضرت علیؓ کی اولاد میں سے ایک شخص محمد بن ابراہیم المعروف ابن طباطبا کے نام سے مشہور ہے۔ کوفہ میں نمودار ہوا اور اس نے اپنا دعویٰ خلافت قائم کرنے کی کوشش کی۔ والئ کوفہ کو شہر سے نکال دیا۔ بہت سے معتقد اس مدعی خلافت کے گرد جمع ہو گئے اگرچہ اس کا انتقال پہلے ہی سال ہو گیا مگر یہ بغاوت بڑی کوششوں سے فرد ہو سکی۔ خلیفہ المستعین کے عہد میں کوفہ میں علویوں نے ایک بار پھر اختلال پیدا کیا۔ 250ھ/865ء میں یحییٰ بن عمر علوی نے شہر پر قبضہ کر لیا۔ 870ء میں علی بن زید علوی نے کوفہ سے خروج کیا مگر ناکام رہا۔ قرامطہ نے مغربی عراق اور شام کو تاخت و تاراج کیا تو کوفہ بھی نہ بچ سکا۔ 925ء میں ابوطاہر قرامطی نے اسے فتح کر کے تاراج کیا اسی طرح 937ء میں یہاں غارت گری ہوئی بارہویں صدی میں مشہور اندلسی سیاح ابن جبیر یہاں پہنچا تو کوفہ کی قدیم دیواریں گرائی جا چکی تھیں اور زوال کے دوسرے آثار بھی نمایاں ہو چکے تھے۔ پھر ابن بطوطہ جب اپنی سیاحت کے دوران یہاں پہنچا تو اس کے مطابق اس شہر کا بیشتر حصہ ویران ہو چکا تھا اور اس کا سبب بدوی قبائل کے حملے تھے۔ 1340ء کے بعد صرف نجف اشرف کا ذکر ملتا ہے جو اس کے نواح میں تھا۔ اب یہ شہر صحرا کی نذر ہو چکا ہے۔ اور صرف کھنڈرات باقی ہیں۔

Marfat.com

البصرہ

عہد راشدہ میں آباد کیے جانے والا یہ شہر جو شط العرب پر بغداد سے جنوب میں 279 میل یا 420 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ مرور زمانہ سے اس کی جگہ کچھ بدل گئی ہے۔ اس کے لیے ہمیں قدیم بصرے اور جدید بصرے کا فرق ملحوظ رکھنا چاہیے۔ جدید بصرے کی بنیاد گیارہویں/اٹھارہویں صدی عیسوی میں رکھی گئی تھی اور اس قصبے کے جلدی ترقی کرنے کا سبب تیل کے چشموں کی دریافت ہے جو اس کے مغرب میں واقع ہیں۔

قدیم بصرہ اس جگہ آباد کیا گیا تھا جہاں قدیم شہر دریدتیس Dirdtus یا تریدون Teredon آباد تھا۔

635ء میں صحابی رسول اللہ حضرت عتبہؓ بن غزوان قدیم ایرانی چوکیوں کے کھنڈرات پر خیمہ زن ہوئے، اس جگہ کو عربوں نے الخربیہ کا نام دے رکھا تھا جس کا مطلب چھوٹا سا خرابہ تھا۔ پھر امیر المومنین، حضرت عمرؓ کے حکم پر اس مقام کو ایک فوجی چھاؤنی کی غرض سے منتخب کر لیا گیا (638ء) یہی فوجی چھاؤنی بعد ازاں قصبہ بصرہ کی بنیاد بنی۔ یہ نام محققین کے مطابق وہاں کی زمین کی کیفیت کی بناء پر رکھا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ بصرہ کے لفظی معنی "سیاہ سنگریزے" کے ہیں۔ چونکہ یہاں ایسے سنگریزے بہت تھے اس لیے یہ نام رکھ دیا گیا۔ یہ مقام شط العرب سے اندازاً صرف پندرہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ عہد راشد میں اس مقام پر فوجی چھاؤنی بنانے کی وجہ یہ تھی کہ عراق، خلیج فارس اور ایران کے راستے کی نگرانی کی جاسکے۔ ایک مقصد یہ تھا کہ آئندہ دجلہ اور فرات کے مشرق میں بھیجی جانے والی عسکری مہمات کے لیے یہ مقام فقط آغاز بن سکے۔ شروع شروع میں یہاں بنائے جانے والے مکانات سادہ جھونپڑے تھے۔ حضرت معاویہؓ کے عہد میں جب یہاں زیاد بن ابیہ کو عامل مقرر کیا گیا تو جھونپڑوں اور خام اینٹوں کے مکانات کی جگہ پختہ مکانات نے لے لی اور البصرہ واقعی ایک قصبے کی شکل اختیار کر

Marfat.com

گیا۔اس میں ایک نئی جامع مسجد، دارالامارۃ اور اس کے گرد فصیل تعمیر کی گئی جس کے گرد خندق بھی تھی۔۔یہ سب کچھ 155ھ/ 771ء میں مکمل ہوا۔اس شہر میں ابتداء ہی سے پینے کے پانی کا مسئلہ نازک بنا رہا۔

ابتدا ہی سے البصرہ فاتح عرب افواج کے لیے بھرتی کا ایک مرکز تھا۔اہل بصرہ نے تاریخ اسلام کی بہت سی جنگوں، معرکہ نہاوند، (642ء) نیز اصطخر، فارس، خراسان اور بجستان کی تسخیر میں حصہ لیا۔اسی قصبے میں حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں جنگ جمل پیش آئی جس میں مسلمان مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما ہوئے (656ء)۔عین اسی جنگ کے موقع پر البصرہ سے اولین خارجی لوگوں کی خاصی تعداد فراہم ہوئی۔

Marfat.com

جنگ جمل

جنگ جمل بصرے کے نزدیک جمادی الآخرہ 36ھ/ دسمبر 656ء عیسوی میں لڑی گئی۔ اس میں ایک طرف حضرت علیؓ تھے اور دوسری طرف ام المومنین حضرت عائشہؓ تھیں۔ حضرت عائشہ کا ساتھ دینے والے صحابہ کرام میں حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ التیمی اور حضرت زبیرؓ بن العوام نمایاں تھے۔ اس جنگ کو جنگ جمل اس لیے کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ صدیقہ میدان جنگ میں عسکر نام کے ایک اونٹ پر سوال تھیں اور وہی اونٹ اس لڑائی کا مرکز بن گیا تھا۔

حضرت عائشہ بسلسلہ حج مکہ گئی ہوئی تھیں اور حج کے بعد عمرہ محرم کے لیے ابھی وہیں مقیم تھیں کہ انہیں حضرت عثمانؓ غنی کی شہادت کی خبر ملی۔ پھر وہ عمرے کے بعد مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئیں تو انہیں راستے میں سرف کے مقام پر اطلاع ملی کہ حضرت علیؓ خلیفہ چہارم منتخب ہو گئے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ میں قصاص عثمانؓ کے لیے ہنگامہ برپا ہو گیا ہے۔ لہٰذا وہ راستے ہی سے مکہ واپس ہو گئیں اور فتنہ وفساد بپا ہونے پر افسوس کا اظہار ہو گیا اور مطالبہ کیا کہ اصلاح احوال کی جائے اور قاتلین کو قرار واقعی سزا دی جائے۔ حضرت عثمان کی شہادت کے واقعہ کو آپؓ نظر انداز نہیں کر سکیں اور آپؓ نے ایک اصلاحی مہم چلانے کا فیصلہ کیا۔ اس پر حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ گورنر مکہ، عبداللہ بن حضرمی نے آپ کا ساتھ دیا پھر عامل بصرہ اور عامل یمن بھی ساتھ آ ملے اور انہوں نے حضرت عائشہؓ کے لشکر کی تیاری کے لیے روپیہ اور سامان فراہم کیا۔ یاد رہے ان روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عائشہ کے لشکر کی تیاری کا مقصد اصلاح احوال کے سوا کچھ نہ تھا۔ حضرت عثمانؓ کے قتل کے چار ماہ بعد حضرت طلحہؓ اور زبیر بھی مکہ پہنچ گئے گو انہوں نے حضرت علیؓ کی بیعت کر لی تھی مگر بعض روایات کے مطابق ان سے یہ بیعت جبراً لی گئی تھی۔ پھر یہ بیعت قاتلین عثمان سے قصاص لینے کے ساتھ مشروط تھی۔ حضرت عثمان کے قتل کے بعد بعض حلقوں میں یہ تاثر پایا جا رہا تھا کہ حضرت علیؓ قاتلوں کے ساتھ کچھ زیادہ ہی نرمی سے کام

Marfat.com

لے رہے ہیں اور انہیں سزا نہیں دیں گے۔ ادھر گورنر شام حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت سے انکار کر دیا تھا۔ اہل کوفہ نے عامل وقت حضرت ابوموسیٰ الاشعری کو ترجیح دیتے ہوئے حضرت علیؓ کے عامل کو قبول نہ کیا تھا۔ ان حالات میں حضرت عائشہؓ اور ان کے ساتھیوں نے بصرے سے اپنی اصلاحی مہم کا آغاز کرنے کا فیصلہ کیا اور اہل بصرہ کو اپنے مقصد میں شرکت کی دعوت دی۔ ان اطلاعات پر حضرت علیؓ بھی فوج لے کر بصرہ کے مضافات میں پہنچ گئے۔ اگرچہ فریقین صلح کرنا چاہتے تھے مگر منافقین کی شرارت سے دونوں میں جنگ چھڑ گئی۔ حضرت عائشہ ایک محمل میں ایک اونٹ پر سوار تھیں۔ لڑائی ان کے اونٹ کے گرد خاص طور پر شدید تھی۔ آخر فتح حضرت علی کو حاصل ہوئی۔ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیر اس جنگ میں مارے گئے۔ بہر حال جنگ کے خاتمے پر حضرت عائشہؓ سے کسی قسم کی بدسلوکی کرنے کی بجائے ان کا غیر معمولی احترام کیا گیا اور بصد عزت و توقیر انہیں واپس مکہ روانہ کر دیا گیا۔ اس جنگ کے بعد حضرت علیؓ نے مفتوحین کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنانے کی اجازت نہ دی اور نہ ہی ان کا مکمل و متاع فاتحین نے اپنے قبضے میں کیا۔

اموی اقتدار 662ء میں حضرت امیر معاویہؓ نے بصرہ میں اموی اقتدار بحال کیا اور 665ء میں زیاد بن ابیہ کو وہاں عامل بنا کر بھیجا۔ ایک حد تک اس قصبے کی اموی عہد کے آغاز میں خوشحالی کا ذمہ دار بھی زیاد تھا۔ اس وقت بصرہ پانچ قبائلی حلقوں میں منقسم تھا جن کی قبائل عصبیت کا زور آہستہ آہستہ ہی ٹوٹا۔ عبیداللہ بن زیاد کے عہد امارت میں مقامی حالات اور بھی خراب ہو گئے اور اس کی وفات پر 64ھ/683ء میں البصرہ میں شدید فسادات پھوٹ پڑے۔

ایک طویل عرصہ کی بدنظمی کے بعد بصرہ حامیان حضرت عبداللہ بن زبیر کے زیر اقتدار آ گیا اور 691ء تک انہیں کے پاس رہا۔ پھر اموی اقتدار بحال ہونے کے بعد چند برس تک شورشیں دبانا ہی بنو امیہ کا اولین کام رہا۔ حجاج بن یوسف کے حاکم بن جانے کے بعد اس کی موت 81ھ/701ء تک امن و امان کا دور دورہ رہا۔ بعد ازاں مہلبیوں کی بغاوت نے 719ء میں ابتری پھیلا دی۔ عباسیوں کا دور آیا تو بصرہ بڑی آسانی سے ان کے قبضے میں چلا گیا۔ پھر نئے دارالخلافہ کی تعمیر سے بصرے کی نیم خود مختار حیثیت ختم ہو گئی اور یہ محض ایک معمولی سا صوبائی قصبہ رہ گیا۔ البتہ بعد کے زمانے میں بھی یہاں ایسی بغاوتیں رونما ہوئیں جو سیاسی کم اور سماجی

Marfat.com

زیادہ تھیں۔ یہاں رونما ہونے والی پہلی ایسی بغاوت زط کی تھی جس کی بدولت 820ء تک یہ سارا علاقہ دہشت وخوف کا شکار رہا۔ پھر یہاں صاحب الزنج کی بغاوت رونما ہوئی جس نے 257ھ/ 871ء میں زور پکڑا۔ آخری بغاوت قرامطہ کی تھی، جنہوں نے 311ھ/ 923ء میں بصرہ کو تاخت وتاراج کر کے رکھ دیا۔ کچھ عرصہ بعد بصرہ آل برید کے ہاتھوں میں پڑ گیا جن سے 947ء میں آل بویہ نے چھین لیا۔ ازاں بعد یہاں بنو مزید کی حکمرانی قائم ہوئی اور اس کی خوشحالی ایک بار پھر عود آئی۔ 1123ء میں اس شہر کی فصیل قدیم شہر پناہ سے دو کلومیٹر اندر تعمیر کی گئی جو گیارہویں صدی عیسوی میں برباد ہو گئی تھی۔ ابن حوقل کا بیان ہے کہ ہمارے زمانے میں یعنی 1142ء......1143ء میں البصرہ کی متعدد عمارات منہدم کر دی گئیں تھیں۔ نیز حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ، حضرت ابن سیرین اور حسن بصری کے مزارات کے سوا قدیم بصرہ کا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔

1258ء میں ہلاکو خان کے ورود اور عراق میں ایلخانی حکومت کے قیام کے بعد بصرہ ایلخانی حکومت کا ایسا دور دراز صوبہ قرار پایا جہاں سرکشی، بدامنی اور افتراق کے کئی دور گزرے۔ مشہور مسلمان سیاح ابن بطوطہ نے چودہویں صدی میں اس شہر کو زیادہ تر کھنڈرات کی شکل میں پایا۔ پھر یہ ایران کی صفوی حکومت کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ 1534ء میں عراق پر عثمانی فتح کے بعد یہ شہر عثمانیوں کے قبضے میں آ گیا۔ 1914ء میں یہاں انگریزوں کا قبضہ ہو گیا جس کے بعد اس شہر نے ایک جدید شہر کی شکل اختیار کر لی۔ اس کی دریائی بندرگاہ کو وسعت دے کر اسے شاندار بنا دیا گیا۔ 1948ء میں یہاں تیل دریافت ہوا۔

Marfat.com

بغداد

عراق کا مشہور شہر بغداد دریائے دجلہ کے دونوں کناروں پر آباد ہے اور اس کا محل وقوع 33 درجہ 26 دقیقہ 18 ثانیہ عرض بلد شمالی اور 24 درجہ 23 دقیقہ 9 ثانیہ طول البلد مشرقی ہے۔ اس کی بنیاد آٹھویں صدی عیسوی میں عباسی خلیفہ المنصور نے رکھی تھی۔ اپنی تاسیس سے خلافت عباسیہ کے خاتمے 1258ء تک یہ برابر خلافت اسلامیہ کا دارالخلافہ اور پورے عالم اسلام کا علمی وثقافتی مرکز بنا رہا۔

تاریخ:

بغداد اسلامی عہد سے پہلے کا نام ہے جس کا تعلق ساسانی عہد کی ان بستیوں سے جو اس مقام پر آباد تھیں۔ عرب مؤرخین اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں اور اس کے فارسی الاصل ہونے کا سراغ لگاتے ہیں۔ کئی اور توضیحوں کے ساتھ اس نام کی ایک توضیح یہ کی گئی ہے کہ بغداد دراصل "باغ داد" ہے یعنی وہ باغ جہاں نوشیرواں یا ساسانی بادشاہ خسرو اول اپنے عہد میں مظلوموں کی دادرسی کیا کرتا تھا۔ جدید محققین بھی اس لفظ کے فارسی الاصل ہونے کا اعتراف کرتے ہیں۔

عراق کی قدیم تاریخ میں ایک باشادہ حمورابی Hammurabi ہو گزرا ہے جس کا تعلق بابل کی قدیم سلطنت سے تھا۔ اس بادشاہ کے عہد (1800 ق م) کی ایک قانونی دستاویز (Code Of Hammurabi) میں ایک شہر "بگدادو" Bagdadu کا ذکر ملا ہے۔ اس کے علاوہ بابل کے ایک اور بادشاہ مردوک بلادان Mardukapalidan کے عہد (1208 ق م تا 1195 ق م) سے تعلق رکھنے والے ایک سنگ سرحد پر بھی شہر بغداد کا ذکر ملتا ہے۔ ان قبل از اسلام سراغوں کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ خلیفہ المنصور نے کوفہ کے حالات سے تنگ آکر جو نیا شہر تعمیر کروایا تھا اس کا نام "مدینۃ السلام" (سلامتی کا شہر) رکھا تھا۔ یہی نام اس

Marfat.com

زمانے کی سرکاری دستاویزات، سکوں اور باٹوں پر لکھا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے لیے مدینۃ الخلفاء، مدینہ ابی جعفر اور مدینۃ المنصور کے نام بھی استعمال کیے جاتے تھے۔ اس کا محل وقوع دجلہ کے مغربی کنارے پر صراۃ کے شمالی جانب تھا۔ بعض اسے بدوریا کا حصہ سمجھتے ہیں اور اس کے سالانہ میلے کا ذکر کرتے ہیں۔

قصر شاہی اور اس کا گنبد:

نو تعمیر بغداد کی عظمت کا نشان اس کے قصر شاہی کا ایک سبز گنبد تھا جو قبۃ الخضراء کہلاتا تھا۔ اس گنبد کی چوٹی پر ایک گھڑ سوار کا مجسمہ نصب کیا گیا تھا۔ اس گنبد نے لمبی عمر نہ پائی اور 329ھ/ 941ء میں ایک شدید طوفان بادوباراں آیا اور یہ گنبد غالباً بجلی گرنے سے گر پڑا۔ بغداد کے قصر الذہب کی تعمیر میں سنگ مرمر اور دیگر پتھر استعمال کیا گیا تھا اور اس کے پھاٹک کی تزئین طلائی کام سے کی گئی تھی۔ یہ محل تقریباً نصف صدی تک خلفاء کی سرکاری سکونت گاہ کے طور پر استعمال کیا گیا۔ 814ء میں ہونے والے محاصرہ بغداد کے دوران اس محل کو شدید نقصان پہنچا۔ اس کے بعد یہ سرکاری مسکن نہ رہا۔

جامع مسجد:

خلیفہ المنصور نے شہر کے ساتھ ایک جامع مسجد تعمیر کی تھی جو اس کے نام پر جامع المنصور کہلاتی تھی۔ 191ھ/ 807ء میں ہاروا الرشید نے اسے گرادیا تھا اور دوبارہ تعمیر کیا تھا۔ 893ء میں اس مسجد میں آخری مرتبہ اس مسجد میں توسیع کی گئی۔ یہ خلیفہ المعتضد کے حکم پر کی گئی تھی۔ اس مسجد میں ایک مینار بھی تھا جو 910ء عیسوی میں جل گیا تھا مگر پھر دوبارہ تعمیر کیا گیا تھا۔ 653ھ/ 1255ء میں یہ مسجد ایک سیلاب کی زد میں آ گئی، لیکن اس حادثے اور تاتاریوں کے حملے سے بچ نکلی۔

بیت الحکمت:

بغداد اپنے عہد عروج میں ثقافت اسلامیہ کا ایک عظیم مرکز تھا۔ یہ حنفی اور حنبلی فقہ کا گھر تھا۔ اس میں بیت الحکمت قائم ہوا، جس میں دوسری زبانوں کی علمی کتب کو عربی میں ترجمہ کیا جاتا

Marfat.com

تھا۔اس مرکز کے لیے باہر سے بھی ترجمے کرائے جاتے تھے۔الخطیب کی ''تاریخ بغداد'' گواہ ہے کہ علم کے ایک ایک شعبے میں بغداد سے تعلق رکھنے والے فضلاء کی تعداد کتنی زیادہ تھی۔صرف خلفاء ہی نہیں بلکہ وزراء اور بڑے بڑے امراء سب علم وفضل کی ہر طرح سے قدر افزائی کرتے تھے۔اسلامی ثقافت کا تخلیقی عہد بغداد کے ساتھ وابستہ ہے۔اس عہد میں آگے چل کر عام کتب خانے جو مطالعے اور تعلیم کے مرکز تھے قائم کیے گئے۔ان میں سب سے زیادہ مشہور ابونصر سابور بن اردشیر کا دارالعلم تھا۔ جب مدرسوں کا دور شروع ہوا تو بغداد ہی پورے عالم اسلام میں اس میدان میں آگے رہا۔

بیمارستان:

تیسری صدی ہجری/نویں صدی عیسوی اور دسویں صدی عیسوی میں بغداد میں شفاء خانے یا ہسپتالوں کی طرف خصوصی توجہ دی گئی۔بغداد کے شفاخانوں میں ''البیمارستان السیدہ'' (306ھ/918ء)، ''البیمارستان المقتدری'' اور ''بیمارستان العضدی'' بہت مشہور تھے۔وزراء اور امراء نے بھی شفاخانے قائم کیے۔ان میں اطباء کی بھی وقتاً فوقتاً نگرانی کی جاتی تھی۔

شورش پسندی اور آفات:

خلیفہ الامین کے عہد تک بغداد کی شہری زندگی میں ثبات اور استحکام رہا۔ پہلے محاصرے (814ء) کے بعد عوام الناس میں شورش پسند عناصر کا ظہور ہوا۔تیسری صدی ہجری/ نویں صدی عیسوی کے آخری ربع سے سیلاب اور آتشزدگی نے بھی تباہی مچائی۔883ء میں آنے والے ایک سیلاب نے بغداد کے محلہ کرخ کے سات ہزار گھر برباد کر دیئے۔اسی طرح 904ء اور 939ء میں آنے والے سیلابوں نے بغداد کو کافی نقصان پہنچایا۔983ء میں ایک سیلاب باب الکوفہ سے آگے بڑھ کر شہر میں داخل ہو گیا۔مخط مور طاعون جو 320ھ/932ء سے پہلے کبھی کبھار کی بات تھی اس کے بعد متواتر آنے لگے۔ذیل کے سالوں میں اشیائے صرف کمیاب رہیں۔934ء، 935ء، 937ء، 938ء، 940ء میں قحط سالی کے ساتھ طاعون بھی آیا۔943ء تک ان آفات کے بغداد کی شہری زندگی اجیرن کر دی۔934ء میں محلہ کرخ میں جو آتشزدگی ہوئی وہ دوسرے محلوں تک پہنچ گئی اور اس کے آثار سالہا سال بعد تک نظر

Marfat.com

آتے رہے۔ بغداد کے عوام کی شورشوں سے، فرقہ بازیوں اور ''عیاروں'' کی چالبازی سے بہت نقصان پہنچا۔ تاریخی مآخذ عوام کی جہالت کا بار بار ذکر کرتے ہیں۔ لیکن ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بغداد کے شہری اچھے لوگ تھے، اگرچہ ہر ایک بات مانتے تھے اور قانون شکنی پر بھی تیار ہو جاتے تھے۔ 892ء میں خلیفہ المعتضد نے قصہ گوؤں اور نجومیوں کو مسجدوں اور گلی کوچوں میں بیٹھنے سے منع کر دیا تھا۔

فتنہ وافسادات:

آل بویہ کے عہد میں فتنے اور فرقہ وارانہ فسادات شدید طور پر بڑھ گئے۔ جن کی وجہ سے بغداد کو شدید جانی مالی نقصان پہنچا۔ آل بویہ نے یوم عاشورہ کو عام ماتم کا دن قرار دیا تھا اور اس روز بازار بند رہتے اور ماتمی جلوس نکالے جاتے تھے۔ 18 ذوالحجہ کو یوم غدیر یا شیعہ عید کا دن قرار دے دیا تھا۔ اس کے مقابلے میں سُنیوں نے اپنے الگ دو دن مقرر کئے، جو شیعوں کے مندرجہ بالا دنوں کے 8 دن بعد منائے جاتے تھے۔ 338ھ/ 949ء سے بغداد میں شیعہ سُنّی جھگڑوں کا آغاز ہوا۔ اگلے دس سال میں ان دونوں فرقوں میں جو لڑائیاں ہوئیں ان سے محلے کے محلے تباہ ہو گئے۔ 971ء میں محلہ کرخ میں ہونے والے فسادات میں سترہ ہزار افراد مارے گئے اور بے شمار دکانیں اور مکانات نذر آتش کر دیئے گئے۔

بغداد کے ''عیار'':

بغداد کے عیار ایک طرح کے ہندوستانی ٹھگ تھے جن کے ہاتھوں لوگوں کو اپنی جان و مال کا ہر وقت خطرہ لگا رہتا تھا۔ وہ بغداد کے بازاروں اور سڑکوں پر چلنے کا بھی ٹیکس وصول کرتے تھے۔ راہ گیروں کو لوٹتے اور ہمیشہ راتوں کو گھروں میں گھس کر لوٹ مار کرتے تھے۔ انہوں نے تلوار اور آگ کے ذریعے بغداد میں تباہی پھیلائی اور محلوں کے محلے جلا کر خاکستر کر دیئے۔ یہاں تک کہ اس زمانے میں واعظ دعا مانگتے تھے کہ ''اے اللہ مملکت کو عوام اور شوریدہ سروں سے بچا۔'' ''بُرجمی'' بغداد کے عیاروں کا ایک مشہور سردار تھا۔ اس نے چار سال تک (1030ء ......1033ء)؛ بغداد پر بے تاج بادشاہی کی اور حکومت وقت اس کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ اسے ٹیکس

Marfat.com

اور تاوان وصول کرنے کی کھلی چھٹی تھی تا کہ لوگ اسے ادائیگی کر کے اس کی مار دھاڑ سے اپنا مال و جان محفوظ رکھ سکیں۔

سقوط بغداد:

1055ء میں بغداد میں طغرل بیگ سلجوقی داخل ہوا اور قابض ہو گیا۔ سلجوقیوں نے سنی حمایت کی پالیسی اختیار کی جو آل بویہ کی شیعہ نواز حکمت عملی سے الگ تھی۔ مگر 1058ء میں فاطمی سالار بساسیری نے بغداد پر فاطمی خلفاء کے نام پر قبضہ کر لیا اور بغداد کی مساجد میں فاطمی خلفاء کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ بہر حال بغداد کی آخری تباہی 1258ء میں ہلاکو خان کے ہاتھوں ہوئی۔ خلیفہ المستعصم کے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دینے کے باوجود بغداد آگ اور خون میں ڈوب گیا۔ مقتولوں کی تعداد مؤرخین نے آٹھ سے بیس لاکھ بتائی ہے۔ دجلہ کا پانی علمی کتب کے جانے سے سیاہ ہو گیا مگر اس کے ٹھیک ساڑھے سات سو سال بعد 2001 میں تاریخ نے اپنے آپ کو دُہرایا اور جدید زمانے کے ہلاکو خان جارج بش نے اس شہر بے مثال کو ایک بار پھر خاک و خون میں غلطاں کر دیا۔ کسی محقق نے لفظ ''خون'' سے ''سقوط بغداد'' ۱۲۵۸ء کی تاریخ نکالی ہے۔۔ لفظ الحون کے اعداد ۱۲۵۸ ہی بنتے ہیں۔

Marfat.com

اربیل

اربل Erbil، قدیم اربیلہ Arbela، جواس لیے مشہور تھا کہ یہاں 331 ق م میں سکندر اعظم نے داریوش سوم، شہنشاہ ایران کو فیصلہ کن شکست دی تھی۔ ولایت موصل، عراق کا ایک شہر، جو اس سڑک پر جو موصل سے بغداد جاتی ہے۔ (زاب نام کے دو دریاؤں دزاب اکبر اور زاب اصغر) کے درمیان یکساں فاصلے پر واقع ہے۔ موصل سے مشرق جنوب مشرق کی جانب اس کا فاصلہ پچاس میل ہے اور آلتون کوپرو سے اس کی مسافت 12 گھنٹے ہے۔ یہ وعرض البلد 36 درجہ 11 دقیقہ شمالی اور طول بلد 03 درجہ اور ادقیقہ مشرقی پر واقع ہے۔

لفظ اربیل کو بابلی، آشوری اور قدیم ایرانی میخی کتبوں سے اربہ لکھا گیاہ۔ اس شہر کا نام بہت قدیم زمانے، نویں صدی قبل از مسیح میں آشوری کتبوں میں ملتا ہے۔ نینوہ کے زوال کے بعد یہ شہر آشوریہ کا سب سے اہم شہرہ گیا تھا...... ساسانیوں کے عہد میں اربیل صوبائی والیوں کا صدر مقام رہا۔ شاپور ثانی نے 358ء میں عیسائی مذہب اختیار کرنے پر اس شہر کے ایک والی، فروغ کو قتل کرادیا تھا۔

اسلامی عہد میں اربیل کا ذکر بہت عرصے بعد آخری خلفائے عباسیہ کے عہد میں آتا ہے۔ الطبری کی تاریخ میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔ قدیم عرب جغرافیہ دانوں میں سے صرف ابن خرداز بہ (نویں صدی) اور قامتہ (دسویں صدی) عراق عراب کی تقسیم ملکی کے سلسلے میں اس شہر کا ذکر صوبہ حلوان کے ایک ضلع (طسوج) کے صدر مقام کے طور پر کیا ہے۔ بعدازں اربل کو الجزیرہ میں شمار کیا جانے لگا تھا۔ بالخصوص صوبہ موصل میں 1167ء عیسوی میں یہاں زین الدین علی کوچک بن تلکین نے اربل کو صدر مقام بنا کر ایک چھوٹی سی آزاد ریاست کی بنیاد رکھی تھی۔ بنو تلکین کے اس کرد خاندان میں سب سے زیادہ مشہور صلاح الدین کا برادر نسبتی کوکبوری تھا۔ اس حکمران کے ماتحت اربل خوشحالی کے انتہائی مقام پر پہنچ گیا تھا۔ کوکبوری نے اپنی وفات

Marfat.com

پر لاولد ہونے کی وجہ سے اپنی ریاست کو عباسی خلیفہ المستنعر کے نام کر گیا۔ مگر اس زمانے میں عباسی خلفاء کا اقتدار اتنا گھٹ چکا تھا کہ اس ریاست میں قبضہ کرنے کے لیے خلیفہ کو طاقت کا استعمال کرنا پڑا کیونکہ اہالیان اربل عباسی خلیفہ کو اپنا فرمانروا تسلیم نہیں کرنا چاہتے تھے۔ 1258ء میں جب ہلاکو خان نے بغداد کی طرف بڑھنا شروع کیا تو اپنا ایک سپہ سالار اربل کی طرف بھیجا۔ کردوں کی محافظت کے باوجود اس شہر میں بڑے خون خرابے کے بعد تاتاریوں کا قبضہ ہو گیا۔

آج کے اربل شہر کے دو حصے ہیں، بالائی اور زیریں جو قلعے کے گرد آباد ہے۔ زیریں شہر جس کی تعمیر کوکبوری نے کی تھی۔ قلعہ کی پہاڑی کے مغربی اور جنوبی دامنوں کی طرف واقع ہے۔ اب اس کا بیشتر حصہ ویران پڑا ہے۔ پہلے زمانے میں یہ حصہ بہت وسیع تھا۔ اس حصے کی قابل کر عمارتوں میں ایک بڑی شہر کے آثار بالخصوص نمایاں ہیں، جس میں ایک شاندار مینار تقریباً □203 فٹ بلند ہے، جس کا دور □48 فٹ ہے۔ اس مینار کے ایک کتبے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے کوکبوری نے تعمیر کروایا تھا۔ شاید یہ وہی مسجد ہے جسے العزوینی نے مسجد کف لکھا ہے اور جس میں اس کے بیان کے مطابق ایک پتھر پر آدمی کے ہاتھ کا نشان تھا۔ بظاہر اس کا اشارہ کسی ایسی عبادت گاہ کی طرف ہے جس پر حضرت علیؓ کے ہاتھ (کفِ پا) کا نقش بنا تھا۔ جیسی کہ عراق اور ایران میں اور بھی ہمارے علم میں ہیں۔

بالائی شہر مع قلعہ ایک گول پہاڑی پر آباد کیا گیا ہے جس کے بلندی 65 فٹ ہے اور اس کے پہلو بڑے ڈھلوان ہیں۔ یہ پہاڑی مصنوعی ہے۔ اس کے اندر ڈاٹ کی چھت کے بڑے بڑے زمین دوز راستے اور حجرے ہیں۔ چوٹی پر ایک قلعہ اور اس کے گرد فصیل ہے جو اب کسی قدر شکستہ ہو چکی ہے۔ اس کی بلندی 48 فٹ ہے۔ یہ دیو ہیکل مصنوعی پہاڑی اور اس کے اوپر کا فریب نظر قلعہ ہمیشہ یہاں آنے والے سیاحوں کو متحیر کرتے رہے ہیں۔ کئی گھنٹے کی مسافت سے یہ پہاڑی سارے میدانی علاقے پر چھائی ہوئی نظر آنے لگتی ہے۔

آج کل اربل کی اہمیت کا دارومدار ایک تجارتی منڈی اور تجارت کے مرکز کے طور پر ہے۔

۞......۞......۞

Marfat.com

کرکوک

عراق کا ایک قصبہ جو 35 درجے 25 دقیقے عرض البلد شمالی اور 44 درجے 25 دقیقے طول البلد مشرقی پر واقع ہے۔ یہ عراق کے اس ضلع کا سب سے بڑا قصبہ ہے جو شمال مغرب میں الزاب العسفیر، جنوب مغرب میں جبل حمرین، جنوب مشرق دیالا اور شمال مشرق میں زاگروس Zogros کے سلسلہ کوہ سے گھرا ہوا ہے۔ یہ علاقہ قدیم زمانے سے، سلطنت بابل، سلطنت آشور کے دنوں سے شمال مشرق کے کوہستانیوں کے حملوں کا نشانہ بنا رہتا تھا۔ عہد ساسانیاں میں یہ علاقہ گرکان کے نام سے مشہور تھا۔ اس قصبے کے شہداء کی تاریخ میں بیان کیا گیا ہے کہ آشوری بادشاہ سردنا نے اسے آل ماد کے خلاف بطور ایک فصیل تعمیر کروایا تھا۔ آگے چل کر یونانی حکمران سیلوکس کے زمانے میں قلعہ کا ایک برج بنایا گیا جس کے بعد اس قصبہ کا نام سلوخ یا سربوگ پڑ گیا جو سیلوکس کے نام سے متاثر ہو کر رکھا گیا تھا۔ عہد ساسانیاں میں یہ قصبہ نسطوری عیسائیوں کا مرکز بن گیا۔ یزدگرد ثانی کے عہد میں اس قصبے کے عیسائیوں پر ساسانی حکومت کی طرف وہ جبر و تشدد ہوا جس کا حال تاریخ شہداء میں بیان کیا گیا ہے۔

عیسائی تو ایسے قصبے کو امنگے سریانی نام یا عربی الکرخ کے نام سے یاد کرتے رہے لیکن عربوں نے اسے کیا نام دیا اس کا پتہ نہیں چلتا۔ اسلامی عہد میں اسے خنیا سابوذ اور کرخینا جیسے ناموں سے یاد کیا جاتا رہا۔ عرب جغرافیہ دانوں کے مطابق اسے ہمیشہ بغداد سے موصل جانے والی سڑک پر دریائے دجلہ کے کنارے بیان کیا جاتا ہے۔

بارہویں صدی عیسوی میں علاقہ کرکوک پر خانوادہ بلکتگین کا اقتدار قائم تھا۔ 1223ء میں مظفر الدین قوق بوری کی وفات کے بعد یہ علاقہ اس خاندان کے ہاتھ سے نکل کر خلفائے بنی عباس کے پاس آ گیا۔ مگر چند روز بعد ہی منگولوں نے اسے فتح کر لیا۔

کرکوک کا نام پہلی مرتبہ تاریخ میں ہمیں علی یزدی کے ''ظفر نامہ'' میں ملتا ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ فتح عراق کے بعد تیمور دیار بکر کی طرف روانہ ہوا۔ اس کا راستہ کرکوک اور

Marfat.com

التون قوپرو سے ہو کر جاتا تھا۔ جہاں سے وہ 20 دسمبر 1404ء کو روانہ ہوا تھا۔

سولہویں صدی کے آغاز میں جب عراق کو شاہ اسمٰعیل صفوی نے فتح کیا تو کرکوک پر بھی صفویوں کا قبضہ ہو گیا مگر 1555ء میں جب صفویوں اور عثمانیوں میں سمجھوتہ ہوا اور عراق پر بالآخر عثمانی سیادت تسلیم کر لی گئی تو کرکوک پہلے کی طرح ایک بار پھر مشرق سے آنے والے حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک اہم پشت پناہ یا مورچہ بن گیا۔ 1623ء میں عثمانیوں کی شکست کے بعد کرکوک ایک بار پھر ایرانیوں کے ہاتھ لگا لیکن 1630ء میں اسے دوبارہ عثمانیوں نے فتح کر لیا۔ 1638ء میں سلطان مراد چہارم بغداد کی تسخیر کے لیے جاتا ہوا کرکوک میں ٹھہرا، اگلے تقریباً 100 سال ترک اس پر قابض رہے۔ 1732 میں نادر شاہ نے اس قصبے کا محاصرہ کیا مگر اسے فتح کرنے میں ناکام رہا۔ اگلے اسل پھر کرکوک کے قریب بڑی خونریز لڑائی ہوئی جس کے نتیجے میں ترکوں کو شکست ہوگئی اور ترک وزیراعظم توپل عثمان پاشا میدان جنگ میں کام آیا۔ 1746ء میں صلح نامہ کی رو سے کرکوک ترکی کو واپس مل گیا اس کے بعد 1918ء تک عثمانی سلطنت میں شامل رہا۔ انگریزوں کے قبضے کے بعد 1926ء میں کہیں جا کر یہ قصبہ سلطنت عراق میں شامل کر دیا گیا۔

موجود شہر 120 فٹ بلند ایک قلعہ کے گرد آباد ہے۔ یہ قلعہ بجائے خود ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ جنوب اور مشرق کی جانب میدان میں ایک بڑا محلہ آباد ہے۔ ان محلوں کو ایک اور محلے سے ایک ندی ''خاصد چے'' نامی الگ کرتی ہے۔ یہ ندی دریائے دجلہ سے جا ملتی ہے۔ کرکوک کی آبادی میں آج بھی ترک عنصر غالب ہے۔ یہاں کی آبادی میں دوسرا بڑا عنصر کرد ہیں۔ اسرائیل کے قیام سے پہلے یہودیوں کی ایک بڑی تعداد یہاں آباد ہوگئی تھی، جو عربی بولتی ہے۔

آج کل کرکوک میں پٹرولیم (لفظ) صاف کرنے کے کارخانے قائم ہو گئے ہیں جن سے اس کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔

بابل:

قدیم عرب مصنفین نے بابل شہر Bablon اور بابل کے کے ملک Babylonia□ دونوں کو بابل لکھا ہے۔ عراق کے اس قدیم شہر کے کھنڈرات بغداد سے کوئی چون میل کے فاصلے

Marfat.com

پر بغداد...... حلہ شاہراہ پر موجود ہیں۔ مگر جدید عراق میں موجود اس قدیم ملک کی حدود کے تعین کے بارے میں محققین میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اس کا رقبہ بہت کم تھا۔ مسلم مؤرخوں کی رائے کے مطابق بابل کا قدیم شہر اسلامی فتوحات سے بہت عرصے پہلے ہی ویران اور برباد ہو چکا تھا۔ عہد راشدہ میں اس کی جگہ پر قابل نام کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہی موجود تھا۔

کہا جاتا ہے کہ یہ گاؤں عہد عباسیہ یعنی چوتھی صدی ہجری/ دسویں صدی عیسوی تک موجود تھا۔ مثلاً ابن حوقل بھی اپنے زمانے میں اس کی موجودگی کا ذکر کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ''اس کی عمارتیں عراق بھر میں سب سے قدیم خیال کی جاتی تھیں۔ اور یہ شہر قدیم بادشاہوں نے آباد کیا تھا۔ اس کی شاندار عمارتوں کے کھنڈرات موجودہ زمانے تک بھی اس کی عظمت رفتہ کے ثنا خوان تھے۔ ابو الغداء جس نے ابن حوقل کا یہ اقتباس نقل کیا ہے، اس پر یہ اضافہ کرتا ہے ''یہی وہ شہر ہے جہاں ابراہیم خلیل اللہؑ کے ساتھ نار نمرود والا واقعہ پیش آیا تھا۔

تیرہویں صدی عیسوی میں قزوینی نے بھی بابل کے کھنڈروں کا ذکر کیا ہے ور لکھا ہے کہ لوگ اپنے مکانوں کی تعمیر کے لیے ان کھنڈروں میں سے اینٹیں نکال رہے ہیں۔ وہاں دانیال کا زیر زمین تخبس بھی موجود ہے۔ جہاں نصرانی اور یہودی اپنے تہواروں کے موقع پر زیارت کے لیے آتے ہیں۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن مجید سے ذکر کئے گئے ''ہاروت اور ماروت'' کا گڑھا یا کنواں بھی یہی ہے۔ البکری مینار بابل کا ذکر کرتا ہے۔ اور اسے ''المجل'' کا نام دیتا ہے۔

اس مینار کو عصر حاضر کے ماہرین آثار قدیمہ نے زگورت Zaggurat کا نام دیا ہے۔ البکری کے مطابق اسے بابل میں نمرود نے تعمیر کرایا تھا۔ یہ ساڑھے سات ہزار فٹ بلند تھا۔ یہ وہی مینار تھا جس کی طرف قرآن مجید میں سورہ نحل (26, 16) میں اشارہ کیا گیا ہے۔ مسلم مؤرخین کے مطابق طوفان نوحؑ کے بعد یہ شہر حضرت نوحؑ نے آباد کیا تھا۔ اس کی تعمیر نو بخت نصر نے کی تھی۔ بابل کا شہر قدیم زمانے میں برابر آباد اور پر رونق رہا، تا آنکہ سکندر اعظم نے اسے تباہ و برباد کیا۔ اس شہر کے متعلق صحیح معلومات انیسویں صدی میں سامنے آئیں جب مغربی ماہرین آثار قدیمہ اور محقق اس کے کھنڈرات تک پہنچے تھے۔ انہوں نے بہت سی قدیم اشیاء یہاں سے برآمد کیں جن میں قدیم خط میخی میں رقم کی گئیں بہت سی مٹی کی انواع بھی تھیں۔ جن سے اس شہر کی قدیم تاریخ وحالات کا پتہ چلا۔ بہر حال بابل کی تہذیب عراق کی قدیم تہذیبوں میں سے ایک تھی۔

Marfat.com

الجزیرہ:

یہ نام عرب جغرافیہ دان دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقے میں میسوپوٹیمیا کے شمالی حصے کے لیے استعمال کرتے ہیں، لیکن الجزیرہ میں وہ شہر اور آبادیاں بھی شامل ہیں جو بالائی دجلہ کے پار بجانب شمال واقع ہیں، اور وہ بھی جو دجلہ کے وسطی پھیلاؤ کے مشرق میں ہیں جسے باعیناثا، الخابور الحسینیہ اور زابات، اسی طرح دریائے فرات کی گزرگاہ کے قریب دائیں کنارے کے ساتھ ساتھ مغرب کی جانب زمین کا جو تنگ سا ٹکڑا ہے وہ بھی الجزیرہ کا حصہ خیال کیا جاتا ہے۔

الجزیرہ جغرافیائی اعتبار سے ایک اچھا خاصا پست سا مرتفع میدان ہے جس میں چند پہاڑی سلسلے بھی شامل ہیں۔ قراجہ طاغ، عمید اور فرات کے درمیان، طور عبدین، ماردین اور جزیرہ ابن عمر کے درمیان جبل عبدالعزیز البلیخ اور خابور کے درمیان جبل سنجار، الخابور اور دریائے دجلہ کے درمیان اور جبل مکحول، موصل کے جنوب میں۔ ان پہاڑوں سے فرات کے بائیں کنارے کی کئی معاون ندیاں نکلتی ہیں۔ الجزیرہ کے مغرب میں شام ہے، شمال میں مغرب میں عراقی ثغور، شمال اور شمال مشرق میں آرمینیا، مشرق میں آذربائیجان اور جنوب میں باقی عراق جس کی ابتداء از انبار تا تکریت ایک خط سے ہوتی ہے۔ الجزیرہ کی تاریخ بڑی اہم ہے، کیونکہ یہ ان شاہراہوں پر واقع ہے جو عراق اور اناطولیہ، علی ہذا العراق اور شام درمیان۔ اس وسیع خم کے ساتھ ساتھ واقع ہیں جسے ہلال خصیب کہا جاتا ہے۔ بغداد ریلوے بھی اس خطے سے گزرتی ہے۔ رومی بوزنطی عہد میں الجزیرہ ایران اور بازنطینی سلطنتوں میں بٹا ہوا تھا۔ عربی فتوحات یعنی عہد راشدہ میں بوزنطیوں کے قبضے میں وہ علاقہ تھا جو راس عین سے فرات تک اور طور عبدین سے جنوب کی طرف میدانی علاقے تک پھیلا ہوا تھا۔ سرحد نصیبین اور دارا کے مابین قلعہ سرجہ کے پاس واقعہ تھی۔ شام کی فتح کے بعد بازنطینی دستے اپنی سلطنت سے کٹ گئے اور ان کا رابطہ صرف آرمینیا سے رہ گیا تھا۔ لہٰذا مسلم فاتح عیاض بن غنم کو اس علاقے میں کسی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ مغربی حصہ 18ھ/639ء اور مشرق حصہ 20ھ/641ء میں فتح ہوا۔

عہد بنوامیہ میں الجزیرہ عراقی شیعیوں اور شامی حامین بنوامیہ کے درمیان کارزار بارہا۔ سلیمان ابن صرد جسے زفر بن الحارث القیسی کی تائید حاصل تھی 65ھ/685ء میں راس عین کے قریب ایک معرکے میں مارا گیا تھا۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے جب دیر جاثلیق کے مقام

Marfat.com

پر 72ھ/693ء عراق میں معصب بن الزبیر کو شکست دی تو اس کے لیے اُسے الجزیرہ پہلے فتح کرنا پڑا تھا۔

الحجاج کے زمانے اور آخری خلفاء بنوامیہ کے عہد میں الجزیرہ میں خوارج نے کئی مرتبہ بغاوت کی۔ یاد رہے آخری اموی خلیفہ مروان ثانی کے عہد کا دارالخلافہ حران بھی الجزیرہ کا دارالخلافہ تھا۔

عباسی فرمانروا بھی بغیر مزاحمت کے الجزیرہ فتح نہ کر سکے بلکہ محمد بن صول اور یحییٰ کو وہاں بھیجا گیا تو موصل کے مقام پر بڑے سنگین واقعات پیش آئے، عباسی عہد کے آغاز ہی میں خلیفہ المنصور کے چچا عبداللہ بن علی کی بغاوت کا مرکز بھی الجزیرہ ہی تھا۔ آگے چل کر المامون کے عہد میں نصر بن شیث کی بغاوت بھی الجزیرہ میں پھیلی تھی۔ خلیفہ المہدی کے عہد میں یہ صوبہ الخوارج کا گڑھ کہلانے لگا تھا۔

تکریت:

دریائے دجلہ کے دائیں کنارے کا ایک قصبہ جو سامرا کے شمال میں سامرا سے ایک دن کی راہ پر اور بغداد سے بقول سمعانی 20 فرسنگ کے فاصلے پر سلسلہ جبل حمرین کے دامن میں واقع ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے عراق کے اس علاقے کا محل وقوع عراق کی شمالی سرحد پر ہے۔ اس علاقے کی زمین کچھ نہ کچھ بلند و پست اور نشیب و فراز پایا جاتا ہے۔ پرانا قصبہ چند پہاڑیوں پر جو اس کے آس پاس ہیں تعمیر ہوا تھا۔ ان میں سے ایک پہاڑی پر جس کے دامن میں دریا بہتا ہے موجود قصبہ آباد ہے۔ اس کے شمال میں سنگ ریگی کی ایک چٹان واقع ہے جس پر اب تک ایک پرانے قلعے کے آثار موجود ہیں۔

بعض محققین کا خیال ہے کہ تکریت کا نام بخت نصر کے عہد کی ایک لوح پر لکھا ہوا پہچانا جا سکتا ہے۔ لیکن بعض دیگر کہتے ہیں کہ یقینی طور پر عراق کے اس قدیم قصبہ کا ذکر بطلیموس کے ''جغرافیہ'' میں ملتا ہے۔ جو اسے برشتہ کا پرانا نام دیتا ہے۔ چوتھی صدی عیسوی سے یہاں یعقوبی اسقف کی گدی قائم تھی تا آنکہ 1100ء میں اسے اسقفیہ موصل میں شامل کر دیا گیا۔ مؤرخین کے نزدیک اس کی بنیاد ساسانی بادشاہ سابور بن اردشیر نے رکھی تھی۔ کہتے ہیں کہ اس شہر کا نام

Marfat.com

ایک عیسائی بدویہ تکریت بنت وائل کے نام پر رکھا گیا تھا۔

عہد اسلام سے پہلے اس پر عرب قبیلہ ایاد نے قبضہ کرلیا تھا۔ پھر انہیں وہاں سے نکال دیا گیا۔ تکریت کو پہلے پہل 16ھ میں عبداللہ بن المعتم نے جسے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے بھیجا تھا فتح کیا تھا۔ پھر عہد راشدہ ہی میں دوبارہ یہ قصبہ 20ھ از روئے صلح مطیع ہو گیا۔ تاریخی روایات کے مطابق دوسری مرتبہ اس قصبے پر النیسر بن دیسم یا اس کے نائب عتبہ بن فرقد السلمی یا مسعود بن حریث بن الابجز نے قبضہ کیا تھا۔ مسعود ہی یہاں کا پہلا اسلامی حاکم یا والی تھا۔ اسی نے یہاں جامع مسجد تعمیر کروائی تھی۔

دسویں صدی عیسوی کے وسط سے عرب جغرافیہ دان تکریت کو اداری اعتبار سے الجزیرہ میں شامل کرتے ہیں، لیکن المقدسی کے زمانے سے الادریسی اور دمشقی کے سوا اکثر جغرافیہ نویس اس قصبے کو عراق میں ہی شامل سمجھتے ہیں۔ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں اس قصبے کے تقریباً سبھی باشندے عیسائی تھے۔ ابن حوقل اور مسودی وہاں کے الخضراء نامی ایک کینسہ کا ذکر کرتے ہیں۔ شہر کے جنوب میں اس نام کے کھنڈرا بھی تک موجود ہیں۔

انیسویں صدی میں یہاں مغربی ساحوں کی آمد کے بعد ماہرین آثار قدیمہ کے نقطہ نظر سے آثار یاتی کھدائی سے قابل ذکر اشیاء ملنے کی توقع تھی۔ ہرتس فیلڈ Harz Feld کو یہاں سے ساسانی بادشاہوں کے زمانے اور اسلام کی ابتدائی صدیوں کے سفالیہ، کوزہ گری کے دلچسپ نمونے ملے ہیں۔

الموصل:

دیار ربیعہ کا صدر مقام دریائے دجلہ کے مغربی کنارے پر قدیم نینوا کے مقابل آباد ہے۔ مسلمانوں نے اس کے متعلق مسلمان مورخین نے اس شہر کے متعلق لکھا ہے کہ یہ عراق کے دیو مالائی زمانے سے آباد ہے۔ اس کی بنیاد راوند بن بیوراسف الازدہاق نے رکھی تھی۔ ایک روایت کے مطابق اس کا پرانا نام خولان تھا۔ موصل کے ساسانی گورنر کا نام بوذاردشیران شاہ تھا اسی طرح اس شہر کا ساسانی نام بوذاردشیر تھا۔ آثور کے اسقف حلقے کا صدر مقام ہونے کی حیثیت سے موصل نے نینوا کی جگہ لے لی تھی۔ یہاں مسیحیت دوسری صدی عیسوی میں پہنچ چکی

Marfat.com

تھی۔ 570ء میں ابن ایشوع ایہبہ المعروف بہ برقوسرا نے دجلہ کے بائیں کنارے پر نینوا کے بالمقابل ایک مسیحی خانقاہ تعمیر کرائی تھی جس کے گرد خسرو ثانی نے متعدد عمارات تعمیر کروائیں۔

حضرت عمر بن خطاب کے عہد خلافت میں جب عتبہ بن فرقد نے نینوا فتح کیا۔ (20ھ) تو دجلہ کے بائیں کنارے کے قلعے کی فوج نے بھی ادائیگی جزیہ پر صلح کر لی اور یہ اجازت بھی لے لی کہ وہ جہاں چاہے وہاں جاسکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ ہی کے عہد میں عتبہ کو موصل کے کماندار کے عہدہ برطرف کیا گیا تھا۔ اس کی جگہ ہرثمہ بن عرفجہ البارقی یہاں کے حاکم مقرر ہوئے۔ اس نے یہاں عربوں کو آباد کیا۔ اس طرح موصل ایک شہر کی شکل اختیار کر گیا جس میں ایک جامع مسجد بھی تعمیر کی گئی۔

65ھ تا 86ھ عبدالملک نے اپنے بیٹے سعید کو الموصل کا اور اپنے بھائی محمد کو آرمینیا اور الجزیرہ کا والی مقرر کیا تھا۔ اس کے صاحب الشرطہ ابن تلید نے شہر کی گلیوں میں پکا فرش لگوایا اور اس کے گرد ایک فصیل بھی تعمیر کروائی۔ شہر کے نظم ونسق کو درست کیا اور سڑکیں اور دریائے دجلہ پر کشتیوں کا ایک پل تعمیر کرایا۔ اسی نے یہاں جامع مسجد تعمیر کروائی تھی۔

خلیفہ المتوکل عباسی کی موت کے بعد مساور خارجی نے موصل کے کچھ علاقے پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس زمانے میں عقبہ بن محمد خزاعی موصل کا عامل تھا۔ اسے معزول کر دیا گیا تھا۔

جب 279ھ میں المعتضد خلیفہ مقرر ہوا تو حمدان پہلے پہل اسکا نور نظر بن گیا۔ لیکن 282ھ میں اس نے موصل میں بغاوت کر دی۔ خلیفہ نے جب اس کے خلاف واصف اور نصر کی قیادت میں فوج بھیجی تو وہ شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ بعد ازاں حمدان کو گرفتار کر لیا گیا۔

بعد کی صدیوں میں یہاں اتابک عماد الدین وغیرہ حکمران رہے۔ 642ھ/1258ء میں یہاں کے حکمران بدرالدین لؤلؤ نے ہلاکو خان کی اطاعت اختیار کر لی اس طرح موصل تاتاریوں کے ہاتھوں برباد ہونے سے بچ گیا، لیکن جب لؤلؤ کا بیٹا ملک صالح اسمٰعیل منگولوں کے خلاف سلطان مصر بیبرس کا ہمنوا بن گیا تو 660ھ/1260ء میں موصل کو تاتاریوں نے لوٹ لیا۔

جلائر کا مغول خانوادہ بغداد کے ایلخانیوں کا جانشین اور سلطان شیخ اویس نے 766ھ/1364ء میں موصل کو جلائر سلطنت میں شامل کر لیا۔ فاتح عالم تیمور نے جب عراق پر

Marfat.com

حملہ کیا تو نہ صرف موصل کو تباہی سے محفوظ و مامون رکھا بلکہ یہاں مدفون انبیاء علیہ اسلام حضرت یونسؑ اور حضرت جرجیسؑ کے مقابر کو نذرانے اور قیمتی تحائف بھی دیئے۔

آف قویونلد کے ترکمان خاندان کے بعد یہاں صفوی آئے اور پھر ان کی جگہ سولھویں صدی میں عثمانیوں نے لے لی۔ بیسویں صدی تک موصل سلطنت عثمانیہ کا ایک غیر اہم صوبائی شہر رہا۔ جنگ عظیم اول کے بعد اسے سلطنت عراق میں شامل کر دیا گیا۔

نینوا:

دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر موصل کے بالمقابل کھنڈروں کا ایک وسیع و عریض رقبہ موجود ہے۔ جہاں قدیم آشوری سلطنت کا پایہ تخت نینوا واقع تھا۔ قدیم آشوری کتبوں میں بھی اس شہر کا نام نینوا املا ہے۔

نینوا شہر کے کھنڈرات کا رقبہ موجود شہر موصل سے دگنا ہے اور شمال مغرب سے جنوب مشرق تک پھیلا ہوا ہے۔ قدیم شہر کی حدود اس کی فصیلوں سے واضح ہے۔ حضرت یونسؑ کا تعلق اسی قدیم شہر نینوا سے تھا۔ آج کل تل نبی یونس یہاں ایک جگہ ہے جس کے مغربی حصے میں ایک گاؤں اور ایک مسجد ہے اور مشرقی حصے میں ایک قبرستان ہے۔ عرب مصنفین اس جگہ کا نام تل التوبہ لکھتے ہیں اور اس کا سبب اہل نینوا کا توبہ کرنا اور اپنے بت توڑ کر حضرت یونس کی دعوت پر راہ راست پر آنا بیان کرتے ہیں۔ ابن بطوطہ نے اسے تل یونس لکھا ہے۔ حضرت یونسؑ کے مبینہ مقبرے کی وجہ سے یہودی اور نصرانی بھی اس جگہ کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔

قرون وسطیٰ کی اسلامی روایات کے مطابق حضرت یونسؑ کو مچھلی نے دریائے دجلہ کے کنارے بلد کے مقام پر اُگل دیا تھا اور قرآن مجید کے مطابق (37 الصفت: 146) ان کے جسم پر کدو (یقطین) کی بیل اُگا دی تھی اس بیل کو بعد ازاں کوفہ کی مسجد میں محفوظ کر لیا گیا تھا۔ یہاں موجود جامع نبی یونسؑ میں سنگ سماق کی وہ سل دکھائی جاتی ہے جس پر مچھلی نے حضرت یونسؑ کو اُگلا تھا۔ موصل کے لوگوں کا عام عقیدہ ہے کہ نینوا میں قبونحق کے بڑے ٹیلے میں یہ مچھلی اور نبی یونسؑ والے چھوٹے ٹیلے میں خود حضرت یونسؑ مدفون ہیں۔

Marfat.com

النجف اشرف:

عراق کے صوبے کربلا کا ایک آباد و شاداب شہر جسے کمشنری کا درجہ حاصل ہے۔ یہ شہر خلیفہ چہارم حضرت علیؓ بن ابی طالب کے روضہ مبارک کی وجہ سے مقدس اور قدیم حوزہ علمیہ ہونے کی وجہ سے نہایت احترام وعظمت کا مالک ہے۔

عراق کے مغربی صحرا کا وہ بالائی کنارہ، جو تدریجاً اونچا ہے پھر وادی اسلام سے ہو کر حویش کی بلندی پر ختم ہو کر جنوب مغرب میں نشیبی گہرائی اختیار کر لیتا ہے۔ حویش سے پہلے النجف کی پرانی آبادی ہے اس کی گہرائی ''بحیرہ نجف'' کہلاتی تھی۔ یہاں کبھی کشتیاں لنگر انداز ہوا کرتی تھیں۔ اب نخلستان اور عمدہ چاولوں کی کاشت کے لیے مشہور ہے۔

21 رمضان 40ھ/ 661ء کو حضرت علیؓ ظہر الکوفہ، غربی میں سپرد لحد کیے گئے۔ اس زمانے کے سیاسی حالات اور خارجیوں کی حضرت علیؓ سے دشمنی کی وجہ سے حضرت علیؓ کی قبر خفیہ رکھی گئی تھی۔ پھر بنوامیہ کا دور ختم ہوتے ہی مزار پر لوگوں کی آمد و رفت بڑھی۔ حضرت امام جعفرؒ نے بتاکید لوگوں کو اشتیاق دلایا اور عراق آنے جانے والوں کو زیارت کی فرمائش کی۔ پھر امام خود کوفے آئے تو اپنے جد اعلیٰ کی قبر پر خود بھی حاضری دی۔ ان کے ساتھ متعدد حضرات تھے۔ اسی دور میں پہلے عباسی خلیفہ ابوالعباس السفاح کے چچا داؤد بن علی عباسی نے (م 133ھ/ 750ء) قبر مبارک پر ایک قیمتی لکڑی سے تیار کردہ صندوق رکھوا دیا۔ اس کے بعد سے قبور نجف و کربلا پر قیمتی لکڑی کے صندوق رکھنے کی روایت چلی آ رہی ہے۔

تعمیر مزار:

مشہور ہے کہ ایک دن عباسی خلیفہ ہارون الرشید شکار کھیلنے کے لیے نجف کے علاقے میں آیا تو اس نے یہاں کچھ غیبی نشانات دیکھے تو قبر مبارک پر حاضری دی اور پختہ مزار تعمیر کروایا۔

ہارون الرشید نے قبر انور کے گرد خوبصورت سفید چار دیواری اور سنگ سرخ کا گنبد بنوایا تھا جس پر سبز رنگ کا خول چڑھا ہوا تھا۔ یہ خول مدت تک خزانہ مزار میں محفوظ رہا۔

ہارون الرشید کا شکار والا واقعہ چونکہ تعمیر مزار کا محرک ہوا تھا، اسی بناء پر آج بھی مزار کی

Marfat.com

ایک دیوار پر صدیوں پرانی یہ تصویر احتیاط کے ساتھ رکھی گئی ہے۔

بعد کے خلفائے عباسیہ میں سے واثق باللہ (م 232ھ/ 747ء) نجف آیا جس کا ثبوت قصیدہ اسحاق بن ابراہیم موصلی کے وہ اشعار ہیں جو تاریخ الکوفہ میں موجود ہیں اور جن میں واثق باللہ کے نجف آنے اور مزار مقدس پر حاضری دینے کا ذکر موجود ہے۔ واثق باللہ کے بعد المقتفی نے بھی کئی مرتبہ مزار مقدس پر حاضری دی تھی۔

عباسی عہد میں بھی مزار مقدس کی تعمیر و توسیع کئی مرتبہ ہوئی۔ پھر تیسری صدی کے علوی حکمرانوں میں زیدیوں کے داعی محمد بن زید (م 270ھ/ 884ء) نے ایران سے قیمتی پتھر لا کر حسینی اور علوی مزارات کی تعمیر و تزئین کی۔ اس نے مزار مبارک پر ایک شاندار گنبد تعمیر کرنے کے علاوہ ایک بڑا احاطہ بھی بنوایا تھا۔

چوتھی صدی ہجری میں بنو بویہ نے سیاسی قوت حاصل کی اور بغداد کی حکومت کے سیاہ و سفید کے مالک بن گئے۔ اس خاندان کے عضد الدولہ نے نجف و کربلا کی تعمیر و تزئین پر بڑی توجہ صرف کی۔ اس نے روضہ حضرت علیؓ کی از سر نو تعمیر کروائی۔ چھت میں اعلیٰ درجے کی قندیلیں نصب کرائیں اور قبر انور پر نہایت نفیس لکڑی کے کام والا ایک صندوق نصب کیا اور اس پر چاندی کا کام بھی کروایا۔ ایوان میں قیمتی پردے اور قالین، شمع دان رکھوائے خوشبوؤں کا اہتمام کیا۔

نجف کی تاریخ کا اہم دور ایران کے صفوی بادشاہوں کا دور ہے۔ اس عہد میں شاہ اسمٰعیل اول نے 1508ء میں النجف کو از سر نو تعمیر کروایا۔ مزار مقدس کی تزئین نو کی۔ بہت بڑا وقف قائم کیا۔ نہر نجف کو جاری کیا۔ شاہ صفی اول نے بھی اپنے عہد میں مزار اور شہر کو چار چاند لگا دیئے۔ ان شیعہ حکمرانوں کے علاوہ اس کے عہد کے سنی عثمانی خلفاء میں سے 1637ء میں سلطان مراد نے غیر معمولی دریا دلی سے نجف و آستان علوی کی مرمت و تجدید کروائی تھی۔

سامرا:

تاریخی و جغرافیائی اعتبار سے سامرا اب صرف ایک گاؤں ہے۔ یہ دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر تکریت اور بغداد کے درمیان واقع ہے۔ اس کے اشتقاق کی بابت مندرجہ ذیل آراء پیش کی گئی ہیں۔ سام راہ، سائی امراء، اور سا۔ مرا۔ آخری دو لفظوں کا مطلب ہے کہ خراج ادا کرنے کی

Marfat.com

جگہ۔ خلفاء عباسیہ کے سکوں پر سامرا ''سر من رائ'' (جس نے دیکھا وہ خوش ہوا) ثبت ہے۔

836ء میں خلیفہ المعتصم کی حکومت کی ایک ترک جرنیل اشناس نامی نے کرخ فیروز سے دو فرسنگ جنوب کی طرف سامرا کی بنیاد رکھی۔ بغداد میں خلیفہ کو اپنے تنخواہ دار ترک اور بربر سپاہیوں کی آئے دن کی بغاوتوں سے ہمیشہ خطرہ لگا رہتا تھا، جس کی وجہ سے خلیفہ ایک ایسے شہر میں اقامت اختیار کرنا چاہتا تھا جس میں خطرات انسبتاً کم ہوں۔ 836ء سے 889ء تک تقریباً سات عباسی خلفاء نو تعمیر کردہ سامرا میں مقیم رہے۔ اس طرح اس نو تعمیر کردہ دارالحکومت نے تقریباً پچاس سال کی سیاسی زندگی پائی۔ سامرا دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے کے ایک ایسے گوشہ پر تعمیر ہوا تھا جہاں سے یہ دریا جنوب مشرقی رخ پر بہنے لگتا ہے۔ دریائے دجلہ کے مغربی کنارے پر سامرا کے بالمقابل بہت سے قلعے بنے ہوئے ہیں۔ سامرا کی سب سے اہم شاہراہ ''سریجہ'' تھی جو قید خانے اور کوتوالی کے پاس سے گزرتی ہوئی اس محلے کی جانب نکلتی تھی جو وزیر حسن بن سہل کے نام سے موسوم تھا۔ سامرا کی مشہور ترین عمارات اس کے قصر تھے۔ الجوسق اور انہارونی وغیرہ کہتے ہیں اس عباسی شہر کی سریع بربادی اس جرم عظیم کی پاداش میں ہوئی تھی کہ خلیفہ المتوکل نے 236ھ/ 851ء میں کربلا کے مقام پر حضرت امام حسینؓ کی قبر مبارک اور روضہ کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔ المتوکل کی وفات پر المنتصر ایک مرتبہ پھر دربار بغداد سے سامرا لے گیا۔ المعتضد آخری عباسی خلیفہ تھا جو سامرا میں مقیم رہا۔ اس نے دریا کے مشرقی کنارے پر ''المعشوق'' نام کا ایک محل بھی 255ھ میں تعمیر کرایا تھا۔

دسویں صدی عیسوی کے بعد سامرا کی عمارت کھنڈر بن گئیں ورصرف سامرا کی جامع مسجد باقی رہ گئی جو فوجی چھاؤنیوں کے قریب تھی۔ اس سے متصل دو شیعہ اماموں کی قبور کی جگہ، ایک گیارہویں امام حسن عسکری کی اور دوسری بارہویں امام ابوالقاسم محمد المہی جو 878ء میں اسی شہر کے نزدیک ایک غار سے غائب ہو گئے تھے۔

عین التمر :

انبار اور کوفے کے درمیان صحرا کے کنارے پر ایک سرسبز نشیب میں ایک چھوٹا سا قصبہ جو کربلا سے کوئی 80 میل دور مغرب میں واقع ہے۔ اس عربی لفظ کے معنی کھجوروں کا چشمہ

Marfat.com

ہے۔اس کا یہ نام یہاں کھجوروں کی کثرت کی وجہ سے رکھا گیا تھا۔

ابن کلبی کے بیان کے مطابق یہ حذیمہ الابرش کی مملکت حیرہ میں شامل تھا۔کہا جاتا ہے کہ یہیں شاپور نے ہترہ کے بادشاہ کی بیٹی نضیرہ بنت ضیزن سے شادی کی تھی۔

عہد راشدہ میں جب حضرت خالد بن ولید نے 12ھ/ میں عین التمر پر حملہ کیا تو یہاں ایک فوجی چوکی تھی۔حضرت خالد نے قلعہ فتح کر کے تمام محافظ فوج کا صفایا کر دیا تھا۔ انہوں نے یہاں کے چند سیاسی نوعیت کے خطرناک افراد کو بھی گرفتار کر لیا۔یہ بین الاقوامی قیدیوں کا پہلا گروہ تھا جو عہد راشدہ میں مدینہ گرفتار کر کے لایا گیا۔ان قیدیوں کے بیٹوں اور پوتوں نے بعدازاں مسلمانوں کی فوجی، انتظامی، اور علمی زندگی میں نمایاں کردار ادا کیا۔

اسلامی فتوحات کے متعلق جو مختصر معلومات حاصل ہوئی ہیں ان کے مطابق عین التمر میں کچھ عیسائی آباد تھے اور ان کا ایک کلیسا بھی تھا۔چند یہودیوں کی آبادی بھی تھی جن کا صومعہ بھی تھا۔تاہم یہاں اکثریت مشرک عربوں کی تھی جو قبیلہ تغلب، نمر اور اسد سے تعلق رکھتے تھے۔ عین تمر کو عہد راشدہ اور اسلامی زمانے میں بھی اہمیت حاصل رہی۔جغرافیائی اعتبار سے بھی اس مقام کو کافی اہمیت حاصل تھی۔ کیونکہ یہ شہر عراق کے زرخیز مرکز اور صحرائی شام کے درمیان آمدورفت کے راستے پر واقع تھا۔

اسی اہمیت کی وجہ سے عہد راشدہ میں والئ کوفہ نے یہاں ایک فوج متعین کر رکھی تھی، تاکہ وہ اس شہر سے آنے والے راستوں کی حفاظت کرے۔ چوتھی صدی ہجری / دسویں صدی عیسوی میں بقول مقدسی عین التمر ایک قلعہ بند بستی تھا اور اس کی زمین عشری متصور ہوتی تھیں۔ پھر جب مغلوں نے بغداد کو فتح کیا تو اس پر بھی قبضہ کر لیا۔

آج کے عراق میں عین التمر ایک ضلع کا صدر مقام ہے۔اس میں چار محلے ہیں۔ ذالب ہردن، قصر ثمر، قصر العین، اور قصبہ ابو ہویدی۔ یہاں مستقل آبادی بھی ہے جبکہ خانہ بدوش بھی گاہے بگاہے یہاں کی آبادی میں اضافہ وکمی کرتے رہتے ہیں۔

Marfat.com

ایران

ایران کا ایک قدیم نام ''پرشیا'' تھا۔ Perisia یونانی و رومی لقب پرسی Persea سے مشتق ہے، جو ہخامنشیوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ خود لفظ ایران ''آریانہ'' سے مشتق جس کا مطلب آریاؤں کی سرزمین'' بنتا ہے۔ یہ ساسانیوں کی سلطنت کے مرکزی حصے کا نام تھا۔ اساطیری روایات کی رو سے ہوشنگ بن کیومرث نے اپنے ملک کا نام ایران رکھا تھا جب اس کا بیٹا پارس تخت نشین ہوا تو یہ ملک پارس کہلانے لگا۔ عہد اسلامی میں شاہنامہ فردوسی کے ذریعے جب قدیم روایات کا احیاء ہوا تو ''ایران'' کا نام پھر مقبول عام ہو گیا۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں:

بگفت اے خداوند ایران و تور
کہ چشم بد از روزگار تو دور

محل وقوع:

جنوب مغربی ایشیا کے اس ملک کے شمال میں آرمینیا، آذر بائیجان اور ترکمانستان ہیں۔ مشرق میں افغانستان اور پاکستان، جنوب میں خلیج عمان اور خلیج فارس، مغرب میں عراق اور ترکی واقع ہیں۔ ایران ایک پہاڑی ملک ہے شمالاً جنوباً اس کی لمبائی تقریباً 2200 میل اور شرقاً غرباً 1200 میل چوڑائی ہے۔ پورا ایران ایک سطح مرتفع ہے جو سطح سمندر سے تقریباً 1500 فٹ بلند ہے۔ ایران کا نصف رقبہ ناقابل بود و باش صحرا پر مشتمل ہے۔ شمال مغرب میں آرمینیا سے لے کر جنوب مشرق میں بلوچستان تک کوہستان زاگرس کا پہاڑی سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ مشرقی علاقے میں بھی کچھ بلند پہاڑ واقع ہیں۔ کوہستان زاگرس کی سب سے بلند چوٹی زردکوہ 4547 میٹر بلند ہے۔

تاریخ:

علمائے تاریخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نویں صدی قبل از مسیح میں آریاؤں کی ایک

Marfat.com

شاخ جنوبی روس آ کر کوہستان زاگروس کے علاقہ ماد (میڈیا) میں آباد ہوئی تھی اور اسی جغرافیائی نسبت سے آسے ماد کہلائی۔ اسی قوم کے بادشاہ دیوکسی Dioces نے ساتویں صدی قبل از یں مسیح میں آل ماد کو منظم کر کے ہمسائے آشوریوں کو عبرتناک شکست دی تھی۔ اسی بادشاہ نے ہمدان کو دارالحکومت قرار دے کر میڈیا میں ایک آزاد حکومت قائم کی تھی۔ 612 ق م میں آل ماد کے ایک اور بادشاہ کیا کسارا Cyaxaras نے آشوریوں کا مستحکم شہر نینوا فتح کر کے دریائے دجلہ کے آس پاس کا علاقہ اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ قوم ماد کے آخری بادشاہ آستیا گیس Satayges پر 550 ق م میں ہخامنشی خاندان کے کوروش اعظم نے فتح پا کر آل ماد کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔

حماسہ ملی:

تاریخ ایران میں ہمیں روایتی بادشاہوں کا ایک سلسلہ بھی ملتا ہے جن میں کیومرث، ہوشنگ اور جمشید جیسے بادشاہوں کے نام شامل ہیں۔ بہرحال ایران کے حکمران خاندانوں میں ہخامنشی خاندان 550 ق م سے 333 ق م تک برسر اقتدار رہا۔ اس خاندان کے آخری حکمران دارا سوم کو سکندر اعظم یونانی نے شکست دے کر ایران کی ہخامنشی سلطنت کا خاتمہ کر دیا تھا۔

249 ق م میں ایران میں اشکانی خاندان برسر اقتدار آیا جو اگلے پانچ سو سال حکومت کرتا رہا۔ 226ء میں ساسانی حکمران خاندان کی بنیاد رکھی گئی۔ اس خاندان کا بانی اردشیر بابکان تھا۔ اس کے جانشین شاپور اول نے 258ء میں سلطنت روم پر حملہ کر کے قیصر روم کو گرفتار کر لیا تھا۔

ساسانی خاندان کے مشہور بادشاہوں میں شاپور اعظم، بہرام گور، قباد شہریار، نوشیرواں عادل، خسرو پرویز اور یزدگرد سوم شامل ہیں۔ خسرو پرویز نے اپنی سلطنت اور بادشاہی کے زعم میں آنحضرتؐ کا بھیجا ہوا دعوت نامہ چاک کر دیا تھا۔ پھر عہد راشدہ میں مسلمانوں نے ایران پر چڑھائی کر کے یزدگرد سوم کو شکست دی اور ساسانی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ حضرت عمرؓ فاروق کے عہد میں 13ھ/634ء میں اسلامی فوجوں نے فتوح ایران کا آغاز کیا تھا۔ 635ء

Marfat.com

میں ساسانی ایران کے خلاف فیصلہ کن جنگ قادسیہ لڑی گئی جس کے بعد ایران کی تقدیر کا فیصلہ ہو گیا۔ ایک اور فیصلہ کن معرکہ 642ء میں نہاوند کے مقام پر ہواج میں ایرانیوں کو فیصلہ کن شکست ہو گئی۔ حضرت عثمان غنیؓ کے عہد میں 651ء میں آخری ساسانی بادشاہ یزدگرد سوم ایک قاتلانہ حملے میں مارا گیا۔

عہد بنوامیہ تک ایرانی براہ راست اسلامی سیاست اور حکومت میں حصہ نہ لے سکے مگر عباسی خلافت کے قیام اور نظام حکومت میں ایرانیوں کا بڑا دخل تھا۔ پھر خلفاء عباسیہ کے کمزور پڑ جانے کے بعد 820ء سے 1000ء تک ایران میں مختلف حکمران خاندان برسر اقتدار آئے جن میں آل طاہر، خاندان بویہ، صفاریہ، زیاریہ اور شدادیہ وغیرہ شامل ہیں۔ گیارہویں صدی کے آغاز میں محمود غزنوی نے خراسان میں ایک خودمختار سلطنت قائم کی اور نصف سے زائد ایران پر قبضہ کر لیا۔ اسی دوران سلجوق خاندان نے طغرل خاندان کی حکومت قائم کی جو 1157ء تک قائم رہی۔ 1258ء میں عباسی خلافت کے ہلاکو خان کے ہاتھوں خاتمے کے بعد ایران میں مغول ایلخانیوں اور دیگر تاتاری خاندانوں کی حکومت رہی۔ ایل خانیوں کے بعد تیمور لنگ اور اس کے خاندان کی حکومت رہی۔ 1502ء میں شاہ اسمٰعیل صفوی نے صفوی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اسی شاہ اسمٰعیل نے پہلی مرتبہ شیعیت کو ایران کا سرکاری مذہب قرار دیا تھا۔ صفوی خاندان کسی نہ شکل میں ۱۷۳۲ء تک حکمران رہا ۱۷۳۶ء میں نادر شاہ ایران کے سیاہ و سفید کا مالک بن گیا۔ 1747ء میں نادر شاہ کے قتل کے بعد ایران بحران کا شکار ہو گیا۔ اسکے بعد 1796ء میں قاچار خاندان کی حکومت قائم ہوئی جو 1925ء تک قائم رہی۔ 1925ء میں سے 1979ء تک پہلوی خاندان برسر اقتدار رہا 1979ء آنے والے اسلامی انقلاب نے ایران کی کایا پلٹ دی اور ایرانی معاشرے میں اسلامی حکومت قائم ہو گئی۔

Marfat.com

الاہواز

ایران کا قدیم شہر الاہواز 19 درجے 31 دقیقے عرض البلد شمالی اور 46 درجے 48 دقیقے طول البلد مشرقی پر واقع ہے۔ یہ دریائے قادون کے کنارے اس جگہ واقع ہے جہاں سے دریا ایک پہاڑی چوٹی کو کاٹ کر اپنا راستہ بناتا ہے۔ یہ جغرافیہ دانوں نے اہواز کو اگنس Aginis نامی شہر کا مترادف قرار دینے کی کوشش کی ہے، جس کا ذکر سٹرابو Strabo نے کیا ہے۔

ہنحامنشی بادشاہوں کے زمانے میں وہ شاہی سڑک کشتیوں کے ایک پل پر سے گزرتی تھی جو سوس کو اصطخر اور پازارگند سے ملاتی تھی۔ نیارکس (سکندر اعظم کے جرنیل) نے اپنے خلیج فارس کے قابل یادگار بحری سفر کے بعد اپنا بحری بیڑا اسی پل سے ذرا نیچے کھڑا کیا تھا۔ گمان اغلب ہے کہ الاہواز قدیم شہر ٹرائی انا Tareina کے محل وقوع پر ہے۔ اس قدیم شہر کو ساسانی بادشاہ اردشیر اول نے دوبارہ تعمیر کرایا تھا اور اس کا نام ہرمز اردشیر رکھا تھا۔ اس کے جانشینوں کے عہد میں اس شہر کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ اور وہ سوس کی بجائے خورستان کا پایہ تخت بن گیا۔ جب مسلمانوں نے خورستان کو فتح کر کے اس شہر پر قبضہ کیا تو اس شہر کا نام سوق الاہواز رکھا۔

اموی اور عباسی دور خلافت میں اہواز برابر ایک خوشحال شہر رہا۔ یہ علاقہ قدیم زمانے سے گنے کی کاشت کا مرکز تھا۔ لیکن الزنج کی خوفناک بغاوت کی وجہ سے جو تیسری صدی ہجری/نویں صدی عیسوی کے اواخر میں رونما ہوئی تھی، اس کا زوال شروع ہو گیا۔ اس کے پانچ سال بعد ایک بڑے بند ٹوٹ جانے کی وجہ سے یہ شہر تقریباً برباد ہو گیا اور اسی وجہ سے صوبے کا صدر مقام بھی نہ رہا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں اس کی آبادی کوئی صرف دو ہزار نفوس پر مشتمل تھی، لیکن خورستان میں تیل کے چشمے دریافت ہونے کی وجہ سے اس کی قسمت بدل گئی

Marfat.com

اور 1926ء میں یہ شہر ایران کے صوبہ خورستان کا صدر مقام قرار پایا۔ اس شہر کو ایران کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جانے والی ریلوے ''ٹرانس پرشین'' ریلوے کے قائم ہو جانے سے بڑا فائدہ پہنچا ہے۔ یہ ریلوے دریائے قادون کو ایک پل کے ذریعے عبور کرتی ہے جس کی بنیاد قدیم بند کے کھنڈروں پر رکھی گئی ہے۔ دریا کے نیچے کی طرف ایک اور شاندار پل سڑک کے لیے تعمیر کیا گیا ہے۔

اہواز صوبہ خورستان کا پایہ تخت تھا۔ خورستان کا لفظ اب متروک ہو چکا ہے۔ عربوں کی اکثریت کی وجہ سے اب یہ صوبہ عربستان کہلاتا ہے۔

Marfat.com

آذر بائیجان

آذر بائیجان، ایران کا کوہستانی علاقہ ہے جو عہد خلافت راشدہ اور بعد کے زمانہ خلافت میں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا تھا، جتنی اہمیت اسے تاتاریوں کی یورش کے بعد از منہ وسطی کے آخری حصے میں حاصل ہوئی تھی۔ اس ایرانی صوبہ کا قدیم ایرانی نام آذر بادگان تھا جسے یونانیوں نے بگاڑ کر اتروپائی Atropanene بنا دیا تھا۔ المقدسی کے مطابق آذر بائیجان، اران اور آرمنیا سب ایک ہی صوبے کے مختلف حصے ہیں۔ عباسی خلفاء کے عہد میں اردبیل اس صوبے کا صدر مقام تھا۔

ساسانیوں کے عہد میں آذر بائیجان کا حاکم ایک مرزبان (گورنر) ہوا کرتا تھا۔ یزدگرد سوم کے عہد میں یہ صوبہ فرخ ہورمزد کے خاندان کے قبضے میں تھا۔ اس زمانے میں آذر بائیجان کا صدر مقام شیز یا گزک تھا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں اب لیلان کے کھنڈرات موجود ہیں۔

عرب فتح:

مسلم عربوں کی فتح آذر بائیجان 18ھ تا 22ھ/ 639ء تا 643ء پایہ تکمیل کو پہنچی۔ ایک روایت کے مطابق خلافت راشدہ میں بعہد حضرت عمر فاروقؓ حضرت حذیفہؓ بن الیمان (یہ مشہور صحابی رسولؐ ہیں، بغداد میں بیسویں صدی میں ان کی اور ایک اور صحابی کی قبریں دریائے دجلہ کا پانی آنے کی وجہ سے ان کی دوبارہ تدفین عمل میں آئی تھی) نے نہاوند سے چل کر آذر بائیجان کو فتح کیا تھا۔ دیگر مہمات کا آغاز شہرزور سے ہوا تھا۔ حضرت حذیفہؓ نے آذر بائیجان کے مرزبان سے جس کا صدر مقام اردبیل تھا، ایک معاہدہ کیا جس کی رو سے ایرانی حاکم نے آٹھ لاکھ درہم ادا کرنا منظور کیا تھا۔ اس کے بدلے میں حضرت حذیفہؓ نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ ان میں سے کسی کو قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان کے آتش کدوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ بالخصوص اہل شہر کو ان کی مذہبی رسوم کی ادائیگی کی اجازت ہوگی۔

Marfat.com

آذر بائیجان کی ایران الاصل آبادی کثیر التعداد بولیاں بولتی تھی۔ کہتے ہیں صرف اردبیل کے نزدیک ستر بولیاں بولی جاتی تھیں۔ عرب فتح کے بعد عرب سردار اس صوبے کے مختلف علاقوں میں آباد ہو گئے اور پھر آہستہ آہستہ مقامی آبادی میں جذب ہو گئے۔

چوتھی صدی ہجری میں ان عربوں کو کرد سمجھا جانے لگا تھا۔

بابک خرمی کی بغاوت کے بعد آذر بائیجان پر خلافت کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور آذر بائیجان میں ملکی حکمران خاندان ابھر آئے۔ دیسم خارجی کے بعد مرزبان بن محمد دیلمی نے جو مذہباً باطنی تھا، آذر بائیجان پر قبضہ جما لیا پھر اس کے بعد مختلف خاندان یہاں حکمران رہے۔

چھٹی صدی ہجری میں بالآخر یہ خوارزم شاہ جلال الدین کے قلیل المدت قبضے میں آ گیا۔ 622ھ تا 628ھ/ 1225ء تا 1231ء خوارزم شاہ کے تعاقب میں تاتاری یہاں آ پہنچے، ایلخان ہلاکو کی آمد 1256ء نے آذر بائیجان کو ایک وسیع سلطنت کا مرکز بنا دیا، جو دریائے جیحوں سے لے کر شام تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس مغل حکومت کا صدر مقام پہلے مراغہ تھا اس کے بعد تبریز بنا جو جلد ہی تجارتی اور ثقافتی زندگی کا اہم مرکز بن گیا۔ منگولوں اور ان کے جانشین جلائر سلاطین کے بعد آذر بائیجان مغرب سے لوٹ کر آنے والے ترکمانوں، قرہ قویونلو کے قبضے میں چلا گیا۔ ان کا دار الحکومت بھی تبریز ہی تھا۔

1502ء میں آذر بائیجان صفویوں کی پناہ گاہ اور ان کا نقطہ اجتماع بن گیا۔ صفویوں کے عہد میں 1514ء سے 1603ء کے درمیان تبریز اور اس صوبے کے بعض دوسرے مقامات پر عثمانی ترکوں کا قبضہ رہا۔ شاہ عباس اعظم نے یہاں ایرانی اقتدار کو دوبارہ بحال کر دیا، لیکن ایران پر افغانیوں کے حملوں کے دوران 1722ء تا 1729ء پھر عثمانیوں نے آذر بائیجان اور دوسرے مغربی ایرانی صوبوں پر قبضہ کر لیا۔ بعد ازاں نادر شاہ افشار نے عثمانی ترکوں کو ایرانی علاقوں سے نکال باہر کیا۔

کریم خان زند کے عہد کے ابتدائی دنوں میں آزاد خان افغان نے آذر بائیجان میں بغاوت کی اور آگے چل کر خونی کرد اور دوسرے قبائلی سردار آذر بائیجان کے مختلف حصوں کے مالک بنے۔

Marfat.com

قاچاریوں کا عہد حکومت شروع ہوا تو آذربائیجان تخت کے ورثاء کا روایتی مسکن بن گیا۔ شمال میں روس کے ساتھ خط سرحدی کی آخری تعین 1928ء میں ہوئی جبکہ ترکی کے ساتھ مغربی سرحد کی تجدید کہیں 1914ء میں ہوئی تھی۔ رضا شاہ کے عہد میں ایران نے ارارت کے شمال میں ایک چھوٹا سا علاقہ ترکی کو واگزار کر دیا۔

1905ء کے بعد آذربائیجان کے نمائندوں نے انقلاب ایران کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ 3 اپریل 1908ء کو برطانیہ کی رضامندی سے روسی افواج تبریز کی غیر ملکی نوآبادیوں کی حفاظت کے لیے آذربائیجان میں داخل ہو گئیں اور روسی انقلاب کے بعد ایران سے نکلیں۔ اسی دوران ترکی فوجوں نے ملک میں داخل ہو کر تبریز میں ایک ترک دوست حکومت قائم کر دی۔ ستمبر 1921ء میں رضا خان نے یہاں ایرانی اقتدار بحال کیا۔

Marfat.com

تبریز

ایران کے صوبہ آذربائیجان کا صدر مقام مشہور شہر تبریز ہے۔

محل وقوع:

یہ شہر جغرافیائی طور پر ایک رسوبی میدان (پیمائش 39×20) کے مشرقی کونے میں واقع ہے جس کی خفیف سی ڈھلان جھیل ارمید کے شمال مشرق ساحل کی طرف ہے۔ کئی ندیاں اس میدان کو سیراکرتی ہیں جن میں سب سے بڑی آجی چائی (رودخانہ بلخ) ہے۔ یہ ندی کوہ سبلان کے جنوب مغربی رخ سے نکل کر قراجہ داغ کے ساتھ ساتھ بہتی ہے۔ چونکہ جنوب میں پہاڑ ایک قدرتی سد کا کام دیتا ہے۔ اس لیے یہ ندی میدانی علاقے میں پہنچ کر شہر کے شمال مغربی مضافات کا چکر کاٹتی ہے۔

کوہ سہند کی چوٹیاں شہر کے جنوب میں تقریباً تیس میل کے فاصلے پر ساڑھے گیارہ ہزارفٹ کی بلندی تک پہنچ جاتی ہیں۔ چونکہ قراجہ داغ کا علاقہ بہت سنگلاخ اور دشوار گزار ہے۔ اور کوہ سہند کا عظیم الشان سنگلاخ سلسلہ تبریز سے مراغہ تک کے رقبے کو پر کیے ہوئے ہے۔ اس لیے سلسلہ آمد و رفت و رسل و رسائل کے لیے تبریز ہی ایک موزوں راستہ ہے۔ مشرق میں اردبیل، تبریز اور طہران کو اور مغرب میں طرابزون اور ارزروم کو ملاتا ہے۔

اپنے خوش بختانہ محل وقوع کی وجہ سے تبریز اس وسیع اور دولت مند علاقے میں جو ترکی اور روس کے ماورائے قفقاز علاقے کے درمیان میں واقع ہے۔ ایک مرکزی حیثیت کا حامل ہے۔

آب وہوا:

تبریز کا موسم سرما بہت سخت ہوتا ہے اور اس میں شدید برفباری ہوتی ہے۔ موسم گرما میں کوہ سہند کے قرب اور شہر میں بے شمار باغات کی موجودگی کی وجہ سے گرمی کی شدت کم اور آب وہوا معتدل ہو جاتی ہے۔ آب وہوا مجموعی طور پر صحت افزا ہے۔ مگر وبائی امراض، مثلاً ہیضہ، ٹائی فائیڈ اور تپ محرقہ کے حملے ہوتے رہتے ہیں۔

Marfat.com

زلزلے:

تبریز کی ایک جغرافیائی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں اکثر زلزلے آتے رہتے ہیں۔ تاریخ میں شدید ترین زلزلے ان سنین میں آئے ہیں۔ 244ھ/ 858ء، 424ھ/1042ء اس آخری زلزلے کا ذکر ناصر خسرو جیسے سیاح نے اپنے سفرنامے میں کیا ہے۔ یاد رہے ابو طاہر شیرازی نامی ایک منجم نے اس زلزلے کے متعلق پیشین گوئی کی تھی۔

1641ء، 1727ء، 1780ء، 23 ستمبر 1854ء، 30 اکتوبر 1856ء تبریز میں زلزلے کے جھٹکے تو تقریباً روزانہ ہی محسوس ہوتے رہتے ہیں۔ سائنس دانوں کے نزدیک یہ اس وجہ سے ہے کہ کوہ سہند میں آتش فشانی مادہ مصروف عمل رہتا ہے۔ ایک محقق خانیکوف کا خیال ہے کہ شاید طبقات الارض میں سے کسی طبقے کے خودبخود زیروزبر ہونے سے بھی یہ جھٹکے لگتے رہتے ہیں۔
اس شہر کی فصیل ناصرالدین شاہ قاچار کے عہد میں منہدم کردی گئی تھی۔ شہر کا وہ حصہ جو قلعہ کہلاتا ہے یعنی علاقہ چار منار، سرخاب، دیوچی Dawaci اب شہر میں شامل ہیں جو فصیل کے اندر اور باہر تھا۔

پانچویں صدی عیسوی میں ارمنی ماخذوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس شہر کا نام تھوریز یا تولریز Thavrez تھا جو فارسی میں تبریز بن گیا۔ جس کے معنی ''تپ بھگانے والے'' کے بنتے ہیں۔
ارمنی مؤرخ وردان Verdan کے مطابق اس شہر کی بناء اشکانی بادشاہ ارمنی خسرو (217ء...... 241ء) نے ساسانی بادشاہ اردشیر اول (224ء...... 241ء) کے خلاف انتقامی جذبے کے تحت ایرانی علاقے میں رکھی تھی کیونکہ اردشیر نے اشکانی سلسلے کے آخری بادشاہ ارتبانوس کو قتل کر ڈالا تھا۔ واسک Wassk نے ساسانی بادشاہ، شاپور اعظم (309 تا 379ء) پر اس وقت حملہ کیا جب وہ اپنے لشکر سمیت تبریز میں قیام پذیر تھا۔ اشکانی جرنیل نے ایرانی ہم منصب جرنیل بیکان Boyekan کو قتل کر کے شاہی محل کو آگ لگادی تھی۔
مؤرخین کے نزدیک ابھی اس کا پتہ نہیں لگ سکا کہ 614ء میں رومی شہنشاہ ہرقل نے اپنے حملہ ایران کے وقت جس شہر ''تبرمیس Thebramais'' کو گنزگہ کے بعد آگ لگائی تھی وہ تبریز ہی تھا؟

Marfat.com

مسلم عرب عہد میں:

عرب مسلمانوں کی صوبہ آذربائیجان کی فتوحات کے دوران (22ھ/642ء) ان کی توجہ زیادہ تر اردبیل کی تسخیر کی طرف مبذول رہی۔ جن شہروں میں ایرانی مرزبانوں نے لشکر اسلام کے خلاف فوج جمع کی تھی۔ ان شہروں میں تبریز کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ نزہت القلوب میں ایک یہ روایت ملتی ہے کہ ہارون الرشید کی ملکہ زبیدہ نے تبریز کو 175ھ/791ء میں آباد کیا تھا۔ تبریز شاید زبیدہ کو جہیز میں ملا تھا۔ اُس نے تبریز کی تعمیر جدید کی اور شہر کے گرد دیوار بنائی تھی۔

بابک خرمی کی بغاوت 201ھ تا 220ھ کے دوران میں تبریز کا ذکر ملتا ہے۔ 244ھ کے تباہ کن زلزلے کے بعد خلیفہ المتوکل کے عہد (232ھ ...... 247ھ) میں اسے دوبارہ تعمیر کیا گیا تھا۔ آل ابن الساج، خاندان سافرید اور سلاجقہ اس شہر پر مختلف ادوار میں حکومت کرتے رہے۔

تاتار حملہ:

617ھ/1221ء کے موسم سرما میں تاتاری تبریز کی فصیلوں کے سامنے نمودار ہوئے۔ عاجز اور ضعیف اتابک بن پہلوان نے ایک رقم کثیر بطور تاوان ادا کر کے تاتاریوں کو واپس بھیج دیا مگر اگلے سال وہ پھر آدھمکے تو اتابک نخچوان کی طرف بھاگ گیا۔ شمس الدین الطغرائی نے بہادری سے مقابلہ کا کچھ بندوبست کیا اور تاتاریوں کو تاوان ادا کر کے ایک بار پھر واپس کر دیا۔

628ء میں جلال الدین خوارزم شاہ شہر میں داخل ہوا تبریز کا اتابک ایک بار پھر فرار ہو گیا تھا۔ باشندگان تبریز خوش ہوئے کہ شہر ایک مرد شجاع کی حفاظت میں آ گیا۔ 628ء میں جلال الدین آذربائیجان سے چلا گیا اور تمام صوبے پر بشمول تبریز تاتاریوں کا قبضہ ہو گیا۔ 654ھ/1256ء میں فتح بغداد کے بعد ہلاکو خان آذربائیجان آیا اور براغہ میں سکونت اختیار کی جس سے مراغہ ایل خانیوں کا صدر مقام قرار پایا۔ ازمنی وسطیٰ میں اگرچہ تبریز طرح طرح مصیبتوں میں گرفتار رہا، تاہم شہر کی رونقیں قائم رہیں اور تجارت کا کاروبار بھی خاصا رہا۔ جون 1404ء سے اگست 1405ء تک چند وقفوں کے ساتھ سپین کی ریاست قشتالیہ کا سفیر کاونچو

Marfat.com

سبریز میں قیام پذیر رہا۔ وہ اس زمانے میں شہر کے بازاروں، منڈیوں اور عمارتوں کی بڑی تعریف کرتا ہے۔

ستمبر 1514ء میں عثمانی سلطان سلیم فاتحانہ انداز میں تبریز میں داخل ہوا۔ شہر کو فتح کرنے کے بعد ترکوں نے مفتوحین سے انتہائی نرم سلوک کیا۔ کہیں 90 سال بعد جب شاہ عباس صفوی نے 1603ء میں اس شہر پر دوبارہ ایرانی قبضہ بحال کیا تو وہ بھی شکست خوردہ ترکوں سے مہربانی سے پیش آیا تھا۔ البتہ شہر اور نواح شہر میں ترکوں کی بڑی تعداد کو قتل کر دیا اور شاہ عباس کے حکم پر عثمانی دور حکومت کے تمام آثار معدوم کر دیے گئے۔

عہد جدید میں 1904ء کے بعد سے تبریز کی تاریخ بڑی پر آشوب ہے وہاں کے ترک باشندوں نے ایران کی قومی اور انقلابی تحرکوں میں نہایت اہم حصہ لیا۔ جون 1908ء میں تبریز میں کھلی بغاوت برپا ہوئی۔ اسی طرح 1979ء کے اسلامی انقلاب میں بھی اہل تبریز نے بھرپور حصہ لیا۔

آثار قدیمہ:

تبریز کے قدیم ترین آثار تاتاری عہد سے متعلق ہیں۔ ان میں شام غازان، جہاں شاہ کی خوبصورت مسجد اور طاق علی شاہ جیسی عمارات شامل ہیں۔

مراغہ:

شروع کے مغول (تاتاری) شاہان کے عہد میں مراغہ آذربائیجان کا پایہ تخت قرار پایا تھا۔ یہ شہر کوہ سہند کی جنوبی گھاٹی پر سطح سمندر سے 5500 فٹ بلند واقع ہے۔ کوہ سہند اسے تبریز سے علیحدہ کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں شہروں کی آب و ہوا میں اتنا زیادہ فرق ہے حالانکہ دونوں شہروں کے درمیان خط مستقیم میں صرف پچاس میل کا فاصلہ ہے۔ مراغہ کی آب و ہوا معتدل بلکہ مرطوب ہے اور پانی کی فراوانی کی وجہ سے یہاں روئیدگی کی کثرت ہے۔

عرب عہد:

آذربائیجان کے شہروں میں مراغہ ہی ضرور اور ایسا شہر تھا جو محققین کے مطابق 22ھ

Marfat.com

میں حضرت مغیر بن شعبہ نے بعہد فاروقی فتح کیا تھا۔ 123ھ/ 740ء میں مروان بن محمد نے موقان اور گیلان کی مہم سے واپس آتے ہوئے یہاں قیام کیا۔ اس جگہ لید اور گوبر کی کثرت۔ لٰہذا پرانے قریہ کو مراغہ کا نام دیا گیا۔ مروان نے یہاں کچھ عمارتیں بھی تعمیر کروائیں۔ اس کے بعد عہد عباسیہ میں شہر خلیفہ ہارون الرشید کی بیٹیوں کو منتقل ہو گیا۔ وجنا بن رواد امیر تبریز کی بغاوت کے موقع پر خزیمہ بن خازم نے جو آذربائیجان کا والی مقرر ہوا تھا مراغہ کے گرد شہر پناہ تعمیر کرائی اور اس میں قلعہ گیر افواج کو متعین کیا۔ جب 201ھ میں بابک نے بغاوت کی تو لوگوں نے آکر مراغہ میں پناہ لی۔ مراغہ کو عباسی سپہ سالار اشیش نے بابک سے معرکہ آرائی میں موسم گرما کے مستقر کے طور پر استعمال کیا۔

مغول عہد:

مختلف ادوار سے گزر کر مراغہ 620ھ/ 1230ء میں تاتاریوں کے قبضے میں چلا گیا۔ 1258ء میں بغداد کی فتح کے بعد ہلاکو آذربائیجان میں مراغہ میں سکونت پذیر ہوا۔ اس نے حکم دیا کہ اس شہر میں نصیر الدین طوسی کے نقشے کے مطابق ایک رصد گاہ تعمیر کی جائے۔ یہ رصد گاہ ایک قلعہ بند پہاڑی پر تعمیر کی گئی جو شہر کے مغرب میں تھی۔ وہاں اب صرف دیواروں کی بنیادوں کے نشانات ملتے ہیں۔ ہلاکو خان نے اپنا خزانہ محفوظ کرنے کے لیے شاہی کے جزیرے پر ایک قلعہ تعمیر کروایا وہ خود بھی یہیں دفن ہوا۔ مقبروں کے خوشنما گنبدوں میں سے چار مراغہ میں بھی ہیں۔ جن کی تعمیر ہلاکو خان کے جانشینوں کے زمانے میں ہوئی تھی۔ ایران کے ایلخانیوں کی تاریخ میں مراغہ کا نام متواتر آتا ہے۔ 1304ء میں سلطان الجائتو نے مراغہ ہی میں خاقان چین کے سفیروں کا استقبال کیا تھا۔

تاتاری عہد کے ایک جغرافیہ دان زکریا قزوینی نے جو اس شہر سے بذات خود واقف تھا لکھا ہے کہ اس شہر میں قبل از اسلام کی یادگاریں بھی موجود تھیں۔ وہ یہاں کے معدنی چشموں کا حال بھی بیان کرتا ہے۔ تاتاری عہد میں مراغہ مسیحیت کا اہم مرکز بن گیا تھا۔ مشہور و معروف ابن العبری 1228ء میں یہاں اقلیدس کا درس دیا کرتا تھا۔ 1272ء میں اس نے مراغہ کی نئی

Marfat.com

''خانقاہ'' میں بطلیموس کے سبق بھی دیئے۔ اسی جگہ اس نے ''کتاب الدول'' تصنیف کی تھی۔
بہر حال مغول عہد کے بعد اگرچہ آذربائیجان کا شمالی حصہ ترکمانوں کی سیاسی جنگوں کا اکھاڑا بنا رہا مگر مراغہ اپنی پہلے جیسی آب و تاب کھوتا چلا گیا۔

اردبیل:

مشرقی آذربائیجان کا ایک ضلع اور شہر جو 17 درجے 48 دقیقے طول البلد مشرقی اور 15 درجے 48 دقیقے عرض البلد شمالی پر واقع ہے۔ سڑک کے راستے تبریز سے اس کا فاصلہ 210 کلومیٹر ہے جبکہ روسی سرحد سے یہ صرف 40 کلومیٹر دور ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی 4500 فٹ ہے۔ یہ ایک مدور سطح مرتفع پر واقع ہے۔ جو پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے۔ اردبیل ضلع شہرستان کا صدر مقام بھی ہے۔ یہ ضلع چار تحصیلوں پر مشتمل ہے۔

موسم سرما میں یہاں درجہ حرارت نقطہ انجماد سے نیچے گر جاتا ہے۔ اس لیے اس شہر کا شمار ''سردسیر'' علاقوں میں ہوتا ہے۔

اردبیل کی قبل از اسلام تاریخ معلوم نہیں کیونکہ یہ نام صرف اسلامی عہد میں ملتا ہے۔ البتہ فردوسی اور یاقوت کے مطابق اس شہر کی بنیاد بادشاہ پیروز (457ء......484ء) نے رکھی تھی۔ اس لیے یہ بادان پیروز یا آبادان فیروز کہلاتا تھا۔ جب عربوں نے آذربائیجان کو فتح کیا تو البلاذری کے مطابق اردبیل کے ہرزبان سے عربوں نے معاہدہ کیا تھا۔ بعد ازاں خلافت راشدہ کے چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ کے مقرر کردہ والی الاشعث نے اسے اپنا صدر مقام بنایا تھا۔ محققین کے مطابق خلافت بنوامیہ میں یہ شہر مستقل طور پر صدر مقام نہیں رہا۔

بعد ازاں اردبیل کو فتنہ بابک خرمی سے بھی نقصان پہنچا۔ دسویں صدی میلادی میں یہ شہر آل ابن اماسج کی عملداری میں رہا۔

617ھ/ 1220ء میں تاتاریوں کی یورش نے اس شہر کو برباد کر دیا تھا۔ اس کی سابقہ اہمیت زائل ہوگئی۔ یہاں تک تو تیرہویں صدی عیسوی ہی میں اسے اپنے سلسلہ تصوف کا مرکز صفوی شیخ صفی الدین نے بنا دیا۔ 1499ء میں شیخ مذکور کی اولاد میں سے ایک شخص اسمٰعیل

Marfat.com

جو گیلان میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہا تھا۔ واپس اردبیل لوٹ آیا اور اس نے اس شہر میں صفوی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ اس کے کچھ عرصے بعد تبریز میں اس کی بادشاہت کا باقاعدہ اعلان کیا گیا۔ اس کے بعد سے اردبیل صفویوں کی ایک زیارت گاہ بن گیا۔ خاص طور پر شاہ عباس اعظم نے شیخ صفی کے مقبرے اور مسجد کو ہدایا سے مالا مال کر دیا۔ صفوی حکومت کے اختتام پر یہ شہر کچھ عرصے کے لیے عثمانی ترکوں کے قبضے میں چلا گیا، لیکن نادر شاہ نے اسے ترکوں سے واپس لیا اور اسی شہر کے نزدیک مغان کے گیاہی میدان میں تاج شاہی زیب سر کیا۔ یہ شہر آج کل صفوی خاندان کے مقابر کی وجہ سے مشہور ہے۔

فیروز آباد:

یا پیروزہ آباد (فتح مندی کا شہر) بویہی سلطان نے فارس کے شہر گور کا نام بدل کر فیروز آباد رکھا تھا کہ ''گور'' بمعنی قبر سے بدشگونی ظاہر ہوتی تھی۔ اس قدیم شہر کو اردشیر اول نے ایک دلدل کی جائے وقوع پر آباد کیا تھا جسے خشک کر دیا گیا تھا۔ بعدازاں یہ شہر صوبہ اردشیر خرہ کا صدر مقام رہا۔ اگرچہ یہ شہر دوسرے شہروں کی طرح کوئی بڑا شہر نہیں تھا مگر اسے ایک فصیل کے ذریعے مستحکم کیا گیا تھا۔ ساسانی عہد میں یہاں ایک آتش کدہ تھا جو ایک بڑے تالاب کے کنارے تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ ''بارین'' کے نام سے مشہور تھا۔ یہیں مطہر بن طاہر القدسی نے زرتشتوں کو ان کا مقدس کلام پڑھتے ہوئے سنا تھا۔ اس آتش کدے کے چار دروازے تھے جو مہر، بحرام، ہرمزاور اردشیر کے ناموں سے مشہور تھے۔ شہر کے مرکز میں چبوترے کی شکل کی ایک عمارت تھی جیسے مسلمان طربال اور ایرانی ایوان کیاخرہ کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ اتنا بلند تھا کہ اس پر چڑھ کر پورے شہر کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔ اسلامی عہد میں فتح کیے جانے کے بعد 29ھ/650ء میں بعہد حضرت عثمان غنیؓ یہاں ایک بغاوت ہوئی تھی اور اسے عبداللہ بن عامر بن کریز عامل بصرہ نے دوبارہ فتح کیا تھا۔

Marfat.com

کرمان

ایران کے ایک صوبے اور اس کے موجودہ صدر مقام کا نام۔ اس شہر کا نام بعد کے زمانے میں صوبے کے نام پر رکھا گیا تھا۔ جغرافیائی لحاظ سے کرمان کی حدود بڑی معین ہیں۔ یہ صوبہ ایران کے وسطی صحرائے اعظم، دشت لوط کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اس کے مشرق میں لق ودق میدان اور پہاڑ اسے مکران سے جدا کرتے ہیں۔ یزد کی جانب سے شمال مغرب کی طرف اور فارس سے مغرب کی طرف بھی یہ صحرا اور غیر مزروعہ اراضی سے گھرا ہوا ہے۔ جو خاص بات کرمان کو فارس متمیز کرتی ہے وہ، جیسا کہ اصطخری نے بھی بیان کیا ہے کہ فارس کا مزروعہ علاقہ غیر منقطع چلا جاتا ہے، لیکن کرمان کا حال یہ ہے کہ اس میں کچھ تعداد سرسبز اور مزروعہ قطعات کی موجود ہے۔ جنہیں صحراؤں نے ایک دوسرے سے جدا کیا ہوا ہے۔ جنوب میں کرمان سمندر سے گھرا ہوا ہے، لیکن صوبے میں اس علاقے کی کچھ زیادہ اہمیت نہیں۔ یہاں کی واحد بندرگاہ ہرمز ہے اور اسے بھی کبھی کرمان میں اور کبھی فارس میں شمار کیا جاتا ہے۔ صوبے بھر میں شمال مغرب سے جنوب مغرب کی طرف پہاڑوں کے سلسلے پھیلے ہوئے ہیں۔ شمال میں بلند ترین سلسلہ کوہ ملتا ہے جو کوہ رود کا حصہ ہے۔ اس میں کوہ ہزار جیسی چوٹیاں بھی ہیں۔

تاریخ:

عہد ساسانیاں میں صوبہ کرمان پر ایک والی حکومت کرتا تھا۔ جس کا خطاب کرمان شاہ ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بہرام پنجم تخت نشین ہونے سے پہلے کرمان شاہ کے نام سے مشہور تھا۔ شاہنامہ میں بھی شاہ کیخسرو کے عہد سے ایک شاہ کرمان کا ذکر ملتا ہے۔ اسلامی فتوحات سے بہتے پہلے ہی عرب کرمان میں نقل مکانی کر آئے تھے۔ بقول مؤرخ طبری شاپور اول نے عربوں پر فوج کشی کے بعد قبیلہ بکر بن وائل کے لوگوں کو جبراً یہاں سے نکال دیا تھا۔ عہد ساسانیاں کے اختتام کے وقت اس صوبے کا صدر مقام "سیر جان" تھا۔

Marfat.com

عہد راشدہ 640ء سے 750ء تک:

البلاذری نے لکھا ہے کہ عربوں کی فتح کرمان کا آغاز الربیع بن زیاد نے کیا تھا۔ انہیں اس علاقے کو فتح کرنے کے لیے ابوموسیٰ الاشعری نے بھیجا تھا۔ جو حضرت عمر کے عہد خلافت میں بصرے کے والی مقرر ہوئے تھے، (638ء) الربیع نے سیرجان فتح کیا اور بم اور اندغار سے عہد و پیمان کر لیا۔ اسی زمانے میں عربوں نے ایک اور حملہ کیا۔ یہ حملہ بحرین کے عرب والی عثمان بن العاص ثقفی نے کیا تھا۔

جزیرہ ابرکوان میں کرمان کا مرزبان ان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ لیکن کرمان کی تسخیر تسلی بخش طور پر نہ ہوئی۔ 650ء میں یزدگرد سوم اصفہان سے بھاگ کر کرمان پہنچا۔ جہاں کے باشندوں کی بہت بڑی تعداد اب تک ساسانیوں کی وفادار تھی۔ اس پر عبداللہ بن عامر بن قریظ نے اس کا تعاقب کیا اور مجاشع بن مسعود اسلمی کو ایک اور سپہ سالار کے ساتھ اس کے پیچھے بھیجا۔ یہ عرب فوج سیرجان پہنچنے سے پہلے ہی بیمند کے مقام پر برف باری سے تباہ ہوگئی اور یزدگرد کرمان سے خراسان کی طرف بھاگ گیا، لیکن وہاں بالآخر اس کی موت نے اس کا تعاقب ختم کر دیا۔ مجاشع کو عامر نے کرمان کا عامل مقرر کر دیا۔ اس نے کوہ قفس تک کے تمام بڑے شہر دوبارہ فتح کر لیے۔ ہرمز سے ایرانیوں نے ایک جوابی حملہ کیا مگر شکست کھائی۔ چونکہ کرمان اسلامی حکومت کے مرکز سے بڑی دور تھا اس لیے حضرت علیؓ کے زمانے میں فتنہ خوارج پھوٹ پڑنے کے بعد بہت جلد یہ صوبہ خوارج کی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔

اگلی صدی میں کرمان بغاوتوں کا گھر اور باغیوں کے لیے جائے پناہ بنا رہا۔ چنانچہ الحجاج کے حریف عبدالرحمٰن بن الاشعث نے شکست کھانے (701ء) کچھ مدت کے لیے یہاں پناہ لی تھی۔ بیس برس کے بعد کرمان کا شمار ان صوبوں میں ہوتا تھا جہاں غاصب یزید بن مہلب نے قبضہ جما لیا تھا۔ اس کی حکومت کا خاتمہ 720ء میں ہو گیا مگر 750ء میں بنوامیہ کی آخری فوج بنوعباس کے حامیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے جن کی کمان قحطبہ کے ہاتھ میں تھی یہیں سے روانہ ہوئی تھی۔

Marfat.com

بنو عباسیہ:

بنوعباس کے پہلے خلفاء کے عہد میں کرمان میں کوہ خاص اہمیت کے واقعات پیش نہیں آئے۔ البتہ اس زمانے میں نظ کی تاخت کے باعث جو ہندوستان سے آئے تھے ایران کے کئی صوبوں کو بڑے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔

سیر جان:

سیر جان بردسیہ کے مغرب میں فارس کی سرحد پر واقع ہے۔ یہ شہر صوبہ کرمان کا پرانا دارالحکومت تھا اور علاقہ سیر جان کا صدر مقام تھا۔ القدسی نے اس علاقے کے کئی شہروں کے نام لئے ہیں مگر بدقسمتی سے یہ شہر اب دنیا کے نقشے پر موجود نہیں رہے۔

سیر جان کے مغرب میں تقریباً چار فرسخ کے فاصلے پر صوبہ فارس کی سرحد کے قریب بیمند کا قلعہ تھا۔ چوتھی صدی ہجری/ دسویں صدی عیسوی میں اسے ایک ناقابل تسخیر قلعہ تصور کیا جاتا تھا۔ اس کے دروازوں کے پھاٹک لوہے کے تھے۔ بیمند اس لیے بھی ایک بڑا مقام تھا کہ یہاں تین شاہراہیں آکر ملتی تھیں۔ ان میں سے ایک بابک یعنی شمال سے، ایک رودان (یعنی شمال مغرب سے) اور ایک ہابک (یعنی مغرب سے) پھر یہ تینوں سڑکیں ملکر شہر سیر جان کو چلی جاتی تھیں۔

بم:

بم کا علاقہ (جسے عرب جغرافیہ دانوں نے بم لکھا ہے) اسی نام کے شہر کے گرد ماہان کے جنوب مشرق میں بادیہ ایران کے کنارے صوبہ کرمان کی مشرقی سرحد پر واقع ہے۔ چوتھی صدی ہجر میں ابن حوقل نے لکھا تھا کہ بم کا شہر جیرفت سے بڑا اور صحت بخش تھا۔ اس کے گرد نخلستان تھے۔ اس کے قریب ہی بم کا مشہور قلعہ تھا جس کی نسبت کہا جاتا تھا کہ اس کو فتح کرنا ناممکن ہے۔ اس شہر کی تین مسجدیں تھیں، یعنی مسجد الخوارج، مسجد البرازین اور مسجد القلعہ۔ سوتی کپڑے یہاں بہت سے بنے جاتے تھے اور دساور کو بھیجے جاتے تھے۔ عمامون کا کپڑا اور سر پر باندھنے کے رومال جنہیں ''طیلسان'' کہا جاتا تھا یہیں تیار ہوتے تھے۔

المقدسی نے لکھا ہے کہ اس کی شہر پناہ خوب مستحکم و مستحسن تھی۔ اس کے چار دروازے

Marfat.com

تھے۔ باب نرماسیر، باب توسکان، باب اسپیکان اور باب کورجین۔ شہر کے اندر اور شہر کے باہر کے محلوں میں بڑے بڑے بازار تھے۔ اس شہر کی گلیوں میں ایک بید مجنوں نام کی گلی بھی تھی۔

نرماسیر:

اسے فارسی میں نرماشیر کہتے ہیں۔ یہ بم کے جنوب مشرق میں صرا کے کنارے واقع تھا۔ اس کا صدر مقام نرماسیر بم اور فہرج کے درمیان واقع تھا۔ فہرج اب تک موجود ہے۔ مقدسی نے نراسیر کے عالیشان محلوں اور کثیر آبادی کا ذکر کیا ہے۔ نرماسیر سیستان سے مکہ جانے والی شاہراہ پر واقع تھا اور ہندوستان سے آنے والے مال کی ایک بڑی منڈی تھا۔ اگرچہ اس زمانے میں نرماسیر سیرجان سے چھوٹا تھا مگر خوب مستحکم تھا۔ اس کے بھی چار دروازے تھے جن کے نام کچھ یوں تھے باب بم، باب سورقان، باب مصلےٰ اور باب کوشک۔ جامع مسجد بازاروں کے عین درمیان میں واقع تھی۔ اس مسجد کا ایک عمدہ اور بلند مینار تھا جو گردونواح میں مشہور تھا۔

جیرفت:

صوبہ کرمان کا نصف جو جنوب کی سمت میں ساحل بحر تک تھا۔ علاقہ جیرفت میں شامل تھا۔ جیرفت اس علاقہ کا زمانہ وسطیٰ میں ایک بڑا شہر تھا۔ یہ ایک دریا کے کنارے آباد تھا۔ جیرفت کے آثار اب اس مقام پر پائے جاتے ہیں جو شہر دقیانوس یعنی قیصر دقیانوس Decius کا شہر کہلاتا ہے۔ یہ قیصر روم ایک ظالم اور خودسر بادشاہ تھا۔ قرآن شریف میں جن اصحاب کہف کا ذکر آیا ہے وہ اسی قیصر کے زمانے میں غار میں داخل ہوئے تھے۔ اس واقعہ کو عام پسند افسانوں میں بہت بڑھا کر پیش کیا جاتا ہے۔ جیرفت کے کھنڈرات کے قریب ایک دریا بہتا ہے جو خلیل رود کہلاتا ہے۔ یہ دریائے بم پور کا ایک معاون دریا ہے۔ ابن حوقل کے مطابق چوتھی صدی ہجری میں جیرفت ایک بڑا شہر تھا اور خراسان اور بجستان سے آنے والے مال واسباب کی ایک بڑی منڈی تھا۔

ہرمز:

پرانا شہر ہرمز صوبہ کرمان کی سرزمین پر خلیج فارس کے کنارے ایران کی اہم بندرگاہ تھی۔ پرانے شہر کے کھنڈرات اب اس مقام پر پائے جاتے ہیں۔ جو مناسب یا مناؤ کہلاتا

Marfat.com

ہے۔ پرانے شہر ہرمز کے قریب ہی سمندر میں ایک جزیرہ تھا جو 1300ء کے قریب اسی نام سے پکارا جانے لگا اور آج بھی اس کا یہی نام ہے۔ بحر ہند کے ساحلی ملکوں کے لیے ہرمز کی خاص اہمیت تھی کیونکہ مغربی ایشیا اور ہندوستان کے درمیان تجارت اسی بندرگاہ سے ہوتی تھی۔ آٹھویں صدی ہجری/ چودھویں صدی عیسوی کے شروع میں ایک مؤرخ کے مطابق 715ھ/ 1315ء میں قدیم ہرمز کے ایک بادشاہ نے راہزنوں کی مسلسل تاخت سے تنگ آ کر شہر کو چھوڑ دیا اور جزیرہ ہرمز پر ایک نیا ہرمز شہر آباد کیا۔ تقریباً اسی زمانے میں مشہور مسلمان سیاح ابن بطوطہ بھی نئے ہرمز کی سیاحت پر آیا تھا۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ نیا ہرمز جس جزیرے پر آباد ہے اسے جرون کہتے تھے۔ 1507ء میں جب بحر ہند میں پرتگیزوں کی آمدورفت بڑھی تو اس جزیرے کو ایک پرتگالی بحری بیڑے نے فتح کر لیا۔ یورپی اقوام اس جزیرے کو اورمز Ormuz کہتے ہیں۔ پرتگالیوں نے مقامی حکمران کو ادائیگی خراج کی شرط پر ہرمز میں رہنے دیا۔ ایک انگریزی بحری بیڑے کی مدد سے شاہ عباس اعظم صفوی نے یہ جزیرہ پرتگالیوں سے واپس لے لیا تھا۔ شاہ عباس صفوی نے صوبہ کرمان کے مقام پ گومبرون Gombroon کے مقام پر بندر عباس کی بنیاد رکھی تھی۔ شاہ عباس کی خواہش تھی کہ بندر عباس ہرمز کی جگہ لے لے۔ ہرمز کا انحطاط اسی نئی بندرگاہ کے قیام کے وقت سے شروع ہو گیا۔ اسی وجہ سے ہرمز ایک شہر کی حیثیت سے باقی نہیں رہا۔

Marfat.com

جبال

ایران کے جس وسیع عریض کوہستانی علاقے کو یونانی میڈیا (ماد) کہتے تھے اور جو مغرب میں میسوپوٹیمیا کے میدانوں سے شروع ہو کر مشرق میں بادیہ ایران تک پھیلا ہوا تھا اسے عرب جغرافیہ دان جبال (جمع جبل) کہتے تھے۔ بعدازاں اس علاقے کو عراق عجم کہنے لگے تھے تاکہ وہ عراق عرب میسوپوٹیمیا سے الگ سمجھا جا سکے۔ ایران کے اس صوبے کا نام جبال اس لیے پڑا کہ وہ شمال مشرقی حصے کو سوا پہاڑی علاقے پر مشتمل ہے۔ اس کے مشرق میں صحرائے اعظم خراساں، جنوب مشرق میں فارس، جنوب میں خوزستان، مغرب اور جنوب مغرب میں عراق عرب، شمال مغرب میں آذربائیجان اور شمال میں البرز واقع ہے۔

اصفہان:

ایران کے اس قدیم شہر کا ذکر طلیموس نے اپنے جغرافیہ میں کیا ہے۔ صفوی عہد میں یہ ایران کا دارالحکومت رہا ہے۔ آج کل صوبہ عراق عجم (جبال) کا صدر مقام ہے۔ لفظ اصفہان کے معنی ''افواج'' کے ہیں۔

کوفی دبستان کے مؤرخین کے مطابق اصفہان مسلمانوں کے عہد راشدہ میں 19ھ/640ء میں فتح کیا تھا۔ خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کے حکم پر حضرت عبداللہ بن عتبان نے اس شہر کے ایک حصے پر چڑھائی کی تھی۔ اس شہر کے حاکم نے کئی جنگوں کے بعد اطاعت اختیار کی مگر اس شرط کے ساتھ کہ شہر پر جزیہ کی جگہ سالانہ خراج مقرر کر دیا جائے، لیکن دوسرے عرب مؤرخین جن کا تعلق بصرے سے ہے لکھتے ہیں کہ 23ھ/644ء میں حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ نے معرکہ نہاوند کے بعد اصفہان فتح کیا تھا۔ یا یہ کہ ان کے نائب عبداللہ بن بدیل نے اس شہر پر جزیے اور خراج کی شرائط عائد کر کے قبضہ کیا تھا۔

عباسی خلیفہ المعتز کے عہد میں موسیٰ بن بغا کی طبرستان میں علویون کے خلاف چڑھائی

Marfat.com

کے دوران 247ھ/ 861ء میں اصفہان کو دوبارہ فتح کیا گیا۔ اس کے بعد اصفہان ایک بڑے صوبے کا صدر مقام اور مرکز صنعت و تجارت بن گیا۔ ابن رستہ جو یہاں کا باشندہ تھا۔ اس شہر کے چار دروازوں اور ایک سو میناروں کا ذکر کیا ہے۔ رکن الدولہ، بویہنے اس شہر کو مزید ترقی دی۔ اس شہر کے قریب چاندی کی کانیں پائی جاتی تھیں جن سے فائدہ اٹھانا اسلامی فتح کے بعد ترک کر دیا گیا تھا۔

1220ء کے بعد یہ شہر ایلخانی سلطنت کا ایک حصہ بن گیا۔ 1388ء میں امیر تیمور نے اسے فتح کر کے یہاں کے باشندوں کا ایک بغاوت کرنے کی پاداش میں قتل عام کیا اور ستر ہزار انسانی سروں سے فتح کا مخروطی مینار تعمیر کروایا۔ عثمانی سلطان سلیمان بھی اس پر قابض رہا۔ مگر اس شہر کو اصل عروج اس وقت حاصل ہوا۔ جب شاہ عباس صفوی نے اصفہان کو اپنا دارالسلطنت منتخب کیا اور اسے ایک وسیع اور خوبصورت شہر بنا دیا جس سے اس شہر کی آبادی بھی بڑھ گئی اور اسی سے ''اصفہان نصف جہاں'' کی کہاوت بھی وجود میں آئی۔ یہ شہر دریائے زندہ رود جسے اب زابندہ رود کہا جاتا ہیض کے کنارے واقع ہے۔ اس دریا کو عبور کرنے کے لیے اس پر تین پل بنائے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک پل عین شہر کے وسط میں واقع ہے۔

اس شہر کے گرد ماضی میں مٹی کی ایک دیوار تھی جو بے غوری کی حالت میں رہتی تھی۔ اس دیوار میں دس یا بارہ دروازے تھے جن میں سے چار بند کر دیئے گئے تھے۔

آثار صنادید:

اس دارالسلطنت کی زینت جن خوبصورت آثار صنادید سے تھی وہ یہ تھے۔ الخراسانی کی کارواں سرائے، صدر موقوفات دینی کا محل، جسے رستم خان نے تعمیر کیا تھا کارواں سرائے جلالی جو عباسی ثانی کے حکم پر تعمیر ہوئی تھی۔ مینار خواجہ عالم جسے عام طور پر ''گلبر'' (پھولوں سے لدا ہوا کہتے تھے۔ کلہ منار جو اوپر سے نیچے تک وحشی جانوروں کے سینگوں سے ڈھکا ہوا تھا جو بڑے بڑے شکاروں کی یادگار تھے۔ ایک قلعہ جو طبرق کہلاتا تھا۔ باغ ہزار حریب میں بارہ ہزار چبوترے تھے۔ تیمور اسی طبرق نامی قلعہ میں ٹھہرا تھا۔

ان مصیبتوں کی وجہ سے افغانی فتح کے زمانے میں ایران پر پڑیں قاچاروں کے عہد میں دارالحکومت کو تہران منتقل کرنا پڑا جس سے اصفہان کو شدید نقصان پہنچا۔ خیابان چہار باغ

Marfat.com

اور مدرسہ مادر شاہ اب تک موجود ہے، لیکن چناروں کے درخت جو اس شہر کی زینت تھے کاٹ کاٹ کر تہران پہنچائے گئے ان کی لکڑی وہاں کی تعمیرات میں کام آئی۔

کاشان:

ایران کے جس شہر کے نام سے فن کاشی کاری مشتق ہے وہ ہے کاشان۔ یہ شہر پورے مشرق میں اپنے روغنی ظروف اور روغنی ٹائیلوں کے لیے مشہور ہے۔ لفظ کاشی کے آتے ہی ذہن میں نیلی اور سبز رنگ کی ٹائلیں ابھرنے لگتی ہیں جو اسی شہر کی نسبت سے کاشی کاری کا کام کہلاتی ہیں۔

کاشان بھی صوبہ عراق عجم میں واقع ہے۔ یہ اصفہان سے تین دن کی مسافت پر واقع ہے۔ اس قدیم شہر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اسے خلیفہ ہارون الرشید کی ملکہ زبیدہ نے دوبارہ ازسرنو آباد کیا تھا۔ مستوفی کا بیان ہے کہ قصر فین کاشان کے قریب تھا۔ اس شہر کے نام پر ایک دریا کا نام بھی دریائے کاشان ہے جو اس شہر کے قریب واقع ایک ریگستان میں گم ہو جاتا ہے۔ یاد رہے کاشان جسے عرب مؤرخ قاشان بھی لکھتے ہیں اصطخری کے مطابق اسکے زمانے میں بھی ایک خوش نما شہر تھا۔

Marfat.com

قم

ایران کا یہ مشہور شہر بھی صوبہ الجبال (عراق عجم) میں واقع ہے۔ یہ تہران کے 75 میل جنوب میں آباد ہے۔ یہ جس ندی کے کنارے آباد ہے وہ گل پائیگان سے آتی ہے۔ اس شہر عہد راشدہ میں 23ھ/ 644ء میں حضرت ابو موسیٰ الاشعری نے فتح کیا تھا۔ خلیفہ المامون عباسی کے عہد میں اہل قم نے بغاوت کی اور یحیٰ بن عمران کی قیادت میں حکومت کو ٹیکس ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ خلیفہ مامون نے علی بن ہشام المروزی کو روانہ کیا جس نے شہر کی فصیل منہدم کر کے باغیوں پر ستر لاکھ درہم تاوان جنگ عائد کر دیا۔

المعتز کے عہد میں (866ء......868ء) میں اس شہر نے اپنا ایران معاہدہ توڑ دیا۔ اس پر خلیفہ نے صوبہ عراق عجم کے گورنر موسیٰ بن بوغا کو اس پر چڑھائی کرنے کے لیے بھیجا۔ اُس نے یہاں کے بیشتر باشندوں کا قتل عام کیا اور ممتاز ترین افراد کو گرفتار کر کے بغاوت فرد کر دی

الاصطخری کے زمانے میں اس شہر کی چار دیواری موجود تھی۔ پانی کنوؤں سے فراہم ہوتا تھا۔ شہر میں بڑے بڑے حوض بنے ہوئے تھے۔ یہاں کے باشندے ہمیشہ کٹر قسم کے شیعہ رہے ہیں اور دور جدید تک یہ قصبہ شیعان علی کا بہت بڑا مرکز رہا ہے۔

قم میں اثنائے عشریہ میں سے چھٹے امام حضرت امام علی رضا کی بہن حضرت فاطمہ کا مزار مبارک ہے۔ حضرت امام علی رضا ہارون الرشید کے ہم عصر تھے۔ حضرت فاطمہ کے متعلق شیعوں کی روایت ہے کہ جب وہ اپنے بھائی کے پاس خراسان جا رہی تھیں تو انہیں قم میں زہر دے کر شہید کر دیا گیا تھا۔

چوتھی صدی ہجری کے سیاح ابن حوقل نے لکھا ہے کہ قم میں اُس زمانے میں اہل تشیع آباد تھے۔ اس زمانے میں شہر کے گرد ایک فصیل تھی اور شہر میں ہر طرف باغات ہی باغات تھے۔ ان باغات کی پیداوار میں پستہ بہت مشہور تھا۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ قم کا پرانا نام ''کمنداں'' تھا

Marfat.com

جسے عربوں نے مخفف کر کے قم کر لیا۔ وہ لکھتا ہے کہ شہر کے ایک پرانے حصے میں ساسانیوں کے تعمیر کردہ ایک ایرانی قلعے کے آثار ملتے ہیں۔ مستوفی کا بیان ہے کہ شہر پناہ کا محیط 10000 قدم تھا۔ اس شہر میں کثرت سے برف خانے تھے۔ یہاں ''تاکستان'' نامی سرخ انگور پیدا ہوتے تھے۔ یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ مستوفی یا کسی اور پرانے مصنف نے اپنی کتاب میں حضرت امام علی رضا کی بہن حضرت فاطمہ کا مزار ہونا بیان نہیں کیا۔ حالانکہ قم کا شہر ہمیشہ سے شیعوں کا مرکز رہا ہے۔

قم کا دریا گل پایگان کے علاقے میں ''خانسار'' کے پہاڑوں سے نکلتا ہے۔ خانسار کے پہاڑی سلسلے دریائے قم اور دریائے اصفہان کے بائیں کنارے والے معاون دریا کے درمیان ایسے مرتفع مقامات ہیں جہاں سے تمام ندیاں نکل کر نیچے کی طرف بہتی ہیں۔ گل پایگاں کا عربی مترادف ''جرباذقان'' ہے۔ جدید زمانے میں ایران کے اسلامی انقلاب کے بانی امام خمینی نے فرانس سے 1979ء میں واپس آ کر قم میں مستقل رہائش اختیار کی تھی۔

Marfat.com

ساوہ

ساوہ کا شہر ہمدان اور رے کے بالکل وسط میں قافلوں کی اس شاہراہ پر واقع ہے جو خراسان سے آتی ہے۔ مسلمانوں کے ہاں ایران کے اس شہر کی اہمیت اس لیے تھی کہ ظہورِ اسلام سے پہلے یہاں ایک جھیل تھی جو پیغمبر اسلامؐ کی شب میلاد کو دفعتاً خشک ہوگئی تھی۔ آنحضرتؐ کی پیدائش کی روایات میں اس جھیل کا نام بحیرہ ساوہ ملتا ہے۔ بقول مستوفی ''مولود مبارک'' کی خبر سن کر اس جھیل کا پانی فرطِ مسرت سے زمین کی تہہ میں غائب ہوگیا تھا۔ اس شہر کی فصیل کا محیط 6200 ذرع تھا۔ ساوہ سے چار فرسخ مغرب میں حضرت ساوُل نبیؑ کا مزار تھا۔ جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی تھی تو اس شہر کے باشندے شیعہ مذہب اختیار کر چکے تھے۔ ساوہ کے نزدیک بہنے والے دریا کا نام مزدقان تھا۔ یہ نام اس وجہ سے پڑا تھا کہ اس کے کنارے اس نام کا ایک گاؤں آباد تھا۔ یہ دریا ہمدان کے علاقے خرقان کی سرحد کے قریب ایک مقام سامان سے نکلتا ہے اور ساوہ کے قریب سے گزرنے کے بعد دو حصوں میں مزدقان دو حصوں میں منقسم ہو جاتا ہے۔ ایک حصہ تو ایک بڑے غار میں گرنے کے بعد غائب ہو جاتا ہے اور دوسرا حصہ دریائے گاؤہاپر میں مل جاتا ہے۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ ساوہ کے اونٹوں اور ساربانوں کی ضرورت ہمیشہ حاجیوں اور مسافروں کو رہتی تھی۔ المقدسی نے اس میں اتنا اضافہ کیا ہے کہ یہ شہر مورچے اور فصیلیں رکھتا تھا۔ اس میں عمدہ حمام تھے اور جامع مسجد بڑی شاہراہ کے قریب اور بازار سے کچھ فاصلے پر واقع تھی۔ 1220ء میں تاتاریوں کے حملے سے ساوہ کو سخت نقصان پہنچا۔ علاوہ اور عمارتوں کے ایک کتب خانہ بھی تاتاریوں نے جلا کر خاک کر ڈالا تھا۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ صوبہ عراق عجم میں اس کی مثل کوئی اور کتب خانہ نہیں تھا۔ قزوینی کے مطابق یہ کتب خانہ ایک جامع مسجد میں تھا۔ اس میں کتابوں کے علاوہ علم ہیئت اور فلکیات کے مطالعے کے لیے بہت سے اصطرلاب اور کرے بھی تھے۔

Marfat.com

رے

صوبہ جبال کے مشرقی گوشہ میں رے، قدیم راغا Ragha بلاد الجبال (Media) کا ایک شہر واقع تھا۔ اسے عرب جغرافیہ دان ہمیشہ ال کے اضافے کے ساتھ ''الرے'' لکھتے تھے۔ جبکہ یونانی اسے رہاگیس Rhages لکھتے تھے۔ اس شہر کے کھنڈرات آج کل تہران کے جنوب مشرق میں تقریباً 5 میل کے فاصلے پر دیکھے جاتے ہیں جو کوہ البرز سے میدان کی طرف نکلے ہوئے ایک پہاڑی حصے کے جنوب میں واقع ہیں۔ چوتھی صدی ہجری/دسویں صدی عیسوی میں رے کا شہر صوبہ جبال کے چار صوبائی حاکم نشین شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ ''اگر بغداد سے قطع نظر کی جائے تو ''رے'' تمام مشرق میں سب سے خوبصورت شہر ہے۔

اس زمانے میں رے شہر کا رقبہ ڈیڑھ فرسخ مربع تھا۔ خلفائے عباسیہ کے عہد میں رے کا سرکاری نام محمدیہ تھا۔ یہ نام محمد کے نام جو بعد ازاں المہدی کے لقب کے ساتھ خلیفہ تھا رکھا گیا تھا۔ شہزادے محمد نے اپنے باپ خلیفہ المنصور کے زمانے میں یہاں سکونت رکھی تھی۔ اسی کے حکم سے اس شہر کا بڑا حصہ دوبارہ تعمیر کیا گیا تھا۔ خلیفہ مہدی کا بیٹا ہارون الرشید یہیں پیدا ہوا تھا۔ رے ان دنوں اپنے سرکاری نام محمدیہ کی شکل میں صوبہ الجبال کا دارالضرب بن گیا تھا۔

رے کے مکانات زیادہ تر کچے بنے ہوئے تھے، لیکن پختہ اینٹیں بھی مکانات میں اکثر لگائی جاتی تھیں۔ شہر کو برجوں اور مورچوں سے مستحکم کیا گیا تھا۔ ابن حوقل کے مطابق اس شہر کے پانچ دروازے تھے۔ (1) باب باطاق (2) باب بلیسان، باب کوہک، باب ہشام اور باب سین یہاں کی جامع مسجد کے متعلق یاقوت لکھتا ہے کہ اسے خلیفہ مہدی عباسی نے بنوایا تھا اور اس کی تعمیر 158ھ/775ء میں اختتام کو پہنچی تھی۔ یاقوت کے مطابق اس شہر کے بیچ کا بلدہ، جس میں جامع مسجد اور دارالامارت تھا، پورے شہر کا وہ حصہ تھا جس کے گرد ایک خندق تھی۔ اس کو بالعموم ''المدینہ'' (خاص بلدہ) کہتے تھے جبکہ اس کے باہر کا حصہ خاص طور پر محمدیہ کہلاتا تھا۔

Marfat.com

آج کل شاہ عبدالعظیم کا گاؤں اور ان کا مزار اس شہر کے کھنڈرات کے عین جنوب میں ہے۔ اس شہر کی جغرافیائی اہمیت اس بات پر مبنی ہے کہ یہ پہاڑوں اور ریگستان کے دریان ایک حد فاصل اور ایک ایسے زرخیز منطقے میں واقع تھا جہاں نہایت قدیم زمانے سے ایران کے مغربی اور مشرقی علاقوں میں آمد و رفت کا رابطہ اور سلسلہ قائم ہوا تھا۔ مارزنداں سے کئی سڑکیں شمالی جانب رے کی طرف نکلتی ہیں۔

1220ء میں تاتاریوں نے رے پر قبضہ کیا تو اسے لوٹا اور جلایا تھا۔ اس تباہی کے بعد یہ شہر کبھی نہیں پنپ سکا۔

Marfat.com

تہران

ایران کا پایہ تخت۔ عربی ہجی کے مطابق اس کو ''طہران'' (بالطاء) لکھا جاتا تھا۔ یہ صورت بیسویں صدی کے آغاز تک باقی رہی کہ فارسی ناموں کے شروع کے ''ت کو عرب ''ط'' سے ''ت'' بدل دیا کرتے تھے۔ تاہم عرب جغرافیہ دانوں میں یاقوت تہران کے تلفظ کو تسلیم کرتا ہے۔

تہران 51 درجہ، 25 دقیقہ 2.8 ثانیہ طول البلد مشرقی پر کوہ البرز کے دامن میں واقع ہے۔ درہ ''سرتوچاں'' جو شہر کے 12 میل شمال میں ہے 12 ہزار فٹ اونچا ہے۔ تہران کی سطح سمندر سے بلندی 3810 فٹ۔ شہر کے شمال کی طرف نشیب ہے پھر یک دفعہ چڑھائی شروع ہو جاتی ہے۔ تہران میں کوئی دریا نہیں بہتا۔ یہاں پانی تقریباً تیس گہری زمین دوز کاریزوں کے ذریعے لایا جاتا ہے۔

آب وہوا:

تہران کی آب وہوا سردیوں کے موسم میں خوشگوار ہوتی ہے۔ لیکن موسم گرما میں صحت کے لیے زیادہ مفید نہیں۔ گرمیوں میں تپ محرقہ اور کئی دوسرے بخار تہران کی وطن گیر بیماریاں ہیں ہر شام سیراب زمین بخارات نکل کر کہر کی صورت میں اوپر چڑھنے لگتے ہیں اور شہر کو گھیر لیتے ہیں۔ تہران میں سالانہ برفباری اور بارش 134.25 ملی میٹر کے درمیان رہتی ہے۔

قاچاریوں نے تہران کو پایہ تخت بنایا تو بعض مصنفین کے نزدیک دانائی کی دلیل ہے۔ وہ شمالی سرحد پر قابو پانا چاہتے تھے اور استرآباد سے جوان کو انس تھی، زیادہ دور نہ ہو جائیں۔

اصطخری نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ بہتران، بہتان اور بہتان سے قدیم زمانے میں تہران ہی مراد ہے۔ بقول یاقوت بہزان اس مقام پر واقع ہے جہاں کبھی رے تھا۔ تہران سے اس کا فاصلہ 7 فرسخ ہے، حالانکہ یاقوت ہی رے سے تہران کا فاصلہ ایک فرسخ بتاتا ہے۔

راحت الصدور جو 1202ء میں لکھی گئی تھی اس میں لکھا ہے کہ جب 1166ء میں سلطان الپ ارسلان سلجوقی کی والدہ رے سے نخچوان جارہی تھی تو انہوں نے پہلا پڑاؤ ''تہران'' میں کیا تھا۔ اس کے 14 سال بعد ابن اسفندیار نے اپنی تاریخ طبرستان میں جو 1216ء میں تصنیف ہوئی

Marfat.com

تھی لکھا ہے کہ ایران کے حماسی دور میں ہونے والی جنگوں کے دوران افراسیاب اس جگہ خیمہ زن ہوا تھا جہاں اب تہران واقع ہے۔

985ء میں تہران نے شہزادہ حسن مرزا ولد سلطان محمد مرزا جو بعد ازاں شاہ محمد خدابندہ کے نام سے موسوم ہوا، کے قتل کا منظر بھی دیکھا۔ اس کے دشمنوں نے شاہ اسمٰعیل ثانی سے یہ شکایات کی تھی کہ وہ تاج و تخت کا متمنی ہے۔ بہر حال مؤرخین کے مطابق تہران قاچاریوں کے عروج کے بعد 1786ء میں دارالخلافہ بن گیا اور قصر قاچار کی داغ بیل وہاں ڈالی گئی۔

جس علاقے میں رے اور تہران کے شہر واقع ہیں اُسے جو دریا سیراب کرتے ہیں۔ وہ جب یہاں سے بہتے ہوئے بادیہ ایران پہنچتے ہیں تو غائب ہو جاتے ہیں۔ یہاں کے خاص دریاؤں میں ایک ''نہر موسیٰ'' ہے۔ اس کے علاوہ مستوفی نے دریائے کرج کا ذکر بھی کیا ہے۔ قزوینی نے نہر سورین کا تذکرہ کیا ہے۔ رے کے باشندے اس دریائی پانی سے بہت بچتے تھے۔ کیونکہ حضرت امام زین العابدینؓ کے پوتے حضرت یحیٰ کی میت کو اس دریا میں غسل دیا گیا تھا۔ چونکہ غسل میت کا پانی اس دریا میں شامل ہو گیا تھا اس لیے اس دریا کا پانی ہمیشہ کے لئے نجس سمجھا جاتا رہا ہے۔ مستوفی کے نزدیک رے کا سب سے بڑا دریا جانج رود تھا۔

آثار و تعمیرات:

تہران میں قدیم زمانے کی کوئی شاندار عمومی عمارت نہیں ہے۔ حال ہی میں کئی شاندار عمومی عمارتیں تعمیر ہوئی ہیں۔ مثلاً بانک شاہنشاہی، متعدد موسسات، بلدی، دانش گاہ، ریلوے اسٹیشن، کاخ مرمر وغیرہ۔

مسجد سپہ سالار (مرزا حسین مستوفی 1881ء) شہر کی عمارتوں میں س سے شاندار ہے۔ یہ نئے محلے میں شمال مشرق کی جانب بہارستان محل سے جس میں 1906ء کے انقلاب کے بعد سے مجلس یعنی پارلیمینٹ کے اجلاس منعقد ہوتے رہے ہیں۔ اس عمارت کی بنیاد 1878ء میں رکھی گئی تھی۔ اس کے مدرسے (مدرسہ سپہ سالار) پر 1884ء کی تاریخ درج ہے۔

تہران کی سب سے بڑی خوبصورتی یہاں کے وسیع نجی مکانات ہیں جن میں اپنے اپنے باغات و گل و گلزار ہیں۔

Marfat.com

قزوین:

قزوین کا شہر تہران سے تقریباً ایک سو میل شمال مشرق کی سمت میں ایک بڑے سلسلہ کوہ سے اترتے ہی واقع ہے۔ پرانے وقتوں میں اس شہر کو بے احد اہمیت حاصل تھی کیونکہ یہاں سے ان دروں کی حفاظت کی جاتی تھی جن سے راستہ طبرستان میں سے ہوتا ہوا بحیرہ خزر کے ساحل کو جاتا تھا۔ قزوین کے شمال مغرب میں جو سلسلہ کوہ واقع ہے وہ قدیم زمانے میں صوبہ دیلم کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا۔

کہتے ہیں قزوین کی بنیاد ساسانی بادشاہ شاپور اول نے رکھی تھی اور اس کا نام شاد شاپور رکھا تھا۔ فجر اسلام یہاں 24ھ/ 644ء میں اس وقت طلوع ہوئی جب البراء بن عدب نے اس کا محاصرہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ یہاں کے باشندوں نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ مستحکم مقام ساسانیوں کے زمانے میں قبیلہ دیلم کے کوہستانیوں کے حملوں سے بچنے کے لیے سد سکندری کا کام دیتا تھا۔ جب مسلمانوں کے ہاتھ آیا تو انہوں نے اسے کوہستایوں کیخلاف بھیجی جانے والی مہمات کا مستقر بنایا۔ محمد بن الحجاج بن یوسف نے یہاں ایک مسجد تعمیر کرائی تھی جو مسجد الثوریا نیل والی مسجد کہلاتی تھی۔ خلیفہ موسیٰ الہادی عباسی نے پرانے شہر کے سامنے ایک نیا شہر آباد کیا جس کا نام مدینۃ موسیٰ رکھا۔ مبارک الترکی نے جو مامون یا معتصم کا آزاد کردہ غلام تھا۔ یہاں ایک قلعہ تعمیر کیا تھا جس کا نام مبارکیہ تھا۔ جب خلیفہ ہارون الرشید ہمدان جاتے ہوئے اس شہر سے گزرا تو اہل قزوین نے درخواست کی تھی کہ چونکہ سرحد پر رہنے کی وجہ سے انہیں دین کی خاطر جنگ کرنا پڑتی ہے اس لیے عشر انہیں معاف کر دیا جائے۔ چنانچہ انہیں یہ رعایت دے دی گئی۔ ہارون الرشید نے بھی قزوین میں ایک مسجد بنوائی تھی اور دفاعی موروچوں کی درستی کا کام شروع کرایا تھا۔ ساتویں/ تیرہویں صدی کے آغاز میں تاتاریوں کے حملوں کی وجہ سے قزوین بالکل تباہ و برباد ہو گیا تھا۔ شاہان صفوی کے زمانے میں اسے دوبارہ عروج حاصل ہوا۔ طہماسپ اول کافی عرصے تک خود یہاں مقیم رہا۔ عباس اول نے نفیس عمارتیں بنوا کر شہر کی خوبصورتی میں اضافہ کیا۔ 1723ء میں یہاں کے باشندوں نے افغان حملوں کو پسپاہ کر دیا۔ قزوین کی اہمیت عصر حاضر میں کچھ اس لیے باقی ہے کہ تبریز اور رشت سے

Marfat.com

تہران جانے والی شاہراہوں کا سنگم قزوین ہی میں ہے۔ عرب جغرافیہ نگاروں میں یہاں کے رہنے والے زکریا بن محمد بن محمود ابو یحییٰ قزوینی نے بڑا نام پایا ہے۔

ہمدان:

ایک قدیم ایرانی شہر جو کوہ الوند کے دامن میں ایک زرخیز میدان میں واقع ہے۔ ایران و عرب کی روایات میں اب تک ہمدان کی قدامت اور گزشتہ عظمت کی یاد باقی ہے۔ یاقوت نے اپنی "معجم البلدان" میں ایک ایرانی مصنف کا بیان نقل کیا ہے کہ شاہ جم (جمشید) نے ہمدان کے قلعہ سارو کی عمارت تعمیر کروائی تھی۔ دارا نے اس کے گرد ایک چار دیواری بنوائی اور ساسانی بادشاہ بہمن بن اسفندیار نے اسے مکمل کیا۔ دارا سوم نے اسے دوبارہ تعمیر کروایا تا کہ سکندر یونانی کے خلاف جنگ میں اس کا حرم اور خزانہ اس شہر میں محفوظ رہے۔

23ھ/ 644ء میں معرکہ نہاوند کے بعد یہ شہر مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔ اس کی حیثیت گرد و نواح کے علاقوں کے لیے ایک منڈی کے طور پر بدستور باقی رہی۔ بقول ابن حوقل ہمدان ایک فرسنگ مربع میں پھیلا ہوا تھا۔ اس شہر میں داخلے کے چار دروازے تھے۔ سرد آب و ہوا اور طویل موسم سرما میں شدید برفباری کے باعث وہ کچھ زیادہ دلکش مقام نہیں تھا۔ عہد سلاجقہ میں ترکوں نے اسے سکونت کے لیے منتخب کیا اور شہر میں شاہی محل وغیرہ تعمیر کرائے جو تاتاریوں نے 617ھ/1220ء میں ہمدان پر حملے کے وقت تباہ کر دیئے تھے۔

یاد رہے ہمدان میں مشہور مسلمان فلسفی ابن سینا کا مقبرہ بھی ہے۔ جس نے 428ھ/ 1037ء میں یہاں وفات پائی تھی۔

رام ہرمز:

صوبہ خورستان جسے آج کل عربستان کہا جاتا ہے۔ اسکے شہر اہواز کے مشرق میں تین دن کی مسافت (55 میل) پر رام ہمز کا قدیم شہر واقع تھا۔ یہ شہر ساسانی خاندان کے بانی اردشیر بابگان کے پوتے ہرمز کے نام پر موسوم تھا۔ الاصطخری کی ایک روایت کے مطابق مانی کو رام ہرمز میں قتل کیا گیا تھا۔ لیکن مؤرخ الطبری کے مطابق مانی کو جندے شاپور میں قتل کیا گیا تھا۔

Marfat.com

المقدسی لکھتا ہے کہ عضد الدولہ نے رام ہرمز کے قریب ایک شاندار بازار بنوایا تھا اور شہر میں ابن سوار کا قائم کردہ ایک کتب خانہ تھا۔

جندے شاپور:

عربی میں اسے جندے سابور کہتے ہیں۔ یہ بھی صوبہ خورستان میں واقع ہے۔ اس کی بنیاد مورخین کے مطابق ساسانی شہنشاہ شاپور اول نے رکھی تھی اور اس کا نام "وندیوشاپور" رکھا تھا۔ جس سے یہ جندے شاپور بن گیا۔ شاپور اول نے اس شہر میں یونانی قیدیوں کو بسایا تھا۔ یہی شہر سریانی زبان بولنے والوں میں بیتھ لاپاٹ Beth- Lapat کے نام سے معروف تھا۔ اس کے محل وقوع کی نشاندہی آج کل شاہ آباد کے کھنڈرات کرتے ہیں۔

مسلمانوں نے اس شہر پر تستر کی فتح کے بعد 17ھ/ 638ء میں بعہد فاروقی قبضہ کیا تھا۔ اس کی فتح کا سہرا حضرت ابوموسیٰ الاشعری کے سر بندھتا ہے۔ اس شہر نے بھی شرائط کی بناء پر ہتھیار ڈالے تھے۔ مؤرخ طبری اور ابن الاثیر کی بیان کردہ سیف بن عمر کی کہانی کی رو سے اس شہر کا سقوط غلام مکثیف کی جعل سازی کا نتیجہ تھا۔ مگر یہ کہانی ایک خیالی افسانہ معلوم دیتی ہے۔ مانی کو قتل کر کے اس کی نعش کو اس شہر کے ایک دروازے پر لٹکا دیا گیا تھا جس کی وجہ سے یہ روازہ مانید روازہ کہلانے لگا تھا۔ جندے شاہ پور یعقوب بن لیث الصفاد (875ء...... 877ء) کا دارالحکومت رہا۔ یاقوت کے زمانے میں فقط چند آثار اس شہر نشاندہی کرتے تھے۔

جندے شاپور کی شہرت کی سب سے بڑی بنائے استحقاق اس بات میں مضمر ہے کہ وہ ایک اہم ثقافتی مرکز رہا ہے، جس نے اسلام میں علمی و عقلی سرگرمیوں کو متاثر کیا۔ اس کی شہرت اس وجہ سے بھی بڑھ گئی تھی کہ ایک تو علم کے ایک شعبے طب سے اس شہر کا بڑا گہرا تعلق تھا۔ دوسرے وہ طب یونانی کا نمائندہ رہا۔ جندے شاپور میں ایک ہسپتال تھا جہاں یونانی طریق پر علاج کیا جاتا تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید نے اس شہر میں ایک ہسپتال کی بنیاد رکھی تھی۔

۞......۞......۞

Marfat.com

فارس

ایران کا صوبہ فارس ایران کے قدیم حکمران خان ہنحامنشی کا وطن مالوف تھا اور ہنحامنشی سلطنت کا مرکز۔ یونانی اس صوبے کو پرسیس Persis کہتے تھے۔ یہ لفظ پارس کی معرب شکل ہے۔ آج کل ایران کا ساتواں صوبہ (استان) ہے۔ یہ 50 درجہ طول البلد مشرقی سے 55 درجے طول البلد مشرقی اور 27 درجہ سے لے کر 31 درجہ 45 دقیقے عرض البلد شمالی پر واقع ہے۔ اس کی زیادہ لمبائی جنوب میں لنگہ سے لے کر شمال میں یزدخواست تک 680 کلومیٹر ہے۔ جبکہ زیادہ سے زیادہ چوڑائی مغرب میں بندردلم سے لے کر مشرق میں آبادہ تک 520 کلو میٹر ہے۔ صوبہ کا مجموعی رقبہ بشمول ساحلی جزیروں کے دو لاکھ کلومیٹر ہے۔ فارس کے شمال مغرب خورستان، شمال مشرق میں صوبہ اصفہان جو پہلے الجبال یا عراق عجم کہلاتا تھا۔ مشرق میں صوبہ کرمان اور مغرب میں اور جنوب مغرب میں خلیج فارس ہے۔ کوروش اعظم (559 ق م...... 530 ق م) اپنی عظیم الشان فتوحات کا آغاز اسی صوبہ سے کیا تھا۔ اس کے دو صدیوں بعد سکندر اعظم نے اسے بقیہ ایران کے ساتھ تاخت وتاراج کیا۔ سلوکیوں اور پارتھیوں یا اشکانیوں کے دور میں اس صوبے کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ البتہ ساسانی خاندان کے بانی اردشیر بابگاں بھی فارس کا رہنے والا تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں مسلمانوں نے پارس کو مسخر کرنے کی کوشش کی۔ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں مسلمانوں نے فارس پر دوبارہ چڑھائی کی اور عربوں کو فتح نصیب ہوئی۔

اصطخر:

صوبہ فارس کا ایک شہر اصطخر ہے۔ یہ 29 درجہ 50 دقیقہ عرض بلد شمال اور تقریباً 53 درجہ طول بلد مشرقی پر مدائن Persepolis سے شمال کی جانب کوئی گھنٹہ بھر کی مسافت مرغاب یا سیوندرود کی وادی میں واقع ہے۔ اس شہر کے آباد کیے جانے کے متعلق صحیح معلومات نہیں ملتیں، لیکن یقین کے ساتھ یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ ہنحامنشی دارالحکومت پرسی پولس کے

Marfat.com

سکندر اعظم کے ہاتھوں زوال کے بعد ہی اس شہر کی بنیاد رکھی گئی ہو گی۔ اس شہر کی تعمیر میں پرسی پولس کے کھنڈرات سے دستیاب پتھر استعمال کئے گئے۔ ابتداء میں اصطخر محض صوبہ فارس کا صدر مقام تھا۔ اشکانی حکومت کے سقوط کے بعد ساسانی اصطخر آئے تھے۔ ساسانی خاندان کے بانی اردشیر اول کا دادا ساسان اسی شہر میں دیوی اناہید کے آتش کدے کا نگران تھا، جس کی آگ کے متعلق مشہور ہے کہ آنحضرتؐ کی ولادت کی رات اچانک بجھ گئی تھی۔ اس آگ کا بجھنا ایران کے لیے شگون بد ثابت ہوا۔ ساسانی خاندان کی حکومت کی بنیاد رکھے جانے کے وقت سے یہ شہر حکومت کا مذہبی مرکز بھی چلا آتا تھا۔ ساسانی بادشاہ مقتول دشمنوں کے سر، جن میں عیسائی شہداء کے سر بھی شامل تھے، فتح کی یادگار کے طور پر اس شہر کی فصیل پر لٹکا دیا کرتے تھے۔ اس طرح پہلے ہی دن سے اصطخر ساسانی سلطنت کا سرکاری صدر مقام متصور ہونے لگا تھا جس طرح ہنجا منشی عہد میں پرسی پولس متصور ہوتا تھا، لیکن جیسا کہ ہنجا منشی عہد میں سوسہ عملی طور پر دارالحکومت تھا اسی طرح ساسانی ایران کا دارالحکومت دراصل مدائن Cteciphon تھا۔

عراق پر قبضہ کرنے کے فوراً بعد عرب مسلمانوں نے فارس کو فتح کر لیا۔ اصطخر کے لوگوں نے خاص طور پر مسلمانوں کی پیش قدمی کا مقابلہ کیا۔ 19ھ/ 640ء میں العلاء بن الحضرمی، عامل بحرین کے زیر قیادت اس شہر کو فتح کرنے کے لیے مسلمانوں نے پہلی کوشش کی تھی جو ناکافی فوج کے ساتھ اور حضرت عمرؓ کے صریح احکامات کے خلاف عمل میں آئی تھی۔ یہ کوشش پورے طور پر ناکام رہی۔ شہزدہ شہرک نے جو اس وقت فارس کا حکم تھا اتنی فوج اکٹھی کر لی تھی کہ الحضرمی اس کا مقابلہ نہ کر سکا اور بدقت لڑتا ہوا بصرے کی طرف نکل گیا۔ اس کے بعد 23ھ/642ء میں بعہد حضرت عثمان غنیؓ اصطخر نے ایک عرب فوج کے آگے ہتھیار ڈال دیئے، اس عرب فوج کی قیادت حضرت ابوموسیٰ الاشعری کر رہے تھے۔ بعدازاں اصطخر کے لوگوں نے بغاوت کر دی اور اپنے عرب گورنر کو قتل کر دیا۔ اس بغاوت پر گورنر بصرہ عبداللہ بن عامر نے سخت جنگ کے بعد قابو پایا اور اس طرح اصطخر کو دوبارہ فتح کرنا پڑا۔ (649ء) ساسانی عہد کا اصطخر جو شان و شوکت میں قدیم پرسی پولس سے کم نہ تھا۔ اسلامی عہد کی ابتدائی صدیوں میں بھی خاصا اہم شہر رہا مگر رفتہ رفتہ اس کی یہ عظمت گہنا گئی اور یہ صرف ایک صوبہ کا صدر مقام رہ گیا۔ 684ء

Marfat.com

میں شیراز کی تاسیس سے اس شہر کو بھاری صدمہ پہنچا اور شیراز بہت جلد صوبہ فارس کا صدر مقام بن گیا۔ اس کے بعد اصطخر کی حیثیت گھٹتی چلی گئی۔ جغرافیہ دان الاصطخری جو اسی شہر کا باشدہ تھا لکھتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری / دسویں صدی عیسوی میں یہ شہر ایک اوسط درجہ کا شہر تھا جس کی فصیل تباہ ہو چکی تھی۔ المقدسی نے اس کے تیس سال بعد 985ء میں اپنی کتاب ''احسن التقاسیم'' تصنیف کی تو اصطخر نے دریا کے ایک پل کی تعریف کی۔ بڑی جامع مسجد کے ستونوں کو بھی سراہا۔

آج کل اصطخر کھنڈرات کی شکل میں موجود ہے اور ابھی تک مفصل تحقیقات کا منتظر بھی۔ شہر کے قدیم کھنڈرات زیادہ تر مختلف بلندی کے مٹی کے ٹیلوں میں مدفون ہیں۔ شہر کی دیواروں کے کچھ حصے بھی موجود ہیں۔ جس سے زیادہ جاذب توجہ وہ جگہ ہے جو حاجی آباد گاؤں کے قریب واقع ہے اور جسے سیاح ''حریم جمشید'' کہتے ہیں۔ یہاں ستونوں کے ٹکڑوں کے درمیان ایک ستون سیدھا کھڑا ہے اور اس شہر کی عظمت رفتہ کی یاد دلاتا ہے۔

Marfat.com

شیراز

ایران کے صوبہ فارس کا موجودہ صدر مقام شیراز جو اصفہان کے جنوب میں ایک کھلے میدان میں آباد ہے، یہ عربوں کا بسایا ہوا ہے۔ اس مقام کو عہد راشدہ میں حضرت عمرؓ کی خلافت کے اختتام پر حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ اور حضرت عثمان بن ابی العاص نے فتح کیا تھا۔ اور یہاں اسلامی افواج کے لیے ایک چھاؤنی تعمیر کی تھی۔ اسی چھاؤنی سے بعد ازاں الاصطخر کے محاصرے کے لیے افواج بھیجی گئی تھیں۔

عہد بنوامیہ میں گورنر عراق الحجاج بن یوسف کے چچازاد بھائی اور نائب محمد بن القاسم بن محمد بن الحکم ثقفی نے خلیفہ ولید بن عبدالملک کے حکم پر اسے دوبارہ تعمیر کیا تھا۔ اس کی تعمیر صوبہ اردشیر خرہ کے ایک قدیمی شہر کے کھنڈرں پر ہوئی تھی۔ سلاطین خاندان صفاریہ نے اسے تیسری صدی ہجری/نویں صدی عیسوی میں اپنی نیم خود مختار ریاست کا دارالحکومت قرار دیا تھا۔ پھر ابو کالیجار سلطان الدولہ (آل بویہ) نے 436ھ تا 440ھ۔ 1044ء تا 1048ء میں سا شہر کے گرد فصیل تعمیر کرائی جس کے 12 دروازے تھے۔ المقدسی نے ان میں سے آٹھ دروازوں کے نام دیئے ہیں۔ محمود شاہ انجو۔ نے جو مظفریوں کا حریف تھا چودھویں صدی عیسوی کے وسط میں شیرز کی فصیلوں کی مرمت کرائی۔ 1393ء میں فاتح عالم امیر تیمور اس شہر کی فصیلوں کے سامنے آن پہنچا۔ شاہ منصور مظفری نے تیمور سے جنگ کی مگر میدان جنگ میں کام آیا۔ 1724ء میں شیراز پر افغانوں نے حملہ کر دیا۔ اسکے بعد کریم خان ژند نے اسے اپنا دارالحکومت بنا لیا اور اس کے گرد دیواریں بنوائیں اور خندقیں کھدوائیں۔ اسکے بازاروں کی فرش بندی کروائی اور بڑی خوبصورت عمارتیں تعمیر کروائیں۔ 1813ء اور 1824ء میں آنے والے زلزلوں سے یہ شہر ویران ہو گیا تھا۔

شیراز کی شراب بڑی مشہور ہے۔ اس کے علاوہ شیراز شہد اور چکی کے پتھروں کی وجہ سے بھی مشہور ہے۔

Marfat.com

آثار و عمارات:

اس شہر کی تین مساجد مشہور ہیں اور شیخ سعدیؒ کا مزار بھی یہیں ہے۔

(1) جامع عتیق: یہ مسجد عمرو بن لیث نے تیسری صدی ہجری کے آخر میں تعمیر کی تھی۔

(2) نئی مسجد جو اتابک سعد بن زنگی سلغری نے چھٹی صدی ہجری......سترہویں صدی عیسوی میں تعمیر کرائی تھی۔ (3) مسجد سنق جو پہلے سلغری اتابک نے بنوائی تھی۔ اس شہر میں بہت سے اولیاء اللہ کے مزارات بھی ہیں جن کی وجہ سے اس شہر کا نام ''برج اولیاء'' یا اولیاء کا قلعہ پڑ گیا ہے۔ خصوصاً علوی احمد بن محمود بن موسیٰ کاظم اور سعدی و حافظ کے مزار جو شہر کے شمال کی طرف واقع ہیں۔ اسی شہر میں ''دلکشا'' اور ''ہفت تن'' نام کے باغ بھی ہیں۔ اس کے علاوہ اس شہر میں پوشاک ولباس اور کچا ریشم تیار ہوتا ہے۔ شیراز کسی بڑے دریا کے کنارے پر واقع نہیں لیکن یہاں آبپاشی کے لیے نہروں کا نظام موجود ہے۔ البتہ شیراز کے شمال میں صوبہ فارس کا سب سے طویل دریا ''نہر سکاں'' بہتا ہے۔

Marfat.com

خراسان

قدیم فارسی زبان میں خراسان کے معنی ''مشرق کی سرزمین'' کے ہیں۔ زمانہ وسطیٰ کی ابتداء سے اس نام کا اطلاق ایران کے مشرق میں واقع ایک وسیع صوبہ پر ہوتا ہے۔ خور بمعنی خورشید اور ''آسان'' بمعنی چڑھنا یعنی چڑھتے سورج کی سرزمین، مشرق۔ اس سے مراد دریائے آمو (جیحوں) کے جنوب ہندوکش کے شمال میں واقع علاقہ ہے۔

31ھ/ 651ء میں عبداللہ بن عامر نے ضحاک بن قیس الملقب بہ الاحنف کی سرکردگی میں جو لشکر فارس اور خورستان سے روانہ کیا تھا وہ خراسان پر حملہ آور ہوا اور اس نے طخارستان کو فتح کر لیا اور بلخ کے باشندوں کو بھی اطاعت پر مجبور کر دیا۔ خراسان کے لوگوں نے فوراً ہی اسلام قبول کر لیا تھا مگر یہ فطرتاً سرکش اور متمرد تھے۔ اس لیے کبھی کبھی مرکزی حکومت کے خلاف شورش بپا کرتے رہتے تھے۔

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے مابین جب مناقشت ہوئی تو خراستان کے لوگوں کی سرکشی وجہ سے مسلمانوں کو نیشاپور سے نکلنا پڑا تھا۔ صوبہ خراسان کے چار بڑے شہر نیشاپور، ہرات، مرو اور بلخ بڑے مشہور تھے جن میں نیشاپور کو اولیت حاصل تھی۔

نیشاپور:

ایران کے اس بڑے اور قدیم شہر کی بنیاد شاپور اول نے رکھی تھی۔ اس کے شمال مغرب میں برزین مہر کا آتش کدہ ریوند کی پہاڑیوں میں واقع تھا جس کا شمار ساسانیوں کے تین مقدس ترین آتش کدوں میں ہوتا تھا۔ شہنشاہ یزدگرد ثانی (438ء/ 457ء) عام طور پر نیشاپور ہی میں رہنے لگا تھا۔

30ھ/ 651ء میں بصرہ کے گورنر عبداللہ بن عامر نے نیشاپور کو فتح کر لیا اور یہاں کے حاکم کنارنگ نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس زمانے میں یہ معمولی سا شہر تھا اور یہاں کوئی قلعہ

Marfat.com

گیر فوج نہیں تھی۔ جیسا کہ پہلے ذکر آیا۔ خلافت رشدہ کے عہد آخر میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی باہمی جنگ کے دوران 37ھ/ 656ء میں نیشاپور میں بغاوت ہوگئی۔ کہا جاتا ہے کہ پیروز ثالث، کنارنگ کی بیٹی کے بطن سے یزدگرد کا بیٹا تھا، کچھ عرصے کے لیے نیشاپور پر قابض رہا۔ حضرت علیؓ نے خلید بن قیس کو 657ء میں اہل نیشاپور کو اطاعت گزار بنانے کے لیے بھیجا۔ 41ھ/ 661ء میں جب حضرت معاویہ متفق علیہ حکمران بن گئے تو انہوں نے عبداللہ بن عامر گورنر بصرہ کو حکم دیا کہ خراسان کو پھر سے زیرنگیں کرے۔ 662ء میں عامر بن عبداللہ نے قیس بن الہیثم کو اپنا نائب مقرر کر کے نیشاپور میں والئی خراسان مقرر کیا۔ زیاد بن ابی سفیان نے 45ھ/ 665ء میں خلید بن عبداللہ الحنفی کو نیشاپور کا عامل بنا دیا۔ عبداللہ بن خازم نے 683ء میں امویوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا مگر 692ء خلیفہ عبدالملک کے خلاف لڑتا ہوا مارا گیا اور خراسان میں اموی حکومت بحال ہوگئی۔ نیشاپور کی خوشحالی اس زمانے سے شروع ہوتی ہے جب ابوالعباس عبداللہ بن ظاہر نے تیسری صدی ہجری/ نویں صدی عیسوی میں اسے اپنا پایہ تخت بنایا تھا۔

صفاری خاندان کا بانی یعقوب بن اللیث بن معدل نیشاپور میں 2 شوال 259ء/ یکم اگست 873ء کو داخل ہوا اور اس نے محمد بن طاہر کو قید کر دیا، لیکن جلد ہی اس نے آزادی بھی حاصل کر لی اور اپنا علاقہ بھی واپس لے لیا۔ اس کی وفات کے بعد 882ء میں رافع بن ہرثمہ نے عمرو بن اللیث سے نیشاپور چھین لیا۔ 899ء میں یہ شہر سامانیوں کے قبضے میں آ گیا۔ ان کے دور میں اس شہر کو مزید خوشحالی نصیب ہوئی اور یہ شہر خراسان کے والئی اور سپہ سالار کا صدر مقام بن گیا۔

عرب جغرافیہ دانوں کے مطابق یہ ایک گنجان آباد شہر تھا اور بیالیس محلوں میں تقسیم تھا۔ اس کی لمبائی اور چوڑائی ایک فرسخ تھی۔ اس میں قلعہ، شہر اور بیرونی آبادی شامل تھی۔ اس شہر میں عمرو صفاری کی تعمیر کردہ جامع مسجد بھی تھی۔ اس شہر کے بازاروں میں سڑکوں پر سوداگروں کے قیام کے لیے بہت سی کارواں سرائیں تھیں، ہمہ قسم کا مال اس شہر کے بازاروں میں ملتا تھا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ شہر نیشاپور سے زیادہ صحت افزا مقام اور معمور شہر تمام خراسان میں کوئی اور نہیں تھا۔

Marfat.com

مئی جون 1187ء میں خوارزم شاہ تکش نے نیشا پور فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ بعدازاں جب خوارزم شاہ اور چنگیز خان میں مناقشت ہوئی تو چنگیز خان نے 1221ء میں اس شہر کو بالکل تاراج کر ڈالا۔ ابن بطوطہ کی سیاحت کے زمانے میں یہ شہر ان صدمات سے سنبھل چکا تھا۔ تاہم اپنی پہلی سی اہمیت دوبارہ کبھی نہیں حاصل کر سکا۔

موجودہ نشاپور پہاڑیوں سے گھرے ہوئے ایک میدان کے مشرق میں واقع ہے۔ شمال اور مشرق کی جانب کوہ بنیالود کا سلسلہ اسے وادی مشہد اور طوس سے علیحدہ کرتا ہے۔ اس پہاڑ کے دامن میں کئی ندیاں نکلتی ہیں۔ شہر کے شمال میں پہاڑوں کے درمیان ایک چھوٹی سی جھیل چشمہ سبز تھی جس میں سے دو ندیاں نکلتی تھیں۔ شمال اور مغرب میں فیروزے کی مشہور کانیں تھیں۔ اس علاقے کو اب بھی معدن کہا جاتا ہے۔ جنوب مشرق میں اس شہر کے دو شہرہ آفاق فرزندوں یعنی عمر خیام اور فریدالدین عطارؒ کے مزارات واقع ہیں۔

الحاکم ابوعبداللہ البیع النیشا پوری نے (م405ھ) نے علمائے نیشا پور کی تاریخ آٹھ جلدوں میں شائع کی تھی۔ اس سے یاقوت اور حاجی خلیفہ نے استفادہ کیا تھا۔ الذہبی نے اس تاریخ کا ایک مختصر خلاصہ بھی مرتب کیا تھا۔

Marfat.com

مشہد مقدس

ایران کے صوبہ خراسان کا صدر مقام اور ایران میں اہل تشیع کی سب سے بڑی زیارت گاہ ہے۔ یہ سطح سمندر سے تین ہزار فٹ کی بلندی پر 59 درجہ 35 دقیقہ طول البلد مشرقی اور 16 درجہ دقیقعہ 17 عرض البلد شمالی پر کشف اود کی وادی میں جو دس سے 25 میل تک چوڑی ہے، واقع ہے۔ کشف رود کا ایک نام آب مشہد بھی ہے۔ جو طوس کے کھنڈرات سے کوئی بارہ میل کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی جھیل چشمہ جیلاس سے نکلتا ہے اور مشہد سے جنوب مشرق کی جانب کوئی سو میل دور روسی ایرانی سرحد پر ہری رود میں جا ملتا ہے۔

مشہد کشف رود کے جنوبی کنارے سے کوئی چار میل کے فاصلے پر آباد ہے۔ پہاڑیاں جو وادی کے ساتھ ساتھ چلی گئی ہیں، مشہد کے قریب آٹھ یا نو ہزار فٹ بلند ہیں۔

بلند مقام پر واقع ہونے اور پہاڑوں کے قریب ہونے کی وجہ سے مشہد مقدس کی آب و ہوا موسم سرما میں سخت سرد ہوتی ہے اور موسم گرما میں سخت گرم۔ اسے ایک صحت بخش مقام سمجھا جاتا ہے۔

آج کے مشہد اور کل کے طوس کے قریب واقع نوقان یا سناباذ نامی گاؤں میں اسلامی تاریخ کی دو بڑی شخصیات دس سال کے عرصے کے اندر اندر دفن ہوئی تھیں۔ یعنی خلیفہ ہارون الرشید اور امام علی رضا بن موسیٰ رضا۔ نویں صدی عیسوی کی پہلی دہائی میں خلیفہ ہارون الرشید خراسان کے خلاف فوج کشی کرنے نکلا تو وہ سناباذ کے مقام پر ایک دیہاتی محل میں بیمار پڑ گیا اور چند روز کے اندر ہی فوت ہو گیا (193ھ/809ء) ہارون الرشید کی وفات کے تقریباً دس سال بعد مامون الرشید نے بھی مرو جاتے ہوئے چند روز کے لیے ثناباذ کے اسی محل میں قیام کیا۔ اس کے ساتھ اس سفر میں اس کے داماد اور خاندان علویہ کی عظیم شخصیت امام علی رضا بھی تھے جو مامون کی بعد خلیفۃ المسلمون کے عہد کے لیے نامزد ہو چکے تھے اور اثناء عشریہ کے آٹھویں امام تھے۔

Marfat.com

ان کے عباسی خلیفہ کے جانشین کے طور پر نامزدگی خاندان عباسیہ بڑی ناگوار گزرتی تھی۔ وہ المامون کے ساتھ یہاں رہتے ہوئے اچانک 203ھ/818ء کو انتقال فرما گئے۔ مؤرخین کے مطابق انہیں انگور کے دانے میں زہر دیکر شہید کیا گیا تھا۔ قزوینی نے لکھا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید اور حضرت امام علی رضا کی قبریں ایک ہی گنبد کے نیچے تھیں۔ شیعہ امام عالی مقام کی قبر کا بڑا احترام کرتے تھے۔ چونکہ مامون کے حکم پر دونوں قبور ایک جیسی بنائی گئی تھیں۔ اس لیے شیعوں کو معلوم نہیں ہوتا تھا کہ کون سی قبر کس کی ہے۔ امام عالی مقام کے روضہ کے احترام کی وجہ سے جلد ہی اس گاؤں نے بڑھ کر ایک بڑے شہر کی شکل اختیار کر لی اور اسے "المشہد مقدس" کے نام سے پکارا جانے لگا۔ مسلم جغرافیہ دانوں میں مقامات کے ناموں کے سلسلہ میں "مشہد" کا لفظ سب سے پہلے المقدسی نے استعمال کیا تھا۔ یعنی دسویں صدی عیسوی کے نصفِ آخر میں۔

چودھویں صدی کے مشہور مسلمان سیاح ابن بطوطہ نے "شہر مشہد الرضا" کی اصطلاح استعمال کی۔ تدریجی طور پر یہی نام مشہد مقدس ہو گیا۔ پھر فتنہ تاتار کے بعد طوس بالکل ویران ہو گیا اور اس علاقہ کا صدر مقام المشہد قرار پایا۔ مشہد کو صفوی عہد میں سب سے زیدہ عروج حاصل ہوا جب ایران کا سرکاری مذہب شیعہ مذہب قرار پایا۔ ایران کے بڑے شہروں کی طرح مشہد بھی کئی دیواروں کے حلقوں سے گھرا ہوا ہے جس سے اس کی شکل وشباہت میں بڑی دلفریبی پیدا ہو گئی ہے۔ یہ شہر چھ بڑے اور دس چھوٹے محلوں میں منقسم ہے۔ امام علی رضا کے مقبرے کے مقدس رقبے کو "بست" کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ حرم شریف یا حرم مقدس اور حرم الرضاوی کے نام بھی اس کے لیے مستعمل ہوں۔ بست کی شکل مستطیل ہے، جس کا رقبہ 900 فٹ × 700 فٹ ہے اور یہ پائین خیابان کے نصف میں واقع ہے۔ اس کے صحن، مساجد، خانقاہیں، مدرسے، سرائیں اور بازار اور رہائشی مکانات وغیرہ بطور خود ایک علیحدہ شہر ہیں۔ اس کے گرداگرد ایک دیوار ہے جو اس کو باقی شہر مشہد مقدس سے منقطع کرتی ہے۔ خیابان سے حرم میں داخل ہونے کے دو راستے ہیں جن کے دروازے شمال اور جنوب میں واقع ہیں، لیکن ان میں زنجیریں لگا دی گئی ہیں تا کہ گاڑیوں کا داخلہ روکا جائے، چونکہ بست کی زمین پاک ہے اس لیے اس پر پیادہ چلنا احتراماً واجب ہے۔

Marfat.com

امام علی رضا کے مقبرے کا گنبد اپنے ملحقات کے ساتھ رقبہ حرم کے وسط سے بلند ہوتا ہے اور اس کی شمال اور مشرقی حدود میں دو وسیع مستطیل صحن ہیں یعنی صحن کہنہ اور صحن نو اور جنوب میں تیموری سلطان شاہ رخ کی بیوی گوہر شاد کی تعمیر کردہ مسجد ہے۔ گزشتہ 1200 سال میں تاریخ کے ہر دور میں خانقاہ امام علی رضا کی مسلم سلاطین نے تعمیر و تزئین کرائی ہے۔ سلطان محمود غزنوی سے لے کر نادر شاہ درانی تک بہت سے سنی سلاطین نے بھی روضہ امام علی الرضا کی خدمت کی ہے۔ شیعہ سلاطین میں طہماسپ اول (1524ء...... 1576ء) نے صحن کہنہ میں ایک مینار تعمیر کروایا جس پر سونے کا پترہ منڈھا لگا اور روضہ کے گنبد پر بھی خالص سونے کی چادریں چڑھوائیں۔ نادر شاہ افشار (1720ء...... 1717ء) نے روضہ کی بڑی خدمت کی اور ہندوستان سے لائی گئی دولت کا بڑا حصہ اس عظیم المرتبت زیارت گاہ کی آرائش پر خرچ کیا۔

Marfat.com

طوس

طوس، خراسان کا ایک ضلع ہے۔ تاریخی زمانے میں طوس ایک ضلع کا نام تھا جس میں کئی ایک شہر شامل تھے۔

خراسان کے شمال کی جانب پہاڑوں کے دو سلسلے پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک کو یت داغ ہے جو خراسان کے شمال سے نکل کر ماورائے خزر تک چلا گیا ہے۔ دوسرا جو کوہ البرز ہی کا سلسلہ ہے اس کے متوازی جنوب میں ہے۔ اس کے جنوب مشرق کی ایک وادی میں سے دریائے کشف اود گزرتا ہے جو دریائے ہرات کے بائیں کنارے کے معاون دریاؤں میں سے ایک ہے۔ طوس کا ضلع دریائے ہرات یا دریائے ہری اود کے اوپر کے حصے میں واقع ہے۔ جنوبی سلسلہ کوہ، بنالود کی چوٹی جو تقریباً 2800 فٹ بلند ہے اسے نیشاپور سے الگ کرتی ہے۔

اس علاقے کے نام سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں طوس میں بعض غیر آریا عناصر آباد تھے۔ کشف رود کا دریا طوس کے علاقے کی ایک گھاٹی سے نکلتا ہے۔

شہر طوس کے آباد ہونے کا زمانہ عہد ساسانیاں سے پہلے کا قرار دیا گیا ہے۔ طوس کے علاقے میں قدیم ترین آبادی کے آثار کشف اود کے دائیں کنارے پر شہر طوس کے چار میل جنوب مشرق اور مشہد سے 10 میل شمال مغرب میں شہر بند کے کھنڈروں میں پائے جاتے ہیں۔

ساسانی عہد میں طوس کے متعلق بہت کم معلومات ملتی ہیں۔ روایتاً یہ بتایا گیا ہے کہ یزدگرد اول کی موت (420ء) گھوڑے کی ایک مہلک دولتی سے واقع ہوئی جو جھیل مشہد کے نزدیک ساو کے چشمے سے برآمد ہوا تھا۔

طوس کے کھنڈرات مشہد کے شمال مغرب میں اٹھارہ میل کے فاصلے پر موجود ہیں۔ ایران کے عظیم شاعر فردوسی کا مقبرہ بھی یہیں ہے۔ جسے رضا شاہ پہلوی نے 1934ء میں سنگ مرمر سے نہایت خوبصورت تعمیر کروایا تھا۔ اس مقبرے کے چاروں طرف ایک باغ ہے۔ ایک

Marfat.com

چھوٹا سا عجائب گھر اور کتب خانہ بھی ہے۔طوس میں اسدی، امام غزالی، محقق طوسی اور نظام الملک جیسے علماء وفضلا پیدا ہوئے تھے۔نصیر الدین طوسی (1200ء......1273ء) ماہر فلکیات اور عالم دین بھی طوس کا باشندہ تھا۔

مرو:

خراسان کا دوسرا ربع یعنی ربع مرو دریائے مرغاب کے کنارے اس کی زیریں گزرگاہ کے علاقہ کے زرخیز وشاداب نخلستان کا بڑا شہر اور تہذیب وتمدن کا مرکز مرو واقع ہے۔مرغات کی نسبت ابن حوقل لکھتا ہے کہ دراصل بہلفظ مرو۔آب تھا۔لیکن اصطخری کا بیان ہے مرغاب اس مقام کا نام ہے جہاں سے یہ دریا نکلتا ہے۔مقدسی نے دریائے مرغاب کا نام ''نہر المروین'' یعنی دو مرو کا دریا لکھا ہے اور بیان کیا ہے کہ یہ دریا شمالی یعنی مرو خورد کے پاس سے گزر کر جنوبی یا مرو کلاں کی طرف بہتا ہے۔مرو کلاں کے جنوب میں ایک فرسخ کے فاصلے پر دریا کے پانی کو روک کر اس کا پانی ایک بڑے گول تلاب میں ڈال دیا گیا ہے اور اس تالاب سے چار نہریں نکال کر شہر کی طرف لے گئے ہیں۔یہ دریا شہر کی بیرونی بستیوں سے گزرے کے بعد ریگستان میں جا گرتا ہے جہاں آگے چل کر اس کا پانی ریت میں جذب ہو جاتا ہے۔

زمانہ وسطیٰ میں مرو کلاں کو مرو الزود یعنی مرو خورد سے الگ کرنے کے لئے مرو اشاہجاں کہتے تھے۔مرو کا حال جس طرح اصطخری، ابن حوقل اور مقدسی نے لکھا ہے کہ بیچ شہر میں قلعہ واقع تھا۔اس کو بلندی دے کر بنایا گیا تھا۔پھر اس قلعہ کے گرد شہر تھا، جس کی فصیل تھی اور اس کے چار دروازے تھے۔چوتھی صدی ہجری/ دسویں صدی عیسوی میں مرو میں تین جامع مسجدیں تھیں۔ایک قلعہ والی مسجد، جو مسجد نبی ماہان کہلاتی تھی۔دوسری مسجد عتیق جو شہر کے باب المدینہ پر تھی اور تیسری جامع الجدید جو باب المدینہ سے باہر تھی اور یہیں مرو کے بڑے بازار تھے۔نہر زریق شہر سے گزرتی ہوئی باب المدینہ اور مسجد عتیق تک آتی تھی۔نہر زریق کے مغرب کی طرف نہر ماجان بہتی تھی۔مرو کے باب درمشکان سے باہر نکلتے ہی خلیفہ المامون عباسی کا عالی شان محل تھا۔جس زمانے میں المامون کا دربار مرو میں تھا تو وہ اس محل میں رہا کرتا تھا۔یہ

Marfat.com

واقعہ اس سے پیشتر کا ہے جب وہ اپنے بھائی امین کے ہاتھ سے خلافت چھین لینے کے لیے بغداد روانہ ہوا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ مامون الرشید کے باپ ہارون الرشید نے اپنی وفات سے کچھ پہلے مامون کو خراسان کا حاکم مقرر کیا تھا۔ 193ھ/809ء میں جب ہارون کا انتقال ہوا تو امین اور مامون میں خلافت کے حصول کے لیے جنگ ہوئی۔ حتیٰ کہ محرم 198ھ/813ء میں امین قتل ہو گیا اور سپہ سالار طاہر بن حسین نے بغداد المامون کے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ حقیقت یہ ہے کہ امین کے قتل کے بعد بھی مامون چار برس تک مرو میں مقیم رہا اور 817ء میں مرو سے چلا اور 819ء میں بغداد پہنچا تھا۔

شہر مرو کا جنوب مشرقی دروازہ یعنی سجان نہر اسعدی پر کھلتا تھا۔ اس سمت میں شہر مرو سے چھ فرسخ کے فاصلے پر شہر جیرنج واقع تھا۔ اس سے آگے ایک فرسخ پر شہر درق واقع تھا جہاں وہ تاریخی پن چکی واقع تھی جہاں عہد راشدہ میں حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانے میں آخری ساسانی تاجدار یزدگرد سوم نے بھاگ کر پناہ لی تھی اور ایک چکی والے نے جواہرات کے لالچ میں اُسے قتل کر دیا تھا۔

1220 عیسوی میں تاتاریوں نے مرو پہنچ کر وہاں کے تمام کتب خانوں کو نذر آتش کر دیا۔ شہر میں ہلاکت اور غارت گری کی انتہائی یہ تھی کہ نوے لاکھ انسانوں کی لاشیں شہر کے کھنڈرات میں بے گور و کفن چھوڑ دی گئی تھیں۔ حافظ ابرو کے بیان کے مطابق تاتاریوں نے دریائے مرغاب کے تمام بندوں کو توڑ دیا تھا جس سے یہ علاقہ پانی اور دلدل کی جھیل بن گیا۔ اس کے بعد ابن بطوطہ جب مرو سے گزرا تھا تو اس نے اس شہر کو کھنڈروں کا ڈھیر پایا تھا۔

تیمور کے پوتے شاہ رخ کے عہد میں شہر مرو کی رونقیں ایک حد تک پھر سے بحال ہو گئی تھیں۔ شاہ رخ نے 1418ء میں شہر کے بڑے حصے کو دوبارہ تعمیر کرایا تھا۔ چنانچہ حافظ ابرو نے جب 821ھ/1418ء میں اپنی کتاب لکھی تو یہ شہر پھر شاندار اور معمور ہو گیا تھا۔

ہرات:

خراسان کا ربع ہرات آجکل افغانستان میں ہے۔ اس کا زیادہ تر حصہ دریائے ہرات یا دریائے ہری اود سے سیراب ہوتا ہے۔ ہرات شہر مغربی افغانستان میں دریائے ہری اود پر

Marfat.com

واقع ہے۔اس کا ارتفاع 3030 فٹ ہے یہ 34 درجے 22 ثانیے عرض البلا شمالی اور 62ء درجے 9 ثانیے طول البلد مشرقی پر واقع ہے۔

اس شہر کا نام مقدس اوستا میں ہریوہ آیا ہے۔سکندر اعظم نے اپنی فتح ایران کے دوران یہاں آریا Aria میں اسکندریہ نام کا ایک شہر تعمیر کرایا تھا۔بطلیموس نے دریائے ہری اود پر واقع دوسرے قصبوں کے سلسلے میں کیریکس Charax کے قصبہ اسیڈور Asidor وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔

اسلامی عہد میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ الاحنف بن قیس کے زیر قیادت عرب فوج نے 31ھ/652ء میں اپنی فتح خراسان کے دوران ہرات کو نظر انداز کر دیا تھا۔لیکن قیاس یہ ہے کہ اس شہر نے بھی عربوں کی اطاعت اختیار کر لی تھی۔ کیونکہ اس کے تھوڑے عرصے بعد ہی وہاں ایک عرب والی کا ذکر ملتا ہے۔ خانہ جنگی اور اموی خلافت کے آغاز میں ہرات میں خاموشی طاری تھی لیکن 661ء میں اسے دوبارہ فتح کیا گیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل ہرات نے بھی بغاوت کر دی ہوگی۔ 702ء میں یزید بن مہلب نے کچھ عرص باغیوں کو شکست دی جو ابن الاشعث کے پیرو تھے۔اسی شہر میں ہونے والی شورشیں اور ہنگامے بالآخر خلافت عباسیہ کے قیام کا باعث بنے۔

ہرات بحر روم سے ہندوستان یا چین کی طرف جانے والے تجارتی راستوں پر واقع ہونے کی وجہ سے تجارت کا بڑا مرکز تھا۔ ہرات نے متعدد عالم بھی پیدا کیے۔جیسا کہ السمعانی بذیل ماد، الہروی ملتا ہے۔الاصطخری اور ابن حوقل نے شہر کے چار دروازوں اور اندر کی طرف ایک مضبوط قلعہ اور دور تک پھیلی ہوئی نواحی آبادی کا ذکر کیا ہے۔تیور کے قبضے کے بعد اس شہر کو ترقی اور عروج حاصل ہوا۔

۞......۞......۞

Marfat.com

بلخ

خراسان کے چوتھے ربع کا نام ''ام البلاد'' بلخ کے نام پر ربع بلخ تھا۔ بلخ تمام صوبہ خراسان کا سب سے بڑا شہر تھا۔ اس کے آثار آج کل افغانستان کے شہر مزار شریف کے قریب ایک گاؤں کے اطراف میں موجود ہیں۔ یہ شہر 36 درجہ 45 دقیقہ عرض بلد شمالی اور 67 درجہ طول البلد مشرقی پر واقع تھا۔ بلخ کا نام اس صوبے کے نام سے مشتق ہے جس کا ذکر دارا کے کتبات میں باختر س Baxtris اور یونانی مآخذوں میں باختریا باکتر □Baktra ملتا ہے۔ اسکندر اعظم کے مشرق میں نمودار ہونے تک غالباً اس نام کا کوئی شہر موجود نہیں تھا۔

یونانی فتوحات کے بعد بلخ کا نام باختری ریاست کے صدر مقام کی حیثیت سے سامنے آتا ہے۔ 628ء میں ایک چینی بدھ بھکشو ہیون سانگ یہاں آیا تھا۔ اس نے اپنے سفرنامہ میں اس شہر اور اس کے نواح کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ شہر کے باہر جنوب میں نوبہار یا نووبارا کے مندروں کا مجموعہ واقع تھا جس کی وجہ سے یہاں ایک مستقل آبادی ہو گئی تھی۔ گوا ک ترکوں کے زمانے میں یہاں ایک ترک شہزادے کی حکومت تھی۔

عہد راشدہ میں حضرت عثمانؓ کے زیر خلافت 32ھ/ 653ء میں احنف بن قیس نے اس شہر کا محاصرہ کر کے اسے تاراج کیا، لیکن آخر کار اسے امان دے دی گئی۔ اس کے گیارہ سال بعد 43ھ/ 663ء میں قیس بن ہیثم نے شہر پر قبضہ کر لیا اور نوبہار کے مندروں کو تباہ کر دیا اور اس کے بلند گنبد کو تباہ کر دیا۔ برمک نے جو نوبہار کا حکمران تھا اپنی جاگیر کو بچانے کے لیے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے طخارستان کے یغو اور دوسرے ترکی امیروں نے بہت سی تکلیفیں پہنچائیں۔ تورکش بیگی ترخان نے بھی جو سیتان ور طاس بلمند کا بادشاہ تھا۔ عربوں کی اطاعت قبول کر کے بظاہر اسلام قبول کر لیا لیکن بعد ازاں وہ اعلیٰ الاعلان مرتد ہو گیا اور اس نے اپنا پرانا دین بدھ اختیار کر لیا۔ وہ آگے بڑھا اور بلخ کو اس نے عربوں کے قبضے سے نکا

Marfat.com

لیا۔اس نے وہاں کے برمکی حکمران اور اس کے بیٹوں کو بھی قتل کر دیا۔ان میں سے فقط خالد برمکی کا باپ جو عباسی خلفاء کا وزیر بنا زندہ بچا۔

قتیبہ بن مسلم کے زمانے تک (96ھ/715ء) جب کہ بلخ پر دوبارہ مکمل قبضہ ہوا یہ شہر مختلف لوگوں کے ہاتھ رہا۔725 عیسوی میں خراسان کے والی اسد بن عبداللہ القسری نے مرو سے اپنی فوجوں کو بلخ منتقل کر دیا۔بعد ازاں 871ء میں یعقوب بن لیث نے بلخ پر قبضہ کر لیا۔اس کے بعد 900 میں یہ شہر سامانی خاندان کے قبضے میں چلا گیا۔سامانی عہد اس شہر کی ترقی کا سب سے شاندار عہد تھا۔عرب جغرافیہ دانوں نے اس شہر کے اس زمانے کے حالات لکھے ہیں۔

اسلامی عہد سے پہلے ہی یہ شہر ماوراء النہر، ترکستان اور ہندوستان کی باہمی تجارت کا مرکز تھا۔اسلامی عہد میں سائنس اور ثقافت کے اعتبار سے بھی اس کی حیثیت بہتر ہوگئی۔المقدسی نے لکھا ہے کہ کئی لحاظ سے اس علاقے کے دوسرے شہر اس سے پیچھے تھے۔اس زمانے میں یہ شہر دو حصوں میں منقسم تھا۔ (1) اندرون شہر، جو شہرستان یا مدینہ کہلاتا تھا۔(2) ربض (مضافات شہر) جو ایک نواحی بستی تھی۔ان دونوں کے گرد فصیل کھینچی ہوئی تھی، الیعقوبی بھی ایک دیوار کا ذکر کرتا ہے، جس کے چار دروازے تھے۔اسلامی عہد میں اس بڑی دیوار کے جس کے اندر ربض بھی تھا، سات دروازے تھے۔ان کے نام ابن حوقل اور اصطخری نے یوں لکھے ہیں۔(1) باب نوبہار (2) باب رحبہ (3) باب الحدید (4) باب ہندوان (5) باب الیہود اور باب شست من ہاشست بند۔شہر کی بڑی مسجد شہرستان میں تھی اور بڑے بازار ربض میں تھے۔

550ھ/1155ء میں یہ شہر غزوں (اوغوز) کے ہاتھوں تباہ ہوا۔اس کے بعد بلخ کے گورنر امیر قماچ نے اس شہر کو ایک نئی جگہ، ہموار میدان میں منتقل کر دیا۔اسی امیر قماچ کے زمانے میں 1136ء کے کچھ عرصہ بعد عبدالحمید اندلسی لکھتا ہے کہ اس نے ایک خواب کے ذریعے بلخ کے قریب کے ایک گاؤں خیر نامی میں حضرت علیؓ کی قبر معلوم کی تھی۔اس مزار کے دریافت ہونے اور حضرت علیؓ سے منسوب ہونے سے بلخ کی اہمیت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔1206ء میں اس شہر پر خوارزم شاہ نے قبضہ کر لیا۔اور غزوں کے ہاتھوں تباہ ہو جانے بعد یہ شہر مکمل طور پر بحال ہو گیا تھا۔لیکن بالآخر 1220ء میں اسے چنگیز خان نے مکمل طور پر تباہ کر ڈالا جس

Marfat.com

کے بعد چغتائی خوانین نے اسے دوبارہ بحال کیا۔ چودہویں صدی عیسوی میں جب عرب سیاح ابن بطوطہ یہاں پہنچا تو اس نے یہ شہر خراب وخستہ حالت میں پایا۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ بلخ کے باہر ایک مزار اور اس سے ملحق ایک تکیہ ہے جس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت عکاشہؓ بن محصن بن محض الاسدی کا مزار ہے جو صحابہ کرام میں سے تھے۔ محققین نے لکھا ہے کہ یہ خیال غلط تھا کیونکہ حضرت عکاشہؓ بن محصن حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں شہید ہوئے تھے اور جب تک مسلمانوں کے قدم یہاں تک نہیں پہنچے تھے) دسویں صدی ہجری کے بعد بلخ کی شہرت کم ہوتی چلی گئی۔

آثار واحوال:

جدید زمانے میں پرانے بلخ کے کھنڈرات کا حال لکھا جا چکا ہے۔ شہر کا اندرونی قلعہ جو شہرستان، قلعہ ہندوان اور ارک کہلاتا ہے۔ زمانہ قبل از اسلام کے بلخ کا فقط یہی حصہ ہے جو بچا ہوا اور فصیل سے گھرا ہوا ہے۔ اس کے گرد 45 منٹ میں پورا چکر لگایا جا سکتا ہے، لیکن اسلامی عہد کے شہر "ربض" کے گرد چکر لگانے میں دو گھنٹے لگتے ہیں۔ اندرونی فصیل سے بیرونی فصیل کے بعید ترین حصے کا فاصلہ ڈیڑھ ہزار میٹر ہے۔ شہر کے جن سات دروازوں کا ذکر عرب مصنفوں نے کیا ہے۔ انہیں آج بھی متعین کیا جا سکتا ہے۔ پرانی عمارتوں میں سے پرانی مسجد، عکاشہ کا مقبرہ اور وہ شاندار عمارت جو عبدالمومن خان ازبک نے 1599ء میں مشہور (نقشبندی) شیخ خواجہ پارساؒ کی قبر پر تعمیر کی تھی۔ بلخ کی سب سے اہم عمارتیں ہیں۔ نوبہار قدیم آج بھی درواز نوبہار کے جنوبی علاقے میں موجود ہے۔ اور اب اس کا نام "تخت رستم" یا "تپہ رستم" ہے۔ تخت رستم نے پانچ سو میٹر لمبے قطعہ زمین سے زیادہ زمین گھیر رکھی ہے۔ بلخ قدیم زمانے میں بدھ مت کا مرکز اور پورے طور پر ہندو تہذیب کے زیر اثر رہا ہے۔ لیکن ایرانی یہ ثابت کرتے ہیں کہ بلخ زردشتیوں کا مرکز اور ایرانیوں کا سب سے قدیم مذہبی صدر مقام تھا۔ نوبہار کو بھی ایک مکمل ایرانی شہر قرار دیا گیا ہے اور یہاں کی عمارات کا تعلق ایران کے قومی ہیرو رستم سے جوڑا گیا ہے۔

احمد شاہ ابدالی کے عہد سے بلخ افغانستان میں شامل ہے۔ 1901ء سے لے کر احمد شاہ ابدالی کے عہد سے بلخ افغانستان میں شامل ہے۔ مزار شریف سے اس کا فاصلہ صرف بائیس

Marfat.com

کلو میٹر اور کابل سے 643 کلو میٹر ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی 1150 میٹر ہے۔ 1933ء میں محمد گل خان وزیر امور داخلہ افغانستان نے شہر بلخ کی نئی بنیاد رکھی تھی۔ مسجد خواجہ پارسا کو مرکز قرار دے کر وہاں سے چار طرف راستے کھولے اور شمالی سڑک کو دریائے آمو کی بندرگاہ کلف تک پہنچا دیا گیا اور اس میں بازار، حکومتی مراکز اور تجارتی مراکز قائم کیے۔

بلخ میں اب تک بہت سے قدیم بزرگان اسلام کے مزار موجود ہیں جن کے لوگ واقف ہیں۔ مثلاً خواجہ ابونصر پارسا، خواجہ عکاشہ، امام محمد حنیفہ، امام ابوحاص بن برعش، شیخ الاسلام، امام ابوعبداللہ اسماعیل ابوالقاسم انصاری، امام ضحاک، فقہ حنفی اور حضرت شفیق بلخیؒ وغیرہ۔

مزار شریف:

عام روایت یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو شاہ مردان کہلاتے ہیں یہاں مدفون ہیں۔ خواند میر کی تحریر کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی یہ فرضی قبر 885ھ/1480ء میں اس وقت دریافت ہوئی تھی جب امیر تیمور کی اولاد میں سے ایک شخص مرزا بیقرا حاکم بلخ تھا۔ اس سال سلطان سنجر سلجوقی کے عہد کی مکمل گئی ایک کتاب مرزا بیقرا کو پیش کی گئی جس میں لکھا ہوا تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بلخ سے تین فرسخ کے فاصلے پر خواجہ خیران نامی گاؤں میں مدفون ہیں۔ یہ کتاب پڑھ کر حاکم بلخ فوراً اس گاؤں میں گیا اور وہاں تلاش کے بعد اسے قبر کا ایک تعویذ ملا جس پر عربی میں لکھا تھا "یہ اسد اللہ، ولی اللہ، اخو رسول اللہ کی قبر ہے۔ چنانچہ اس قبر پر ایک بڑی شاندار عمارت بنا دی گئی۔ اس وقت سے یہ مقام وسط ایشیا کا مقدس ترین مقام قرار پایا۔

Marfat.com

سیستان

سیستان یا سجستان فارسی لفظ سکستان سے ماخوذ ہے عرب اسے سجستان کہتے ہیں۔ اس کا قدیم نام سکستانہ تھا۔ اسے مؤرخین نے نیمروز بھی لکھا ہے۔ جنوب کی سرزمین، سیسل، خراسان کے جنوب کی طرف۔ یہ نام شاہنامہ فردوسی میں اکثر آیا ہے۔ افغانستان اور ایران کے درمیان ایک سرحدی ضلع۔ اس کا رقبہ کم وبیش 7006 مربع میل ہے جس میں سے 2847 مربع میل ایران میں شامل ہے جبکہ 4159 مربع میل علاقہ افغانی ہے۔

سیستان 1872ء کے ''سیستانی مشن'' کی مجوزہ حد بندی کی وجہ سے دوملکوں میں منقسم ہے۔ اس حد بندی کا نشان ہلمند پر بند سیستان سے لے کر کوہ ملک سیاہ، جو گودزرہ کے مغرب کی طرف ایک پہاڑی تک چلا گیا ہے۔ اس مشن کے صدر نے F.J. Golosmid نے سیستان خاص اور بیرونی سیستان میں امتیاز قائم کیا ہے۔ سیستان خاص وہ حصہ ہے جو ایران سے تعلق رکھتا ہے۔ ایرانی روایات کے مطابق ستان اور زابلستان کی شہرت کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایرانی ہیرو رستم کے باپ زال کا وطن تھا۔ یاد رہے ایرانی رستم کو قومی ہیرو کا درجہ دیتے ہیں۔ خلفائے عباسیہ کے زمانے میں سیستان اس وجہ سے مشہور ہوا کہ صفاریہ خاندان کے امیر جنہوں نے تیسری صدی ہجری/نویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں ایران کے جنوبی اور مشرقی حصوں پر حکومت کی۔ یہیں کے رہنے والے تھے اور ان کی حکومت بھی درحقیقت ایک خودمختار حکومت تھی۔

زرنج:

زمانہ وسطیٰ میں ایران کے اس صوبہ کا دارالحکومت زرنج کا بڑا شہر تھا۔ یہ ہرات کے جنوب میں دس دن کی مسافت پر واقع تھا اور ایک ریگستان کا حصہ تھا جس میں سے نہریں گزرتی تھیں جو دریائے ہلمند سے نکالی گئی تھیں۔ عہد خلافت راشدہ میں 30ھ/651ء میں اس شہر پر الربیع میں زیاد نے حملہ کر کے اسے فتح کیا تھا۔ اس شہر کا نام اب کسی کی زبان میں نہیں بلکہ زمانہ وسطیٰ

Marfat.com

کے آخری حصے سے متروک چلا آتا ہے۔ زرنج کے کھنڈرات آج کل زاہدان اور شہرستان کے گرد دریائے ہلمند سے نکلنے والی نہروں میں سے ایک بڑی نہر کے کنارے واقع ہیں۔ زاہدان کے قریب اسی فٹ بلند ایک مینار کے شکستہ آثار اب تک موجود ہیں۔ مشہور ہے اس شہر اور اس مینار کو امیر تیمور نے برباد کیا تھا۔ یہ مینار میل زاہدان کہلاتا ہے۔ اس پر چڑھنے کے لیے چکردار زینہ بھی موجود ہے۔

یعقوبی نے تیسری صدی ہجری/نویں صدی عیسوی میں لکھا تھا کہ زرنج چار فرسخ پر محیط تھا۔ پھر چوتھی صدی ہجری میں ابن حوقل نے اس شہر کا مفصل حال لکھا ہے۔ اس زمانے میں اس کے گرد ایک مستحکم فصیل تھی جس کے پانچ دروازے تھے۔ فصیل کے باہر ایک بیرونی آبادی تھی جو ربض کہلاتی تھی، اس کے گرد بھی شہر پناہ تھی۔ اس باہر والی شہر پناہ میں تیرہ دروازے تھے جن کے سامنے ایک بڑی خندق تھی۔ دو دروازے جن کا نام باب جدید اور باب عتیق تھا جنوب مشرق میں واقع صوبہ فارس کے رخ پر کھلتے تھے اور اسی مناسبت سے یہ دونوں دروازے باب فارس کہلاتے تھے۔ شمال کی طرف خراسان کے رخ پر باب کوکویہ تھا۔ یونام ایک قریب کے شہر کرکوک کے نام پر رکھا گیا تھا۔ پانچواں دروازہ باب طعام کہلاتا تھا۔

شہر کی جامع مسجد بہر والے حصہ یعنی ربض میں فارس جانے والی شاہراہ پر دونوں جانب مغربی دروازوں کے قریب واقع تھی۔ باب نیشک اور باب کرکویہ کے درمیان ایک قلعہ تھا جہاں خزانہ رہتا تھا۔ اس قلعہ کو خاندان صفاریہ کے امیروں نے تعمیر کروایا تھا۔

1222ء میں چنگیز خان کے حملہ ایران میں زرنج تباہی سے بچ گیا تھا مگر جب 785ھ/ 1383ء میں امیر تیمور اپنی فوجیں لے کر یہاں پہنچا تو اس وقت اس شہر کا نام ''شہرستان'' تھا۔ تیمور کی آمد کے بعد تباہی اس شہر کا مقدر بن گئی۔ تیمور نے چند روزہ محاصرے کے بعد یہ شہر فتح کر لیا اور جس قدر باشندے اس شہر میں تھے انہیں قتل کر دیا اور شہر کی فصیل کو مسمار کر دیا، مکانات منہدم کر دیے۔ اس وقت سے زرنج ایک بے نام و ویران مقام چلا آتا ہے۔

ازمنۂ وسطیٰ میں اس شہر کے قریب ایک جھیل بحیرہ زرہ اس سے کہیں زیادہ رقبے پر موجود تھی جتنی وہ آج کل ہے۔ ابن وقل نے لکھا ہے کہ اس جھیل کا طول تیس فرسخ تھا، اس جھیل میں دریائے ہلمند گرتا تھا۔

Marfat.com

جوین:

جوین یا گوئن سیستان میں ایک قلعہ بند مقام، یا شہر ہے۔ قدیم زمانے میں اس میں کوئی جامع مسجد نہ تھی کیونکہ یہاں کے تمام باشندے خارجی تھے۔ المقدسی کے سوا کسی اور مسلمان جغرافیہ دان نے جوین کا حال نہیں لکھا۔ شہر شہرلاش سے تین سے پانچ کلومیٹر شمال میں دریائے فراہ اود کے کنارے واقع ہے۔ لاش اور جوین کی اہمیت قدیم زمانے سے افغانستان کی جانب سے قندھار اور ہرات سے آنے والی شاہراہوں اور ایران کی طرف سے مشد، یزد اور ناصر آباد سے آنے والی سڑکوں کا مقام اتصال ہونے کی وجہ سے ہے۔ عرب جغرافیہ نویسوں کے مطابق ہرات سے زرنج جانے والی شاہراہ پر جوین خارجیوں کا ایک مستحکم مرکز تھا۔

آج کل جوین ایک لاوٗنج مقام پر ایک زرخیز میدان کے بیچ ہیں جو گھنڈروں سے ڈھکا پڑا ہے واقع ہے۔ اس شہر کے نام سے ایران میں اور بھی بہت سے مقامات ہیں۔

غزنہ یا غزنین:

اس شہر کی تاریخ میں شہرت کا دارومدار سلطان محمود غزنوی کے دارالسطنت ہونے پر ہے۔ یہ سلطان ایک زمانہ میں مشرق میں ہندوستان اور مغرب میں بغداد دونوں کا مالک تھا۔ غزنہ کے حالات تاریخ کے صفحات میں اس وقت تک نہیں ملتے جب تک اسے سلطان محمود نے ہندوستان پر حملے کر کے دوبارہ تعمیر نہ کرایا تھا اور زیب وزیست نہیں بخشی تھی۔ افغانی سیستان کا یہ شہر سلطان محمود کے عہد میں شان وشوکت میں عروج پر پہنچا۔ اس کی یہ شان وتمکنت ایک صدی سے زیادہ قائم نہ رہی۔ 544ھ/ 1149ء میں سلطان علاؤ الدین غوری المقلب بہ ''جہاں سوز'' نے اپنے بھائی کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے نہ صرف سلطان بہرام شاہ غزنوی کو قتل کروایا بلکہ غزنہ کو فتح کر کے لوٹا اور جلا ڈالا۔ اسی وجہ سے اس کا نام جہاں سوز ہے۔ غزنین اس حادثے کے بعد پھر کبھی پنپ نہیں سکا۔ ابن بطوطہ جب اس شہر میں پہنچا تو اس نے مقبرہ سلطان محمود غزنوی کے اس شہر کو ویران پایا تھا۔ ابن بطوطہ کے ہم عصر المستوفی نے لکھا ہے کہ یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے حالانکہ کسی زمانے میں یہ ایک عظیم الشان شہر تھا۔ بلندی پر واقع ہونے کی وجہ سے اس کی آب وہوا سرد تھی۔

Marfat.com

زابلستان:

دریائے ہلمند اور دریائے قندھار کے بالائی حصوں کے پہاڑی علاقے کو عرب زابلستان کہتے تھے۔ اس لفظ کے معنی مبہم ہیں، لیکن زابلستان سے مراد بالخصوص علاقہ ہے جو غزنہ کے گرد واقع تھا۔ اس کے مقابل کابلستان کا یا کابل کا علاقہ تھا جو زیادہ شمال میں بامیان کی سرحد پر واقع ہے۔ یہی تقسیم ہے کہ جو تیموری فتوحات کی تاریخوں میں ملتی ہے۔ تیسری صدی ہجری/ نیسوی صدی عیسوی میں مؤرخ یعقوبی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسی زمانے سے کابل میں سوداگر بکثرت آنے لگے تھے اور یہاں سے اہلیلج کابلی (ایک دوا) خرید کر اپنے ملکوں کو لے جاتے تھے۔ یعقوبی نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں کابلستان کا بڑا شہر جروس کہلاتا تھا۔ چوتھی صدی ہجری میں اصطخری نے اس کا نام طابان لکھا ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ کابل کا نام بھی عام طور پر مستعمل تھا۔ گو اس سے مراد کابل شہر نہیں بلکہ کابل کا علاقہ تھا۔ کابلستان کو سیستان کا ایک دور افتادہ علاقہ تصور کیا جاتا تھا۔ قزوینی نے لکھا ہے کہ یہاں کی سانڈنیاں جو بختی کہلاتی تھیں، تمام وسط ایشیاء میں بہترین سمجھی جاتی تھیں۔ دریائے کابل دریائے سندھ کا ایک معاون دریا ہے اور دو ندیوں کے ملنے سے جو کابل کے شمال میں کوہ ہندوکش سے نکلتی ہیں۔ ابن بطوطہ نے کوہ ہندوکش کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ ہندوستان سے بہت سے غلام ایران جاتے ہوئے ان پہاڑوں کو طے کرتے ہوئے مر جاتے تھے اس لیے یہ پہاڑ ہندوکش کہلاتے تھے۔

Marfat.com

گیلان

گیلان یا گیلون Gelae، سلسلہ کوہ البرز کے شمالاور بحیرہ خزر کے جنوب میں ایران کا ایک صوبہ۔ اس کے مشرق میں طبرستان یا مارزندان ہے اور اس کی شمالی حد دریائے کُر اور ارس Araxes کے مقام اتصال تک پھیلی ہوئی ہے۔ تاہم ملکی تقسیم کے اعتبار سے اسے روس سے استارہ ندی علیحدہ کرتی ہے۔ اس صوبے کا صدر مقام رشت ہے۔ اس کا اندرونی علاقہ دلدلی ہے۔ اس کے علاوہ یہ جنگلوں اور شہتوت کے گھنے باغوں سے پٹا پڑا ہے۔ اس صوبے کے باشندے کو گیلان کی مناسب سے گیلک کہتے ہیں۔ لاہیجان کے قریب دریائے سفید اور سمندر (بحرہ خزر) میں جا گرتا ہے۔ ابریشم بافی کی صنعت یہاں عام ہے اور زراعت میں چاول کی کاشت کو اہمیت حاصل ہے۔

آب وہوا:

یہاں کی آب وہوا مسلسل مرطوب ہونے کی وجہ سے انسان کی طبیعت میں سستی پیدا ہوتی ہے۔ معتدل اور مرطوب موسم سرما کے دوران گرم ہوائیں چلنے لگتی ہیں۔ اگر بلندی سے اس علاقے پر نظر ڈالی جائے تو ہرے بھرے بحرِ بے کراں کا منظر پیش کرتا ہے۔

رشت:

یہ شہر پہلے ایک ضلع تھا، پھر اس نام کا ایک شہر آباد ہوا۔ جو صوبہ گیلان کا صدر مقام قرار پایا۔ یہاں کے لوگ آجکل اہل تشیع ہیں اور کچھ بہائی ہیں۔ گیلان کی آبادی دسویں صدی عیسوی کے آغاز میں جستانیوں کے خلاف عام بغاوت برپا ہونے کے بعد علوی امام حسن بن علی الاطروش کے ہاتھ پر اسلام لائی تھی۔ اس زمانے میں یہاں کے باشندے حنبلی مشرب کے تھے جو گیلان میں پیدا ہونے والی عظیم تر روحانی شخصیت حضرت عبدالقادر جیلانی کا مسلک تھا جو

Marfat.com

سلسلہ قادریہ کے بانی تھے۔ گیلان کا ذکر آئے تو سیدنا عبدالقار جیلانی کا نام خودبخود ذہن میں آجاتا ہے۔ آپؒ کی پیدائش 1077ء میں گیلان میں بحیرہ خزر کے کنارے ایک گاؤں میں ہوئی تھی۔ جب آپ اٹھارہ سال کے ہوئے تو آپ نے تحصیل علم کے لیے گیلان سے بغداد کا سفر کیا۔ یہ سفر سیدنا عبدالقادر گیلانی کی زندگی کا ایک یادگار واقعہ لیے ہوئے جو آپ ک سچائی اور راستی کا آئینہ دار ہے۔ اثنائے راہ میں جب آپ کے قافلے کو راہزنوں کی ایک جماعت نے گھیر کر لوٹ لیا تو کچھ لٹیرے آپ کے پاس آئے اور آپ سے سوال کیا کہ آپ کے پاس کوئی مال ہے تو آپ نے نہایت سادگی سے مگر سچائی کے ساتھ ان رہزنوں کو اپنے لبادے کے اندر خفیہ طور پر سیئے ہوئے چالیس دینار کا پتہ بتا دیا۔ آپ کی یہ سادگی اور سچائی کام کر گئی اور راہزنوں کا سردار آپ کے ہاتھ پر تائب ہوا اور اُس نے اہل قافلہ کا لوٹا ہوا مال واپس کر دیا۔ بقول سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ یہ سب آپ کی والدہ کی اس نصیحت کے نتیجے میں ہوا تھا جس میں انہوں نے اپنے صاحبزادے کو ہمیشہ سچ بولنے کی تلقین کی تھی۔ یہ راہ حق میں حضرت جیلانی کی پہلی فتح تھی۔ اور سچائی اور راستی کی بھی۔

جب صفویوں نے سولہویں صدی عیسوی کے آغاز میں گیلان کو صفوی حکومت میں شامل کیا تو اہل گیلان کو شیعہ مذہب قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ دیلم اور گیلان میں اسلام کی تبلیغ 290ھ/903ء میں سید ناصر کبیر کے ذریعے ہوئی تھی جو خلافت کے علوی دعویداروں میں سے تھے اور شیعوں کے زیدی فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن یاد رہے ابھی تک زردشتی مذہب کی باقیات بھی گیلان سے معدوم نہیں ہوئیں۔ یہاں کے لوگ اب بھی سفید مرغوں کی تلاش میں رہتے ہیں کیونکہ ان کی بانگ زردشتی مذہب میں خوش قسمتی کی نوید سمجھی جاتی تھی۔ آگ روشن کرنے اور اس پر پھلانگنے کی رسم بھی (سال کے آخری چہار شنبہ کو) منائی جاتی ہے۔ رشت سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر فومن سے آنے والی سڑک پر ایک مقام کا نام ابھی تک آتش کدہ چلا آ رہا۔

گیلان 1722ء سے 1734ء تک روسیوں کے قبضے میں رہا جنہیں والئی گیلان نے افغانوں کے ممکنہ حملے سے بچانے کے لیے خود بلایا تھا۔

Marfat.com

گیلان کی تاریخ میں رشت کو ہمیشہ بڑی اہمیت حاصل رہی ہے، لیکن گیلان کے (1592ء) ایران میں ضم ہو جانے کے بعد اس کی جدگانہ حیثیت ختم ہوگئی۔ بیسویں صدی کے آغاز میں آنے والے انقلاب ایران میں جمہوریت پسندوں کی ایک جماعت قفقاز کی علاقائی مجلس کی طرف سے رشت بھیجی گئی اور وہاں اس نے فروری 1909ء میں شاہ کے اقتدار کو ختم کرنے میں مدد کی اور ایک انقلابی مجلس قائم کی جس سے سپہ دار اعظم کو بطور والئی منتخب کر لیا۔ اس شخص نے سردار اسعد بختیاری کی معیت میں اس دور کے گیلان کی تاریخ میں اہل اہم کردار ادا کیا۔ اس زمانے میں رشت شمالی انقلابی فوج کی کارروائیوں کا مرکز بن گیا تھا۔ اس کے چند سال بعد جب جنگ عظیم اول شروع ہوئی تو ایک ''جنگلی'' نامی تحریک کی بدولت جو مرزا کوچک خاں نے چلائی تھی اور جس کا مقصد ایرانی علاقے پر غیر ملکیوں کا قبضہ ختم کرنا تھا، لوگوں کی توجہ ایک بار پھر رشت کی جانب مبذول ہوگئی۔

Marfat.com

طبرستان یا مارژندران

اہل عرب ملک ایران کے صوبہ مارژندران کو جو کوہ البرز کے شمال میں واقع ہے، طبرستان کہتے ہیں۔ اس صوبے میں گھنے جنگل کثرت سے ہیں اور اہل ملک کا پیشہ لکڑی کاٹنے کا ہے۔ اس کے شمال میں بحیرہ خزر Caspian Sea، جنوب میں سلسلہ کوہ البرز۔ مشرق میں صوبہ جرجان اور مغرب میں صوبہ گیلان ہے۔ اس صوبے کی زمین زرخیز اور سیراب ہے، لیکن بند کھڑے پانیوں کی وجہ سے انسانی صحت کے لیے ضرر رساں ہے۔ اس صوبے میں تین چھوٹے دریا، ہربز، تلار اور تجن بہتے ہیں۔ اس صوبے کے بڑے شہروں میں آمل، ساری، سلوش، رویان اور بارفروش ہیں۔

تاریخی ادوار:

اسلامی عہد سے پہلے اس علاقے میں موروثی سرداری قائم تھی۔ ان موروثی سرداروں کو اسپہبذ کہتے تھے۔ 29ھ/649ء میں حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں کوفہ کے والی سعید بن العاص نے طبرستان پر چڑھائی کی۔ حضرت معاویہؓ کے عہد میں مصقلہ بن ہبیرہ تقریباً 20 ہزار فوج کے ساتھ طبرستان کی حدود میں داخل ہوا مگر دشمنوں نے وزنی پتھر پہاڑوں سے لڑھکا لڑھکا کر اس کا اور اس کی فوج کے بڑے حصے کا خاتمہ کر دیا۔ اسی طرح کی ناکام کوشش محمد بن الاشعث نے بھی کی۔ سلیمان بن عبدالملک کے دور حکومت میں یزید بن مہلب نے طبرستان پر چڑھائی کی، یہاں کے اسپہبذ نے صلح کر لی اور 47 لاکھ درہم سالانہ بمعہ 400 خروار زعفران کے ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ مروان بن محمد کے زمانے میں یہاں کے لوگوں کے مقرر کردہ والی نے دبا دیا۔ عباسی خلیفہ المنصور نے طبرستان کے باغیوں کے خلاف عسکری کارروائی۔ المعتصم کے عہد میں یہاں بغاوت کرنے والے مایزدیار کو گرفتار کر کے مار دیا گیا اور اس کی لاش کو بابک خرمی کی لاش کے ساتھ لٹکایا گیا۔ اس کے بعد طبرستان کا علاقہ عبداللہ بن طاہر کے قبضے میں آ گیا۔ 862ء میں اس صوبے پر محمد بن زید علوی نے قبضہ کر لیا۔

خلافت اسلامی کے ابتدائی سالوں میں سیاسی لحاظ سے اس صوبے کی اہمیت کم تھی اور حقیقت میں یہ آل ساسان کی سلطنت کا وہ حصہ تھا جس نے ایران کے سب حصوں کے آخر میں

Marfat.com

اسلام قبول کیا۔ طبرستان کا دارالحکومت خلفاء عباسیہ کے آخری زمانے میں آمل تھا۔ گو تیسری/نویں صدی عسوی میں خاندان طاہریہ کی طرف سے جو حاکم طبرستان میں آتا وہ ساریہ میں رہا کرتا تھا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ آمل اس کے زمانے میں قزوین سے بڑا اور خوب معمور شہر تھا۔ المقدسی کے بیان کے مطابق شہر میں ایک بیمارستان (شفاء خانہ) اور دو جامع مسجدیں تھیں۔ ان میں سے ایک مسجد عتیق تھی، جو بازار میں تھی اور اس کے گرد درخت لگے ہوئے تھے۔ ایک اور مسجد جدید تھی جو شہر پناہ کے قریب تھی۔ دونوں مسجدوں میں الگ الگ بڑا رواق تھا۔ شہر کے سوداگر خوب تجارت کرتے تھے۔

صوبہ طبرستان کا دوسرا اور آمل سے پیشتر دارالحکومت ساریہ تھا۔ یہ آج کل "ساری" کہلاتا ہے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ ساریہ ایک معمور شہر تھا۔

301ھ/913ء سے حضرت علیؓ کی اولاد میں سے ایک شخص الحسن بن علی نے آمل کے مقام پر سامانیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور ناصر الکبیر کا لقب اختیار کیا۔ جب 304ھ میں اس نے وفات پائی تو اس کا داماد الحسن بن القاسم داعی الی الحق کے لقب سے جانشین ہوا اور ابو القاسم جعفر بن ناصر اور اجیر سپاہیوں کے سردار ماکان بن کاکی سے عرصے تک جنگ کرنے کے بعد 923ء میں پہاڑوں میں جا چھپا۔ بعد ازاں مرداویج نے اسے گرز مار کر ہلاک کر دیا۔ مرداویج اسفار بن شیرویہ کا ملازم تھا اس کی فتح کے بعد طبرستان پر اسفار کی حکومت قائم ہو گئی تا آنکہ مرداویج نے اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد مرداویج کے بھائی وشمگیر نے حکومت کی۔

زمانہ وسطیٰ کے جغرافیہ نویسوں نے طبرستان کے بہت سے قلعوں اور شہروں کے نام دیئے ہیں مگر وہ اب یہاں کے نقشے پر نہیں ملتے۔ یہ شہر اور قلعے یا تو ساتویں صدی ہجری/ تیرہویں صدی عیسوی میں تاتاریوں کی یورش کے دوران برباد ہو گئے یا چودہویں صدی میں انہیں تیمور نے مسمار و برباد کر دیا۔

طبرستان کی پیداوار مصنوعات کے بارے میں المقدسی نے لکھا ہے کہ یہاں لباس کے لیے کپڑا انہایت باریک اور اعلیٰ درجہ کا اور طیلسانی نقابیں بہت عمدہ تیار ہوتی تھیں۔ قدرتی پیداوار میں خلنج کی لکڑی یہاں کی سب سے بڑی پیداوار ہے۔ خلنج کے درخت کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ اس کی لکڑی کے مختلف رنگ ہوتے ہیں اور کبھی کبھی اس سے تسبیح کے دانے بھی بنائے جاتے تھے۔

Marfat.com

جرجان

صوبہ جرجان یا گورگان جیسا کہ فارسی بولنے والے ایرانی اس کا تلفظ ادا کرتے ہیں، بحیرہ خزر کے جنوب مشرقی گوشہ میں واقع ہے۔ اسی وجہ سے بحیرہ خزر کو کئی مرتبہ بحیرہ جرجان بھی لکھ دیا جاتا ہے۔ اس قدیم ایرانی صوبے کی حدود عملاً وہی تھیں جو آج کے ایرانی صوبے استر آباد کی ہیں۔ یہ اپنے طبعی نقشے اور آب و ہوا دونوں کے لحاظ سے نیم استوانی اور گرم و مرطوب علاقہ مارزندران اور شمال میں لق و دق صحرا کو ملانے والی کڑی ہے۔ اس صوبے کی زرخیزی اور خوش حالی کا دار و مدار اترک اور جرجان کے دریاؤں پر تھا، لیکن ان نعمتوں کے ساتھ ساتھ ان دریاؤں میں آنے والے سیلاب بخار کی وباء کا باعث بن جاتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ سعید بن العاص نے 30ھ/ 650ء میں شاہ جرجان پر جذیہ عائد کیا تھا، لیکن جرجان کی حقیقی فتح یزید بن مہلب کا کارنامہ ہے۔ (98ھ/ 717ء) اس وقت جرجان پر ایک ساسانی مرزبان حکومت کر رہا تھا، لیکن عملاً اقتدار ایک ترک سردار کے ہاتھ میں تھا۔ اس سے پہلے 18ھ میں اصحاب الیسر کے مطابق جب سوید بن مقرن نے بسطام فتح کیا تو روزبان صول نے جذیہ ادا کرنے کی شرط پر مسلمانوں کی ماتحتی قبول کی۔

بحیرہ خزر کے ساتھ کا علاقہ عباسی خلافت کے زمانے میں علوی دعوت کے لیے بہت سازگار ثابت ہوا تھا۔ چنانچہ طبرستان کے علویوں جرجان کو بھی اپنے حلقہ اثر میں لے لیا تھا۔ خاص جرجان میں حضرت محمد بن جعفر صادقؒ کی قبر موجود ہے۔ عوام اسے گور سرخ کہتے ہیں اور اس کی بڑی فکریم کی جاتی ہے۔ ان علاقوں میں مسلسل سیاسی خلفشار کے باعث 928ء میں مرداویج بن زیاد دیلمیوں کی مدد سے جرجان میں اپنی سلطنت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ یہ سلطنت کوئی ایک سو سال قائم رہی۔ یہ پہلے نام نہاد طور پر سامانیوں اور پھر غزنویوں کے زیر سیادت قائم رہی۔ امیر قابوس بن وشمگیر (977ھ/ 1013ء) کی قبر کا قبہ، گنبد قابوس آج بھی

Marfat.com

اس عہد کی یادگار ہے۔

تاتاریوں کی یلغار میں جرجان کی آبادی کا بڑا قتل عام ہوا۔ المستوفی جس نے آٹھویں صدی ہجری/ چودھویں صدی عیسوی میں اپنی کتاب نزہت القلوب لکھی وہ اس شہر کو کھنڈروں کا ڈھیر بتاتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ تیمور نے 393ء میں یہاں دریا کے کنارے ایک محل تعمیر کروایا تھا۔ لیکن اس کے باوجود جرجان اپنی پہلی سی شان و شوکت کبھی حاصل نہیں کر سکا۔ حاجی خلیفہ نے لکھا ہے کہ تاتاری یلغار کے بعد آباد ہونے والا جرجان میں اکثریت غالی شیعوں کی رہی ہے۔ دریائے جرجان اور دریائے خرم اود کے سنگم سے جو زاویہ بنتا ہے وہاں کھنڈروں کے ڈھیر ہی قدیم جرجمان کی جائے وقوع کا پتہ دیتے ہیں۔ جرجان کا نام حال میں استر آباد رکھ دیا گیا ہے۔ شہر سے دو میل شمال مشرق اور دریا سے ایک میل کے فاصلے پر گنبد قابوس موجود ہے اور یہی عمارت انقلابات زمانہ کا مقابلہ کر سکی ہے۔

دیلم:

جغرافیائی اعتبار سے دیلم گیلان کی سطح مرتفع کا نام ہے۔ جنوب کی جانب گیلان خاص کی پست زمینیں سلسلہ البرز سے گھری ہوئی ہیں۔ اس مقام پر یہ سلسلہ کوہ ایک ہلال کی شکل بنائے ہوئے ہے۔ اس ہلال کا مشرقی سرا بحیرہ خزر کے ساحل کے قریب تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے وسطی حصے میں ایک خلا ہے جس میں وسطی ایرن کی پہاڑیوں سے دریائے سفید اود بہتا ہوا بحیرہ خزر میں جا گرتا ہے۔ منجیل کے مقام پر پہاڑ کی گھاٹی میں داخل ہونے سے پہلے جہاں اس کے بہاؤ کا رخ مغرب سے مشرق کی جانب ہے، اس میں ایک بڑا معاون دریا شاہ اود آ کر مل جاتا ہے۔

دیلمیوں کی قدیم نسل و نژاد کی بابت یقینی طور پر کچھ معلوم نہیں۔ البتہ دیلم کے نام سے بہت قدیم یونانی مصنف واقف تھے۔ خسرو اول نوشیرواں کے عہد میں دیلمیوں کے ایک فوجی دستے کا Lazaica میں Archeo Polis کے محاصرے (تقریباً 552ء) کے موقع پر ذکر ملتا ہے۔ اسی خسرو اول کی مہم یمن میں 570ء میں دیلم اور اس کے قرب و جوار کے 800 قیدی شامل تھے۔

Marfat.com

دیلم اور عرب:

مسلمان عربوں کے حملے کے زمانے میں جب قزوین کے باشندوں نے دیلمیوں سے مدد طلب کی تو دیلمیوں نے تامل وتذبذب کا مؤقف اختیار کیا، لیکن انہوں نے رے کے لوگوں کی مدد سے نعمان بن مقرن کا جسے حضرت عمرؓ نے بھیجا تھا مقابلہ کیا۔ دیلمیوں کی قیادت ان کا بادشاہ موتا کر رہا تھا جسے دستپائے میں شکست ہوئی۔ البلاذری اور دیگر مؤرخوں نے دیلم پر مسلمانوں کے سترہ حملوں کا ذکر کیا ہے جو حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت سے شروع ہو کر المامون عباسی کے زمانے تک کیے گئے۔ ان حملوں کا ذکر عربی اشعار میں بھی ملتا ہے۔ شاعر الاعشیٰ ہمدان (83ھ/702ء) کو دیلمیوں نے قید کر لیا تھا۔ اگرچہ جن مقامات کا ذکر اس نے خود کیا ہے وہ بظاہر دماوند کے علاقے سے تعلق رکھتے ہیں تاہم دیلم نے اپنی آزادی برقرار رکھی۔ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کے مستحکم مقامات جنوب میں قزوین اور شمال مشرق میں طبرستان کی سرحد کے ساتھ ساتھ قلعہ بند مقاما دریائے کلاء اور چالوس پر واقع تھے۔ دیلم کا صدر مقام زدبار بیان کیا گیا ہے، لیکن آج کل معلوم نہیں کہ یہ شہر کہاں واقع تھا۔ المقدسی نے لکھا ہے کہ صوبے کا مستقر حکومت بروان تھا، مگر اب وہ بھی نقشہ پر کہیں موجود نہیں رہا۔ کسی سیاحت نامہ سے بھی پتہ نہیں چلتا کہ وہ ٹھیک سے کس جگہ پر واقع تھا۔ بروان کے متعلق المقدسی نے لکھا ہے کہ وہاں نہ اچھے مکانات تھے، نہ عمدہ بازار اور نہ ہی کوئی جامع مسجد۔ حاکم صوبہ کے رہنے کا مقام شہرستان کہلاتا تھا۔ یہاں کے سوداگر مالدار تھے، اسی وجہ سے یہ شہر ترقی پر تھا۔

Marfat.com

گرجستان

گرجستان کو اہل یورپ جارجیا کہتے ہیں جبکہ روسی اسے گرزجہ Gruzija کہتے ہیں۔ یہ مغربی اور وسطی ماورائے قفقاز Transcaucasia کا وہ علاقہ ہے جس میں خرتویلی زبان بولنے والے لوگ بستے ہیں۔ یہ بحیرہ اسود کے کنارے سے لے کر تفلس کے شمال مشرق میں 60 میل تک پھیلا ہوا ہے۔ گرجستان کختھیا Kakhethia کے صوبوں اور ضلعوں اور دیگر کوہستانی اضلاع پر مشتمل ہے۔

گرجستان یا جارجیا کی تاریخ کے ابتدائی ادوار پر تاریکی کے پردے پڑے ہیں۔ شروع کے زمانے ہی سے خرتھول (علاقہ) Kharthewl کا مغربی علاقہ بورنطینی سلطنت کے ماتحت ہو گیا تھا، سارے مغربی ماورائے قفقاز میں پھیلا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ سینٹ نینونامی ایک خاتون نے یہاں کے لوگوں میں عیسائیت روشناس کرائی تھی۔ روایت ہے کہ چوتھی صدی عیسوی میں اس خاتون کی دعوت پر اس وقت کا بادشاہ، شاہ مریان Mirian عیسائی ہو گیا تھا۔ 680ء میں قسطنطنیہ میں عیسائیوں کے چھٹے اجتماع میں گرجستانی کلیسا کو آزادی عطا کی گئی۔

چونکہ گرجستان ایک ایسے حلقے کے مرکز میں واقع تھا جس کے اطراف میں دنیا کی بہت سے طاقتور حکومتیں قائم ہوتی رہیں۔ اس لیے 1801ء تک، یعنی جب تک اسے سلطنت روس میں شامل نہ کر لیا گیا، یہ علاقہ خوفناک انقلابات سے دوچار ہوتا رہا ہے۔ زمانہ قدیم سے ساتویں صدی عیسوی تک بازنطینی اور ایرانی اس علاقے پر قبضہ کے لیے باہم لڑتے رہے۔ 627ء میں ساسانی ایرانیوں پر ہرقل، قیصر روم کی فتح کے تھوڑے ہی عرصے بعد مسلم عربوں نے گرجستان پر چڑھائی کی۔ جو اسلامی تاریخ کے مطابق عہد راشدہ میں ہوئی۔ آٹھویں صدی عیسوی کے اواخر سے جنوبی گرجستان میں بگراتیوں Bagratids کی طاقت بڑھنے لگی۔ گیارہویں صدی میں یہ علاقہ آل سلجوق نے فتح کیا مگر 1100ء میں ایک عیسائی رہنما داؤد المجدد David The Renovator کے یروشلم پر عیسائی قبضے کے بعد یہاں سے ترکوں (مسلمانوں) کو نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔ داؤد کے عہد میں (1089ء......1125ء) گرجستان میں خوشحالی کا دور رہا۔ تیرہویں تا سولہویں صدی عیسوی اس ملک نے بے شمار انقلابات دیکھے۔ صرف امیر تیمور نے اس ملک پر چھ بار حملے کئے تھے۔ بگراتیوں کی قیادت میں یہ ملک ابھی مشکل سے متحد ہو پایا تھا

Marfat.com

کہ پندرہویں صدی عیسوی میں تین بادشاہتوں میں بٹ گیا۔ 1453ء میں جب عثمانی ترکوں نے قسطنطنیہ کو فتح کر کے بازنطینی سلطنت کا خاتمہ کر دیا تو جارجیا مغربی ممالک میں اکیلا رہ گیا۔ 1510ء میں ترکوں نے گرجستان کے علاقے آئمرتیا Imeretia پر قبضہ کر لیا۔ اس کے فوراً بعد ایران کے شاہ اسمٰعیل صفوی نے اس کے علاقے کارٹالینا LiniaKarta پر قبضہ کیا۔ اگلی تین صدیوں میں ترک اور ایرانی مسلسل گرجستان پر حملے کرتے رہے۔

1658ء سے 1723ء تک شاہ ایران کے نمائندے گرجستان کے دارالحکومت طبلیسی پر حکومت کرتے رہے۔ 1722ء میں ایران کی صفوی بادشاہت کا خاتمہ ہوا تو ترکوں نے گرجستان پر قبضہ کر لیا۔ ترکوں کو بعدازاں مشہور ایرانی فاتح نادر شاہ نے گرجستان سے نکالا اور کارٹالیپا کا علاقہ شاہ گرجستان تیموریز دوم کو دے دیا۔

1783ء میں روس اور گرجستان میں ایک معاہدہ ہوا جس کے تحت روس نے گرجستان کی آزادی کی ضمانت دی مگر ریاست کے خارجی امور خود سنبھال لیے۔ بعدازاں گرجستان کے ساتھ ایریکل نے روسی سیادت کو قبول کر لیا، مگر روس نے باوجود وعدوں کے کسی معاملے میں اس کی مدد نہ کی۔ جب 1795ء میں ایران کے شاہ آغا محمد خان قاچار نے گرجستان پر حملہ کیا تو روس نے گرجستان کی کوئی مدد نہ کی اور ایرانی طبلیسی پر قابض ہو گئے۔

1798ء میں گرجستان کا بادشاہ ایریکل دوم حرکت قلب بند ہونے سے انتقال کر گیا تو اس کا بیٹا جارجی XII تخت نشین ہوا۔ لیکن اس وقت تک روسی گرجستان پر اپنی گرفت مضبوط کر چکے تھے۔ 1801ء میں گرجستان کے آخری بادشاہ جارجی نے رسوی انتداب کو قبول کر لیا۔ چنانچہ روسیوں نے بادشاہ کو معزول کر دیا اور طبلیسی میں روسی فوجی گورنر متعین کر دیا گیا۔ جارجیا مکمل طور پر روسی سلطنت کا ایک حصہ قرار پایا۔ اس روسی غلامی سے 1861ء میں نجات ملی۔ 1917ء میں انقلاب روس کے بعد 1918ء میں گرجستان کو ایک آزاد ریاست پر قائم کر دیا گیا۔ جنوری 1920ء میں برطانیہ اور اس کے اتحادیوں نے بھی اس کی آزادی کو تسلیم کر لیا۔ مگر 1936ء میں اسے سوویت یونین میں شامل کر لیا گیا۔ اگلے 50 برس تک یہ ملک آہنی پردے کے پیچھے رہا اور 1990ء میں یہاں آزادی کی تحریک زور پکڑ گئی۔ آخر کار 9/اپریل 1991ء کو گرجستان (جارجیا) نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔

Marfat.com

آرمینیا

آرمینیا ایشیائے قریب کا مرکزی اور بلند ترین حصہ ہے، جو دو پہاڑی سلسلوں کے درمیان گھرا ہوا ہے، یعنی شمال کی سمت میں کوہ پوٹنیک Pontic کا سلسلہ اور جنوب کی سمت میں کوہ Taurus کا سلسلہ ہے۔ آرمینیا ایک بغیر سمندر کا پہاڑی ملک ہے جو کہ بحیرہ اسود اور بحیرہ کیسپین کے مابین ٹرانس کا کیشیا کے جنوب میں ہے۔ اس کے شمال میں گرجستان، مشرق میں آذربائیجان جنوب میں ایران اور مغرب میں ترکی واقع ہے۔

آرمینیا بڑے بڑے دریاؤں کا گھوارہ ہے۔ ایشیا کے کئی مشہور دریا فرات، دجلہ، الرس اور کراسی علاقے سے نکلتے ہیں۔ دریائے فرات دو شاخوں کے سنگم سے بنتا ہے۔ اس کی شمالی شاخ قرہ اور جنوبی شاخ صو کہلاتی ہے۔ دریائے دجلہ جنوب کے اس سرحدی سلسلہ کوہ سے جنم لیتا ہے جو کوہ ارمنی تاوروس Taurus کہلاتا ہے۔

آب وہوا:

آرمینیا کی آب وہوا بہت تکلیف دہ اور غیر معتدل ہے۔ سطح مرتفع پر موسم سرما باقاعدہ آٹھ ماہ تک رہتا ہے۔ جبکہ موسم گرما شاذ ونادر ہی دو ماہ سے زائد کا آتا ہے۔ یہاں کا موسم بہت خشک ہوتا ہے۔ اس لیے مصنوعی آبپاشی کی ضرورت ہوتی ہے۔

آرمینیا عرب اقتدار میں:

قبل از اسلام آرمینیا رومی اور ایرانی سلطنتوں کے درمیان تنازعہ کا باعث بنا رہتا تھا۔ عربوں کی فتح آرمینیا کی تاریخ میں بھی ہمیشہ ابہام اور التباس کا سامنا رہا ہے۔ کیونکہ عرب اور ارمانی ماخذوں میں جو معلومات ملتیں وہ بسا اوقات متناقض ہوتی ہیں۔

ملک شام کی فتح اور عرابوں کے ہاتھوں ایرانیوں کی شکست کے بعد عرب آرمینیا پر

Marfat.com

بار بار حملہ آور ہوتے رہے ہیں۔ عراق عرب کے فاتح اور عہد راشدہ کے ایک عسکری ہیرو عیاض بن غنم نے 19ھ کے اختتام اور 20ھ کے آغاز 640 عیسوی میں جنوب مغربی آرمینیا میں پہلی مہم کا بیڑہ اٹھایا اور وہ بتلیس تک جا پہنچا۔ مؤرخ طبری اور ابن الاثیر نے چار فوجی دستوں کی صورت میں، جن میں سے دو حبیب بن مسلمہ اور سلمان بن ربیعہ کی قیادت میں تھے، شمال مشرقی آرمینیا کے سرحدی علاقوں میں پیش قدمی کی، لیکن انہیں ہر سمت سے پیچھے دھکیل دیا گیا اور انہیں جلد ہی ملک سے نکلنا پڑا۔ اس مختصر تاخت کا اثر بھی دیرپا ثابت نہ ہوا جب 24ھ/645ء میں سلمان بن ربیعہ نے آذربائیجان کی طرف سے آرمینیا کے سرحدی علاقوں پر کی۔

عرب مؤرخین کے مطابق آرمینیا پر سب سے بڑا عرب حملہ وہ ہے جس میں پہلی مرتبہ اس ملک کو مؤثر طور پر عرب اقتدار کے زیرنگیں کر دیا۔ یہ بڑا حملہ عہد خلافت حضرت عثمان غنیؓ میں 24ھ/645ء کے اختتام کے قریب والی شام جناب امیر معاویہؓ کے حکم پر نامور سالار حبیب بن مسلمہ کی قیادت میں کیا گیا تھا۔ یہ مسلم سپہ سالار پہلے قالیقلا Theodosi Polis موجودہ ارزروم کی طرف بڑھا جو بازنطینی آرمینیا کا دارالحکومت تھا۔ اس شہر کو مختصر سے محاصرے کے بعد فتح کر لیا گیا۔ ایک بڑی بازنطینی فوج کو سخت شکست دی گئی اور جنوب مشرق میں جھیل وان کا رخ کیا گیا۔ جھیل وان کے شمال مشرقی کنارے پر واقع ارجیش نے بھی عرب فوجوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔ پھر حبیب بن مسلمہ پر سرمینیا کے مرکز دوین کا محاصرہ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ دوین نے بھی چند روز کے محاصرے کے بعد اطاعت اختیار کی۔ شہر تفلس سے بھی جذیہ کی ادائیگی پر صلح کا ایک معاہدہ طے پایا۔ اسی اثناء میں سلمان بن ربیعہ نے اپنی عراقی فوج کی ہمراہی میں اران (البانیہ) کو تسخیر کر لیا اور اس کا دارالحکومت برذعہ فتح کر لیا۔

ارمنی اور عرب مؤرخین میں صرف ایک بات عرب حملے کے رخ پر اتفاق ہے۔ سبیوس Sebeos اور البلاذری میں بھی اس بات پر مکمل اتفاق ہے۔ عرب حملہ کس طرح سے ہوا تھا۔ 653ء میں حضرت امیر معاویہ کے ایک اور حملے میں آرمینیا کے بادشاہ کونسٹانس Constans ثانی نے ہتھیار ڈال کر آرمینیا کو عربوں کے حوالے کر دیا تھا۔ تاہم اسی سال شہنشاہ روم ایک لاکھ فوج کے ہمراہ آرمینیا میں آوارد ہوا، جہاں زیادہ تر مقامی سردار اس کی صف

Marfat.com

میں شامل ہو گئے۔ قیصر روم نے زیادہ زحمت اٹھائے بغیر پورے آرمینیا بلکہ گرجستان کو بھی دوبارہ زیر نگیں کرلیا، لیکن دارالحکومت دوین میں موسم سرما بسر کر کے وہ بمشکل ملک سے رخصت ہوا تھا کہ (654ء) ایک عرب فوج پھر ملک میں گھس آئی اور اس نے جھیل وان کے شمالی ساحلی اضلاع پر قبضہ کرلیا۔ ان عرب عساکر کی مدد سے ایک آرمینیائی جنرل تھیوڈورس نے باقی رومی افواج کو ملک سے باہر نکال دیا۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہؓ نے تھیوڈورس کو آرمینیا، گرجستان اور ایران (البانیہ) کا سردار تسلیم کرلیا اور یانوس کے زیر قیادت ایک رومی فوج ان علاقوں کو دوبارہ فتح کرنے کی کوششوں میں ناکام رہی۔ 655ء میں عربوں نے اپنی حکومت کو تمام آرمینیا پر وسعت دے دی اور بازنطینی آرمینیا کے دارالحکومت قالیقلا (کرین) کو بھی اپنے دروازے مسلمانوں پر کھولنے پڑے۔ تاہم دو سال کے بعد مسلمانوں کو اپنی اس مجبوری کا احساس ہوا کہ وقتی طور پر انہیں ایک ایسے مقبوضہ کو چھوڑنا پڑے گا جس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جب 36ھ میں حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ میں پہلی خانہ جنگی کا آغاز ہوا تو اول الذکر کو اپنی فوج کی ضرورت عراق میں پیش آئی جو آرمینیا میں قیام پذیر تھی۔ مسلم فوجوں کے انخلاء کے بعد یہ ملک فوراً اپنے پرانے آقا بورنطینی سلطنت کا دوبارہ مطیع ہو گیا۔

بعض ارمنی مؤرخین ان عرب فتوحات کو تسلیم کرتے ادھر عرب مؤرخین کے ہاں اس واقع کا مطلق کوئی ذکر نہیں کہ آرمینیا اس پہلے حملے کے بعد جو حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ہوا تھا، دوبارہ بازنطینی حکومت کے زیر نگیں ہو گیا تھا، نہ ان واقعات کو پیش کیا گیا ہے جو حضرت معاویہؓ کی مسند نشینی سے پہلے کے زمانے میں اس ملک میں رونما ہوئے تھے۔ اگر عربوں کے پہلے حملے سے لے کر ملک برابر ان کے پورے اقتدار میں رہا ہوتا تو یہ واقعہ تھیوڈورس رشتونی Rushtuni, Theodoros نے اپنی مرضی سے حضرت امیر معاویہؓ کی اطاعت قبول کی تھی، جس کی شہادت ارمنی مؤرخ سبیوس بلکہ تیوفان نے بھی دی ہے، ناقابل فہم ہو جاتا ہے۔ بہر حال عرب اور ارمنی مؤرخین کے درمیان باریک اختلافات کی وجہ سے یہ صورتِ حال سامنے آتی ہے۔ بہر حال محققین اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ 650ء تک آرمینیا پر صرف تین عرب حملے ہوئے تھے 640ء میں پہلا حملہ ترون کے علاقہ میں سے ہو کر 6 اکتوبر 640ء کو دوین کی فتح۔

Marfat.com

642ء (2) میں دوسرا حملہ آذربائیجان کے راستے پر سرمیپیا پر اور تیسرا حملہ جو آذربائیجان سے ہی کیا گیا تھا اور جس کا نمایاں پہلو جھیل وان کے شمال مشرق میں ارتسیع کی فتح تھی۔

بہرحال حضرت امیر معاویہ نے برسر اقتدار آنے کے بعد 41ھ/661ء میں آرمینیا کے لوگوں کو ازسرنو عرب سیادت قبول کرنے کی دعوت دی تھی۔ عرب مؤرخین طبری، البلاذری اور الیعقوبی نے حضرت عثمانؓ کے عہد سے خلیفہ المستنصر تک زمانے کے عاملین کی فہرست بھی دی ہے۔

جدید زمانے میں 2/اپریل 1921ء کو آرمینیا USSR یا سوویت یونین کا حصہ قرار پایا اور اگلے تقریباً ستر سال تک کے لیے آہنی پردے کے پیچھے رہا۔ 1980ء کی دہائی میں آرمینیائی عوام میں روس سے آزادی حاصل کرنے کی لہر پیدا ہوئی اور 23 اگست 1990ء کو آرمینیا نے یکطرفہ آزادی کا اعلان کر دیا۔ 26 دسمبر 1991ء کو USSR کے ٹوٹنے پر آرمینیا ایک مکمل آزاد ملک بن گیا۔

جھیل وان:

محققین کے مطابق یہ جھیل آرمینیا کی تمام قدرتی جھیلوں میں بڑی مشہور تھی۔ اس کے ساحلوں پر اخلاط، ارجیش وان اور وسطان کے شہر آباد تھے۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ اس جھیل کا طول بیس فرسخ تھا اور وہ طریخ نام کی ایک مچھلی کے لیے مشہور تھی۔ یہ مچھلی ہیرنگ مچھلی کی ایک قسم سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ مچھلیاں نمک لگا کر ساتویں صدی میں میسوپوٹیمیا بھیجی جاتی تھیں۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ اس نے یہ مچھلیاں بلخ میں خریدیں تھیں۔ جھیل وان کا پانی تلخ اور کھاری ہے۔

اخلاط:

یا خلاط جھیل وان کے شمال مغربی کنارے پر واقع ایک آرمینیائی شہر جو ارمنی میں آرمینیا کے بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ ارمنی زبان میں اسے خلیع Khlat کہتے ہیں۔ المستوفی نے لکھا ہے کہ یہ شہر ایک میدان میں واقع تھا۔ اس کے گرد باغات تھے اور قریب ہی بلندی پر ایک قلعہ تھا۔ جامع مسجد بازار کے اندر واقع تھی۔ موسم سرما میں یہاں سخت سردی ہوتی ہے، لیکن یہ شہر ارمنی وسطی میں ایک معمور و بارونق شہر تھا۔ اخلاط کے شمال میں عظیم الشان پہاڑ کوہ

Marfat.com

سیپاں تھا۔المستوفی نے لکھا ہے کہ یہ پہاڑ پچاس فرسخ کے فاصلے سے نظر آتا تھا اور اس کی چوٹی ہمیشہ برف سے ڈھکی رہتی ہے۔

حضرت عمرؓ کے عہد کے خلافت میں جیسا کہ پہلے ذکر آیا، حضرت عیاض بن بن غنم نے اہل اخلاط کے ساتھ معاہدہ صلح طے کر لیا تھا۔اگلے چار سو سال تک یہ شہر مسلمانوں کے زیر انتداب رہا اور یہاں عرب والیوں، آزادارمن امراء اور قبیلہ قیس کے مقایم سرداروں کی حکومت رہی۔983ء کے لگ بھگ اخلاط، باذ نامی کرد کے مقبوضات کا حصہ بن گیا اور امرائے آل مروان کے ساتھ وابستہ رہا۔تا آنکہ 463ھ/ 1071ء میں جنگ ملاز گرد کے بعد کہا جاتا ہے کہ سلطان الپ ارسلان نے اسے خود اپنی تحویل میں لے لیا۔493ھ/1100 میں اس پر ترک امیر سقمان القطبی نے قبضہ کر لیا۔تیرہویں صدی میں یہ شہر تاتاریوں نے کوسہ طاغ کی جنگ کے بعد فتح کر لیا تھا۔آج کل یہ شہر جمہوریہ ترکیہ میں بتلیس کی ولایت میں ایک قصبہ ہے۔ قرون وسطیٰ کا شہر (اخلاط) پہاڑ کی ڈھال پر کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا ہے۔جدید شہر یا قصبہ جس میں ایک عثمانیہ قلعہ ہے اس کے مشرق میں جھیل کے کنارے واقع ہے۔

ارجیش:

جھیل وان کے شمالی کنارے پر ارجیش کا شہر تھا جس کے نام پر یہ جھیل اکثر پکاری جاتی تھی۔حمد اللہ مستوفی نے لکھا ہے کہ غازان خان مغول کے حکم پر اس کے وزیر علی شاہ نے آٹھویں/ چودھویں صدی عیسوی میں ارجیش کے گرد فصیل اور برج تعمیر کرائے تھے۔ارجیش کے مشرق میں کچھ آگے بڑھ کر بارکیری کا شہر بند ماہی کے قریب اس سڑک پر تھا جو ارجیش سے صوبہ آذربائیجان کو جاتی تھی۔بارکیری کا قلعہ ایک پہاڑی چوٹی پر واقع تھا۔یہاں بہنے والا دریا آلا طاق کی چراگاہوں سے آتا تھا۔آلا طاق کی چراگاہوں میں ایران کا ایلخانی بادشاہ ارغون شکار کھیلنے کے لیے آتا تھا۔شکار کھیلنے کے میدانوں کے وسط میں اس نے موسم سرما بسر کرنے کے لیے ایک محل تعمیر کروایا تھا۔

Marfat.com

وان:

وان کا شہر جس کے نام پر آج کل اس جھیل کو پکارا جاتا ہے۔ جھیل کے مشرقی ساحل کے قریب واقع ہے۔ لیکن اس شہر کے جغرافیائی حالات کسی نے نہیں لکھے۔

وسطان:

وسطان کا قلعہ جھیل کے جنوبی ساحل پر ہے اور آٹھویں / چودہویں میں حمد اللہ المستوفی نے لکھا تھا کہ اس کے قریب ایک بڑا شہر آباد ہے۔ جھیل کے جنوب مغربی گوشہ پر بدلیس Bitlis کا شہر آباد تھا۔ اس کے متعلق مقدسی نے لکھا تھا کہ وہ ایک بڑی گہری گھاٹی میں واقع ہے، جہاں دو ندیاں ملتی تھیں۔ آرمینیا کے شمالی صوبوں کی پیداوار صرف چند اقسام کی تھی۔ یہاں کی مصنوعات میں زیادہ تر قرمز میں سرخ رنگے ہوئے کپڑے تھے۔ یاد رہے قرمز ایک کیڑا ہوتا تھا جو شاہ بلوط کے پتوں پر پرورش پاتا تھا۔ بلوط کے درخت آرمینیا اور آذربائیجان میں پھیلے ہوئے تھے۔ یورپ میں جس ریشمیں کپڑے کو کرامزی Cramoisie□ کہتے ہیں اس کا نام اسی قرمز سے نکلا ہے۔ اسی طرح انگریزی الفاظ کرمزن Crimson اور کارمائن Carmine کی اصل بھی قرمز ہی ہے۔ ابن حوقل اور مقدسی دونوں قرمز کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ قرمز ریشم کے کیڑے جیسا ہوتا ہے۔

Marfat.com

ماوراالنہر اور دریائے جیحوں

دریائے آکسن Oxus جسے عربی میں جیحوں کہا جاتا ہے۔ یہ فارسی بولنے والی قوموں اور ترکوں کے درمیان، یعنی ایران اور توران کے درمیان ایک حد فاصل مانا جاتا ہے۔ اس دریا کے پار شمال میں جس قدر ممالک تھے ان کو عرب ماوراالنہر کا نام دیتے ہیں۔ عربی زبان میں ماورا النہر کا مطلب بھی ''دریا کے اس پار'' بنتا ہے۔ اس کے علاوہ عرب اس ملک کو ہیطل بھی کہتے تھے۔ ہیطل ایک قوم تھی جو پانچویں صدی عیسوی میں سلطنت آل ساسان کی دشمن تھی۔ اسے بازنطینی مؤرخوں نے افتالوی Ephthelites کام نام دیا ہے۔ یہی نام انگریزی میں آتے آتے وائٹ ہن White Huns بن گیا ہے۔ یعنی سفید ہن۔

دریائے جیحوں کے پار کے ممالک کو سہولت کی غرض سے پانچ صوبوں میں منقسم کیا جاتا ہے۔ ان صوبوں میں سب سے مہتم بلشان صوبہ سند تھا جس کا پرانا یونانی نام سکدیانہ Sogdiana تھا۔ سغد کے دو دارالحکومت تھے ایک بخارا اور دوسرا سمرقند۔ سغد کے مغرب میں خوارزم تھا جسے آج کل خیوہ کہتے ہیں۔ خوارزم میں دریائے جیحوں کا ڈیلٹا شامل ہے۔ سغد کے جنوب مشرق میں صفانیاں کا صوبہ تھا۔ اس صوبہ میں ختل اور دریائے جیحوں کے ابتدائی رہگزر سے ملے ہوئے بہت سے اضلاع شامل تھے۔ اس صوبہ صفانیاں میں بدخشاں کا علاقہ بھی شمار کیا جاتا تھا۔ اگرچہ وہ دریائے جیحوں کے پار نہیں تھا۔ ان تینوں صوبوں کے علاوہ دریائے سیحوں (جلکسارٹیس) کے بھی دو صوبے ماوراء النہر میں شامل سمجھے جاتے تھے۔ ان میں ایک فرغانہ تھا جو دریا۔ سیحوں کی ابتدائی گزرگاہ سے ملا ہوا تھا اور دوسرا صوبہ شاش جو بعد ازاں تاشقند کہلانے لگا اور آج کے ازبکستان کا دارالحکومت ہے۔ اس صوبہ شاس میں ماوراالنہر کے مغربی اضلاع شامل سمجھے جاتے تھے جو دریائے سیحوں کے بہاء کے رخ پر وہاں تک گئے تھے جہاں سے یہ دریا بحیرہ ارال یا جھیل ارال میں گرتا ہے۔

Marfat.com

آکسس اور جیکسارٹیس:

جیحوں اور سیحوں کے یونانی نام ہیں۔ یہ دونوں بھی دجلہ اور فرات کی طرح ہی ایک روایت کے مطابق بہشت کے دریا سمجھے جاتے ہیں۔ عہد وسطیٰ میں یورش تاتار کے زمانے میں جیحوں اور سیحوں کے عربی نام متروک ہو گئے تھے اور ان کی جگہ جیحوں کو آمو دریا اور سیحوں کو سیر دریا کہنے لگے تھے۔

جیحوں یا آمو دریا کو اکثر دریا بلخ بھی کہتے تھے حالانکہ یہ شہر دریا کے جنوبی کنارے سے بھی چند میل کے فاصلے پر تھا۔ دریائے جیحوں کے سر چشمے جیسا کہ ابن استہ اور دیگر جغرافیہ دانوں نے بالکل صحیح لکھا تھا کہ تبت خورد کی ایک جھیل اور کوہستان پامیر کے اوپر سے شروع ہوتے تھے۔ اصطخری نے دریائے جیحوں کی ابتدائی گزرگاہ کے متعدد معاونوں میں سے چار معاون دریاؤں کے نام لکھے ہیں۔ اس کے مطابق بالائی جیحوں کے شروع کا بڑا دھارا نہر جریاب تھا جسے آج کل پنج دریا کہتے ہیں۔

سغد:

سغد یا صغد یانہ، وسطی ایشیا کا ایک علاقہ ہے جیسے کہ پہلے ذکر آیا اسے یونانی سگدیانہ کہتے تھے۔ اس نام کا اطلاق قدیم زمانے میں ایرانی الاصل لوگوں یا ان کے علاقے پر ہوتا تھا۔ جو کم از کم داریوش اول کے عہد (522 تا 486 ق م) سے اہل فارس کی رعایا تھے۔ ن کا علاقہ یونانی ماخذوں کے مطابق دریائے جیحوں سے دریائے سیحوں یا سیر دریا تک پھیلا ہوا تھا۔ سغدی زرتشتیوں کی زبان اور بالخصوص بقویم اور تہواروں کے متعلق اصطلاحات کا ذکر بڑی تفصیل سے اسلامی زمانے میں البیرونی نے اپنی مایہ ناز تصنیف ''آثار الباقیہ'' میں کیا ہے۔

قدیم یونانی اور رومی مؤرخین کی طرح البیرونی نے بھی سغدیوں کو خوارزمیوں کی طرح ماوراء النہر کے اصل باشندے بتایا ہے جو زرتشتی تہذیب کے حامل تھے۔ دور دراز علاقوں میں زمانہ قبل از اسلام کی سغدی نو آبادی کے حوالے نہ صرف چینی بلکہ مسلم ماخذوں میں ملتے ہیں۔

عہد قدیم کے مقابلے میں اسلامی عہد میں علاقے کے نام کی حیثیت سے سغد کا اطلاق نسبتاً بہت تنگ علاقے پر ہوتا ہے۔ بقول الاصطخری سغد خاص اس علاقے پر مشتمل تھا جو

Marfat.com

بخارا کے مشرقی جانب دیوسیہ سے سمرقند تک پھیلا ہوا تھا۔ الیعقوبی سغد کا دارالحکومت سمرقند کو بتاتا ہے، کش اور نسف کو سغد میں شامل سمجھتا ہے، لیکن بخارا کو سغد سے الگ رکھتا ہے۔ محمود کاشغری کے بیان کے مطابق سغد اس علاقے کو کہتے تھے جو بخارا اور سمرقند کے درمیان واقع تھا۔ موجودہ زمانے میں مقامی جغرافیہ کے مطابق سغد علاقہ سمرقند کا ایک حصہ ہے۔

سمرقند:

سغد (ماوراءالنہر Transoxiana) کا بڑا شہر آج کل وسطیٰ ایشیائی نو آزاد روسی ریاست ازبکستان میں شامل ہے۔ اس شہر کے محل وقوع کے متعلق مشرقی، نیز روسی اور یورپی سیاحوں کا بیان ہے کہ وہ بلاشبہ جنت الفردوس کا حصہ ہے۔ اس شہر کا نام کا آخری حصہ لفظ ''کند'' (یا قند) ہے مشرقی ایرانی زبان میں شہر کو کہتے ہیں۔ اس شہر کا نام تاریخ میں پہلے پہل سکندر اعظم کی مشرقی مہمات کے دوران تذکروں میں ''مارا کند'' کی صورت میں ملتا ہے۔ سٹرابو کے مطابق سکندر نے اسے کئی مرتبہ فتح کیا بلکہ پیوند خاک بھی کر دیا تھا۔ یاد رہے کہ عرب افسانوں کے مطابق سکندر اعظم ہی اس شہر کا بانی بتایا گیا ہے۔ سکندر اعظم کی موت کے بعد جب یونانی باختری سلطنت کی بنیاد پڑی تو یہ باختر سمیت سلوکیوں کو مل گیا۔ اس کے بعد شمالی علاقوں کے بربروں کے حملوں کی آماجگاہ بن گیا۔ اس زمانے سے لے کر اسلامی فتح تک یہ شہر ایران سے تاریخی اور اقتصادی اعتبار سے منقطع رہا۔ اگرچہ مغربی ممالک سے اس کا ثقافتی رشتہ بدستور استوار رہا۔

عرب عہد میں سمرقند:

عربوں نے قتیبہ بن مسلم کے والی خراسان مقرر ہونے تک ماوراالنہر میں باقاعدہ نفوذ شروع نہیں کیا تھا۔ ماوراالنہر پر عرب مسلمانوں نے طرخون کو حکمران پایا۔ البیرونی کے مطابق سمرقند کے مقامی حکمران مشہور (ترکی) لقب طرخان Tarkhan سے ملقب ہوتے تھے۔ 91ھ/709ء میں طرخون نے خراج ادا کر کے اور یرغمال سپرد کر کے قتیبہ بن مسلم سے صلح کر لی تھی مگر جلد ہی اس صلح کے معاہدے سے تنگ آ کر اور طرخون سے ناراض ہو کر اس کی رعایا نے اسے معزول کر دیا تھا۔ اس کی بجائے اخشید غورک نامی شخص نے حکومت سنبھال لی تھی۔ جسے

Marfat.com

قتیبہ نے شہر کا خاصی مدت محاصرہ کر کے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا بالآخر وہ تخت پر تو بحال رکھا گیا مگر اس کی ساتھ شہر میں ایک عربی والی بھی طاقتور فوجی جمعیت کے ساتھ مامور کر دیا گیا۔ اس کے بعد یہ شہر بخارا کے ساتھ مگر آئندہ فتوحات اور تبلیغ واشاعت اسلام کا مرکز بن گیا، جس کا امن و امان مختلف صوبوں کے والیوں کے عیاریوں سے پیدا ہونے والی بغاوتوں کے باعث اکثر متزلزل ہو جاتا تھا۔ ان بغاوتوں نے اموی عہد کے آخر میں ماوراالنہر کے صوبے کو بدامنی کا شکار بنا دیا تھا۔

819 میں مامون الرشید نے ماداراالنہر، بالخصوص سمرقند کی ولایت اسد بن سامان کے بیٹوں کے سپرد کر دی تھی۔

اسلامی عہد میں ماوراالنہر اور سمرقند کو سب سے زیادہ عروج تیمور کے عہد میں نصیب ہوا۔ تیمور اور اس کے جانشینوں کے عہد میں اسلامی دنیا کا تجارتی اور ثقافتی مرکز سمرقند بن گیا تھا بلکہ اسے پوری اسلامی دنیا کے شہروں پر اولیت حاصل تھی۔

تعمیرات:

سمرقند میں تعمیرات کا زمانہ صرف تیمور ہی سے شروع ہوتا ہے۔ شہر کی سب سے مشہور معروف عمارت جس کا ذکر بابر نے خاص طور پر بابر نامہ میں کیا ہے جو اس وقت بھی نہایت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی اور آج بھی محترم ہے، حضرت قثم بن عباسؓ کا مقبرہ اور مسجد ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت قثم بن عباسؓ نے ہی عہد راشدہ میں حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ خلافت میں اہل شہر کو مسلمان کیا تھا۔ اس زمانے کے سمرقند کے مشاہیر میں سے مشہور عالم دین ابو منصور الماتریدی (م سمرقند 333ھ/944) تھے۔ یاد رہے کہ ماترید یا تربت سمرقند کے ایک محلہ کا نام تھا۔

جدید زمانہ:

بابر نے یہ شہر 1497 میں فتح کیا تھا اور وہ اس پر کئی ماہ قابض رہا۔ 1500ء میں اس شہر پر شیبانی خان کا قبضہ ہو گیا۔ 1510ء میں اسمٰعیل شاہ صفوی کے ساتھ ملکر بابر نے اس شہر پر دوبارہ قبضہ کر لیا تھا۔ مگر اگلے ہی سال اس نے اسے ازبکوں کے لیے خالی کر دیا۔ اس زمانے سے بخارا کی اہمیت بڑھتی چلی گئی۔ جب روسیوں نے سیر دریا کے پار پیش قدمی شروع کی تو ایک

Marfat.com

بالکل نیا دور شروع ہو گیا۔ 14 نومبر 1868ء کو روسیوں کا سمرقند پر قبضہ ہو گیا اور اسلامی حکومت یہاں ختم ہو گئی۔ انقلاب روس کے بعد یہ روسی ترکستان کا حصہ رہا اور کہیں جا کر 1991ء میں ازبکستان کے ساتھ روسی انتداب سے آزاد ہوا۔

نخشب:

علاقہ صغد اور ریاست بخارا کا ایک شہر جسے عرب جغرافیہ دانوں نے نسف بھی لکھا ہے۔ یہ شہر کشکہ دریا کی وادی میں واقع ہے۔ نخشب اس راستے پر واقع ہے جو بخارا کو بلخ سے ملاتا ہے۔ یہ بخارا سے چار روز کی مسافت پر واقع ہے اور بلخ سے آٹھ روز کے راستہ پر واقع ہے۔ الاصطخری کے زمانہ میں یہ شہر صرف ایک محلّہ (ربض) اور برباد شدہ قلعہ پر مشتمل تھا۔ دریا اس شہر کے عین وسط میں بہتا تھا۔

فارسی ادب میں نخشب کی شہرت اس مصنوعی چاند کی وجہ سے جسے المقنع نامی ساحر نے جسے ''خراسان کا نقاب پوش پیغمبر (جعلی)'' کہتے ہیں بنایا تھا۔ یہ چاند ''ماہ نخشب'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسے ہر رات نبوت کا جھوٹا دعویدار حکیم المقنع نخشب کے ایک کنوئیں سے نکالتا تھا اور دیکھنے والوں کو اپنے اس شعبدے سے حیرت زدہ کر دیتا تھا۔ صبح ہوتے ہی یہ ماہ نخشب اسی کنوئیں میں غروب ہو جاتا تھا۔ المقنع کے پیرووں کے بغاوت کر کے خلیفہ المہدی عباسی کے سپہ سالاروں کو پریشان کر رکھا تھا۔

1220ء میں چنگیز خان کے وقت ہی میں یہاں تاتاریوں نے موسم گرما کی قیام گاہ کے طور پر پرانے شہر سے دو فرسخ کے فاصلے پر کمپک خان نامی تاتاری سالار نے ایک محل بنوایا تھا۔ چونکہ محل کو تاتاریوں کی زبان میں ''قرشی'' کہتے تھے۔ اس لیے اس محل کے گرد جو آبادی ہوئی وہ بھی قرشی کہلانے لگی۔ بعد کے زمانے میں اسی آبادی نے پرانے شہر نسف یا نخشب کی جگہ لے لی۔ چودہویں صدی عیسوی کے اوائل میں ابن بطوطہ قرشی میں کچھ عرصہ ٹھہرا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ باغوں سے گھرا ہوا تھا۔ بعد کے زمانے میں تیمور اکثر قرشی میں موسم سرما بسر کرنے کے لیے ٹھہرا کرتا تھا۔ تیمور نے اس کے قریب ایک حصار یا قلعہ بنوایا تھا۔

Marfat.com

علاقہ قرشی کے آثار قدیمہ کی شناخت کا کام L - Azimin نے موقع پر جا کر کیا تھا اور یہ رائے دی تھی کہ قدیم نخشب کے آثار شلک تپہ نامی پہاڑی کے گرد موجود ہیں جس سے پرانے قلعے کے محل وقوع کی خبر ملتی ہے جو دسویں صدی میں کھنڈر ہو چکا تھا۔ چودھویں صدی کے آخر میں تیمور نے ایک قلعہ تعمیر کرایا تو اس نے موجودہ قرشی کے ایک حصے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

بخارا:

عالم اسلام اور وسطی ایشیا میں بالخصوص اسلامی تہذیب و تمدن کا عظیم الشان مرکز جو دریائے زرافشاں کی زیریں گزرگاہ پر ایک بڑے نخلستان میں واقع ہے اور آج کل ازبکستان کا ایک بڑا شہر ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی 722 فٹ ہے اور یہ طول البلد مشرقی پر درجہ 38 دقیقہ اور عرض البلد شمالی 39 درجہ 43 دقیقہ پر واقع ہے۔

عہد اسلامی سے پہلے بخارا کا ذکر شاذونادر ہی کہیں ملتا ہے۔ اسکندر اعظم کے زمانے میں مارکندا (سمرقند) کے علاوہ بلاد صغد میں دریائے زرافشاں کی زیریں گزرگاہ پر ایک اور شہر بھی آباد تھا، لیکن اس کی موجودہ بخارا سے تطبیق نہیں ہوتی۔ مذکورہ نخلستان زمانہ قدیم سے آباد چلا آتا ہے، یقیناً یہاں کئی شہر آباد ہوئے ہوں گے۔

عرب عہد:

بخارا کا قدیم ترین تذکرہ ساتویں صدی عیسوی کے چینی مآخذ میں ملتا ہے۔ اسلامی مآخذوں کے مطابق بخارا پر عربوں کا پہلا حملہ 54ھ/674ء میں عبید اللہ بن زیاد کی قیادت میں ہوا تھا۔ اس وقت بخارا پر سابق فرمانروا بیدون یا بندون کی بیوہ حکومت کرتی تھی۔ تاریخ طبری میں اس کے بجائے قبیح خاتون کا نام درج ہے۔ الرشخی کا بیان ہے کہ اس ملکہ نے پندرہ سال تک اپنے کمسن بیٹے طغشادہ کی طرف سے قائم مقام کی حیثیت سے حکومت کی۔ طبری نے اس نوجوان کا نام "طوق سیادۃ" لکھا ہے۔ بعض مؤرخین نے سال 46ھ/666ء میں زیادہ بن ابوسفیان کے بہادر جرنیل ربیعہ بن الحارث کو عراق سے خراسان بھیجنے کا ذکر کیا ہے۔ اسی زیاد کے بیٹے عبید اللہ کو حضرت امیر معاویہ نے بخارا کی تسخیر کے لیے بھیجا تھا۔ عرب مؤرخین کے

Marfat.com

مطابق ملکہ خاتون نے اپنے ملک کو تباہی سے بچانے کے لیے عبید اللہ سے صلح کر لی اور دس لاکھ دینار اخراج ادا کرنا منظور کیا۔ اس طرح بخارا کی فتح کسی اور کے لیے بچ گئی۔ یہ کوئی اور جرنیل قتیبہ بن مسلم تھا۔

قتیبہ بن مسلم نے 86ھ/ 704ء میں ماوراالنہر کو فتح کرنے کا حکم حجاج بن یوسف سے لیا تھا۔ قتیبہ بن مسلم ماوراالنہر کی مکمل تسخیر چاہتا تھا۔ کہتے ہیں قتیبہ ابھی قدیم باختریہ کی سرحد میں داخل بھی نہ ہوا تھا کہ بلخ کے باشندوں نے شہر سے باہر آ کر اس کا استقبال کیا اور بڑی عزت و تکریم سے اسے شہر میں لائے۔ 705ء میں قتیبہ نے سب سے پہلے بیکند پر چڑھائی کی پچاس دن کے خاصرے کے بعد یہ شہر فتح ہوا۔

710ء میں قتیبہ نے اپنے دشمنوں کو شکست دے کر طغشادہ کو شاہ بخارا کی مرضی سے مسند نشین کیا اور بخارا میں اسلامی حکومت کو مضبوط بنیادوں پر استوار کر دیا۔ یاد رہے بخارا کے حکمران بخار خدات کہلاتے تھے۔ 729ء میں حکمران بخارا طغشادہ کو والی خراسان نصر بن سیار کے کیمپ میں کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا تخت نشین ہوا۔ اس کا نام فاتح بخارا کے نام پر قتیبہ تھا۔ دولت عباسیہ کے ظہور کے زمانے میں اس نو مسلم پر اسلام سے ارتداد کا الزام لگا اور اسے عباسی داعی ابو مسلم خراسانی کے حکم پر قتل کر دیا گیا۔ اس کے ایک بھائی سکان کا بھی خلیفہ مہدی عباسی کے عہد میں یہی حشر ہوا۔ خلیفہ وقت نے اسے حکیم المقنع جیسے ملحد کا پیرو ہونے کا الزام دیا تھا۔ اس لیے اس زمانے کے بعد معلوم تو یہی ہوتا ہے کہ بخار خدات خاندان کا عمل دخل بخارا کی حکومت سے ختم کر دیا گیا۔

قتیبہ بن مسلم کے عہد سے یہ دستور ہو گیا تھا کہ بخارا میں ملکی حکمران کے علاوہ ایک فوجی عرب امیر یا عامل بھی مقرر کیا جاتا تھا۔ 874ء بخارا عہد عباسیہ میں سلطنت میں شامل نہ ہوا بلکہ ایک الگ والی کی تحویل میں رہا۔ طاہریوں کے زوال کے بعد نصر بن احمد سامانی نے اپنے چھوٹے بھائی اسمٰعیل کو بخارا کا والی مقرر کر دیا۔ لہٰذا اس وقت سے لے کر سامانیوں کے زوال تک بخارا ان کے ماتحت رہا۔

سامانی عہد کے بخارا کی کیفیت عرب جغرافیہ نویسوں نے بڑے مفصل انداز میں کی

Marfat.com

ہے۔اس زمانے میں بخارا کے شہری رقبے میں مرو اور سمرقند جیسے شہروں کی نسبت توسیع ہوئی۔
1220ء میں ہمیں مشہور تاتاری خان، چنگیز خان کے لشکر بخارا کی فصیلوں کے نیچے نظر آتے ہیں۔ 10 فروری 1220ء کو اہل شہر نے چنگیز خان کے لشکر کی اطاعت قبول کی مگر اس کے باوجود شہر کو تاراج کیا گیا اور جامع مسجد اور چند محلات کو چھوڑ کر اسے پورے طور پر نذر آتش کر دیا گیا، لیکن جلد یہ ققنس اپنی راکھ سے پھر جی اٹھا اور یہ شہر اپنی اصلی حالت پر واپس آ گیا۔

جنوری 1273ء کو ایران کے مغول ایلخان آباقا نے بخارا پر قبضہ کیا تو یہ شہر ایک بار پھر تباہ و برباد کر دیا گیا، پھر دوبارہ تعمیر ہوا مگر اکتوبر 1316ء میں ایران کے مغلوں نے اسے دوبارہ تاخت و تاراج کر دیا۔ اسی زمانے میں بہاء الدین نقشبندی (م 791ھ/1389ء) اور ان کے درویشوں کو بخارا میں فروغ حاصل ہوا۔ الغ بیگ (م-1449ء) نے شہر بخارا کے عین وسط میں ایک مدرسہ تعمیر کیا۔ موسم گرما 1500 میں شیبانی خاں کی سرکردگی میں بخارا پر ازبکوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد بخارا ازبکوں کے زیر نگیں رہا۔

خان عبدالعزیز کے عہد حکومت (1645ء......1680ء) کو بخارا کے مؤرخین اس کی تاریخ کا عظیم الشان دور تصور کرتے ہیں۔ اسکے بعد اس ریاست کے بہت سے صوبائی حکمرانوں نے خود مختاری حاصل کر لی اور آہستہ آہستہ بخارا کا خان اپنی سابق سلطنت کے چھوٹے سے حصے پر حکمران رہ گیا۔ دراصل وہاں بھی اقتدار ایک اتالیق کے ہاتھ میں تھا جو خان کے نام پر حکومت کرتا تھا۔

1740ء میں نادر شاہ افشار نے بخارا کو فتح کر لیا مگر اس کی وفات کے بعد اس شہر نے ایک نئے حکمران خاندان کے ماتحت آزادی حاصل کر لی۔ انیسویں صدی کے آخری عشروں میں جب روسیوں وسطی ایشیا میں قدم جمائے تو امیر بخارا کو روسیوں کی اطاعت قبول کرنا پڑی۔
تاہم 1873ء میں بخارا کی ریاست نے مغرب میں خیوہ کی سلطنت کے کچھ حصے پر قبضہ کر کے اپنے رقبے میں اضافہ کر لیا۔ امیر بخارا عبدالاحد کے عہد میں
(1885ء/1910ء) بخارا اور افغانستان کے درمیان سرحد کا تعین کیا گیا اور انگلستان اور روس نے پنج دریا کو سرحد تسلیم کیا۔

Marfat.com

آخری امیر بخارا، میر عالم جس نے سینٹ پیٹرز برگ تعلیم حاصل کی تھی۔ 1910ء میں اپنے والد کا جانشین ہوا یہاں تک کہ انقلاب روس کے بعد اسے افغانستان میں پناہ لینی پڑی۔ انقلاب روس کے بعد بخارا اشترا کی ریاست ازبکستان کا ایک حصہ بن گیا۔

کِش:

موجودہ زمانے میں شہر سبز کہلاتا ہے جس کی وہ تسمیہ محققین نے یہ بتائی ہے کہ اس کے گردونواح کا علاقہ بہت زرخیز ہے۔ یہ شہر ریاست بخارا میں واقع تھا اور کسی زمانے میں سمرقند سے جانے بلخ کو جانے والی شاہراہ یہاں سے گزرتی تھی، چینی مآخذوں میں اس شہر کا نام کیاشہ Kaishaدرج ہے۔

حکمران خاندان سامانی کے کش کے حالات عرب جغرافیہ نویسوں نے انتہائی تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ اندنوں یہ شہر طول وعرض میں ایک تہائی فرسخ تھا۔ ابن حوقل کے مطابق اس شہر کا ایک قلعہ تھا اور شہر کے دروازوں کے باہر ایک بستی تھی۔ اس سے آگے بڑھ کر ایک مقام جسے آج کل کتاب کہتے ہیں اور اس وقت مصلےٰ کہتے تھے۔ یہ مقام شہری حیثیت کا تھا۔

کش کے باہر بستی میں بڑے بڑے بازار تھے مگر جامع مسجد شہر کے اندر تھی۔ شہر کش کی فصیل کے چار دروازے تھے۔ جن کے نام "باب الحدید، باب عبید اللہ، باب القصابین اور دروازہ شہر اندرون تھے۔ چودہویں صدی کے آخر میں اس شہر کو دوبارہ تعمیر کرایا گیا اور اس کا نام شہر سبز ہو گیا یہ تیمور کا مولد ہے۔

آثار قدیمہ:

بخارا کے آثار قدیمہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس کی عمارتوں میں چوتھی/ دسویں صدی عیسوی کی ایک عمارت جسے 1) اسمٰعیل سامانی کا مقبرہ بتایا جاتا سب سے قدیم ہے۔ (2) اس کے بعد منارہ کلاں ہے جو 148 فٹ بلند ہے۔ یہ چھٹی صدی ہجری/ بارہویں صدی عیسوی میں تعمیر کیا گیا تھا۔ (3) مسجد مگا کی عطار جو 1547ء میں تعمیر ہوئی تھی۔ (4) مسجد عید گاہ (مصلےٰ) تعمیر شدہ 1119ء (5) سیف الدین بخاری کا مقبرہ، تعمیر 1261ء، (6) مقبرہ چشمہ

Marfat.com

ایوب چودہویں صدی کے آخر کا تعمیر شدہ ہے۔ (7) الغ بیگ کا مدرسہ جو 1585ء میں ازسرنو تعمیر ہوا تھا۔ (8) مسجد کلاں جو سولہویں صدی عیسوی میں تعمیر ہوئی۔ اس کے قریب ایک قدیم تر مینارہ ہے۔ (9) مدرسہ میر عرب 1535ء کا تعمیر شدہ۔ (10) مسجد خواجہ زین الدین جو کئی مرتبہ ازسرنو تعمیر کی گئی ہے۔ دوسری تاریخی عمارتیں بڑی تعداد میں شہر سے باہر واقع ہیں اور ان میں سے زیادہ تر شکستہ حالت میں ہیں۔

خوارزم:

یا خیوہ ایک علاقہ ہے جو آمو دریا کی زیریں گزرگاہ پر واقع ہے۔ سکندر اعظم کے زمانے تک خوارزم کے باشندے شہنشاہ ایران کی رعایا نہیں تھے بلکہ ان کا اپنا ایک بادشاہ تھا۔ تاریخ اس پر روشنی نہیں ڈالتی کہ انہوں نے ایرانی حکومت کا جواء کب اور کیسے اپنے کندھوں سے اتار پھینکا تھا۔ بقول مؤرخ اریان 328 ق م کے موسم بہار میں سکندر اعظم نے شاہ خوارزمیان، فرسمانس Pharasmenes کا بلخ میں استقبال کیا تھا۔ اس کے بعد آٹھویں صدی عیسوی تک خوارزم کی سیاسی تاریخ کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ بقول جغرافیہ نویس بطلیموس خوارزمی دریائے جیحوں (آمو دریا) کے مشرقی کنارے پر آباد تھے۔

93ھ/712ء کے قریب قتیبہ بن مسلم نے خوارزم کو فتح کرنے کے بعد جس شخص کو تخت پر بٹھایا تھا اس کا نام مؤرخین نے شاوش فر بتایا ہے۔ زمانہ وسطی میں خوارزم کے دو دارالحکومت تھے ایک جرجانیہ (گرگانج) یا ارگنج جو دریائے جیحوں کے مغربی یا ایرانی جانب اور دوسرا کاث جو دریا کے مشرقی یا ترکی کی جانب واقع ہے۔

کاث:

کاث نام کا شہر اب تک موجود ہے، لیکن زمانہ وسطی کا بڑا شہر کاث غالباً موجودہ کاث سے چند میل دور شرق میں تھا۔ دسویں صدی عیسوی کے اوائل میں کاث کا ایک حصہ جیحوں کی طیغانی کی وجہ سے برباد ہو گیا تھا۔ کاث نہر جردور کے کنارے آباد تھا۔ یہ نہر شہر کے درمیان میں سے گزرتی تھی۔ اس شہر کے بازار نہر جردور کے کنارے تقریباً ایک میل تک چلے گئے تھے۔ اس

Marfat.com

زمانے میں کاث میں ایک لعہ بھی تھا، جسے دریا میں آنے والے سیلابوں نے بالکل تباہ کر دیا تھا۔ یہیں شہر کی جامع مسجد اور اس ملک کے بادشاہ خوارزم شاہ کا محل بھی تھا۔ بہر کیف ابن حوقل کے زمانے میں شہر کا یہ حصہ قلعہ کے ساتھ ساتھ برباد ہو چکا تھا۔

المقدسی کے مطابق اس نئے شہر کو اہل ایران شہرستان (یعنی دارالحکومت) کہتے تھے۔ مقدسی کا بیان ہے کہ یہ شہر اپنی وسعت میں نیشاپور کے برابر تھا۔ اسکے بازار میں جامع مسجد تھی جو سنگ سیاہ کے ستونوں پر چوبی ستون قائم کر کے ان پر چھت ڈال کر تعمیر کی گئی تھی۔ بہت سی چھوٹی چھوٹی نہریں اس کے بازاروں میں سے گزرتی تھیں۔ مقدسی کے مطابق ان نہروں میں صفائی کا فقدان تھا۔

جرجانیہ:

خوارزم کا دوسرا دارالحکومت جو شہر کاث کے زوال کے بعد اس علاقے کا بڑا شہر قرار پایا تھا۔ گرگنج تھا جسے عرب الجرجانیہ کہتے تھے۔ بعدازاں یہ ارگنج کے نام سے مشہور ہوا...... (اسلامی فتوحات کی تاریخ کے مطابق 93ھ/712ء) میں جت عربوں نے قتیبہ بن مسلم الباہلی کی سرکردگی میں خوارزم پر فوج کشی کی تو کہتے ہیں اس کے دارالحکومت کا نام جسے عربوں نے فتح کیا، اس وقت الفیل (ہاتھی) تھا۔ فاتحین نے یہ نام تبدیل کر کے المنصورہ کر دیا تھا۔ المنصورہ کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ جیحوں کے اس پار اس مقام کے بالمقابل واقع تھا جہاں بعدازاں جرجانیہ آباد ہوا۔ اسلامی فتوحات کے بعد زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ المنصرہ کو دریا کے سیلابوں نے تباہ کر دیا۔ جرجانیہ بہت جلد خوارم کا درجہ اول کا شہر بن گیا۔ بعد کے زمانے میں اس کا نام خوارزم پڑ گیا۔ 1219ء میں چنگیز خان کی سرکردگی میں تاتاریوں نے خوارزم کو غارت کیا جس سے شہر کی آسودگی سے تباہی میں بدل گئی۔ یاقوت کے مطابق جب تاتاری فوجیں چھوڑ کر گئیں تو وہاں سوائے لاشوں اور مکانوں کی ٹوٹی ہوئی دیواروں کچھ نہ بچا تھا۔ بہت جلد قدیم خوارزم کے کھنڈرات پر خوارزم نو تعمیر کیا گیا جس اس صوبہ کا دارالحکومت بن گیا۔ اس شہر پر ایک اور تباہی چودہویں صدی کے آخر میں ایک اور بڑی تباہی تیمور کی شکل میں آئی جس نے تین ماہ کے محاصرے کے بعد اس شہر کو بالکل تباہ کر دیا مگر اس نے اس شہر کو 1380ء میں دوبارہ تعمیر کروایا۔

Marfat.com

خیوہ:

خیوہ تاتاریوں کے حملے کے وقت ان کا مقابلہ کرنے والے اور ان کے ہاتھوں شہید ہونے والے شیخ حضرت نجم الدین کبریٰ کا مولد ہے۔ اس کا قدیم نام خیوک تھا، یاقوت نے اس کا تلفظ حیوہ لکھا تھا۔ یہ شہر غالباً کاث کی طرح ہی عہد قبل از اسلام میں آباد ہوا تھا۔ یاقوت کے زمانے میں خیوہ کے لوگ شافعی مسلک کے پیرو تھے۔ حالانکہ خوارزم کے دیگر مقامات پر حنفی مسلک کے لوگ آباد تھے۔ پہلوان عطا محمد (م 722ھ/ 1322ء) کو جس کے مقبرے کا ذکر ابو الغازی نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ آج بھی خیوہ کے ولی کا درجہ حاصل ہے۔ عرب محمد (1603ء...... 1623ء) کے عہد کے نصف آخر میں دارالسلطنت کے طور پر خیوہ کو شہرت ملی۔ قیاس ہے کہ دریا آمو کا بایاں معاون دریا خشک ہو گیا تو رفتہ رفتہ ارگنج غیر آباد ہوتا چلا گیا۔ 1645ء میں خیوہ سے تقریباً بیس میل شمال مشرق میں ایک نیا ارگنج بسایا گیا۔ پرانے تجارتی شہر کے باشندے نقل مکانی کر کے وہاں جا کر آباد ہو گئے بعد کے زمانے میں وزیر کا نیا شہر دریا کے بہاؤ کی جانب اس کے بائیں کنارے ہی پر آباد ہو گیا۔ پرانے دارالحکومت کاث کو بھی ترک کرنا تھا کیونکہ اس کو سیراب کرنے والی نہر سوکھ گئی تھی۔ خان انوشہ (1663ء...... 1687ء) نے موجودہ کاث کو جدید ارگنج سے بیس میل جانب جنوب دریا کے بائیں کنارے پر پھر سے تعمیر کیا۔ 1681ء میں اسی خان کے حکم پر شاہ آباد کی نہر نکالی گئی تھی۔ (مشہد کی فتح کے بعد اس خان نے شاہ کا لقب اختیار کر لیا تھا) روسی حکمران پیٹر اعظم نے خیوہ کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے کی کوشش کی، لیکن اسے کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ نادر شاہ نے 1740ء میں خیوہ کو فتح کر لیا مگر وہاں اس نے جس خان کو مسند نشین کیا وہ متمکن نہ رہ سکا۔

1770ء سے کچھ پہلے ترکمانوں کے متواتر حملوں سے خیوہ بالکل تباہ ہو گیا اور یہاں صرف چالیس خاندان باقی بچے تھے۔ 1770ء میں ایناق محمد امین نے ترکمانوں پر فتح پائی جس کی بدولت اس شہر اور ملک کو ایک بار پھر خوشحالی کا زمانہ دیکھنا نصیب ہوا۔ 1804ء میں اسی ایناق کے پوتے ایناق التوزر Iltuzer نے خان کا لقب اختیار کر لیا۔ جب وہ 1806ء میں برسات بخارا کے خلاف جنگ میں مارا گیا تو اس کے بھائی اور جانشین رحیم محمد (1806ء/ 1825ء)

Marfat.com

نے تھوڑے عرصے کے بعد ایک چنگیزی کو تخت پر بٹھادیا تھا مگر اسی سال خود خان کا لقب اختیار کر کے حکومت سنبھال لی۔ 1811ء میں علاقہ ارال کی فتح کے بعد خوارزم کی سیاسی وحدت بحال ہوگئی۔ مگر اب روسی اس کی تسخیر میں لگ گئے۔ 1840ء میں خیوہ کے خلاف ایک روسی مہم اگرچہ ناکام رہی مگر اسے روسیوں کے مطالبات ماننے پڑے۔ آخر 1873ء میں روسیوں نے خیوہ کو فتح کرلیا۔

ہزاراسپ:

یہ قدیم شہر خیوہ ہی کے عرض بلد پر واقع ہے۔ اس علاقے کا یہ بڑا مقام اسلامی فتوحات کے زمانے سے اب تک نہیں بدلا، چوتھی صدی کے مشہور سیاح المقدسی نے لکھا ہے کہ کہ ہزاراسپ وسعت کے اعتبار سے خیوہ کے برابر تھا۔ شہر کے دروازے چوبی تھے اور شہر کی فصیل کے گرد خندق تھی۔ یاقوت جو 616ھ/1219ء میں یہاں آیا تھا، لکھتا ہے کہ اس کی فصیل اور دمدمے مستحکم تھے اور شہر بڑا متمول تھا۔ اس میں عمدہ بازار تھے۔ ہزاراسپ نہروں سے قریب قریب ہر طرف سے گھرا ہوا تھا۔

خوارزم شاہ:

یہ لقب خوارزم کے فرمانرواؤں کا تھا اور عربوں کی فتح کے وقت بھی رائج تھا۔ اسلامی عہد میں بھی اس ملک کے بیشتر بادشاہ اور والی اسی لقب سے ملقب تھے، گو وہاں کے آخری حکمران خاندان کے بانی التواز خان (1809ء......1806ء) اپنے سکوں پر (جو کبھی رائج نہ ہو سکے تھے) اپنے آپ کو صرف ''وارث خوارزم شاہان'' ظاہر کرنے پر قناعت کی تھی۔ وسط ایشیا کا یہ واحد لقب ہے جس کا مفہوم زمانہ ما قبل اسلام سے لے کر زمانہ حال تک بحال رہا۔ اسلامی عہد سے پہلے کے خوارزم شہنشاہوں کے شجرہ نسب اور سلسلہ جانشینی کا واحد ماخذ البیرونی کی کتاب ''آثار الباقیہ'' ہے۔ خوارزم شاہی کا زوال ساتویں صدی ہجری/ تیرہویں صدی عیسوی میں چنگیز خان کے ہاتھوں ہوا۔ خوارزم شایان میں محمد خوارزم شاہ (1200ھ/1220ء) کے تعلقات چنگیز خان کے ساتھ خراب ہو جانے کے نتیجے میں خوارزم کی سلطنت تباہی سے دوچار ہوئی تھی۔

Marfat.com

فرغانہ

دریائے سیحوں Jaxartes کے علاقوں میں صوبہ فرغانہ بیسویں صدی کے پہلی دہائیوں تک بالعموم خانات جوقند کہلاتا تھا۔ روسی حکومت میں شامل کئے جانے کے بعد اس کا پرانا نام یعنی فرغانہ پھر رائج کر دیا گیا تھا۔ ارمنیٰ وسطیٰ میں اب صوبہ کا دارالحکومت اخسیکث تھا۔

سیر دریا (سیحوں ض کے وسط میں ایک وادی جو تقریباً 300 کلومیٹر لمبی اور 70 کلو میٹر چوڑی ہے۔ فرغانہ نام کا اطلاق خاص طور پر اس وادی پر ہوتا ہے۔

آٹھویں صدی کے آغاز میں فرغانہ کے بادشاہوں نے عرب فاتحین کا بڑا زبردست مقابلہ کیا۔ اس علاقے پر پہلا حملہ مشہور عرب فاتح قتیبہ بن مسلم کی سرکردگی میں 94ھ/713ء میں ہوا تھا۔ اس ملک کی مکمل فتح تقریباً ایک صدی میں ہوئی۔ 715ء میں قتیبہ نے فرغانہ میں اموی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے خلاف بغاوت کر دی تھی اور اپنے ہی سپاہیوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ الرشخی کے مطابق قتیبہ کا مقبرہ موضع کاخ میں تھا جبکہ جمال اقوشی کے بیان کے مطابق موضع کلینج میں۔ یہ دونوں ایک ہی نام معلوم ہوتے ہیں جو شاید کتابت کی غلطی کی وجہ سے مختلف ہو گئے تھے۔ آج کل بھی شیخ قتیبہ کا مقبرہ اندی جان کے قریب جلال قدق کی بستی میں بتایا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے قتیبہ کی شہادت کے بعد عربوں کو فرغانہ سے نکال دیا گیا تھا۔ لیکن مؤرخین نے عربوں کی شکست اور ان کے اخراج کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ ایک اور روایت جو سب سے پہلے اقرشی نے پیش کی تھی۔ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ خلافت میں محمد بن جریر نے جن کے ماتحت 2700 صحابہ کرامؓ اور تابعین تھے، فرغانہ میں سفید پلان یا اسفید بلان (کاسان کے نواح میں) کے مقام پر کفار سے جنگ کرتے ہوئے شہادت پائی تھی۔

نصر بن سیار، حاکم خراسان پہلا شخص تھا جو دوبارہ 739ء میں فرغانہ میں اپنا گورنر بھیجنے میں کامیاب ہو سکا، لیکن اس بار بھی عرب حکومت زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکی۔ الیعقوبی کے بیانات کے سے محسوس ہوتا ہے کہ فرمانروائے فرغانہ پسپا ہو کر کاشغر چلا آیا تھا۔ لیکن خلیفہ منصور عباسی کے عہد میں (754ء......775ء) میں اسے وہاں بھی شکست ہوئی اور اُسے مجبور ہو کر صلح

Marfat.com

کرنے کے لیے ایک بڑی رقم ادا کرنا پڑی۔

خلیفہ المہدی نے ایک فوج احمد بن اسد کے ماتحت فرغانہ پر چڑھائی کے لیے بھیجی۔ اس مہم کے سلسلے میں بھی کاسان کا ذکر ملتا ہے کہ وہ بادشاہ کا صدر مقام تھا جس نے اس وقفے کے دوران اپنا ملک واپس حاصل کر لیا تھا۔ بہر حال 819ء میں عباسی خلیفہ نے فرغانہ اور ماوراالنہر کے بعض حصوں کو آل سامان کو سونپ دیا۔ 839ء میں مؤرخین کے مطابق فرغانہ میں ایک زبردست زلزلہ آیا تھا عرب جغرافیہ دانوں نے سامانی عہد کے فرغانہ کا حال بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ المقدسی نے لکھا ہے کہ دارالحکومت اخکسیکث سے بڑا شہر قبا تھا۔ ابن حوقل کے زمانے تک یہ سارا ملک مسلمان ہو چکا تھا۔ قدیم زمانے میں بھی بائبل کے بعض واقعات کا محل وقوع کا سراغ فرغانہ میں لگایا جاتا تھا۔ چنانچہ یہاں حضرت ایوبؑ کے مقبرے کی نشاندہی کی جاتی تھی۔

ماوراء النہر کے دوسرے حصوں کی طرح فرغانہ کو بھی چوتھی صدی ہجری/ دسویں صدی عیسوی میں ترک ایلک خانوں یا قراخانیوں نے فتح کر لیا۔ اس خاندان کے بادشاہوں کے سکوں پر سامانی سکوں کی طرح اکثر دارالضرب کی بجائے ملک (فرغانہ) کا نام درج ہوتا تھا۔ 1089ء میں سلجوق سلطان ملک شاہ اورگند شہر میں داخل ہو گیا۔ 1141ء کی جنگ کے بعد ماورا النہر کے دوسرے ممالک کی طرح فرغانہ کو بھی قراختائی کے گورخان کی اطاعت قبول کرنا پڑی۔ ان فاتحین نے سابقہ ملکی نظم ونسق میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ پھر 1212ء میں محمد خوارزم شاہ نے ماوراء النہر کے دوسرے علاقوں کی طرح فرغانہ کے جنوبی حصے کو بھی فتح کر لیا۔ تاتاری عہد تسلط میں فرغانہ چغتائی خاندان کے مقبوضات میں شمار ہوتا تھا۔

بعد کے زمانے میں تیمور اور اس کا خانوادہ اکثر موجودہ چینی ترکستان کے فرمانرواؤں کے ساتھ فرغانہ پر قبضہ کرنے کے لیے لڑتا رہا، دوسری باتوں سے قطع نظر فرغانہ اور چینی ترکستان کے باہمی گہرے رابطے کا سراغ ملتا ہے۔ تیموری نسل کے ایک امیر عمر شیخ مرزا (873/1429......899ھ/1494ء) نے فرغانہ کی آزاد اور خودمختار ریاست پر حکومت کی۔ یاد رہے یہی بابر کا باپ تھا۔

بابر کے زمانے میں فرغانہ میں آٹھ شہر تھے جو خوقند کے علاوہ تھے۔ ان میں دو

Marfat.com

(اخسی...... جو بصورت اخسیکث بابر کو کتابوں اور کاسان) تو سیر دریا کے شمال میں تھے اور باقی اس کے جنوب میں بابر نے ان شہروں میں اندجان، اوش، مرغنیان اور اسفرہ کا حال توزک بابری میں بیان کیا ہے، لیکن جوقند کا بطور شہر کہیں نہیں کیا۔

فرغانہ دسویں صدی ہجری/سولھویں صدی عیسوی سے اوزبک سلطنت میں شامل تھا۔ بعض اوقات اندجان کا ذکر شیبانی خاندان کے چھوٹے حکمرانوں میں سے کسی ایک کے صدر مقام کے طور پر ملتا ہے۔ سترہویں صدی میں ملک کا بڑا حصہ فرغیز سلطانوں کے قبضے میں رہا اور ملک کا نام بھی فرغانہ سے اندجان ہو گیا۔

جب رسیوں نے 1876ء میں فرغانہ کی مسلم ریاست کا خاتمہ کیا تو اس وقت فرغانہ نام سے صرف وہی لوگ واقف تھے جنہوں نے ادب کی تعلیم پائی تھی۔ مثلاً عبدالکریم بخاری ہمیں بتاتا ہے کہ آج کے خوقند کی ریاست پہلے فرغانہ کے نام سے مشہور تھی۔ اس مؤرخ کے نزدیک فرخانہ نام کا اطلاق زیادہ تر اوش شہر پر ہوتا تھا۔

فرغانہ آج کل ازبکستان میں شامل ہے۔ جس کا دارالحکومت تاشقند ہے۔

اوش:

حضرت بختیار کا کیؒ اوشی کا آبائی شہر جو آج کل نو آزاد وسطی ایشیائی ریاست کرغیزستان کا ایک بڑا شہر۔ یہ شہر فرغانہ کے نام سے بھی موسوم تھا۔ وادی فرغانہ میں ایک ہزر سال سے ریشم کی پیداوار کے لیے مشہور تھا۔ آج کل اس شہر میں مشرقی اور روسی محلے الگ الگ موجود ہیں۔

اندجان:

فرغانہ کا ایک قصبہ شہر، بالائی سیر دریا کی بائیں جانب 40 درجہ، 43 دقیقہ عرض بلد شمالی اور 25 درجہ 72 دقیقے طول بلد مشرقی پر واقع ہے۔ چوتھی صدی ہجری/ دسویں صدی عیسوی میں یہ شہر، جو اس وقت اندکان یا اندگان کے نام سے مشہور تھا قرہ خانی فرمانرواؤں کے زیر نگیں تھا۔ گیارہویں صدی میں یہ سلجوق سلاطین کے ماتحت آ گیا۔ بارہویں صدی میں ہمیں اس کا ذکر فرغانہ کے مرکز کی حیثیت سے ملتا ہے۔

بظاہر ندجان کو تاتاریوں کی تاخت کے باعث اسے شدید نقصان پہنچا۔ یہاں تک کہ

Marfat.com

تیرہویں صدی کے آخر میں اسے چغتائی خانوں نے ازسرنو تعمیر کرایا۔ چودہویں اور پندرہویں صدی میں اندجان ریاست فرغانہ اور کاشغر کا تجارتی مرکز رہا۔ پندرہویں صدی میں یہ ریاست خوقند کا دارالسلطنت بن گیا۔ 1875ء میں اسے روسیوں نے فتح کرلیا۔ انقلاب روس کے بعد یہ شہر جمہوریہ ازبکستان کا حصہ بن گیا۔

مرغینان:

یا مرغیلان، فرغانہ کا ایک شہر، چوتھی ہجری/ دسویں صدی عیسوی تک اس شہر کی حیثیت معمولی تھی۔ بعد کی صدیوں میں اس شہر کو عروج حاصل ہوا۔ بابر اس شہر کی مختصر سی کیفیت لکھتا ہے۔ اس زمانے میں اس شہر کی آبادی سرت قوم کے لوگوں پر مشتمل تھی۔ جنہیں آج کل تاجیک کہتے ہیں۔

مرغینان پر روسیوں نے 8 تا 20 ستمبر 1875ء بلا مقابلہ قبضہ کرلیا۔ 1877ء میں مرغنیان جدید کو روسیوں نے فرغانہ کا دصر مقام قرار دیا۔ انقلاب روس کے بعد سے یہ شہر فرغانہ کہلایا۔ یہ جدید شہر مرغنیان سے سات میل کے فاصلے پر تعمیر کیا گیا تھا اور شروع میں اس کا نام سکو بلیو Skobelew کہلاتا تھا۔

مرغینان میں ایک عمارت جو یقیناً زیادہ قدیم نہیں اسکندر پاشا کے نام سے موسوم ہے اور اسکندر اعظم کی قبر بتائی جاتی ہے۔ کسی زمانے میں یہ شہر مشاہیر علماء اور فقہا کا مرکز رہا ہے۔ حنفی فقہا کے دو خاندانوں کو المرغینائی کہا جاتا ہے کہ ان کا مولا یہی شہر تھا۔

خوقند:

یہ بارہویں صدی ہجری/ اٹھارہویں صدی عیسوی میں ایک خودمختار ازبک سلطنت کا دارالحکومت تھا۔ اس ریاست کے پہلے حکمران شاہ رخ کی تخت نشینی کے بعد وہاں ایک قلعہ تعمیر ہوا تھا۔ جب یہ قلموق سلطنت تباہ ہوگئی اور سلطنت چین کی سرحد بڑھ کر فرغانہ تک پہنچ گئی (1758ء) تو یہاں کے حکمران کو بھی چین کی سیادت قبول کرنا پڑی۔ اس حکمران نے جس کا نام ایردانا تھا بعد ازاں احمد شاہ احمد ابدالی والئی افغانستان سے چین کے خلاف مدد طلب کی تھی۔ جب یہ سلطنت علاقہ فرغانہ کے نام سے روسی سلطنت میں شامل کردی گئی تھی تو روسی حکومت میں بھی خوقند کی حیثیت اس علاقے کے سب سے بڑے شہر اور اہم تجارتی مرکز کے طور پر بحال رہی۔

Marfat.com

چغانیاں

عربی تلفظ صغانیاں ہے۔ دریائے دخش کے مغرب اور دریائے جیحوں (آمو دریا) کے جنوب میں وہ علاقہ واقع ہے جسے عرب صغانیاں کہتے تھے اور جسے آج کل جدید فارسی زبان میں چغانیاں لکھا جاتا ہے۔ اس علاقے کے مشرقی حصے کو بالخصوص قبادیان کہتے ہیں۔ نام قبازیان اسی نام کے ایک شہر سے نکلا تھا یہ شہر اس دریا کے کنارے واقع تھا جو دریائے دخشاب کے مغرب میں پہلا دریا جیحوں میں گرا ہے۔

اس خطے کی آب و ہوا خوشگوار، پانی کے ذخیرے وافر، زمین عمدہ ہے۔ لہٰذا زراعت بھی اچھی تھی۔ تاہم یہاں کے کسان کاہل خیال کیے جاتے تھے۔ اس طرح چغانیاں میں فقیروں (درویشان) کی خاصی تعداد پائی جاتی تھی اور یہ رقبہ بھی کم آباد تھا۔ اس علاقے کے صدر مقام کا نام بھی چغانیاں ہی تھا۔ یہ ایک پہاڑی کے پہلو میں واقع تھا، جہاں بہتا ہوا پانی موجود رہتا تھا۔ اس شہر کو غالباً سراسیا بھی کہتے ہیں۔ اصطخری کے مطابق صغانیاں چوتھی صدی ہجری میں ترمذ سے بڑا شہر تھا۔ صغانیاں کی حفاظت کے لیے ایک قلعہ بھی موجود تھا۔ یہ شہر دریائے صغانیاں کے دونوں کناروں پر آباد تھا۔ المقدسی نے اسے فلسطین کے شہر رملہ سے مشابہ بتایا ہے اور لکھا ہے کہ یہاں کے بازار میں ایک بڑی جامع مسجد تھی۔ قرب و جوار میں جنگلی پرندے کثرت پائے جاتے تھے۔

تاریخ:

پانچویں اور چھٹی صدیوں چغانیاں ہیاطلہ کے اہم علاقوں میں شامل اور بدھ مذہب کے زیر اثر تھا۔ ساسانی عہد میں اس علاقے پر ایک مقامی خاندان، چغان خدات کے لقب سے حکمرانی کرتا تھا۔ 31ھ/651ء میں چغانیاں کی فوجوں نے حملہ آور عربوں کے خلاف یزدگرد سوم کی جنگ میں حصہ لیا۔ ان میں سے بعض جنگی قیدی 59ھ/678ء کے لگ بھگ بصرے

Marfat.com

میں پائے جاتے تھے۔ 86ھ/705ء میں چغان خدات نے قتیبہ بن مسلم کی اطاعت کر لی تھی جس نے ماوراالنہر کو فتح کر کے اسلامی حکومت میں شامل کر لیا تھا۔ اس طرح چغانیاں اسلامی علاقے کا ایک حصہ بن گیا اور اس نے سمرقند و بخارا کے بجائے بلخ سے اپنی ثقافت قبول کر لی۔

119ھ/737ء میں یہاں کے باشندے عربوں کی طرف سے ترکوں سے، ان کے حلیفوں سے اور صغد کے پناہ گزینوں سے لڑے تھے۔

ترمذ:

علاقہ صغانیاں کا سب سے بڑا شہر ترمذ ہے جو آمو دریا کے شمالی کنارے پر دریائے سرخان کے دہانے کے قریب آباد ہے۔ سمعانی نے لکھا ہے کہ خود اس شہر کے باشندے ترمذ کا تلفظ ''ترمیذ'' کرتے ہیں۔

چوتھی صدی ہجری/دسویں صدی عیسوی میں اس کی حفاظت کے لیے ایک بڑا قلعہ تھا جہاں احاکم صوبہ آیا کرتا تھا۔ شہر کے گرد بڑی آبادی تھی، شہر کے گرد اور پھر اس سے باہر والی آبادی کے گرد الگ الگ فصلیں تھیں۔ کچی اینٹوں سے تعمیر کردہ ایک جامع مسجد شہر کے بازار میں تھی، لیکن بازار کی اور عمارتیں پختہ اینٹوں کی تھیں۔ شہر کے تین دروازے تھے۔ مقدسی لکھتا ہے کہ یہ شہر خوب متحصن تھا۔ 1220ء میں تاتاریوں کی افواج نے جنوب کی طرف خراسان جاتے ہوئے اس شہر کو تاخت کیا اور لوٹا تھا۔ ابن بطوطہ تاتاری حملوں کے بعد اس شہر کی سیاحت کو چودہویں صدی عیسوی میں یہاں آیا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ ایک نیا شہر پرانے شہر کے کھنڈروں سے دو میل شمال میں وسعت میں پرانے شہر کے برابر آباد کیا گیا ہے۔ بہت جلد ہی نئے شہر کے گرد انگور کے باغات لگ گئے۔ محققین کے مطابق چوتھی صدی قبل از مسیح میں اپنی فتح باختر کے وقت شاید سکندر اعظم یہاں تک نہیں پہنچ سکا تھا۔ نہ ہی قدماء نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اگرچہ بعد کے زمانے میں اس شہر کی بنیاد رکھنے کا فسانہ سکندر اعظم سے منسوب کر دیا گیا تھا۔ بقول حافظ ابرو نہ صرف ترمذ بلکہ برداغوی بھی جو آمو دریا کے کنارے ہی واقع ہے سکندر ہی نے تعمیر کروایا تھا۔

اسلامی فتوحات کے زمانے میں یہاں بدھ مذہب کا دور دورہ تھا۔ اس میں بارہ بدھ

Marfat.com

مندر (خانقاہیں) اور ایک ہزار بھکشو موجود تھے۔ اس وقت ترمذ ایک بڑے حکمران کے ماتحت تھا جس کا لقب ترمذ شاہ تھا۔ 70ھ/689ء میں ترمذ کو موسیٰ بن عبداللہ بن خازم نے فتح کیا اور بعدازاں خلافت اسلامیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے یہاں پندرہ سال تک خودسرانہ حکومت کی۔ 704ء کے اواخر میں عثمان بن مسعود نے اس علاقے کو گورنر المفضل بن امامہب کے حکم پر اس شہر کو دوبارہ فتح کیا اور اسلامی حکومت کے حوالے کر دیا۔

چوتھی صدی ہجری/ دسویں صدی عیسوی میں یہاں کی مقدسی نے سیاحت کر کے لکھا ہے کہ ترمذ آمو دریا پر ایک اہم بندرگاہ تھی۔ یہاں کشتیاں بنا کرتی تھیں اور باہر بھیجی جاتی تھیں۔ ترمذ کے دو باشندوں نے اسلامی ادبیات میں بڑی شہرت حاصل کی ہے۔ یعنی مشہور مجموعہ احادیث کے جامع ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی (م 892ء) اور محدث اور صوفی ابوعبداللہ محمد بن علی، ترمذی (م 869ء) نے۔

Marfat.com

مکران سندھ

مکران تقریباً 59 درجے سے 65 درجے 35 دقیقہ طول البلد مشرقی اور ساحل کے اندر کی جانب سلسلہ کوہ سیاہان تک کوئی 27 درجے تک پھیلتا چلا گیا ہے۔ یہ بلوچستان (پاکستان) کا ساحلی علاقہ جسے یونانی گیڈروسیا Gedrosia کہتے تھے اور ان کے نزدیک اس علاقے میں ایک ماہی خور قوم (ایکتھوفیگی Icthiophagi) آباد تھی۔ ایرانی روایات کے مطابق کیخسرو، شاہ ایران نے یہ علاقہ افراسیاب شاہ توران سے فتح کیا تھا۔ کوروش اعظم اور ملکہ سمیرمس دونوں اس کے درمیان میں سے گزرتے تھے۔ 325 ق م میں ہندوستان سے واپس جاتے ہوئے سکندر اعظم نے اس علاقے کو عبور کیا، اس کے بعد یہ علاقہ ساسانیوں کے قبضے میں آ گیا، لیکن کبھی کبھار اس کا الحاق سندھ کی ہندو سلطنت سے بھی ہو جایا کرتا تھا۔ خلافت راشدہ کے زمانے میں جب اسلامی سرحدیں سرعت کے ساتھ وسیع ہوئیں تو اس علاقے کو عربوں نے اپنے حملوں کی زد میں لے لیا۔

عرب حملے:

سید سلیمان ندوی کے مطابق (عرب و ہند کے تعلقات) حضرت عمر کے زمانہ حکومت میں عرب جہازوں کے بیڑے کسی معقول ہندوستانی بندرگاہ پر قبضہ کے لیے ہندوستان کے سواحل پر منڈلانے لگے تھے۔ جہاں آج کا بارونق شہر بمبئی آباد ہے اسی کے قریب تھانہ کے مقام پر جواب بھی موجود ہے،

ایک چھوٹا سا بندر تھا۔ سب سے پہلے 15ھ/636ء میں اسی ہندوستانی بندرگاہ پر عربوں نے بحرین کے مسلمان گورنر کے حکم پر حملہ کیا تھا۔ اس کے بعد ہندوستان میں بھروچ (بروص) پر فوج کشی ہوئی اور اسی زمانے میں ایک عرب مغیرہ نامی نے دیبل پر جو سندھ کی بندرگاہ تھی اور موجودہ ٹھٹھہ اور کراچی کے قریب کہیں واقع تھی حملہ کیا تھا۔ اس کے چند برس بعد

Marfat.com

حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں ایک بحری فوجی دستہ ان بندرگاہوں کی دیکھ بھال کر کے واپس چلا گیا۔ عہد راشدہ میں حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں 39ھ/ 660ء میں ایک عرب سردار کہتے ہیں باقاعدہ ان اطراف کی نگرانی کرنے لگا۔ آخر وہ 42ھ/ 663ء میں مارا گیا تھا۔ 44ھ/ 665ء میں حضرت امیر معاویہؓ نے مہلب نامی سردار کو سندھ کی سرحدوں کا نگران بنا کر بھیجا تھا اور اس کے بعد عربوں کی حکومت میں یہ عہدہ مستقل قرار پایا۔ 86ھ/ 705ء میں سال تھا جب دمشق میں خلیفہ ولید بن بن عبدالملک مسند نشین ہوا اور اس کی طرف سے حجاج بن یوسف عراق، ایران ومکران وبلوچستان یعنی عرب حکومت کے مشرقی مقبوضات کا وائسرائے مقرر رہا۔ اسی کے زمانے میں لنکا سے آنے والے کچھ مسلمان تاجروں کے جہازوں کو دیبل کے قریب ہندو قزاقوں نے راجہ داہر (سندھ کا راجھض کے اشارے پر لوٹ لیا۔ حجاج بن یوسف نے جوابی کارروائی کرتے ہوئے پہلے راجہ کو لکھا کہ ان ڈاکوؤں کو ہمارے حوالے کرو اور مسلمان قیدیوں کو رہا کرو مگر راجہ نے جواب دیا کہ یہ بحری قزاقوں کا کام ہے جو ہمارے قبضہ میں نہیں ہیں۔ اسی دوران ایک یہ واقعہ بھی پیش آ گیا کہ مکران سے کچھ عرب مجرم اور باغی بھاگ کر سندھ میں پناہ گزین ہو گئے اور انہوں نے راجہ داہر کی ماتحتی میں ایک باغی مسلمان فوجی دستہ تیار کر لیا۔ اس واقعہ نے حجاج کو اور مشتعل کر دیا اور اس نے محمد بن قاسم کو شیراز سے مکران کے راستے سندھ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ محمد بن قاسم نے یہ حملہ 711ء میں کیا اور دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر پہلی مسلم نوآبادی قائم کر دی۔

سرزمین:

سمندر میں ملے ہوئے علاقہ مکران کی خشک اور بے آب وگیاہ زمینیں اپنی طبعی شکل میں درحقیقت صحراہی کی تطویل ہیں۔ لیکن یہ علاقہ کبھی سیاسی اعتبار اور ثروت بندی کی بناء پر کوئی اہم علاقہ نہیں تھا۔ البتہ سندھ ایک متمول اور متمدن صوبہ تھا۔

شہر:

ابتدائی زمانے کے عرب جغرافیہ دانوں نے بہت سے شہروں کے نام اس طرح بیان

Marfat.com

کیئے ہیں کہ گویا وہ مکران میں تھے، لیکن ان کے حالات بہت کم لکھے ہیں۔ مکران کا دارالحکومت فنز بور یا بنجبور تھا۔ یہ ملک کے اندرونی حصے میں اس جگہ واقع تھا جسے آج کل پنج گور کہتے ہیں۔ (پنج گور کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب مسلمانوں نے اس شہر کو فتح کیا تھا تو پانچ مسلم مجاہدین شہید ہو کر اس شہر میں مدفون ہوئے تھے جس کی وجہ سے اسے پنج گور یعنی پانچ قبروں والا کہلایا) اس صوبہ کا خاص تجارتی مرکز خلیج فارس کے کنارے تیز کی بندرگاہ تھی۔ المقدسی کے مطابق بنجبور میں ایک کچا قلعہ تھا جس کے گرد خندق تھی۔ اس شہر کے چاروں طرف نخلستان تھا۔ شہر کے دو دروازے بھی تھے۔ ان میں سے ایک باب تیز کہلاتا تھا اور دوسرا باب طوران اس کا رخ شمال مشرق کی طرف تھا اور اس دروازے سے وہ شاہراہ نکلتی تھی جو طوران کو جاتی تھی۔ علاقہ طوران کا صدر مقام قزدار تھا۔

یہاں کے لوگ جو وحشی بلوص (بلوچ) تھے محققین کے مطابق محض نام کے مسلمان تھے۔ ان کی زبانی بھی کرخت تھی۔

آج کل عالیشان بندرگاہ تیز کے شکستہ آثار اس گودی کے سرے پر نظر آتے ہیں جو ازمنی وسطیٰ میں چھوٹے بحری جہازوں کے قیام کے لیے عمدہ جگہ تھی۔ المقدسی نے لکھا ہے کہ شہر تیز کے گرد باغات، نخلستان میں واقع تھے اور شہر کے اندر بہت بڑے بڑے گودام یا انبار خانے تھے۔ یہاں ایک خوبصورت جامع مسجد بھی تھی۔

بھنبور:

مکران کے اور شہروں کے صرف نام ہی عرب جغرافیہ نویسوں نے لکھے تھے، حملات کچھ نہیں لکھے تھے۔ بمبور کے مشہور اور اس کے ہمسایہ شہر فہرج کے نام ہمیں المقدسی کی کتاب میں نظر آتے ہیں۔ بھنبور کو اس نے بربور اور فہرج کو فہرہ لکھا ہے۔ یاقوت نے فہرج کو فہرہ ہی لکھا ہے۔ ارمیلا اور قنبلی دو شہر تھے جو ساحل پر یا ساحل کے قریب تیز اور دیبل کے درمیان میں واقع تھے۔

دیبل:

دریائے سندھ کی سب سے مغربی شاخ کے مغربی کنارے پر واقع تھا۔ یہ ایک مشہور

Marfat.com

(بندرگاہ اور تجارتی مرکز تھا۔ یہاں سندھ کے راجہ داہر کی حکومت تھی۔ شہر میں ایک مشہور بت خانہ تھا۔ عرب یہاں اولاً عثمان ثقفی کی سرکردگی 664ء میں پہنچے تھے۔ 712ء میں راجہ داہر کے ظلم کے خلاف جو فوج کشی کی گئی وہ محمد بن قاسم کی سرکردگی میں اسی شہر پر ہوئی تھی۔ 893ء میں یہاں ایک شدید زلزلہ آیا جس سے اس شہر کی لاتعداد عمارتیں منہدم ہوگئی تھیں۔ اس شہر میں محمد بن قاسم نے برصغیر پاک و ہند کی اولین مسجد تعمیر کرائی تھی۔

المنصورہ:

مکران سے ملحق صوبہ سندھ کا دارالحکومت منصورہ تھا۔ جسے ہندوستان کے لوگ برہمن آباد کہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اسے ایران کے بادشاہ بہمن درازدست نے آباد کیا تھا۔ بعض کہتے ہیں یہ اس وقت آباد ہوا جب سندھ پر چچ برہمن کا راج تھا۔ یہ امر یقینی ہے کہ چچ نے الور یا اروڑ کو بالائی سندھ کا مرکز حکومت قرار دیا تھا۔ بعض محققین کے نزدیک عربوں کے آباد کردہ شہر منصورہ اور مدورہ برہمن آباد سے الگ شہر تھے۔ اس عہد میں دریائے سندھ برہمن آباد کے قریب سے گزرتا تھا۔ آج کل برہمن آباد منصورہ اور مدورہ کے صرف کھنڈرات دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔

دریائے سندھ:

دریائے سندھ کو عرب "نہر مہران" کہتے تھے۔ اس دریا کے کنارے پر بہت سے شہر آباد تھے۔ دریائے سندھ آج کل پاکستان کا شہرہ آفاق دریا ہے جس کے مختلف حصوں کے مختلف نام ہیں۔ بالکل ابتدائی حصے کو اباسین، وسطی حصے کو اٹک اور نیلاب اور آخری حصے کو سندھ یا مہران کہا جاتا ہے۔ یہ دریا تقریباً 1800 میل لمبا ہے۔ یہ ہمالیہ کے اس حصے سے نکلتا ہے جو تبت میں واقع ہے۔ پھر راستے میں پہاڑی ندی نالوں کا پانی اپنے اندر سمیٹتا ہوا یہ کشمیر سے ضلع ہزارہ کے میدانی علاقے میں پہنچتا ہے۔ یہاں دریائے کابل کے علاوہ مغربی جانب سے کرم، گومل، ٹوچی اور بولان اس میں مل جاتے ہیں۔ محسن کوٹ کے قریب پنجاب کے پانچ دریا (پنجند) اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ سندھ میں پہنچتا ہے۔ سندھ میں اس کا ڈیلٹا کم و بیش 125 میل لمبا اور ساحل کو گھیرے ہوئے ہے۔ ماضی قدیم میں بھی دریائے سندھ کے کناروں پر ہندوستان

Marfat.com

کی ایک بڑی تہذیب نے جنم لیا تھا جو وادی سندھ کی تہذیب موہنجوداڑو کی تہذیب کہلاتی ہے۔

دریائے سندھ کے ایک معاون دریا سنداود کے کنارے شمال میں عرب جغرافیہ دانوں نے ملتان کا بالخصوص ذکر کیا ہے۔ دریائے سندھ اور دریائے نیل کا مقابلہ الاصطخری نے ان کی بزرگی اور اہمیت کے لحاظ سے کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ہند کے اس دریا میں دریائے نیل کی طرح ہی مگرمچھ پائے جاتے ہیں۔ الاصطخری کے مطابق دریائے سندھ کے سرچشمے شمال کے بڑے پہاڑوں میں دریائے جیحوں کے منبع کے قرب واقع ہیں۔ وہ قوم جسے عرب الزط کہتے تھے سندھ کی ہی رہنے والی تھی۔ اہل ایران ان کو جت کہتے تھے۔ آج کل ان کی نسبت سمجھا جاتا ہے کہ یہ لوگ جپسی Gyasy قوم کے اسلاف تھے۔

طوران:

مکران کے شمال مشرق میں ہندوستان کی سرحد کے قریب عرب جغرافیہ دانوں نے دو علاقوں کا حال لکھا ہے۔ یعنی طوران جس کا دارالحکومت قصدار تھا اور بدھ جو طوران کے شمال میں واقع تھا۔ بدھ کا دارالحکومت قندبیل تھا۔

اسکلندہ:

موجودہ اچ کا نام ماضی میں اسکلندہ یا اسکندرہ تھا۔ بعض محققین کے مطابق اسے اسکندر اعظم نے دریائے سندھ اور دریائے چناب کے سنگم پر آباد کیا تھا۔ اس کے ایک طرف ریگستان ہے اور دوسری طرف چناب اور ستلج کا سنگم۔ اسکلن یا اُچ کو سب سے پہلے مشہور عرب فاتح محمد بن قاسم نے اپنی اندرون سندھ کی مہم کے (712ء) دوران فتح کیا تھا۔ کہتے ہیں دریائے سندھ اور چناب کا سنگم ڈیوڈ راس کے مطابق زمانہ تیمور اور اکبر تک اچ یا اسکلندہ کے بالمقابل تھا۔

سکہ:

قلعہ سکہ جو پہلی صدی ہجری میں ملتان کے قرب وجوار میں واقع تھا۔ حاکم ملتان نے (بج رائے یا بجہرا) نے عرب حملے کے خلاف سکہ کا کامیاب دفاع کیا تھا اور وہ سترہ دن تک مسلمانوں سے لڑتا رہا تھا۔ اس جنگ میں محمد بن قاسم کے دوسو پندرہ سپاہی پچیس افسر شہید ہوئے

Marfat.com

تھے۔ جب بج رائے مایوس ہو گیا تو ایک رات خاموشی کے ساتھ اہل سکہ کو چھوڑ کر ملتان چلا گیا اور عربوں نے سکہ کو فتح کر لیا۔ مسلمانوں کو اپنے افسر اور سپاہی مارے جانے کا بہت غم و غصہ تھا۔ انہوں نے اس غصہ میں شہر سکہ کو برباد کر دیا۔ البلاذری نے لکھا ہے کہ سکہ اس کے زمانے میں ویران تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے عہد تک سکہ کے کچھ آثار باقی تھے۔ اب تو اس علاقے کے لوگ بھی اس شہر کے نام سے بھی واقف نہیں رہے۔

ملتان:

مولتان یا ملتان، برصغیر میں زمانہ قبل از مسیح سے مسلسل آباد شہر۔ محققین نے لکھا ہے کہ جب 2545 ق م میں مہابھارت کی جنگ لڑی گئی تھی تو یہ شہر آباد تھا۔ ملتان میں از منی وسطیٰ میں سورج دیوتا کا ایک عظیم الشان بہت بڑا بت ایک مندر میں رکھا ہوا تھا۔ جس کی پرستش کے لیے پورے برصغیر پاک و ہند سے یاتری یہاں آتے تھے۔ آج ملتان شہر 74 درجے طول بلد مشرقی اور 31 درجے عرض البلد شمالی پر واقع ہے۔ پانچ دریاؤں کا سنگم (پنجند) اس کے قریب مغرب میں واقع ہے۔ سکندر اعظم نے جب ملتان پر حملہ کیا تھا تو دریائے راوی اس کے قریب میں بہتا تھا۔ یہ دریا گیارہویں صدی عیسوی تک شہر کے قریب سے گزرتا تھا۔ آج کل یہ شہر کے تیس میل شمال مغرب میں بہتا ہے۔

44ھ/ 664ء میں عرب جرنیل ابن مہلب انصاری ملتان تک پہنچ گیا تھا اور مسلمانوں نے مکران اور سجستان اسی سال فتح کئے تھے۔ مگر ملتان 713ء میں محمد بن قاسم کے ہاتھ پر فتح ہوا۔ جہاں اس مشہور مسلمان جرنیل نے پڑاؤ ڈالا تھا وہ جگہ آج بھی اس کے اعزاز میں قاسم بیلا (قاسم کا صحن) کہلاتی ہے۔ محمد بن قاسم نے ملتان کے محاصرے میں شہر پر سنگ باری کے لیے مشہور منجنیق عروس استعمال کی تھی۔ ملتان فتح کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے یہاں پہلی مسجد تعمیر کی تھی۔ بعد ازاں چوتھی صدی میں ملتان اسماعیلیوں کا گڑھ بن گیا تھا جسے محمود غزنوی کی فتح نے ختم کر دیا۔

(ختم شد)

Marfat.com

کتابیات

مصنف	کتابیات
پنجاب یونیورسٹی	اردو دائرہ المعارف الاسلامیہ
	تاریخ العرب قبل الاسلام
البلاذری	فتوح البلدان
الدینوری	الاخبار الاطوال
یعقوبی	تاریخ یعقوبی
طبری	تاریخ طبری
مفتی عبدالقیوم	تاریخ نجد و حجاز
یعقوبی	کتاب البلدان
المقدسی	کتاب الاقلیم، احسن التقاسیم
	الحدود العالم
نفیس اکیڈمی	سفرنامہ ابن بطوطہ
سنگ میل	سفرنامہ ابن جبیر
نفیس اکیڈمی	طبقات ابن سعد
ابن خردازبد	المسالک الممالک
ابن حوقل	المسالک الممالک
بشریٰ افضال عباسی	جغرافیائی معلومات
بشریٰ افضال عباسی	جنوبی ایشیا کا جغرافیہ
یاقوت	معجم البلدان
جی لی اسٹرینج	جغرافیہ خلافت مشرقی

Marfat.com

عالم اسلام	شیخ محمد حیات
تاریخ عرب	موسید سیدیو
سیرت حلبیہ	علامہ حلبی
صحابہ کے مکانات	ڈاکٹر محمد الیاس عبدالغنی
گنبد خضرا کے مکین	محمد معراج الاسلام
آثار مدینہ المنورہ	عبدالقدوس انصاری
وفیات الاعیان	احمد بن خلکان
وفا الوفا باخبار مصطفیٰ	نورالدین سمہودی
تاریخ مدینہ المنورہ	ڈاکٹر محمد الیاس عبدالغنی
ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ	ثروت صولت
اطلس قرآن	دارالسلام
ایک سو بڑے شہر	زاہد حسین انجم
جھوٹے نبی ابوالقاسم	دلاوری
اسلام سے پہلے	ڈی لیسی اولیری
خلفائے راشدین	شاہ معین الدین ندوی
تاریخ خلفاء	جلال الدین سیوطی
البدایہ والنہایہ	ابن کثیر
الفہرست	ابن ندیم
تاریخ وسطی ایشیا	شیخ محمد حیات
تاریخ بخارا	آرمینئس ویمبرے
تاریخ ملت	مفتی زین العابدین میرٹھی
تاریخ شام	

Marfat.com

انسائیکلوپیڈیا یا تاریخ عالم	جلد اول ولیم ایل لینگر
جدید دنیائے اسلام	نیوبک پیلس
انسائیکلوپیڈیا اقوام عالم	عبدالوحید
تاریخ مصر	ڈاکٹر زاہد علی
تاریخ المسعودی	المسعودی
المسالک والممالک	الاصطخری
تاریخ دمشق	ابن عساکر
تاریخ بغداد	الخطیب بغدادی
نزہت القلوب	حمداللہ مستوفی
جغرافیہ ایران	ایران
فتوح شام	
فتوح مصر	ابن عبدالحکم
عرب اور ہند کے تعلقات	سلیمان ندوی
عہد نبوی کا تاریخی جغرافیہ	ضیائے حدیث،
	دارالاسلام
کشف الظنون	حاجی خلیفہ
جہاں نما	حاجی خلیفہ
تاریخ الکامل	ابن الاثیر
کتاب صورۃ الارض	ابن حوقل ترجمہ
	J.H. Kramer
نقش ملتان	علامہ عتیق فکری
تاریخ سندھ	مولانا سید ابوظفر ندوی
تاریخ عالم	اخلاق احمد قادری
ملتان	

Marfat.com

خلافت راشدہ رضی اللہ عنہم
کا
تاریخی جغرافیہ
اخلاق احمد قادری
Seljuks
Sicily
Tunis
HAN EMPIRE
Baghd
MAMLUK EMP
Cairo
Maldive Islands
Sri Lanka
Sumatra
Mogodishu
Mombasa
Indonesia

Marfat.com